

فتاویٰ دارالعلوم زکریا

جلد چہارم

★ کتابُ الطلاق ★ کتابُ الايمان والندوة
★ کتابُ الحدود والقصاص ★ کتابُ الوقف

افادات

حضرت مولانا مفتی رضا الحق صاحب دارالافتاء

استاذ الحدیث و مفتی دارالعلوم زکریا، جنوبی افریقہ

زیر اہتمام

حضرت مولانا سید محمد صالح بنوری رحمہ اللہ

مہتمم دارالعلوم زکریا، لینیشیا، جنوبی افریقہ

تہذیب و تحقیق

محمد الیاس شیخ شہزاد

رفیق دارالافتاء دارالعلوم زکریا، جنوبی افریقہ

زمزم پبلشرز



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
فَاسْتَأْذِنُوا أَهْلَ الْبَيْتِ لِكَيْ لَا تَكُونَ مِنَ الْعَالَمِينَ

فتاویٰ دارالعلوم زکریا

جلد چہارم

کتاب الطلاق ، کتاب الايمان والشرک
کتاب الحدود والقصاص ، کتاب الوقف

افادات

حضرت مفتی رضا الحق صاحب مدظلہ
شیخ الحدیث و مفتی دارالعلوم زکریا، جنوبی افریقہ

زیر اہتمام

حضرت مولانا سبیر احمد سالوی مدظلہ
مہتمم دارالعلوم زکریا، لینیسیا، جنوبی افریقہ

تہذیب و تحقیق

محمد الیاس شیخ عفی عنہ
رفیق دارالافتادہ دارالعلوم زکریا، جنوبی افریقہ

ناشر

زمزم پبلشرز
نزد مقدس مسجد اردو بازار کراچی

مِلّی حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب کا نام — فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلد چہارم

تاریخ اشاعت — دسمبر ۲۰۱۰ء

صفحات — ۷۷۲

باہتمام — احکاماتِ زمزم پبلشرز

ناشر — زمزم پبلشرز کراچی

شاہ زیب سینٹرز و مقدس مسجد، اردو بازار کراچی

فون: 021-32729089

فکس: 021-32725673

ای میل: zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ: www.zamzampublishers.com

ملنے چکے پیگڑ پتے

❶ **Darul Uloom Zakaria**
P.O. Box 10786, Lenasia
1820 Gauteng
South Africa

❷ **Azhar Academy Ltd.**
54-68 Little Ilford Lane
Manor Park London E12 5QA
Phone: 020-8911-9797

❸ **ISLAMIC BOOK CENTRE**
119-121 Halliwell Road, Bolton B11 3NE
U.K.
Tel/Fax: 01204-389080

❹ مکتبہ بیت العلم، اردو بازار کراچی۔ فون: 32726509

❺ مکتبہ دارالہدیٰ، اردو بازار کراچی۔ فون: 32711814

❻ دارالاشاعت، اردو بازار کراچی

❼ قدیمی کتب خانہ بالمقابل آرام باغ کراچی

❽ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور

	بسم اللہ الرحمن الرحیم
	اجمالی فہرست
صفحہ نمبر	فہرست کتب و ابواب
	کتاب الطلاق
۴۱	باب..... (۱) طلاق واقع ہونے نہ ہونے کا بیان
۶۴	باب..... (۲) صریح الفاظ سے طلاق دینے کا بیان
۷۵	باب..... (۳) طلاق ثلاثہ کا بیان.....
۱۲۳	باب..... (۴) کنایات طلاق کا بیان.....
۱۵۷	باب..... (۵) طلاق بالکتابت کا بیان.....
۱۸۳	باب..... (۶) تفویض، توکیل اور تعلیق طلاق کا بیان
۲۰۹	باب..... (۷) سکران، مجنون اور مکرہ کی طلاق کا بیان...
۲۱۹	باب..... (۸، ۹، ۱۰) ظہار، ایلاء اور خلع کا بیان.....
۲۳۹	باب..... (۱۱) فسخ و تفریق کا بیان.....
۲۸۷	باب..... (۱۲) عدت کا بیان.....
۳۳۰	باب..... (۱۳) ثبوت نسب کا بیان.....
۳۴۶	باب..... (۱۴) حضانت کا بیان.....
۳۶۰	باب..... (۱۵) نفقہ اور سکنی کا بیان.....

۳۸۸ باب الرضاع:
۴۰۹ باب حقوق الزوجین:
	کتاب الأیمان والنذور
۴۴۴ باب (۱) ایمان کا بیان:
۴۶۹ باب (۲) نذر کا بیان:
۴۹۹ باب (۳) کفارہ یمین کا بیان:
	کتاب الحدود والقصاص
۵۰۹ باب (۱) حدود اور قصاص کا بیان:
۵۷۱ باب (۲) تعزیرات کا بیان:
۶۰۶ باب (۳) احکام الضمان:
	کتاب الوقف
۶۲۵ باب (۱) مطلق وقف کا بیان:
۶۵۹ باب (۲) ما يتعلق بالمساجد:
۷۳۷ باب (۳) ما يتعلق بالمدارس:

	بسم اللہ الرحمن الرحیم
	﴿فہرست عنوانات﴾
	فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلد چہارم
۳۴	مقدمہ:
۳۷	فتاویٰ دارالعلوم زکریا پر تعارف و تبصرے:
۳۹	دارالعلوم زکریا پر ایک طائرانہ نظر:
	کتاب الطلاق
	باب ﴿۱﴾
	طلاق واقع ہونے نہ ہونے کا بیان
۴۲	جھوٹا اقرار کرنے اور اس پر گواہ پیش کرنے سے وقوع طلاق کا حکم:
۴۳	کسی مصلحت سے بلا نیت طلاق کہہ دینے سے وقوع طلاق کا حکم:
۴۴	آئندہ طلاق دینے کے ارادہ سے وقوع طلاق کا حکم:

۴۵ صیغہ حال سے وقوع طلاق کا حکم:
۴۶ بحالت حمل طلاق دینے کا حکم:
۴۷ بغیر نسبت طلاق دینے سے وقوع طلاق کا حکم:
۴۸ ”سمجھ لینا کہ طلاق ہے“ کو طلاق مت سمجھو:
۴۹ ڈرامہ میں حکایہ طلاق دینے سے وقوع طلاق کا حکم:
۵۰ لفظ ”طاق“ سے وقوع طلاق کا حکم:
۵۰ اخرس کی طلاق کا حکم:
۵۲ ٹیلی فون پر طلاق دینے سے وقوع طلاق کا حکم:
۵۳ بذریعہ ایس ایم ایس (SMS) طلاق دینے کا حکم:
۵۵ متصلاً ان شاء اللہ کہنے سے وقوع طلاق کا حکم:
۵۵ سرّاً ان شاء اللہ کہنے سے وقوع طلاق کا حکم:
۵۷ شوہر کا منہ بند کر لینے سے وقوع طلاق کا حکم:
۵۸ والدین کے کہنے پر طلاق دینے کا حکم:
۶۰ امساک بالمعروف نہ کرنے پر طلاق کا حکم:
۶۲ بے جا اور بلا وجہ شرعی ہونے والی طلاق روکنے کی تدبیر:
<h2>باب ۲</h2>	
<h3>صریح الفاظ سے طلاق دینے کا بیان</h3>	
۶۵ تین طلاق دیکر تاکید کی نیت کرنے کا حکم:
۶۶ الفاظ صریحہ میں تاکید کی نیت کا حکم:
۶۷ خالی الذہن کی طلاق کا حکم:
۶۸ مذاق میں صریح الفاظ سے طلاق دینے کا حکم:

۶۹	طلاق کہکر زوج اول کی طلاق مراد لینے کا حکم:
۷۰	”أنت طالق واحدة في ثنتين“ کہنے کا حکم:
۷۱	ڈر کی وجہ سے لاعلمی میں تین مرتبہ ”أنت طالق“ کہنے کا حکم:
۷۲	تعداد میں شک ہونے سے طلاق کا حکم:
۷۲	”تجھے ایک دو تین طلاق“ کہنے کا حکم:
۷۳	”تین شرط پر طلاق“ کہنے کا حکم:
<p>باب ﴿۳﴾</p> <p>طلاق ثلاثہ کا بیان</p> <p>”رسالہ“</p> <p>جمع الاثبات فی حکم الطلقات الثلاث</p>	
۷۷	ایک مجلس میں ایک کلمہ سے تین طلاق واقع ہونے کا حکم:
۷۷	✽ کتاب اللہ سے دلائل:
۸۱	✽ احادیث سے دلائل:
۸۶	✽ آثارِ صحابہ سے دلائل:
۸۹	✽ اجماع امت سے دلائل:
۹۱	☆ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف مخالفت اجماع کی غلط نسبت:
۹۲	✽ مخالف دلائل پر ایک نظر:
۹۷	امام ابو داؤد کی تصحیح پر اشکال اور جواب:
۹۸	ابو داؤد کے رجال کی تحقیق:
۹۹	دوسری سند کی تحقیق:

۱۰۰	مسند احمد کی روایت کی تحقیق:.....
۱۰۳	طلاق، طلاق، طلاق سے طلاق ثلاثہ کا حکم:.....
۱۰۴	دو طلاق دیکر تین کہنے کا حکم:.....
۱۰۵	”ایک دی دودے رہا ہوں“ سے تین طلاق کا حکم:.....
۱۰۶	زوجہ کے مطالبہ پر شوہر نے کہا آپ کو مل گئی:.....
۱۰۷	مطالبہ پر تین مرتبہ (I talaaq you) کہنے کا حکم:.....
۱۰۸	دو طلاق کے بعد فسخ کرانے پر مغلطہ ہونے کا حکم:.....
۱۰۹	غصہ کی حالت میں تین طلاق کا حکم:.....
۱۱۰	بحالت غصہ سو طلاق دینے کا حکم:.....
۱۱۲	حالت حیض میں طلاق ثلاثہ کا حکم:.....
۱۱۳	طلاق ثلاثہ کے بعد شوہر کے منکر ہونے کا حکم:.....
۱۱۵	طلاق ثلاثہ میں مفتی کے فیصلہ پر قاضی کے فیصلہ کی ترجیح:.....
۱۱۶	فقہاء کی اصطلاح ”المرأة كالقاضي“ کی تحقیق:.....
۱۱۹	مطلقہ ثلاثہ کے مرتد ہونے سے سقوط حلالہ کا حکم:.....
۱۳۰	حلالہ میں دخول کی شرط ساقط کرنے کا حکم:.....
<p>باب ﴿۴﴾</p> <p>کنایات طلاق کا بیان</p>	
۱۲۴	”تمہارے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں“ کہنے کا حکم:.....
۱۲۵	”تو مجھ پر حرام ہے“ تین مرتبہ کہنے کا حکم:.....
۱۲۷	”تجھ کو چھوڑ دیا“ تین مرتبہ کہنے کا حکم:.....
۱۲۸	”طلاق دیتا ہوں... یہ حرف آخر ہے“ کہنے کا حکم:.....

۱۲۹ ”میری بیوی نہیں، گھر سے نکل جا“ ان الفاظ سے طلاق کا حکم:
۱۳۰ طلاقِ بائن کے بعد بدیتِ انشاء طلاقِ بائن کا حکم:
۱۳۲ It's all over (سب کچھ ختم) کہنے کا حکم:
۱۳۳ ”ہماری اسلامی شادی ختم ہو گئی“ کہنے کا حکم:
۱۳۵ ”دوسری جگہ شادی کرنے کی اجازت ہے“ کہنے کا حکم:
۱۳۶ ”تم ہمارے گھر سے چلی جاؤ“ کہنے کا حکم:
۱۳۷ ”نکل جا اپنی ماں کے گھر چلی جا“ کہنے کا حکم:
۱۳۸ ”نہ میں تیرا شوہر ہوں نہ تو میری بیوی ہے“ کہنے کا حکم:
۱۳۹ مذاکرۂ طلاق کا مطلب:
۱۴۰ ”سامان لیکر اپنے والدین کے گھر چلی جا“ کہنے کا حکم:
۱۴۱ ریٹائرڈ (Retired) کر دیا کہنے کا حکم:
۱۴۲ ”جاؤ تم آزاد ہو، آزاد کرتا ہوں“ کہنے کا حکم:
۱۴۳ ”تم چلی جاؤ“ سے تین طلاق کی نیت کرنے کا حکم:
۱۴۴ ”اپنا مطبخ لیکر چلی جاؤ“ کہنے سے طلاق کا حکم:
۱۴۵ ”نکاح کا رشتہ ٹوٹ گیا“ کہنے کا حکم:
۱۴۷ ”آخر جتک من نکاحی“ کہنے کا حکم:
۱۴۷ ”نکاح سالم نہیں رہا“ کہنے کا حکم:
۱۴۸ ”گھر سے نکل جاؤ“ بغیر نیتِ طلاق کہنے کا حکم:
۱۴۹ ”خدا کی قسم اس عورت کو کبھی نہیں رکھوں گا“ کہنے کا حکم:
۱۵۱ ”تو میری بیوی نہیں“ کہنے کا حکم:
۱۵۱ بیٹے کو طلاق کے بچے کہنے کا حکم:
۱۵۲ طلاقن کہنے سے طلاق کا حکم:
۱۵۳ ”تو میری بہن کے برابر ہے“ کہنے کا حکم:

۱۵۴ ”تم سب سے کہہ دو کہ طلاق دیدی“ کہنے کا حکم:
۱۵۵ ”والدہ کے گھر چلی جا، یہاں تک کہ عقل ٹھیک ہو جائے“ کہنے کا حکم:
۱۵۵ ”والدین کے گھر گئی تو تیسری“ کہنے کا حکم:
	باب ﴿۵﴾
	طلاق بالکتابت کا بیان
	”رسالہ“
	”الدلائل الباہرۃ فی تنفیذ کتابۃ الطلاق للزوجة الحاضرة“
۱۵۹ زوجہ کی موجودگی میں طلاق بالکتابت کا حکم:
۱۶۸ طلاق بالکتابت فی الحاضر کا ایک مسئلہ:
۱۷۱ غیر معتاد طریقہ پر طلاق بالکتابت کا حکم:
۱۷۲ بحبر واکراہ تحریری طلاق کا حکم:
۱۷۳ بحالت نشہ طلاق نامہ پر دستخط کروانے کا حکم:
۱۷۴ زبان سے کہے بغیر محض تحریری طلاق کا حکم:
۱۷۵ مولوی صاحب کے کہنے پر طلاق نامہ لکھنے کا حکم:
۱۷۷ طلاق نامہ پر دستخط کرنے سے طلاق کا حکم:
۱۷۸ طلاق نامہ بھیجنے کے بعد تصدیق کے لیے دوسرا خط بھیجنے کا حکم:
۱۷۹ میاں بیوی کے ایک معاہدے پر دستخط کرنے کا حکم:
۱۷۹ تحریری طلاق معلق کرنے کا حکم:
۱۸۱ شوہر خط کا منکر ہو تو طلاق کا حکم:

باب ﴿۶﴾

تفویض، توکیل اور تعلیق طلاق کا بیان

۱۸۴	تفویض طلاق کی ایک صورت:.....
۱۸۶	تفویض طلاق اور توکیل طلاق میں فرق:.....
۱۸۸	تفویض طلاق کے بعد رجوع کرنے کا حکم:.....
۱۸۸	تفویض طلاق کا مجلس تک محدود رہنے کا حکم:.....
۱۸۹	”پہلی طلاق شوہر کا حق دوسری بیوی کا حق اور تیسری شوہر کا حق“ کہنے کا حکم:.....
۱۹۱	”ان دخلت دار املك فانت طالق ثلاثاً“ سے تعلیق کا حکم:.....
۱۹۲	”اگر میں لینس گیا تو مجھ پر تین طلاق“ کہنے کا حکم:.....
۱۹۳	”مکان میں جاؤ تو واپس نہ آنا“ اس جملہ سے تعلیق کا حکم:.....
۱۹۴	”جب ہوا چلے گی تو تجھ کو طلاق“ سے تعلیق کا حکم:.....
۱۹۵	”فلان چیز دیکھو تو میری بیوی کو طلاق“ کہنے سے تعلیق کا حکم:.....
۱۹۶	”اگر وجہ بیان نہیں کرتی تو ایک طلاق کے ساتھ الگ ہو جا“ کہنے کا حکم:.....
۱۹۷	تعلیق اور تنجیز میں زوجین کے اختلاف کا حکم:.....
۱۹۸	”بیوی کی اجازت کے بغیر نکاح کروں تو طلاق“ کہنے کا حکم:.....
۱۹۹	تعلیق طلاق کی ایک صورت:.....
۱۹۹	”مجھے دوبارہ فون کر لے تو سمجھ لیجئے کہ طلاق“ کہنے کا حکم:.....
۲۰۱	”تقریر سنو تو میری بیوی کو طلاق“ کہنے کا حکم:.....
۲۰۲	”جب بھی میں شادی کروں تو میری بیوی کو طلاق“ کہنے کا حکم:.....
۲۰۳	تعلیق طلاق میں شافعی قاضی سے فیصلہ کرانے کا حکم:.....

باب ﴿۷﴾

سکران، مجنون اور مکرہ کی طلاق کا بیان

- ۲۱۰ بحالت نشہ وقوع طلاق کا حکم:
- ۲۱۳ حالت غصہ میں عقل زائل ہونے پر طلاق کا حکم:
- ۲۱۴ مسحور اور آسیب زدہ کی طلاق کا حکم:
- ۲۱۶ بحالت جبر و اکراہ وقوع طلاق کا حکم:
- ۲۱۷ پولیس کی دھمکی اکراہ میں داخل ہے:

باب ﴿۸، ۹، ۱۰﴾

ظہار، ایلاء اور خلع کا بیان

- ۲۲۰ شریعت مطہرہ میں ظہار کا صحیح مفہوم:
- ۲۲۱ ظہار کے ارکان و شرائط:
- ۲۲۳ مطلق ظہار کا حکم:
- ۲۲۴ ظہار کا حکم ختم ہونے یا باطل ہونے کا حکم:
- ۲۲۵ کفارہ ظہار کا حکم:
- ۲۲۵ ظہار میں عزت و احترام کی نیت کا حکم:
- ۲۲۶ ”تو میری ماں ہے“ کہنے سے ظہار یا طلاق کا حکم:
- ۲۲۹ ”تجھے رکھوں تو ماں بہن کو رکھوں“ کہنے کا حکم:

باب ﴿۹﴾

ایلاء کا بیان

۲۳۰	ایک سال تک عدم قربان کی قسم کھانے کا حکم:
۲۳۱	ہم بستری پر چار رکعت نماز کی قسم سے ایلاء کا حکم:
۲۳۲	شرعاً ایلاء متحقق ہونے کے لیے کچھ شرائط ہیں، ملاحظہ فرمائیں:
۲۳۳	ایلاء کی چند اقسام:
۲۳۳	ایلاء کے احکام:
۲۳۴	ایلاء سے رجوع کرنے کا حکم:
باب ۱۰ خلع کا بیان	
۲۳۶	شوہر کی رضامندی کے بغیر خلع کرنے کا حکم:
۲۳۷	شوہر کے ظلم کی بنا پر خلع کرنے کا حکم:
باب ۱۱ فسخ و تفریق کا بیان	
۲۴۰	شوہر کا نفقہ ادا نہ کرنے پر تفریق کا حکم:
۲۴۲	کورٹ میں غیر مسلم جج کا فیصلہ معتبر نہیں:
۲۴۳	شوہر کے طویل عرصہ قید ہونے کی وجہ سے تفریق کا حکم:
۲۴۶	شوہر کے مجنون ہونے کی وجہ سے فسخ نکاح کا حکم:
۲۴۷	مرض ایڈس (Aids) کی وجہ سے فسخ نکاح کا حکم:
۲۵۰	تعدیہ امراض اور احادیث میں تطبیق:
۲۵۲	زوجین میں شقاق کی وجہ سے فسخ و تفریق کا حکم:
۲۵۷	مارپیٹ اور زوجہ کی تحقیر پر فسخ و تفریق کا حکم:

۲۶۱ شیعہ شوہر کے چھوڑ کر چلے جانے پر فسخ نکاح کا حکم:
۲۶۲ شوہر کا مدت طویلہ تک خبر گیری نہ کرنے پر فسخ نکاح کا حکم:
۲۶۳ دائم المرض کی زوجہ کے لیے فسخ نکاح کا حکم:
۲۶۴ جنگ میں مفقود الخمر کی بیوی کا حکم:
۲۶۶ شوہر کے اکثر غائب رہنے کی وجہ سے فسخ نکاح کا حکم:
۲۶۷ اجنبی عورت کے ساتھ ناجائز تعلقات کی بنا پر فسخ کا حکم:
۲۶۸ ایک مولوی صاحب کے تفریق کرنے پر فسخ کا حکم:
۲۷۰ مرتد ہونے سے فسخ نکاح کا حکم:
۲۷۲ غیر مسلم حج کے تفریق کرنے سے فسخ نکاح کا حکم:
۲۷۳ غیر مسلم عدالتوں میں فسخ کی متبادل صورتیں:
۲۷۵ ”ہاں غیر مسلم حج کو وکیل بنادے پھر وہ طلاق کا فیصلہ کر دے تو نافذ ہو جائے گا“:
۲۷۶ وقوع طلاق کی دوسری صورت:
۲۷۸ ﴿اختیار نامہ﴾
۲۷۹ ﴿اقرار نامہ﴾
۲۸۰ AGREEMENT:
<h2>فصل دوم</h2> <h3>فسخ و تفریق کے بنیادی اصول کا بیان</h3>	
۲۸۱ فسخ و تفریق کا مفہوم اور عورت کو رشتہ نکاح ختم کرنے کا اختیار:
۲۸۳ شرائط قضاء اور جماعت مسلمین یا جمعیت العلماء کے احکام:
۲۸۳ منصب قضاء سے متعلق وضاحت:

۲۸۳	قاضی کی کچھ صفات کا بیان:
۲۸۵	جماعتِ مسلمین کی شرائط:
۲۸۶	حکمین کی شرائط:
	باب ﴿۱۲﴾
	عدت کا بیان
	فصل اول
	عدت گزارنے کے احکام
۲۸۸	❖ شریعتِ مطہرہ میں عدت کا صحیح:
۲۸۸	❖ وجوبِ عدت کے شرائط:
۲۸۹	❖ مدتِ عدت:
۲۸۹	❖ عدت کی ابتداء:
۲۹۱	نابالغ شوہر کی خلوت سے عدت کا حکم:
۲۹۱	نامرد کی خلوت سے وجوبِ عدت کا حکم:
۲۹۲	حائضہ کے ساتھ ایک شب گزار کر طلاق دینے سے عدت کا حکم:
۲۹۳	عورت کے ناقابلِ جماع ہونے سے عدت کا حکم:
۲۹۴	شوہر کے مرتد ہونے سے وجوبِ عدت کا حکم:
۲۹۵	غلط فہمی میں صحبت کرنے سے وجوبِ عدت کا حکم:
۲۹۶	نابالغہ پر وجوبِ عدت کا حکم:
۲۹۶	معتدہ کے ساتھ وطی بالشبہ سے نئی عدت کا حکم:
۲۹۷	رخصتی سے پہلے طلاق ہونے پر عدت کا حکم:

۲۹۹	صغیرہ قابل جماع نہ ہو تو عدت کا حکم:
۳۰۰	غیر مسلمہ پر عدت و فوات کا حکم:
۳۰۱	نومسلمہ پر عدت و فوات کا حکم:
۳۰۲	طلاق سنت میں عدت گزارنے کا طریقہ:
۳۰۲	مطلقاً مہینوں سے تعیین عدت کا حکم:
۳۰۳	❖ قرآن و حدیث سے چند دلائل:
۳۰۶	ممتدة الطہر کی عدت کا طریقہ:
۳۰۸	رخصتی سے قبل شوہر کی وفات پر عدت کا حکم:
۳۰۹	مدت عدت ختم ہونے کے بعد وفات کی خبر ملنے پر عدت کا حکم:
۳۱۰	عدت طلاق کے دوران عدت و فوات کا حکم:
۳۱۱	حاملہ کے پیٹ میں بچہ مرجانے سے عدت کا حکم:
۳۱۲	حمل خشک ہونے سے عدت کا حکم:
۳۱۳	اسقاط حمل سے عدت ختم ہونے کا حکم:
۳۱۴	دو سال کی جدائیگی کے بعد طلاق ہونے پر عدت کا حکم:
۳۱۵	وجوب عدت کی حکمت:
۳۱۶	اشکال و جواب:
فصل دوم		
سوگ منانے کا بیان		
۳۱۷	دوران عدت سردھونے، نہانے اور تیل لگانے کا حکم:
۳۱۸	دوران عدت جائز امور کا بیان:
۳۲۰	دوران عدت ناجائز امور کا بیان:

۳۲۲ معتدہ کا والدین کے انتقال پر گھر سے نکلنے کا حکم:
۳۲۵ بوڑھی عورت کے لیے بیٹے کے گھر عدت گزارنے کا حکم:
۳۲۶ عدت میں میاں بیوی کے ساتھ رہنے کا حکم:
۳۲۷ طلاق ثلاثہ کے بعد ساتھ رہنے کا حکم:
۳۲۸ دورانِ عدت نکاح کا حکم:
<p>باب ﴿۱۳﴾</p> <p>ثبوتِ نسب کا بیان</p>	
۳۳۱ زانیہ سے نکاح کے بعد ثبوتِ نسب کا حکم:
۳۳۲ ہندو عورت سے نکاح کرنے پر بچے کے نسب کا حکم:
۳۳۳ ثبوتِ نسب کے بارے چند اصول کی وضاحت:
۳۳۵ طویل عرصہ جدائی کے بعد بچہ پیدا ہونے پر ثبوتِ نسب کا حکم:
۳۳۷ گم شدہ عورت کی اولاد کے نسب کا حکم:
۳۳۷ ٹسٹ ٹیوب پیہی کے نسب کا حکم:
۳۳۹ اشکالات اور ان کے جوابات:
۳۳۹ جلق کی ممانعت کی اصل حکمت:
۳۴۱ ثبوتِ نسب کا حکم:
۳۴۱ تیسری صورت کا حکم:
۳۴۲ اجنبی کے مادہ سے تولید عمل میں آنے پر بچے کے نسب کا حکم:
۳۴۴ زوجین کا مادہ منویہ کا اجنبیہ کے رحم میں نشوونما پانے سے نسب کا حکم:

باب ﴿۱۴﴾

حضانہ کا بیان

- ۳۴۷ پرورش کی پہلی حقدار ماں ہے:
- ۳۴۷ ☆ ماں کے بعد پرورش کی حقدار کی ترتیب:
- ۳۴۸ ☆ پرورش کی شرائط:
- ۳۴۸ ☆ بچے کی پرورش کی مدت:
- ۳۴۸ ☆ پرورش کے ساتھ تعلیم و تربیت کی اہمیت:
- ۳۴۹ لڑکا سات سال کے بعد والد کے پاس رہیگا:
- ۳۵۱ والد کے روزانہ ملاقات کرنے اور ملاقات کا موقع نہ دینے کا حکم:
- ۳۵۳ سات سال کے بعد اختیار دینے کا حکم:
- ۳۵۴ حق حضانہ میں نانی پھوپھی پر مقدم ہے:
- ۳۵۴ نانی کی موجودگی میں دادا، دادی حقدار نہیں:
- ۳۵۶ مدت حضانہ کے بعد ماں کے پاس رکھنے کا حکم:
- ۳۵۷ بچہ ماں کی پرورش میں ہو تو مناسب جگہ نکاح کرانے کا حکم:
- ۳۵۸ لڑکے کو فون کرنے اور چھٹی میں لے جانے کا حکم:

باب ﴿۱۵﴾

نفقہ اور سکنی کا بیان

- ۳۶۱ مطلقہ بائنے کے میکے میں عدت گزارنے پر نفقہ کا حکم:
- ۳۶۲ نفقہ سے متعلق ضروری وضاحت:
- ۳۶۲ نفقہ کی حقیقت:

۳۶۳ وجوب نفقہ کے اسباب:
۳۶۴ چھ سالہ بچہ کا نفقہ والد پر واجب ہونے کا حکم:
۳۶۶ مطلقہ حاملہ ناشزہ کے نفقہ و سکنی کا حکم:
۳۶۷ میڈیکل وغیرہ شوہر کے ذمہ ہونے کا حکم:
۳۷۰ تفریق کے بعد چھ سات سالہ بچہ کا حکم:
۳۷۱ بچہ ملنے کا امکان نہ ہو تو نفقہ کا حکم:
۳۷۳ بالغ لڑکی ماں کے ساتھ رہنے پر مصر ہو تو نفقہ کا حکم:
۳۷۴ لڑکے کی شادی کے بعد گھر دینے کا حکم:
۳۷۵ بیوی کی تمام ضروریات پورا کرنے کا حکم:
۳۷۷ متاع البیت کا حکم:
۳۷۹ عصری تعلیم کے لئے مفقود کے مال سے نفقہ کا حکم:
۳۸۰ بوڑھے محتاج والد کا نفقہ اولاد کے ذمہ ہونے کا حکم:
۳۸۲ معذور فقیر بھائی کا نفقہ بہنوں کے ذمہ ہونے کا حکم:
۳۸۳ والد اور اولاد کی موجودگی میں نفقہ کا حکم:
۳۸۵ بالغ اولاد کا نفقہ والد کے ذمہ ہونے کا حکم:
۳۸۶ غیر مسلم والدین کے نفقہ کا حکم:
۳۸۷ والدین کا مرتد لڑکے سے نفقہ قبول کرنے کا حکم:
باب الرضاع	
۳۸۹ مطلق رضاعت سے حرمت کا ثبوت اور خمس رضاعات کی تحقیق:
۳۹۳ اشکال و جواب:
۳۹۵ نانی کا دودھ پینے سے خالہ کی لڑکی سے ثبوت رضاعت کا حکم:

۳۹۶	قبل النکاح دودھ پلانے سے ثبوت رضاعت کا حکم:
۳۹۶	رضاعی بیٹے کی بہن سے جواز نکاح کا حکم:
۳۹۷	دو سال سے ماہ بعد شیر خوردنی سے ثبوت نسب کا حکم:
۳۹۹	رضاعی بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کا حکم:
۴۰۰	زوجہ کا دودھ چوسنے سے ثبوت رضاعت کا حکم:
۴۰۲	بانجھ پن میں دودھ اترنے سے ثبوت رضاعت کا حکم:
۴۰۳	دوا اور انجکشن کے ذریعہ دودھ پیدا ہو تو ثبوت رضاعت کا حکم:
۴۰۵	مخلوط دودھ سے ثبوت رضاعت کا حکم:
۴۰۷	خون دینے سے حرمت رضاعت کا حکم:
۴۰۸	غیر فطری طریقہ پر دودھ دینے سے ثبوت حرمت کا حکم:
باب حقوق الزوجین	
۴۱۰	زوجین کے آپس میں ایک دوسرے کے حقوق کی تفصیل:
۴۱۰	مختصر اُمردوں کے حقوق:
۴۱۱	عورتوں کے حقوق مختصراً:
۴۱۱	دونوں کے درمیان مشترکہ حقوق:
۴۱۲	عورت کے ذمہ گھریلو کام کاج کا حکم:
۴۱۶	وضع حمل کے اخراجات شوہر کے ذمہ ہونے کا حکم:
۴۱۷	بیوی کی مرضی کے بغیر دوسری جگہ قیام کرنے کا حکم:
۴۱۹	بیوی کا والدین کی زیارت کے لئے جانے کا حکم:
۴۲۰	غیر مسلم والدین کی زیارت کے لئے نکلنے کا حکم:
۴۲۱	محارم کی زیارت کے لئے جانے کا حکم:

۴۲۲ میاں بیوی کے لئے الگ بستر کا حکم:
۴۲۶ شوہر کے سامنے برہنہ ہونے کا حکم:
۴۲۸ میاں بیوی کا آپس میں مخصوص عضو کو دیکھنے کا حکم:
۴۲۹ وظیفہ زوجیت ادا کرتے وقت بات چیت کرنے کا حکم:
۴۳۰ عضو تناسل کو منہ میں لینے کا حکم:
۴۳۱ ملاعبت میں انگشت استعمال کرنے کا حکم:
۴۳۱ عورت سے استمناء بالید کرانے کا حکم:
۴۳۲ شوہر کی خوشنودی کے لئے پستان کو بڑا کرنا:
۴۳۴ شوہر کی اجازت کے بغیر صدقہ کرنا:
۴۳۵ دو بیویوں کے درمیان برابری کرنے کا حکم:
۴۳۷ شوہر کا شرعی حجاب سے مانع بننے کا حکم:
۴۳۷ بیوی کو چھوڑ کر سال میں جانے کا حکم:
۴۳۹ جنسی خواہش کی تکمیل کے لئے مصنوعی آلات کے استعمال کا حکم:
۴۴۰ متعدد شوہروالی خاتون جنت میں کس کو ملے گی؟
۴۴۲ زوجین کا ایک دوسرے کو نام سے پکارنے کا حکم:
<h2>کتاب الایمان والنذور</h2> <h3>باب ۱</h3> <h3>ایمان کا بیان</h3>	
۴۴۵ غیر اللہ کی قسم کھانے کا حکم اور ”أفلح وأبیه“ کا جواب:
۴۴۶ دونوں روایتوں میں تطبیق:

۴۴۹	قسم دینے سے قسم منعقد ہونے کا حکم:
۴۵۱	ترک فعل بد پر قسم کھانے کا حکم:
۴۵۲	قرآن کریم کی قسم کھانے کا حکم:
۴۵۴	یمنین فور کا حکم:
۴۵۵	تحریم الحلال سے قسم کا حکم:
۴۵۵	کافر یا یہودی ہونے کی قسم کھانے کا حکم:
۴۵۶	بطور تکیہ کلام واللہ باللہ تاللہ کہنے کا حکم:
۴۶۰	واللہ میں فلاں عالم کی تقریر نہیں سنوں گا کہنے سے قسم کا حکم:
۴۶۰	”آپ کے گھر آیا تو خنزیر“ کہنے سے قسم کا حکم:
۴۶۱	گھر میں قدم نہ رکھنے کی قسم کھانے کا حکم:
۴۶۲	کسی شئی کی طرف اشارہ کر کے قسم کھانے کا حکم:
۴۶۳	خانہ کعبہ کی قسم کھانے کا حکم:
۴۶۳	”لا الہ الا اللہ“ سے قسم کھانے کا حکم:
۴۶۴	کعبہ پر غلاف چڑھانے کی قسم کھانے کا حکم:
۴۶۵	”اليمين على نية المستحلف“ کا مطلب:
۴۶۷	قسم میں تعین زمانہ کا حکم:
باب ﴿۲﴾ نذر کا بیان	
۴۷۰	نذر منعقد ہونے کے لئے تلفظ ضروری ہے:
۴۷۱	کسی معین شئی کی نذر میں اس کے خلاف کرنے کا حکم:

۴۷۲	نذر ذبح منعقد ہونے کا حکم:
۴۷۳	دو گانہ نفل کی منت کا حکم:
۴۷۴	روزانہ ایک ہزار مرتبہ درود پڑھنے کی نذر کا حکم:
۴۷۵	نذر بالمعصیۃ کا حکم:
۴۷۹	ایک اشکال اور جواب:
۴۸۰	نذر بالمعصیۃ لعینہ پر ایک شبہ کا ازالہ:
۴۸۱	نذر میں اغنیاء اور فقراء کو شامل کرنے سے نذر کا حکم:
۴۸۲	نذر میں لفظ اللہ ذکر کرنے کا حکم:
۴۸۴	حج کرانے یا چلہ میں بھیجنے کی نذر کا حکم:
۴۸۵	نذر معین غیر معلق میں تعیین کا حکم:
۴۸۶	نذر معین معلق میں تعیین کا حکم:
۴۸۷	صوم الدہر کی نذر کی تحقیق:
۴۸۸	نذر اطعام میں قیمت صدقہ کرنے کا حکم:
۴۸۹	تجارت میں ترقی کی نذر کا حکم:
۴۹۱	اولاد کی نذر میں ولد الزنا کا حکم:
۴۹۱	نذر ذبح مع تقسیم لحم کی منت میں تصدق بالقیمۃ کا حکم:
۴۹۳	نذر ذبح میں مقصود اراقۃ الدم کی واضح نظیر:
۴۹۳	توبہ توڑنے پر صدقہ کی نذر کا حکم:
۴۹۴	مطلق صدقہ کی نذر کا حکم:
۴۹۵	مدرسہ بنانے کی نذر کا حکم:
۴۹۵	ذکر اللہ کی نذر کا حکم:

۴۹۷	خانہ کعبہ کے لیے تیل لے جانے کی منت کا حکم:.....
۴۹۷	طلباء پر خرچ کرنے کی نذر کا حکم:.....
	باب ﴿۳﴾
	کفارہ یمین کا بیان
۵۰۰	کفارہ یمین میں روزے کا حکم:.....
۵۰۱	طعام کفارہ مدرسہ کے طلباء کو کھلانے کا حکم:.....
۵۰۲	ایک مسکین کو متعدد فدیے دینے کا حکم:.....
۵۰۳	تداخل کفارات کا حکم:.....
۵۰۴	روزے کی نذر میں فدیہ دینے کا حکم:.....
۵۰۶	نذر صوم میں بوقتِ عجز فدیہ دینے کا حکم:.....
۵۰۷	تداخل کفارہ کی ایک صورت:.....
	کتاب الحدود والقصاص
	﴿رسالہ﴾
	البراہین الرفیعة لإثبات الرجم فی الشریعة
۵۱۰	رجم کا ثبوت اور اس پر ہونے والے اعتراضات کا جواب:.....
۵۱۰	قرآن کریم سے رجم کا ثبوت:.....
۵۱۲	اشکال اور جواب:.....
۵۱۲	احادیث مبارکہ سے رجم کا ثبوت:.....
۵۱۶	اجماع صحابہ اور اجماع امت سے رجم کا ثبوت:.....
۵۱۹	رجم کا انکار موجب ضلال ہے:.....

۵۲۰	اشکالات کے جوابات:
۵۲۰	اشکال (۱) اور اس کے جوابات:
۵۲۱	اشکال (۲) اور اس کا جواب:
۵۲۳	اشکال (۳) اور اس کا جواب:
۵۲۵	اشکال (۴) اور اس کا جواب:
۵۲۷	اشکال (۵) اور اس کا جواب:
۵۲۹	اشکال (۶) اور اس کا جواب:
۵۳۰	اشکال (۷) اور اس کا جواب:
۵۳۲	کوڑوں کا متحمل نہ ہو تو حیلہ کا حکم:
۵۳۳	قرآنِ محضہ سے ثبوتِ حد کا حکم:
۵۳۴	اخرس کی شہادت سے ثبوتِ زنا کا حکم:
۵۳۵	اجارہ سے سقوط حد کا حکم:
۵۳۸	پاگل عورت سے زنا پر حد اور ”لولا علی لہلک عمر“ کی مزید تحقیق:
۵۴۰	بعد السرقة مال ہبہ کرنے سے سقوط حد کا حکم:
۵۴۰	موجودہ دور میں شرابِ خمر کا حکم:
۵۴۴	زہر دیکر قتل کرنے پر قصاص کا حکم:
۵۴۵	دوسرا قول:
۵۴۵	سحر کے ذریعہ قتل کرنے پر قصاص کا حکم:
۵۴۶	غیر مسلم ملک میں کسی مسلمان کو قتل کرنے پر کفارہ کا حکم:
۵۴۷	بادشاہ یا حکومتِ وقت کے مجبور کرنے پر قتل کا حکم:
۵۴۸	قتل کے یقین یا ظن غالب پر قتل کرنے کا حکم:

۵۴۹	قتل خدا میں دیت کا حکم:.....
۵۵۰	عصر حاضر میں عاقلہ کی تعیین:.....
۵۵۲	تغریق کا حکم:.....
۵۵۳	یوٹھینیز یا (EUTHANASIA) کا حکم:.....
۵۵۳	یوٹھینیز یا (EUTHANASIA) کا مختصر تعارف:.....
۵۵۳	یوٹھینیز یا (EUTHANASIA) کی اقسام:.....
۵۵۴	یوٹھینیز یا کا حکم:.....
۵۵۶	یوٹھینیز یا (EUTHANASIA) کی دوسری صورت کا حکم:.....
۵۵۸	سائنسی تحقیقات سے حدود و قصاص کا حکم:.....
۵۵۹	فورنسک سائنس (Forensic, science) کا حکم:.....
۵۶۱	حرمت خمر پر شبہات:.....
۵۶۲	حرمت خمر پر چند شبہات اور ان کے جوابات:.....
۵۶۲	پہلا شبہ اور اس کا جواب:.....
۵۶۲	(۲) تحقیقی جواب:.....
۵۶۵	دوسرا شبہ اور اس کا جواب:.....
۵۶۶	تیسرا شبہ اور اس کا جواب:.....
۵۶۷	چوتھا شبہ اور اس کا جواب:.....
۵۶۸	شراب کی اقسام اور ان کے احکام:.....
۵۶۹	وطی بالہیمہ کا حکم:.....

باب ﴿۲﴾

تعزیرات کا بیان

﴿رسالہ﴾

تَنْقِيحُ الْمَقَالِ فِي حُكْمِ التَّعْزِيرِ بِالْمَالِ

۵۷۳ شریعتِ مطہرہ میں تعزیر بالمال کا حکم:
۵۷۴ ﴿ تعزیر بالمال کے دلائل ملاحظہ فرمائیں:
۵۷۴ ☆ احادیث سے تعزیر بالمال کا ثبوت:
۵۷۵ ☆ فقہی عبارات سے تعزیر بالمال کا ثبوت:
۵۷۹ ☆ عدم جواز والوں کے دلائل پر ایک نظر:
۵۸۰ ☆ دلائل کے جوابات:
۵۸۰ پہلی دلیل کا جواب:
۵۸۱ دوسری دلیل کا جواب:
۵۸۱ تیسری دلیل کا جواب:
۵۸۲ تعزیر کی دوسری صورت تعزیر ہا ہلاک المال کا حکم:
۵۸۳ ☆ تعزیر ہا ہلاک المال کے دلائل:
۵۸۴ ☆ احادیث مبارکہ سے دلائل:
۵۸۷ فقہی عبارات:
۵۸۹ غیر امیر کے اتلاف کی ایک نظیر:
۵۸۹ اشکال و جواب:
۵۹۰ تعزیر بالمال کی تیسری صورت ”التغییر“ کا حکم:

۵۹۲	کافریا منافق کہنے پر تعزیر کا حکم:
۵۹۳	تعزیر میں حالات و اشخاص کا اعتبار ہوگا:
۵۹۳	تعزیر بالقتل کا حکم:
۵۹۴	تعزیر ابائی کاٹ (حقہ پانی بند کرنا) کا حکم:
۵۹۵	احادیث مبارکہ سے بایکاٹ کا ثبوت:
۵۹۷	شریعت مطہرہ میں تادیب کا حکم:
۵۹۸	☆ تادیب الزوجة: (زوجہ کی سرزنش کا حکم):
۶۰۱	☆ تادیب الأولاد الصغار: (نابالغ اولاد کی سرزنش کا حکم):
۶۰۳	☆ تادیب الأولاد الکبار:
۶۰۴	تادیب میں دست و پا توڑنے پر تاوان کا حکم:
<h3>باب ﴿ ۳ ﴾</h3> <h3>احکام الضمان</h3>	
۶۰۷	موٹر کار کے گھوڑے کے ساتھ ٹکرانے پر تاوان کا حکم:
۶۰۸	کار کے تصادم یا لٹنے پر تاوان کا حکم:
۶۱۰	بلا قصور جانور ہلاک ہو جانے پر تاوان کا حکم:
۶۱۱	تصادم سیارات سے تاوان کا حکم:
۶۱۲	بلا اجازت کار لے کر ایکسیڈنٹ کرنے پر تاوان کا حکم:
۶۱۳	بلا قصور گاڑی کے نیچے دب کر مر جانے پر تاوان کا حکم:
۶۱۵	موجودہ دور میں دیت کس پر لازم ہوگی؟
۶۱۶	آدمی کے نیچے دب کر ہلاک ہونے پر تاوان کا حکم:
۶۱۷	طیب کی غلطی پر تاوان کا حکم:

۵۱۸	متروک التسمیۃ عدا کے ہلاک کرنے پر ضمان کا حکم:
۶۲۰	ملازم کی کوتاہی پر تاوان کا حکم:
۶۲۱	سامنے رکھی ہوئی چیز توڑنے پر تاوان کا حکم:
۶۲۱	پنجرہ میں سے پرندہ اڑانے پر تاوان کا حکم:
۶۲۲	رنگریز کے مالک کی مخالفت کرنے پر تاوان کا حکم:
۶۲۳	کپڑا خراب کر دینے پر ضمان کا حکم:
۶۲۴	دھوبی کے کپڑا گم کرنے پر تاوان کا حکم:
<h2>کتاب الوقف</h2> <h3>باب ﴿۱﴾</h3> <h3>مطلق وقف کا بیان</h3>	
۶۲۶	وقف کا تعارف اور خیر القرآن میں وقف کا ثبوت:
۶۲۷	خیر القرون میں وقف کا ثبوت:
۶۲۹	الفاظ برائے وقف کردن:
۶۳۱	آخری جہت کی عدم تعیین پر وقف کا حکم:
۶۳۲	”وقف علی الاولاد، وأولاد الاولاد“ کا حکم:
۶۳۴	مذکورہ مونت میں تقسیم کا حکم:
۶۳۵	وقف علی الزوجہ کا حکم:
۶۳۶	دراہم و دنانیر کے وقف کا حکم:
۶۳۷	موقوفہ دراہم و دنانیر کے مصارف کا حکم:
۶۳۸	وارث کا منکر وقف ہونے کا حکم:

۶۳۹	تادم حیات شئی موقوفہ سے متشفع ہونے کی شرط کا حکم:
۶۴۱	اشیاء منقولہ کے وقف کا حکم:
۶۴۲	عمارت وقف کو منہدم کر کے از سر نو تعمیر کا حکم:
۶۴۳	مرض الموت میں وقف کرنے کا حکم:
۶۴۴	وقف میں اجارہ طویلہ کا حکم:
۶۴۵	موقوفہ جائیداد کو فروخت کرنے کا حکم:
۶۴۷	موقوفہ فروخت شدہ جائیداد کی تلافی کا حکم:
۶۴۹	ارض موقوفہ پر تعمیر کا حکم:
۶۵۱	آمدنی وقف کے مصارف کا حکم:
۶۵۲	واقف کا شرائط وقف میں تبدیلی کرنے کا حکم:
۶۵۳	تنخواہ دار شخص کی تولیت کا حکم:
۶۵۵	متولی وقف کی ذمہ داریاں:
<p>باب ﴿۲﴾</p> <p>ما يتعلق بالمساجد</p> <p>فصل اول</p> <p>احکام مساجد کا بیان</p>	
۶۶۰	مسجد کی ذاتی ملک اور قانون شخصی کا حکم:
۶۶۵	اشکال و جواب:
۶۶۵	خانہ کعبہ کی ذاتی ملک اور قانون شخصی کا حکم:
۶۶۶	مسجد کی توسیع کا حکم:

۶۶۷ تہ خانہ مسجد سے علیحدہ کرنے کا حکم:
۶۶۸ عمارت مسجد کی تبدیلی کا حکم:
۶۷۰ مسجد کی پارینہ قالین کا حکم:
۶۷۳ محض تعمیر سے مسجد شرعی بننے کا حکم:
۶۷۴ مسجد کی مد سے طریق کی مرمت کا حکم:
۶۷۵ توسیع مسجد کے لیے قرب وجوار کی زمین شامل کرنے کا حکم:
۶۷۷ مسجد کے ایک حصہ کو راستہ یا چبوترے میں تبدیل کرنے کا حکم:
۶۷۸ مسجد میں پائپ لگانے کا حکم:
۶۷۹ مسجد کے احاطہ میں پھل دار درخت لگانے کا حکم:
۶۸۰ مدرسہ سے ملحق مسجد بنانے کا حکم:
۶۸۱ محراب مسجد کا حصہ ہے:
۶۸۱ مکان منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیق:
۶۸۳ مساجد میں مینار کی تحقیق:
۶۸۵ مسجد میں مؤذن کی جگہ متعین کرنے کا حکم:
فصل دوم	
آداب مساجد کا بیان	
۶۸۷ مسجد میں تعزیت کے لیے بیٹھنے کا حکم:
۶۸۹ عقد نکاح مسجد میں رکھنے کا حکم:
۶۹۱ مسجد میں سونے اور اشیاء مسجد استعمال کرنے کا حکم:
۶۹۳ نا سمجھ بچوں کو مسجد میں لانے کا حکم:
۶۹۵ مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کرنے کا حکم:

۶۹۶	مسجد میں اشعار پڑھنے کا حکم:
۶۹۸	مسجد میں عورتوں کے اعتکاف کا حکم:
۷۰۰	مسجد میں سائل کو کچھ دینے کا حکم:
۷۰۱	مسجد کبیر میں بلا اتصال صفوف نماز کا حکم:
۷۰۲	مسجد سے کسی کا جوتا اٹھانے کا حکم:
۷۰۳	ایک مسجد کے امام کا مسئلہ:
۷۰۵	امام کا مصلیوں کی طرف پھرنے کا حکم:
۷۰۷	مساجد میں جہری دعا کا حکم:
۷۰۹	مطلق دعا بالجہر کی احادیث:
۷۱۴	دعا میں ہاتھ اٹھانے کا طریقہ:
۷۱۷	مسجد میں ذکر یا تلاوت کے وقت جھومنے کا حکم:
۷۱۹	اعتراضات اور ان کے جوابات:
۷۲۲	نجاست آلود کپڑا پہن کر مسجد میں آنے کا حکم:
۷۲۴	غیر مسلم کا مسجد میں عبادت کرنے کا حکم:
۷۲۶	مسجد چھوڑ کر میدان میں جماعت کا حکم:
۷۲۹	مساجد میں ذکر جہری کا حکم:
۷۳۵	مسجد میں کرسی پر بیٹھنے کا حکم:
<p>باب ﴿۳﴾</p> <p>ما يتعلق بالمدارس</p>	
۷۳۸	ایک مدرسہ کی مد کی رقم دوسری مد میں خرچ کرنے کا حکم:
۷۳۹	ایک مدرسہ کا چندہ دوسرے مدرسہ میں خرچ کرنے کا حکم:

۷۴۰	اساتذہ مدرسہ کا شرائط مدرسہ کے خلاف کرنے کا حکم:.....
۷۴۲	مدرسہ کے لیے مکان وقف کرنے کا حکم:.....
۷۴۳	بعد تکمیل وقف شرط لگانے کا حکم:.....
۷۴۴	موقوفہ زمین پر تعمیر مکان کا حکم:.....
۷۴۶	وقتی ضرورت ختم ہونے پر واپسی کا حکم:.....
۷۴۷	مدرسہ کی زمین کو دوسرے کام میں استعمال کرنے کا حکم:.....
۷۴۹	مدارس میں سالانہ جلسہ کرنے کا حکم:.....
۷۵۰	مطبخ مدرسہ سے کھانا لے جانے کا حکم:.....
۷۵۰	مدارس میں گھنٹی بجانے کا حکم:.....
۷۵۴	مصادر و مراجع:.....

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ فتاویٰ دارالعلوم زکریا کی چوتھی جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ رب ذوالجلال کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے کہ اس نے ہم ناچیزوں کو اس کارِ خیر کی توفیق عطا فرمائی۔ نیز تخصص کے جن طلبہ نے حوالوں کی فراہمی میں محنت فرمائی، اللہ تعالیٰ ان کو اس نیک عمل کا اجر عطا فرمائے اور اس محنت کو ان کے علم و عمل میں ترقی کا ذریعہ بنادے، ان شاء اللہ تعالیٰ یہ محنت ان کی علمی عمارت کے لیے خشتِ اول بنے گی۔

محترم مفتی محمد الیاس صاحب بھی لائقِ تشکر ہے جن کی مسلسل جدوجہد سے یہ محنت منصفہ شہود پر جلوہ گر ہوئی، اور قارئین و ناظرین اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

بعض علماء نے کتاب الزکوٰۃ کے ایک مسئلہ کی دوبارہ تحقیق کی طرف توجہ دلائی، ہم نے فتاویٰ (۱۰۳/۳) میں لکھا تھا کہ ۹/ کیرٹ سونے میں احتیاطاً زکوٰۃ دیں، کیونکہ ہمیں یہ معلوم ہوا تھا کہ اس میں غالب دوسری دھات ہے اور اس میں سے سونا بآسانی الگ نہیں ہو سکتا، اور فقہی عبارات کے علاوہ بہشتی زیور وغیرہ کا صاف حوالہ بھی موجود تھا، اس سلسلہ میں فقہاء کی عبارات یہ ہیں:

لكن في المحيط والبدائع الدنانير الغالب عليها الذهب كالمحمودية حكمها حكم الذهب والغالب عليها الفضة كالهروية والمروية إن كانت ثمناً رائجاً أو للتجارة تعتبر قيمتها وإلا يعتبر قدر ما فيها من الذهب والفضة وزناً لأن كل واحد منها يخلص بالإذابة.

(فتاویٰ الشامی: ۳۰۲/۲، سعید، وھکذا فی البدائع: ۴۱۱/۲، وکشف الحقائق شرح كنز الدقائق: ۱۰۶/۱).

قال العيني: يريد به إذا كانت الفضة لا تخلص بالنار وإن كان شيء يخلص منها لا يكون حكمها حكم العروض بل يجمع ما فيها من الفضة ويضمه إلى ما عنده من ذهب أو فضة أو مال تجارة ويزكى الكل. (البنية شرح الهداية للعلامة العيني: ۱۲۰۵/۲).

یہ مضمون شرح تحفۃ المملوک میں بھی (۱۰۸۵) پر مذکور ہے۔

الجوهرة النيرة میں ہے:

وإنما تكون نفی حكم العروض إذا كانت بحال لو أحرقت لا يخلص منها نصاب أما إذا كان يخلص منها نصاب وجب زكاة الخالص. (الجوهرة النيرة: ۱۵۸/۱).

یہ مضمون فقہ کی دوسری کتابوں میں بھی ہے۔ لیکن ہمیں یہ معلوم ہوا کہ آج کل کے ۹/ کیرٹ سونے کے زیورات میں عام آگ سے سونا اور غیر سونا الگ نہیں ہوتا، بلکہ غیر سونا جل جاتا ہے، اس لیے ہماری معروف آگ سے چار پانچ گونہ قوی آگ چاہئے یعنی چار سو ڈگری آگ ہونا چاہئے اور صرف گلانا کافی نہیں بلکہ اس میں ایسڈ (تیزاب) نامی ایک کیمیکل ڈالنی پڑتی ہے جس پر بہت خرچ ہوتا ہے، عام طور پر ۹، کیرٹ میں سونا مغلوب ہوتا ہے، پھر چاندی اس میں کبھی کبھی ۴/ فیصد اور کبھی دس فیصد کبھی ۲۰/ فیصد ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا حقائق کو دیکھتے ہوئے احتیاط اسی میں ہے کہ اس میں جتنا سونا چاندی ہے اگر وہ بقدر نصاب ہے یا قدر نصاب سے کم ہے لیکن مالک کے پاس دوسرا سونا چاندی یا رینڈیا روپے ہیں، جو حد نصاب کو پہنچتے ہیں تو مالک کو اس کی زکوٰۃ دینی چاہئے، اور اگر یہ زیورات تجارت کے لیے ہوں تو پھر ۹/ کیرٹ کے تمام زیورات پر زکوٰۃ دینا چاہئے کیونکہ مال تجارت پر زکوٰۃ لازم ہے، اور یہ پورے زیورات مال تجارت بن گئے۔

فتاویٰ رحیمیہ میں مذکور ہے:

امداد الفتاویٰ میں ہے: الجواب: ذہب و فضہ کے ساتھ غیر ذہب و فضہ کے مخلوط ہونے کی دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ دونوں متمیز ہوں اور گلا کر نہ ملائی گئی ہو اس میں تو مجموعہ کا ایک حکم نہ ہوگا، ذہب و فضہ کی مقدار میں تو ذہب و فضہ کے احکام جاری ہوں گے، اور غیر ذہب و فضہ میں اس کے احکام جاری ہوں گے، مثلاً بیع صرف وزکوٰۃ صرف مقدار ذہب و فضہ میں معتبر ہوگی مجموعہ میں نہ ہوگی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک دوسرے سے متمیز نہ ہوں اور گلا کردونوں کو ایک کر دیا ہو اس میں فقہاء نے کہا ہے کہ غالب کا اعتبار ہے یعنی اگر غالب ذہب یا فضہ ہو تو مجموعہ کو سب احکام ذہب و فضہ کیا جائیگا، اور اگر غالب دوسری چیز ہے تو مجموعہ کو دوسری چیز کے حکم میں کہیں گے، اس میں جس قدر ذہب و فضہ ہے اس میں بھی احکام ذہب و فضہ کے جاری نہ ہوں گے نہ اس پر زکوٰۃ ہوگی اور نہ احکام بیع صرف اس میں معتبر ہوں گے۔ امداد الفتاویٰ: ۶/۲۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۵۶/۷)۔

گلا کر متمیز ہونے کی عبارت حضرت تھانویؒ اور مفتی عبدالرحیم صاحبؒ کی نظر سے گزری ہوگی، لیکن گلا کر متمیز کرنا عام طور پر پہلے زمانہ میں نہیں ہو سکتا تھا اس لیے ان حضرات نے غالب کا اعتبار کر لیا، ہاں شامی نے بعض خاص اقسام کا ذکر کیا ہوگا جس میں بآسانی گلانے سے سونا غیر سونے سے الگ ہو سکتا ہو۔

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مکمل و مدلل میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے جس میں غالب سونا یعنی نصف سے زائد سونا ہو وہ سونے کے حکم میں ہے، اور مثل خاص سونے کے اس میں زکوٰۃ ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مکمل و مدلل: ۱۱۵/۶)۔

بہر حال اگر گلانے سے سونا اور دوسری دھاتیں بآسانی الگ ہو سکتی ہیں تو پھر سونے میں زکوٰۃ لازم ہے ورنہ احتیاطاً زکوٰۃ دیدیں۔

بطور التماس و اعتذار عرض ہے کہ قارئین کو جو خطائیں اور لغزشیں نظر آئیں، برائے کرم ہمیں مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ طباعتوں میں یا آئندہ جلدوں میں ان کی تصحیح کر سکیں۔

اس میں جو کوتاہیاں اور غلطیاں ہوئی ہیں ہم ان پر اللہ تعالیٰ سے معافی کے خواستگار ہیں۔

کتبہ:

(حضرت مفتی) رضاء الحق (صاحب، ادام اللہ فیوضہم)

دارالافتاء، دارالعلوم زکریا، لہنیشیا، جنوبی افریقہ

مورخہ: ۹/ شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ۔

مطابق: ۲۱/ جولائی ۲۰۱۰ء۔

﴿فتاویٰ دارالعلوم زکریا پر تعارف و تبصرے﴾

تبصرہ از ماہنامہ ”الحق“ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک:

فتویٰ اور افتاء کا تاریخی سلسلہ بہت ہی قدیم ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج تک علماء صالحین اس عظیم منصب پر فائز ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ اور اکثریت کے صادر کردہ فتاویٰ کا مجموعہ کتابی شکل میں اس وقت دنیا بھر کی لائبریریوں میں موجود ہے۔ جن سے ارباب علم و کمال استفادہ کرتے ہیں اور اہل فتویٰ، فتویٰ نویسی میں رہنمائی لیتے ہیں۔ فتاویٰ دارالعلوم زکریا بھی اسی سلسلے کی ایک اور کڑی ہے، جو حضرت مفتی رضاء الحق شاہ منصوری مدظلہ کے جاری کردہ فتاویٰ کا مجموعہ ہے، حضرت مفتی صاحب ایک با کمال، جامع صفات علمی شخصیت ہیں اور آپ مدظلہ کا تعلق ضلع صحابی صوبہ سرحد کے ایک مشہور و معروف گاؤں شاہ منصور کے زہد و تقویٰ، علم و فضل کے پیکر خاندان سے ہے، اور جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے ان فرزندان میں سے ہیں جن پر جامعہ فخر کرتی ہے۔ اللہ پاک جزاء دے مولانا عبدالباری صاحب اور مولانا محمد الیاس شیخ صاحب کو جنہوں نے حضرت مفتی صاحب کے ان گرانقدر علمی اور تحقیقی فتاویٰ کو جمع کر کے بہترین انداز میں مرتب کیا اور زمزم پبلشرز کراچی نے دیدہ زیب ٹائٹل، عمدہ کتابت اور شاندار طباعت کے ساتھ علماء اور طلباء بلکہ ہر خاص اور عام پر احسان کرتے ہوئے اس گنجینہ علم کی پہلی جلد کو شائع کیا۔ فتاویٰ کی یہ پہلی جلد کتاب الایمان والعقائد، کتاب التفسیر والتجويد، کتاب الحدیث والاثار، کتاب السلوک والطریقہ اور کتاب الطہارۃ پر مشتمل ہے۔ فتاویٰ میں استفتاء کا ہر جواب انتہائی تدقیق اور تحقیق کے ساتھ دیا گیا، جس کے لئے ہر مذہب کے علماء، محدثین اور فقہاء کی کتابوں کی طرف مراجعت کی گئی ہے اور ہر کتاب کا مکمل حوالہ مع عبارت کے درج ہے، بعض ایسے جوابات بھی ہیں جو دوسرے فتاویٰ میں نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو اجمالی ہے، اس لئے یہ فتاویٰ ہر خاص و عام کی علمی پیاس بجھانے کے لئے انتہائی مفید ہے اور ہر لائبریری کی زیب ہے، کتاب کا مطالعہ کر کے دل سے یہ دعاء نکلتی ہے کہ خدا کرے کہ یہ عظیم فقہی انسائیکلو پیڈیا پائے تکمیل تک پہنچ کر شائع ہو جائے۔ (ماہنامہ ”الحق“ دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک)۔

تبصرہ از ماہنامہ ”البینات“ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن:

ایک دور تھا جب افریقہ، امریکہ، کنیڈا اور دوسرے یورپی ممالک میں دینی مدارس کا خاطر خواہ نظام نہیں تھا اور وہاں کے متلاشیانِ علم و ہنر ہندوپاک کا رخ کرتے تھے اور یہاں کے اربابِ فضل و کمال اور اصحابِ علم و تحقیق کی خدمت میں زانوئے تلمذ طے کر کے علم و معرفت کے جامِ لئذ ہاتے تھے۔

یہاں سے اکتسابِ فیض کے بعد مختلف ممالک کے مخلصین نے جب ضرورت محسوس کی تو انہوں نے اپنے اپنے علاقوں اور ممالک میں دینی مدارس کا جال بچھنا شروع کر دیا، چنانچہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے نامور فاضل تلامذہ میں سے حضرت مولانا شبیر احمد سالو جی مدظلہ اور ان کے رفقاء نے جنوبی افریقہ کے شہر جوہانسبرگ میں دارالعلوم زکریا کے نام سے ادارہ قائم کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ترقیات کے مدارج طے کئے تو انہوں نے اپنی سرپرستی اور اپنے دینی ادارے کی ترقی کے لئے اپنی مادر علمی سے ایک بڑے استاذ و مفتی اور شیخ الحدیث کی درخواست کی، اس پر اربابِ جامعہ علوم اسلامیہ نے اپنے ایک لائق، فائق، عظیم محقق مدرس اور مفتی حضرت مولانا رضاء الحق صاحب کو جنوبی افریقہ بھیج کر ایثار و قربانی کا ثبوت دیا۔ حضرت مولانا مفتی رضاء الحق دامت برکاتہم کی فیض رساں شخصیت نے افریقہ کو تعلیم و تدریس، علم و تحقیق اور فقہ و فتویٰ کے اعتبار سے بجا طور پر مستغنی کر دیا۔

پیش نظر فتاویٰ دارالعلوم زکریا کی جلد اول انھیں کی علمی تحقیقات کا منہ بولتا ثبوت ہے، جس میں نہایت خوبصورت انداز میں کتاب الایمان، کتاب التفسیر، کتاب الحدیث والآثار، کتاب السلوک والطریقتہ اور کتاب الطہارۃ کو مرتب اور مدون کر کے کتابی شکل دی گئی ہے۔

بلاشبہ فتاویٰ میں درج مسائل و احکام اہل حق اسلاف اور اکابر دیوبند کی تحقیق کی ترجمانی کے علاوہ ان کے ذوق و مزاج کا آئینہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس فتاویٰ کے مرتبین مولانا مفتی عبدالباری اور مولانا مفتی محمد الیاس شیخ کو جزائے خیر عطا فرمائے، جنہوں نے اس اہم خدمت کو سرانجام دیا۔ امید ہے کہ اہل ذوق اس کی قدردانی میں بخل سے کام نہیں لیں گے، خدا کرے کہ فتاویٰ جلد از جلد مکمل ہو کر متلاشیانِ علم و تحقیق کی پیاس کو بجھائے، آمین۔ (ماہنامہ ”بینات“ رجب

المرجب ۱۴۲۹ھ، اگست ۲۰۰۸ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿دارالعلوم زکریا پر ایک طائرانہ نظر﴾

﴿۱۹۸۱ء میں حضرت برکتہ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ نے جنوبی افریقہ تشریف لا کر دعا فرمائی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور حضرت ہی کے نام پر دارالعلوم زکریا کی بنیاد رکھی گئی تھی۔

﴿۱۹۸۳ء دسمبر میں حضرت قاری عبد الحمید صاحب اور مولانا شبیر احمد صاحب اور ان کے رفقاء کی سرپرستی میں مدرسہ کا باقاعدہ افتتاح ہوا، اور ۱۹۸۵ء تک مہتمم قاری عبد الحمید صاحب رہے۔

﴿قاری عبد الحمید صاحب کے ہندوستان تشریف لے جانے کے بعد مولانا شبیر احمد سالو جی صاحب مہتمم اور حافظ بشیر صاحب ناظم مدرسہ مقرر ہوئے، اور تاہنوز خدمت انجام دے رہے ہیں، اور انھیں کی تو جہات و شبانہ روز محنت سے دارالعلوم ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ أحسن الجزاء۔

﴿دارالعلوم زکریا کے مختلف شعبے﴾

﴿شعبہ تحفیظ القرآن: اکابرین کی توجہ اور دعا کی برکت اور اساتذہ کرام کی محنت سے ماشاء اللہ خوب روبہ ترقی ہے۔ اساتذہ درجات حفظ کی تعداد: ۱۲، اور طلبائے عزیز کی تعداد: ۲۸۵، اور درسگاہوں کی تعداد: ۱۰ ہے۔

﴿درس نظامی: طلبائے کرام علوم عالیہ و آلیہ سے تشنگی کی آگ بجھا رہے ہیں۔ اساتذہ کرام کی تعداد ۲۱ ہے۔ اور طلبائے کرام کی تعداد ۴۱۶ ہے، مقامی ان میں سے ۲۹۷، اور دیگر ۵۵ ممالک کے تقریباً ۳۸۲ طلباء تحصیل علم میں مشغول ہیں۔

﴿شعبہ افتاء و استفتاء: ۱۹۸۷ء سے حضرت مفتی رضاء الحق صاحب کی نگرانی میں رواں دواں ہے ابتدا میں حضرت بذات خود تحریر فرماتے تھے پھر ۱۹۹۲ء میں مستقل دارالافتاء کا نظام شروع ہوا۔

﴿شعبہ قراءت و تجوید: ۱۹۸۸ء میں قراءت و تجوید کا مستقل شعبہ شروع ہوا۔

﴿شعبہ ”النادی العربی“: طلبائے عزیز کا عربی ادب سے ذوق و شوق بڑھا اور تقریراً و تحریراً اس میں حصہ لیا اور مستقل شعبہ ”النادی العربی“ کے نام سے شروع ہوا۔

﴿دارالعلوم زکریا کی شاخ: برائے حفظ منتظمین حضرات نے مدرسہ ہذا سے تقریباً ۱۰ کلو میٹر کے فاصلہ پر ۲۰۰۰ء میں جناب عبدالرحمن میاں صاحب کی درخواست پر ان کی والدہ کی خواہش پر انھیں کی زمین پر ایک چھوٹا سا مدرسہ قائم کیا ہے جس میں تقریباً ۵۰ طلباء اور ۵، اساتذہ کرام ہیں، اور ۵ درسگاہیں ہیں۔

✽ اللہ تعالیٰ تمام اساتذہ کرام و منتظمین اور کارکنان مدرسہ ہذا کو جزاء خیر عطا فرمائیں۔ نیز دارالعلوم کو اور دیگر علمی اداروں کو دن دو گنی رات چو گنی ترقیات سے نوازے اور ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ فرما کر اپنی رحمت خاصہ نازل فرمائیں۔ آمین۔

✽ اکابرین وائمہ اور دیگر مہمانان کرام کے قدوم میمنت لزوم سے یہ وادی خوشنما اور دلز بانہی گئی۔ ان میں سے: حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ مفتی دارالعلوم دیوبند۔ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی۔ حضرت مفتی احمد الرحمن صاحب۔ حضرت مفتی ولی حسن صاحب۔ ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی۔ حضرت حاجی فاروق صاحب۔ حضرت مولانا عمر صاحب پالنپوری۔ حضرت قاضی مجاہد الاسلام صاحب۔ بھائی پاڈیا صاحب۔ حضرت مولانا عمر جی صاحب۔ حضرت مولانا عبد الحفیظ مکی صاحب۔ حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب۔ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب۔ حضرت مولانا عبداللہ کاپوروی۔ حضرت مولانا ادریس صاحب میرٹھی۔ شیخ عبدالفتاح ابو غدہ صاحب۔ شیخ عبدالرحمن السدیس۔ شیخ شریم۔ شیخ صالح بن حمید۔ شیخ عبدالرحمن حذیفی۔ شیخ سبیل۔ شیخ صلاح بدیر۔ شیخ محمد علی صابونی۔ حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب۔ حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب۔ حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب۔ حضرت مولانا ارشد صاحب مدنی۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب۔ دکتور عبداللہ عمر نصیف صاحب۔ حضرت مولانا سید رابع صاحب۔ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب۔ حضرت مولانا سلمان صاحب۔ حضرت حکیم اختر صاحب۔ حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری۔ حضرت مفتی فاروق صاحب میرٹھی۔ حضرت مولانا یونس صاحب پونا۔ حضرت مولانا ابراہیم صاحب دیولا۔ شیخ الحدیث مولانا یونس صاحب۔ حضرت مولانا بدیع الزمان صاحب۔ حضرت مولانا سالم صاحب۔ حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری۔ حضرت بھائی طلحہ بن حضرت شیخ الحدیث۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ کشمیری صاحب۔ حضرت مولانا ابوالقاسم بناری۔

بندۂ عاجز محمد الیاس شیخ، عفی عنہ

رفیق دارالافتاء دارالعلوم زکریا، لہنشا، جنوبی افریقہ

مورخہ: ۱۹/ شعبان ۱۴۳۱ھ مطابق: ۳۱/ جولائی ۲۰۱۰ء



بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لَعَدَّتِهِنَّ،
...وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ.

(سورة الطلاق: الآية: ۱)

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

”أبْغَضُ الْحَالِ إِلَى اللَّهِ الطَّلَاقُ“

(رواه ابن ماجہ)

کتاب الطلاق

باب ﴿۱﴾

طلاق واقع ہونے نہ ہونے

کا بیان

باب ﴿۱﴾

طلاق واقع ہونے نہ ہونے کا بیان

جھوٹا اقرار کرنے اور اس پر گواہ پیش کرنے سے وقوع طلاق کا حکم:

سوال: اگر کسی نے مصلحت کی وجہ سے طلاق کا جھوٹا اقرار کر لیا کہ میں نے بیوی کو طلاق دی ہے اور اس اقرار پر گواہ پیش کر دیے تو طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ جھوٹے اقرار سے دیانۃ طلاق واقع نہیں ہوئی اور اگر گواہی سے ثابت کر دیا کہ میں نے جھوٹا اقرار کیا تھا تو قضاء بھی طلاق واقع نہیں ہوئی۔
ملاحظہ فرمائیں علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

لو أقر بالطلاق هازلاً أو كاذباً، فقال في البحر: إن مراده لعدم الوقوع في المشبه به عدمه ديانة، ثم نقل عن البزازية والقنية لو أراد به الخبر عن الماضي كذباً لا يقع ديانة، وإن أشهد قبل ذلك لا يقع قضاء أيضاً. (فتاویٰ الشامی: ۳/۲۳۷، کتاب الطلاق، سعید).
طحطاوی میں ہے:

الإقرار بالطلاق كاذباً يقع به قضاء لا ديانة. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۲/۱۱۳، باب

الصريح، كوئته).

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

وفي الصغرى : في أمالي أبي يوسف : اذا قال لها : قد طلقك ، أو قال لها : أنت طالق ، وأراد الخبر عما مضى كذباً ، وسعه فيما بينه وبين الله تعالى أن يمسكها . (الفتاوى التاتارخانية: ۳/۲۶۱، الفصل الرابع فيما يرجع الى صريح الطلاق، ادارة القرآن).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

جب شوہر نے محض دفع الوقتی کے لیے طلاق کا اقرار کر لیا اور حقیقتہً عدالت میں طلاق نہیں دی تھی تو دیانۃً طلاق واقع نہ ہوگی۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۲۳۷، مبوب و مرتب).

نیز دوسری جگہ مرقوم ہے:

اگر مخاطب کے سامنے جھوٹی خبر دینا تھا اور جھوٹ کا اقرار کرنا تھا تو دیانۃً فیما بینہ و بین اللہ تعالیٰ طلاق نہیں ہوگی، اگر پہلے سے اس پر گواہ بنا لیا تھا کہ میں جھوٹا اقرار کروں گا تو قضاء بھی نہیں ہوگی۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۲۳۴، مبوب و مرتب).

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

از اخبار کاذب دیانۃً طلاق واقع نمی شود و اگر قبل از اخبار کاذب بینہ قائم کردہ باشد اصلاً طلاق واقع نہ شود نہ قضاء نہ دیانۃً و اگر مقصود شوہر اخبار نیست بلکہ مقصود انشاء طلاق است فی الحال طلاق واقع می شود۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: جلد دوم ص ۵۰۰). واللہ تعالیٰ اعلم۔

کسی مصلحت سے بلا نیت طلاق کہہ دینے سے وقوع طلاق کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص کسی مصلحت کی وجہ سے بغیر نیت طلاق کے اپنی بیوی کو طلاق کہہ دے یا لکھ دے، لیکن مقصود طلاق دینا نہ ہو بلکہ کوئی خاص مصلحت مقصود ہو تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: طلاق کے صریح لفظ کے ساتھ زبانی کہنے یا لکھ دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، پھر نیت و ارادہ کی ضرورت نہیں ہے، چاہے کسی مصلحت کے پیش نظر کہا ہو یا لکھا ہو۔

ملاحظہ فرمائیں ترمذی شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ثلاث جدهن جد و هزلهن جد، النكاح، والطلاق، والرجعة، هذا حديث حسن غريب . (رواه الترمذی: ۱/۲۲۵، باب ما جاء في الجد والهزل في الطلاق).

ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ شامی میں ہے:

صريحه ما لم يستعمل إلا فيه أي غالباً كما يفيد كلام البحر، وعرفه في التحرير بما يثبت حكمه الشرعي بلانية، وأراد بما اللفظ أو ما يقوم مقامه من الكتابة المستبينة أو الإشارة المفهومة... لأن ركن الطلاق اللفظ أو ما يقوم مقامه مما ذكر، قوله ولو بالفارسية فما لا يستعمل فيها إلا في الطلاق فهو صريح يقع بلانية: (فتاویٰ الشامی: ۳/۲۴۷، باب الصريح، سعيد).
مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

طلاق صریح کا حکم یہ ہے کہ نیت کے بغیر بھی اس سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ (مجموعہ قوانین اسلامی: ص ۱۳۸، دفعہ ۱۵، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، زیر نگرانی حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب).
مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۳۳۳، محبوب و مرتب)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

آئندہ طلاق دینے کے ارادہ سے وقوع طلاق کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین مرتبہ اس طرح کہا تھا کہ (I want to give you talaq) یعنی میں تجھے طلاق دینے کا ارادہ رکھتا ہوں، جب ان سے پوچھا کہ آپ نے کیا کہا تھا تو شوہر نے کہا مجھے نہیں معلوم میں نے کیا کہا تھا، شریعت کی نگاہ میں کیا حکم ہوگا؟ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب: طلاق کے باب میں خالص استقبال کے الفاظ سے طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، لہذا صورتِ مسئلہ میں بھی ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوئی، نیز جب شوہر کو یاد نہیں کہ اس نے کیا کہا تھا، اور بیوی کہتی ہے کہ اس نے صرف ارادہ طلاق کا اظہار کیا تھا، تو اس صورت میں بھی عورت کی بات مانی جائے گی اور

طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ملاحظہ فرمائیں تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ میں ہے:

صيغة المضارع لا يقع بها الطلاق إلا إذا غلب في الحال كما صرح به الكمال ابن

الهمام . (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۱/۳۸، كتاب الطلاق، دارالاشاعة العربية).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

قالت لزوجها: من با تو نمي باشم، فقال الزوج: مباش، فقالت: طلاق بدست تو

است مرا طلاق کن، فقال الزوج: طلاق مي کنم طلاق مي کنم و کرر ثلاثاً، طلقت ثلاثاً

بخلاف قوله كنم لأنه استقبال فلم يكن تحقيقاً بالتشكيك، وفي المحيط: لو قال بالعربية:

أطلق، لا يكون طلاقاً إلا إذا غلب استعماله للحال فيكون طلاقاً. (الفتاوى الهندية: ۱/۳۸۴، باب

الطلاق بالفاظ الفارسية).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (احسن الفتاویٰ: ۵/۱۳۸۔ فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۲۳۷، مبوب و مرتب). واللہ تعالیٰ اعلم۔

صيغة حال سے وقوع طلاق کا حکم:

سوال: ایک شخص نے جھگڑے میں اپنی بیوی سے کہا میں تم کو طلاق دیتا ہوں، تین بار کہا، طلاق دی،

نہیں کہا، اس سے طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر اس میں مستقبل کی دھمکی کی نیت کرے تو یہ قابل قبول ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ صیغہ حال ”یعنی طلاق دیتا ہوں“ سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، البتہ مفتی

کفایت اللہ صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ لفظ دیتا ہوں اس نیت سے کہا تھا کہ میں نے طلاق دی تو اس کی بیوی پر

طلاق مغالطہ پڑ گئی، (یعنی جب اس کے ساتھ تین کا لفظ ہو) لیکن اگر وہ کہے کہ طلاق دیتا ہوں سے مراد یہ تھی کہ

طلاق دینے کا ارادہ ہے تو طلاق نہ ہوگی۔ (کفایت المفتی: ۶/۷۹، ۸۰).

فتاویٰ الشامی میں ہے:

وكذا المضارع إذا غلب في الحال مثل أطلقك كما في البحر. (فتاویٰ

الشامی: ۲۴۸/۳، سعید، والبحر الرائق: ۲۵۲/۳، کوئٹہ).

فتح القدیر میں ہے:

ولا يقع بأطلاقك إلا إذا غلب في الحال. (فتح القدیر: ۴/۷، دار الفکر).

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

قالت: لزوجهها: من باتونمي باشم، فقال الزوج: مباش، فقالت: طلاق بدست تو است، مرا طلاق کن، فقال الزوج: طلاق می کنم، طلاق می کنم، وكرر ثلاثاً، طلقت ثلاثاً، بخلاف كنم، لأنه استقبال. (الفتاویٰ الهندية: ۱/۳۸۴).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

لفظ طلاق دیتا ہوں حال کے لیے موضوع ہے لہذا اس سے طلاق واقع ہوگئی اگرچہ یہ جملہ مستقبل قریب کے لیے بھی گا ہے استعمال ہوتا ہے... الخ. (احسن الفتاویٰ: ۵/۱۵۳).

مزید ملاحظہ ہو: (تنقیح الفتاویٰ الحامدية: ۱/۳۸). واللہ اعلم۔

بحالت حمل طلاق دینے کا حکم:

سوال: اگر کسی نے اپنی بیوی کو حالت حمل میں طلاق دی تو واقع ہوئی یا نہیں؟ اور مکروہ ہوگی یا مباح؟

الجواب: طلاق جس حالت میں بھی دی جائے واقع ہو جاتی ہے، البتہ حالت حیض میں بدعت اور

نامناسب ہے، اور حالت حمل میں احسن ہے۔

ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

الأحسن أن يطلق امرأته واحدة رجعية في طهرها لم يجامعها فيه ثم يتركها حتى

تنقضي عدتها أو كانت حاملاً قد استبان حملها. (الفتاویٰ الهندية: ۱/۳۴۸، کتاب الطلاق، الباب

الاول).

نیز مذکور ہے:

والبدعي من حيث الوقت أن يطلق المدخول بها وهي من ذوات الأقراء في حالة

الحيض . (الفتاوى الهندية: ۱/ ۳۴۹، کتاب الطلاق، الباب الاول) .

فتاویٰ رحیمہ میں ہے:

سوال: عورت کو حمل کی حالت میں طلاق ہوگی یا نہیں؟

الجواب: جی ہاں! حالت حمل میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ ﴿و أولات الأحمال أجلهن أن يضعن

حملهن﴾۔ سورۃ طلاق۔ (فتاویٰ رحیمہ: ۸/ ۲۵۷، مبہوب و مرتب، دارالاشاعت) .

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: جلد دوم: ص ۴۹۸، دارالاشاعت) . واللہ تعالیٰ اعلم۔

بغیر نسبت طلاق دینے سے وقوع طلاق کا حکم:

سوال: ایک شخص کا اس کی بیوی کے بھائیوں کے ساتھ جھگڑا تھا، اور جھگڑے کا سبب بیوی تھی، اس نے

یہ الفاظ کہے ”مجھ پر تین طلاق کے ساتھ مطلقہ ہے“ اپنی بیوی کا نام یا اس کی طرف نسبت نہیں کی تو طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئلہ میں جب بیوی کے حق میں یہ الفاظ ”مجھ پر تین طلاق کے ساتھ مطلقہ ہے“

کہہ دیے تو طلاق واقع ہو گئی، اس لیے کہ طلاق بیوی ہی کو دی جاتی ہے کسی اور کو نہیں دی جاتی، تاہم اگر شوہر قسم کھا کر کہہ دے کہ میری مراد بیوی نہیں تھی تو پھر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

قيد بخطابها لأنه لو قال: إن خرجت يقع الطلاق أولا تخرجي إلا بإذني فإني حلفت

بالطلاق فخرجت لم يقع لتركه الإضافة إليها. وفي رد المحتار: والمفهوم من تعليل

الشارح تبعاً للبحر عدم الوقوع أصلاً لفقد شرط الإضافة، مع أنه لو أراد طلاقها تكون

الإضافة موجودة ويكون المعنى فإني حلفت بالطلاق منك أو بطلاقك، ولا يلزم كون

الإضافة صريحة في كلامه، لما في البحر لو قال: طالق فليل له من عنيت؟ فقال: امرأتي

طلقت امرأته. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۲۴۸، باب الصریح، سعید).

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

وقوع طلاق کے لیے اضافہ صریح کا ہونا لازمی نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: جلد دوم: ص ۵۰۴)۔
حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے حضرت علامہ کشمیریؒ کا ایک رسالہ بعنوان ”حکم الانصاف فی الطلاق الغیر المضاف“ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیں: (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: جلد دوم: ص ۵۰۵-۵۱۰، دارالاشاعت)۔
فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

جب بیوی کے حق میں شوہر لفظ طلاق کہتا ہے تو اس سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اگرچہ جملہ تامہ (میں نے تجھ کو طلاق دی) نہ کہا ہو، مگر مطلب اس کا یہی ہوتا ہے، تاہم اگر شوہر یہ کہے کہ میں نے طلاق نہیں دی اور لفظ یہ بیوی کے حق میں نہیں کہا تو قسم کے ساتھ شوہر کا قول معتبر ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۷۴/۱۲، مبوب و مرتب)۔
کفایت المفتی میں ہے:

زید کے ان الفاظ میں جو سوال میں مذکور ہیں لفظ طلاق تو صریح ہے لیکن اضافت الی الزوجہ صریح نہیں ہے، اس لیے اگر زید قسم کھا کر یہ کہدے کہ میں نے اپنی بیوی کو یہ الفاظ نہیں کہے تھے تو اس کے قول اور قسم کا اعتبار کر لیا جائے گا، اور طلاق کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ (کفایت المفتی: ۵۴/۶، دارالاشاعت)۔
مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ رحیمیہ: ۲۷۵/۸، مبوب و مرتب)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

”سمجھ لینا کہ طلاق ہے“ کو طلاق مت سمجھو:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو جھگڑے کے وقت یہ الفاظ کہے ”تو چلی جا اور سمجھ لینا کہ طلاق ہے“ ان الفاظ سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ شوہر کا یہ کہنا کہ ”تو چلی جا اور سمجھ لینا کہ طلاق ہے“ ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔

ملاحظہ فرمائیں عالمگیری میں ہے:

امراة قالت لزوجها مرا طلاق ده ، فقال الزوج : داده انگار او کرده انگار ، لا يقع وإن نوى ولو قال لها بعد ما طلبت الطلاق . (الفتاویٰ الہندیۃ: ۱/۳۸۰، باب الطلاق بالفاظ الفارسیۃ).

یعنی کسی عورت نے اپنے شوہر سے کہا مجھے طلاق دیدو، تو شوہر نے کہا دی ہوئی سمجھ لے، یا کی ہوئی سمجھ لے، تو ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی، اگرچہ شوہر نے ان الفاظ سے طلاق کی نیت کی ہو، اور اگرچہ عورت کے طلاق کا مطالبہ کرنے کے بعد یہ الفاظ کہے ہوں۔

فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

امراة قالت لزوجها مرا طلاق ده ... ولو قال الزوج داده انگار او کرده انگار لا يقع الطلاق وإن نوى كأنه قال بالعربیۃ : احسبى أنك طالق، وإن قال ذلك لا يقع وإن نوى . (فتاویٰ قاضیخان علی هامش الہندیۃ: ۱/۴۵۷، کتاب الطلاق).

مزید ملاحظہ ہو: (خیر الفتاویٰ: ۵/۱۳۸، مکتبہ امدادیہ)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ڈرامہ میں حکایت طلاق دینے سے وقوع طلاق کا حکم:

سوال: اگر شوہر بیوی نے کسی ڈرامہ میں کام کیا اور اس میں کسی کہانی کے ضمن میں شوہر نے بیوی کو طلاق دی، تو یہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ مثلاً لیلیٰ مجنون کی کہانی پیش کی، اور شوہر بیوی نے لیلیٰ مجنون کا کردار ادا کیا۔

الجواب: حضرت مفتی ولی حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ اس میں طلاق واقع نہیں ہوتی، کیونکہ یہ طلاق حکایت اور نقل کے طور پر ہے، گویا مجنون نے لیلیٰ کو طلاق دی یا فرہاد نے شیرین کو طلاق دی، جو فرضی واقعہ کی تصویر ہے یہ انشاء طلاق نہیں، دوسروں سے حکایت اور نقل ہے، جیسے صاحب مقامات نے ابو زید سروجی اور حارث بن ہمام کی حکایات کو فرضی طور پر نقل فرمایا، اس لیے صاحب مقامات پر جھوٹ کا گناہ بھی نہیں، کیونکہ فرضی حکایات کسی امر واقع کی غلط خبر نہیں۔

ملاحظہ فرمائیں الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:

يشترط بالاتفاق القصد في الطلاق وهو إرادة التلفظ به ولو لم ينوّه فلا يقع طلاق فقيه يكرره ولا طلاق حاكٍ عن نفسه أو غيره لأنه لم يقصد معناه، بل قصد التعليم والحكاية .
(الفقه الاسلامي وادلته: ۳۶۸/۷، شروط الطلاق، دارالفكر).

فتح القدير میں ہے:

لو كرر مسائل الطلاق بحضرة زوجته ويقول: أنت طالق ولا ينوي طلاقاً لا تطلق. (فتح القدير: ۴/۴، باب ايقاع الطلاق، دارالفكر).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (الاشباه والنظائر: ۹۱/۱۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۸۳/۹، مدلل و مکمل۔ فتاویٰ محمودیہ: ۲۳۹/۱۲، مبوب و مرتب). واللہ تعالیٰ اعلم۔

لفظ ”طاق“ سے وقوع طلاق کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا تم کو طاق ہے تو طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ لفظ ”طاق“ کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔

ملاحظہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وان حذف اللام فقط فقال: أنت طاق لا يقع وان نوى. (الفتاویٰ الهندية: ۳۵۷/۱، باب فی ايقاع الطلاق۔ وکذا فی البحر الرائق: ۲۵۵/۳، کتاب الطلاق، کوئٹہ).

احسن الفتاویٰ میں ہے: لفظ ”تاک“ سے کوئی طلاق نہیں ہوئی۔ (احسن الفتاویٰ: ۱۹۷/۵۔ فتاویٰ محمودیہ: ۳۲۸/۱۲، مبوب و مرتب). واللہ تعالیٰ اعلم۔

اخرس کی طلاق کا حکم:

سوال: اخرس کی طلاق کس طرح واقع ہوگی؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ اخرس (گونگا) اگر لکھ کر طلاق دے یا طلاق نامہ کا مضمون معلوم ہو جانے

کے بعد اس پر دستخط کرے تو طلاق واقع ہو جائے گی، اور اگر لکھنا نہ جانتا ہو تو اس کے مخصوص اشاروں (جن کو اس کے قریب کے لوگ جانتے اور سمجھتے ہوں) سے بھی طلاق واقع ہو جائے گی، اشاروں کے ذریعہ ہی عد و طلاق متعین ہوگا۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

(ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل) ... (ولو عبداً أو مکرهاً) ... (أو أخرس) واستحسن الکمال اشتراط کتابته (بإشارته) المعهودة فإنها تكون كعبارة الناطق استحساناً. وفي الشامية: قوله واستحسن الکمال اشتراط کتابته حيث قال: وقال بعض الشافعية: إن كان يحسن الكتابة لا يقع طلاقه بالإشارة لاندفاع الضرورة بما هو أدل على المراد من الإشارة، وهو قول حسن، وبه قال بعض مشايخنا، قلت: بل هذا القول تصريح بما هو المفهوم من ظاهر الرواية، ففي الكافي الحاكم الشهيد ما نصه: فإن كان الأخرس لا يكتب و كان له إشارة تعرف في طلاقه ونكاحه و شرائه و بيعه فهو جائز، وإن كان لم يعرف ذلك منه أو شك فيه فهو باطل، فقد رتب جواز الإشارة على عجزه عن الكتابة، فيفيد أنه إن كان يحسن الكتابة لا تجوز إشارته. (الدر المختار مع الشامي: ۲/۴۱، كتاب الطلاق، سعيد).

وفي المبسوط للإمام السرخسي:

وإن كان الأخرس لا يكتب وكانت له إشارة تعرف في طلاقه ونكاحه و شرائه و بيعه

فهو جائز استحساناً. (المبسوط: ۶/۱۴۴، باب طلاق الأخرس، إدارة القرآن).

وفي الطحطاوي على الدر المختار: (قوله واستحسن الکمال اشتراط کتابته) قال في

البحر: وقال بعض المشايخ: إن كان يحسن الكتابة لا يقع طلاقه بالإشارة لاندفاع الضرورة

بما هو أدل على المراد من الإشارة، قال في فتح القدير: وهو حسن حلبي، قال في النهر:

والخلاف إنما هو في قصر صحة تصرفاته على الكتابة. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار:

۱۰۸/۲، كتاب الطلاق، كوئته۔ ومثله في البحر الرائق: ۸/۴۷۸، مسائل شتى، كوئته).

مذکورہ بالا عبارات فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اخرس کا اشارہ اس وقت معتبر ہوگا جب کہ وہ کتابت پر قدرت نہ رکھتا ہو اگر کتابت پر قادر ہے تو اشارہ غیر معتبر ہے، اسی کو قاضی مجاہد الاسلام صاحب نے اختیار فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو: (مجموع قوانین اسلامی: ص ۱۳۶، دفعہ ۱۰)۔

اس کے برخلاف دیگر بعض کتب فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اشارہ کے لیے عدم قدرت علی الکتابہ شرط نہیں ہے، یعنی قادر علی الکتابہ کا اشارہ بھی معتبر ہوگا۔

ملاحظہ فرمائیں ”الاشباہ والنظائر“ میں ہے:

اختلفوا في أن عدم القدرة على الكتابة شرط للعمل بالإشارة أو لا، والمعتمد لا.

(الاشباہ والنظائر: ۱/۳۷۹، احکام الاشارة، الفن الثالث الجمع والفرق، المكتبة العصرية، بيروت۔ ومثله في تبیین الحقائق: ۶/۲۱۹، مسائل شتی، امدادیہ ملتان)۔

شمس الدین قاضی زادہ آفندی ”نتائج الافکار“ میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالنے کے بعد فرماتے ہیں:

غاية الأمر أن يكون في المسئلة روايتان ومثل ذلك كثير. (نتائج الافکار تکملة فتح

القدیر: ۱۰/۵۲۷، مسائل شتی، دارالفکر)۔

خلاصہ یہ ہے کہ موجودہ دور میں کتابت کی اہمیت بامعروج پر ہے، لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اخرس کے لیے نکاح طلاق وغیرہ معاملات میں کتابت کی شرط لگائی جائے، تاکہ خط او محفوظ باشد و بوقت ضرورت کار آید۔
واللہ تعالیٰ اعلم۔

ٹیلی فون پر طلاق دینے سے وقوع طلاق کا حکم:

سوال: ایک شخص نے ٹیلی فون پر بیوی سے خطاب کرتے ہوئے طلاق دی، بیوی کا بیان ہے کہ الفاظ طلاق بولنے سے پہلے اس نے فون چھوڑ دیا تھا، اور طلاق نہیں سنی، تو کیا طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورت مسئلہ طلاق واقع ہوگئی، اس لیے کہ وقوع طلاق کے لیے بیوی کا سامنے ہونا اور الفاظ طلاق سننا ضروری نہیں ہے، اس مسئلہ کو اس طرح سمجھ لیجئے کہ کوئی شخص بیوی کو طلاق کا خط لکھے اور خط اس

کے مکان پر پہنچ جائے، اور وہ گھر پر موجود نہ ہو تو طلاق واقع ہو جائے گی۔
ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ شامی میں ہے:

ثم المرسومة لا تخلو اما أن أرسل الطلاق بأن كتب أما بعد فانت طالق فكما كتب
هذا يقع الطلاق. (فتاویٰ الشامی: ۳/۲۴۶، مطلب فی الطلاق بالكتابة، سعید).
عزیز الفتاویٰ میں ہے:

سامنے ہونا زوجہ کا وقوع طلاق کے لیے شرط نہیں ہے... الحاصل حاضر ہونا عورت کا بوقت طلاق شرط نہیں
ہے۔ (عزیز الفتاویٰ: جلد اول: ۴۸۸)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

طلاق واقع ہونے کے لیے عورت کا سامنے ہونا یا طلاق کے الفاظ سنانا یا عورت کا نام لے کر طلاق
دینا شرط نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۸/۲۶۶، مبوب و مرتب). واللہ تعالیٰ اعلم۔

بذریعہ ایس ایم ایس (SMS) طلاق دینے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو فون میں (SMS) کے ذریعہ ایک طلاق دی، ایک ہفتہ کے بعد
دوسری طلاق دی (SMS) کے ذریعہ پھر تین سال کے بعد ہم نے یہ طے کر لیا کہ ساتھ رہنا چاہئے، کیا ہمارا نکاح
باقی ہے یا نہیں؟ نیز ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ ایس ایم ایس (SMS) کے ذریعہ دی ہوئی دونوں طلاقیں واقع ہو گئیں، اب
اگر دوبارہ ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو از سر نو دو گواہوں کے سامنے تجدید نکاح کے بعد ساتھ رہ سکتے ہیں۔ لیکن آئندہ
شوہر کو صرف ایک طلاق کا اختیار ہوگا، اگر کسی وقت ایک طلاق دیدیگا تو عورت مغلظہ ہو جائے گی۔
ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

ولو كتب على وجه الرسالة والخطاب ؛ كان يكتب يا فلانة: إذا أتاك كتابي هذا
فأنت طالق طلقت بوصول الكتاب. وفي الشامية: قوله طلقت بوصول الكتاب أي إليها

ولا يحتاج الى النية في المستبين المرسوم ، ولا يصدق في القضاء أنه عنى تجربة الخط ، بحر .

وفيه : وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى أولم ينو ثم المرسومة لا تخلو إما أن أرسل الطلاق بأن كتب : أما بعد فأنت طالق ، فكما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة وإن علق طلاقها بمجئ الكتاب بأن : إذا جاءك كتابي فأنت طالق فجاءها الكتاب فقرأته أولم تقرأ يقع الطلاق كذا في الخلاصة . (الدر المختار مع رد المحتار : ۳ / ۲۴۶ ، مطلب في الطلاق بالكتابة ، سعيد) .

ہدایہ میں ہے :

وإذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها لأن حل المحلية باقٍ لأن زواله معلق بالطلقة الثالثة فينعدم قبله ومنع الغير في العدة لاشتباه النسب ولا اشتباه في إطلاقه . (الهداية : ۲ / ۳۹۹ ، باب الرجعة ، فصل فيما تحل به المطلقة) .
البحر الرائق میں ہے :

قوله ويهدم الزوج الثاني مادون الثلاث حتى لو طلقها واحدة وانقضت عدتها وتزوجت بآخر وطلقها وانقضت عدتها منه ثم تزوجها الأول يملك ثلاثاً إن كانت حرة ... وعند محمد يملك عليها ثنتين في الحرة وواحدة في الأمة ومراده إن دخل بها ولو لم يدخل بها لا يهدم اتفاقاً كما في القنية وقد أخذ أبو حنيفة وأبو يوسف فيها بقول شبان الصحابة رضي الله تعالى عنهم كابن عباس رضي الله تعالى عنهما وابن عمر رضي الله تعالى عنهما وأخذ محمد بقول الأكابر كعمر رضي الله تعالى عنه وعلي رضي الله تعالى عنه وحاصل ما استدلوا به من قوله صلى الله عليه وسلم : لعن الله المحلل له بطريق الدلالة أنه لما كان محلاً في الغليظة ففي الخفيفة أولى أو بالقياس بجامع كونه زوجاً ، ورده المحقق في فتح القدير والتحرير بأن التحليل إنما جعل في حرمتها بالثلاث فلا حرمة قبلها فظهر أن

القول ما قاله محمدٌ وباقي الأئمة الثلاث. (البحر الرائق: ۴/ ۵۸، باب الرجعة، كوئته).

مزید ملاحظہ ہو: (الهدایة: ۲/ ۴۰۰، باب الرجعة). واللہ تعالیٰ اعلم۔

متصلاً إن شاء الله کہنے سے وقوع طلاق کا حکم:

سوال: ایک آدمی نے اپنی بیوی کو بایں الفاظ طلاق دی: ”طلاق، طلاق، طلاق ان شاء الله“ تو کیا واقع ہوئی یا نہیں؟ اور کتنی واقع ہوئی؟

الجواب: طلاق دیتے وقت زبان سے متصلاً ان شاء الله کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، لہذا صورت مسئلہ میں بھی طلاق واقع نہیں ہوئی۔

قال العلامة التمرتاشي في تنوير الأبصار: قال لها: أنت طالق إن شاء الله متصلاً مسموعاً لا يقع. (تنوير الأبصار: ۳/ ۳۶۶، سعيد).
ہدایہ میں ہے:

وإذا قال لامرأته أنت طالق إن شاء الله تعالى متصلاً لم يقع الطلاق، لقوله عليه السلام: من حلف بطلاق أو عتاق وقال: إن شاء الله تعالى متصلاً به لاحق عليه ولأنه أتى بصورة الشرط فيكون تعليقاً من هذا الوجه وأنه إعدام قبل الشرط والشرط لا يعلم ههنا فيكون إعداماً من الأصل ولهذا يشترط أن يكون متصلاً به بمنزلة سائر الشروط. (الهداية: ۳۸۹/۲، فصل في الاستثناء).

مزید ملاحظہ ہو: (امداد الاحکام: ۲/ ۴۱۶۔ فتاویٰ محمودیہ: ۱۳/ ۱۱۳، محبوب و مرتب). واللہ تعالیٰ اعلم۔

سراً ان شاء الله کہنے سے وقوع طلاق کا حکم:

سوال: ایک شخص نے طلاق اس طرح دی کہ ان شاء الله آہستہ کہا، مثلاً یوں کہا: میں تمام لوگوں کے سامنے طلاق دیتا ہوں اور آہستہ ان شاء الله کہا، جس کو کسی نے نہیں سنا تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ نیز ایک آدمی کو

تین طلاق دینے پر مجبور کیا گیا کہ اگر طلاق نہیں دو گے تو مار دئے جاؤ گے، اس نے دباؤ میں آ کر تین طلاقیں دیں، اور چپکے سے ان شاء اللہ کہا، اس صورت میں اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ جب کہ یہ ان شاء اللہ کسی نے نہیں سنا، اس نے آہستہ کہا، اور اگر بیوی تسلیم نہ کرے تو کیا حکم ہے؟ دیانۃً وقضاءً کوئی فرق ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ طلاق کے ساتھ ان شاء اللہ اس طرح کہا کہ اگر کوئی آدمی اس کے منہ کے ساتھ کان لگا دیتا تو سن لیتا، اور شوہر صالح و متقی ہے تو اس کا قول مع الیمین معتبر ہوگا اور طلاق واقع نہیں ہوگی۔ نیز اگر اہ بھی طلاق دل سے نہ دینے کی دلیل ہے۔

یہ مسئلہ دیانۃً ہے البتہ اگر عورت انکار کر دے کہ ان شاء اللہ نہیں کہا، تو شوہر کا قول بغیر بینہ کے قابل قبول نہ ہوگا۔

لیکن اگر صرف دل میں کہا اور زبان سے اس طرح نہیں کہا کہ کان لگانے والا سن لے تو استثناء معتبر نہ ہوگا، اور طلاق واقع ہو جائے گی۔

درمختار میں ہے:

قال لها أنت طالق إن شاء الله متصلاً... مسموعاً بحيث لو قرب شخص أذنه إلى فيه يسمع. وفي الشامية: (قوله بحيث لو قرب) أشار به إلى أن المراد من المسموع ما شأنه أن يسمع وإن لم يسمعه المنشئ لكثرة أصوات مثلاً. وقوله (مسموعاً) هذا عند الهندواني، وهو الصحيح كما في البدائع، وعند الكرخي ليس بشرط. (الدر المختار مع فتاوى الشامی: ۳/۳۶۸).

وفي الشامي عن البحر: والشرط سماعه لا سماعهم على ما عرف في الجامع الصغير. (فتاوى الشامی: ۳/۳۷۰، سعید).

وفي الدر المختار: ويقبل قوله إن ادعاه وأنكرته في ظاهر المروي عن صاحب المذهب وقيل: لا يقبل إلا بينة وعليه الاعتماد والفتوى احتياطاً لغلبة الفساد، خانية، وقيل إن عرف بالصلاح فالقول له. وفي الشامی: (قوله ان عرف... الخ) قائله صاحب الفتح...

قلت: ولا يخفى أن هذا تحقيق للقول الثاني المفتى به لأن المشايخ عللوه بفساد الزمان أي فيكون الزوج متهماً وإذا كان صالحاً تنتفى التهمة فيقبل قوله فلا يكون هذا قولاً ثالثاً فتدبر.
(الدر المختار مع فتاوى الشامى: ۳/۳۶۹، سعيد).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

استثناء میں یہ تفصیل ہے کہ زوجہ پر بینہ ہے، اگر وہ بینہ نہ پیش کرے تو اگر زوج صلاح و تقویٰ میں معروف ہے تو اس کا قول مع الیمین معتبر ہے ورنہ قول زوج بدون بینہ قبول نہ کیا جائیگا۔ (احسن الفتاویٰ: ۵/۱۹۶)۔

مزید ملاحظہ ہو: (الفتاویٰ الہندیہ: ۶/۳۹۶۔ و بدائع الصنائع: ۳/۱۵۵۔ و منحة الخالق على البحر الرائق: ۴/۴۰۔ و فتاویٰ محمودیہ: ۱۳/۱۵۵۔ و فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۹/۱۳۸)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

شوہر کا منہ بند کر لینے سے وقوع طلاق کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی سے غصے اور جھگڑے میں کہا: میں ابھی آپ کا فیصلہ کرنے والا ہوں، میں طلاق کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ پھر اس نے بات شروع کی کہ تم میری بات نہیں مانتی، اس لئے تم کو ... اتنی بات کہی تھی کہ بیوی نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا اور طلاق کا لفظ اس کے منہ سے نہیں نکل سکا تو طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ اس شخص کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔ وقوع طلاق کے لئے تلفظ ضروری ہے، اور تلفظ نہیں پایا گیا۔
عالمگیری میں ہے:

ولو قال: أنت طالق وهو يريد أن يقول ثلاثاً، فقبل أن يقول ثلاثاً أمسك غيره فمه أو مات تقع واحدة، كذا في محيط السرخسي . (الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۳۵۹)۔
اس سے معلوم ہوا کہ جب شوہر نے طلاق کا تلفظ کیا اور ثلاثا کا لفظ نہیں کہا تو ایک طلاق واقع ہوئی اور تین نہیں ہوئی۔

نیز محدثین میں مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب نے ”لا طلاق في إغلاق“ (رواہ أبوداؤد: ص ۲۹۸، باب الطلاق

علی غبط). کا ایک مطلب یہ بیان کیا ہے کہ منہ بند کر کے تلفظ کرنے کی صورت میں طلاق نہیں ہوئی۔

فنقول: المراد من الإغلاق هو إغلاق الفم حيث لا يقدر على التكلم، ولا يمكن له أن يتلفظ بلفظ الطلاق مفسراً وإن تلفظ بشيء يسير مبهماً لا يحصل المقصود به، فمثل هذا الطلاق لا يقع، لأنه لا يقال له عرفاً أنه طلق إذا لم يفهم لفظ الطلاق من كلامه، ولم يصدر منه التلفظ به، حيث يدل على المقصود. (إعلاء السنن: ۱۱/۱۸۰، إدارة القرآن). واللہ تعالیٰ اعلم۔

والدین کے کہنے پر طلاق دینے کا حکم:

سوال: اگر باپ بیٹے کو طلاق دینے کا حکم کرے تو شرعاً اس کا ماننا ضروری ہے یا نہیں؟ مدلل بیان کرے؟

الجواب: حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے کہا ”إن امرأتی لا تدفع يد لامس“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”طلقها“ اس شخص نے کہا ”إني أحبها“ پھر فرمایا: ”فاستمتع بها“ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر باپ بیٹے کو طلاق کا حکم دے تو یہ مشورہ کے درجہ میں ہے، حکم شرعی کے درجہ میں نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث میں بیوی کی تقصیر کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق کا حکم یعنی مشورہ دیا، اور آپ کا درجہ یقیناً باپ سے بڑھ کر ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشورہ نہیں مانا گیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض بھی نہیں ہوئے، اسی طرح ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معاملہ میں ان کے والد کا حکم اور ان کے والد کے حکم کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشورہ تسلیم کرنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ضروری نہیں تھا، لیکن انہوں نے قبول کر لیا، اگر کوئی قبول نہ کرے تو کوئی حرج نہیں، اور اکثر طلاق کے بارے میں والدین کا مشورہ درست بھی نہیں ہوتا، علیٰ ہذا القیاس حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے شوہر کے ساتھ رہنے کا مشورہ بھی حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تسلیم نہیں کیا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض نہیں ہوئے۔

ملاحظہ فرمائیں یہی سنن کبریٰ میں ہے:

عن عبد الكريم بن مالك عن أبي الزبير عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنهما

أن رجلاً أتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله! إن لي امرأة وهي لا تدفع يد لامس، قال: "طلقها" قال: إني أحبها، وهي جميلة، قال: "فاستمتع بها". (السنن الكبرى للبيهقي: ۱۵۵/۷، دارالمعرفة- وكذا في المعجم الاوسط للطبراني: ۱۰/۴۲۰/۶۵۹۷- ومجمع الزوائد: ۴/۳۳۵، باب فيمن يكثر الطلاق، دارالفكر).

اگرچہ اس حدیث پر یہ کلام کیا جاسکتا ہے کہ ابوالزبیر مدلس ہیں اور ان کا عنعنہ محل نظر ہے، تاہم اس روایت سے اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ طلاق دینا لازم نہیں تھا، بلکہ یہ حکم مشورہ کے درجہ میں تھا۔
ترمذی شریف میں ہے:

عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: كانت تحتي امرأة أحبها وكان أبي يكرهها، فأمرني أبي أن أطلقها فأبيت فذكرت ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم، فقال: يا عبد الله ابن عمر طلق امرأتك. (رواه الترمذی: ۱/۲۲۶، باب ما جاء في الرجل يسأله أبوه ان يطلق امرأته- وابن ماجه: ۱۵۱، باب الرجل يأمره أبوه بطلاق امرأته).

ریاض الصالحین کی شرح میں شیخ محمد بن صالح العثیمین فرماتے ہیں:

ذكر حديث عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما أنه كان له امرأة يحبها فأمره أبوه أن يطلقها لكنه أبى ذلك، لأنه يحبها، فذكر عمر رضي الله تعالى عنه ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم، فأمر ابن عمر بطلاقها، وكذلك الحديث الآخر في امرأة كانت تأمر ابنها بطلاق زوجته فبين النبي صلى الله عليه وسلم أن صلة الرحم أوبر الوالدین سبب دخول الجنة، وهو إشارة إلى أنه إذا بر والدته بطلاق زوجته كان ذلك سبباً لدخول الجنة، ولكن ليس كل والد يأمر ابنه بطلاق زوجته تجب طاعته، فإن رجلاً سأل الإمام أحمد بن حنبل قال: إن أبي يقول: طلق امرأتك، وأنا أحبها، قال: لا تطلقها، قال: أليس النبي صلى الله عليه وسلم قد أمر ابن عمر أن يطلق زوجته لما أمره عمر، فقال له الإمام أحمد: وهل أبوك عمر؟ لأن عمر نعلم علم اليقين أنه لن يأمر عبد الله بطلاق زوجته إلا بسبب شرعي، وقد يكون ابن لم يعلمه، لأنه من المستحيل أن عمر يأمر ابنه بطلاق زوجته ليفرق بينه وبين

زوجته بدون سبب شرعی، فهذا بعيد، وعلى هذا فإذا أمر أبوک أو أمک بأن تطلق امرأتک، وأنت تحبها، ولم تجد عليها مأخذاً شرعياً، فلا تطلقها، لأن هذه من الحاجات الخاصة التي لا يتدخل أحد فيها بين الإنسان وبين زوجته. (شرح رياض الصالحين: ۱/۷۰۲، باب بر الوالدین وصلة الارحام، دارالسلام).

فتاویٰ حقانیہ میں ہے:

والدین کی رضامندی کے لیے بیوی کو قربان کرنا اگرچہ بیٹے کی فرمانبرداری کا اعلیٰ نمونہ ہے، لیکن ایسی حالت میں جب کہ عورت کا کوئی جرم بھی نہ ہو ایک عورت کی زندگی سے کھیلنا اور اس کو جدائی کی وادی میں دھکیلنا یا اپنے آپ کو جدائی کے ناقابل برداشت بوجھ کے نیچے دبانا کسی بڑے امتحان سے کم نہیں، عام معاشرہ میں حضرت عمر جیسے والد کس کو نصیب ہوتے ہیں کہ جس سے ابن عمر کے کردار کی توقع رکھی جاسکے، اس لیے والدین کی رضامندی کے لیے طلاق دینا اگرچہ جائز ہے، لیکن حالات پر نظر رکھنے کے بغیر یہ اقدام کرنا کسی مصیبت کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔ (فتاویٰ حقانیہ: ۳/۵۸۰).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

جب کہ بیوی میں دینی، اخلاقی، معاشرتی کسی قسم کی خرابی نہیں اور وہ اپنے شوہر کے والدین کو نہیں ستاتی، بلکہ ان کی خدمت کرتی ہے اور ان کو خوش رکھتی ہے، ادھر شوہر کو یہ بھی اندیشہ ہے کہ اگر بیوی کو طلاق دیدی بیوی کی حق تلفی ہوگی، تو ان مجموعی حالات کے پیش نظر طلاق نہیں دینی چاہئے، طلاق نہ دینے سے زید گنہگار نہیں ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۱۶۱، محبوب و مرتب). واللہ تعالیٰ اعلم۔

امساک بالمعروف نہ کرنے پر طلاق کا حکم:

سوال: ایک صاحب ملکیت شخص نے اپنی عورت کو گھر سے الگ کر دیا، خرچ بھی کچھ نہیں دیتا، اب وہ عورت انتہائی مصیبت سے زندگی کے ایام بسر کر رہی ہے، شخص مذکور نے اپنی ملکیت بھی دوسرے کے نام کر دی ہے، اس لیے بذریعہ عدالت بھی کوئی چارہ جوئی نہیں ہو سکتی، اب وہ عورت اس بے کسی کی حالت میں طلاق لینے

کی مستحق ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر کوئی صورت طلاق کی نکل سکے تو تحریر فرمائیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ جب وہ امساک بالمعروف نہیں کرتا، اور زوجہ کو نفقہ نہیں دیتا، نیز ادا نیگی حقوق سے بھی بے پرواہ ہے، تو اس کو طلاق دینا چاہئے، اور اگر شوہر از خود طلاق نہیں دیتا تو اس کو طلاق دینے پر مجبور کیا جائے گا، لیکن بغیر طلاق کے عورت شوہر کے نکاح سے علیحدہ نہیں ہو سکتی، عورت کو چاہئے کہ جمعیت العلماء کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کرے، وہ حضرات تحقیق کرنے کے بعد نکاح فسخ کر سکتے ہیں۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

وإيقاعه مباح ... ويجب لو فات الإمساك بالمعروف. (الدر المختار: ۳/۲۲۹، کتاب الطلاق،

سعيد).

البحر الرائق میں ہے:

ويكون واجباً إذا فات الإمساك بالمعروف ... ولذا قالوا: إذا فاته الإمساك

بالمعروف ناب القاضي منابه فوجب التسريح بإحسان. (البحر الرائق: ۳/۲۳۷، کوئٹہ، کتاب الطلاق).

بدائع الصنائع میں ہے:

وقال النبي صلى الله عليه وسلم: لا ضرر ولا ضرار في الإسلام ... لأن الله أوجب

على الزوج الإمساك بالمعروف أو التسريح بالإحسان بقوله عز وجل: ﴿فإمساك

بمعروف أو تسريح بإحسان﴾ ومعلوم أن استيفاء النكاح عليها مع كونها محرومة الحظ

من الزوج ليس من الإمساك بالمعروف في شيء فتعين عليه التسريح بالإحسان فإن سرح

بنفسه وإلا ناب القاضي منابه في التسريح. (بدائع الصنائع: ۲/۳۲۳، فصل في خلو الزوج عن العيوب،

سعيد).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۵/۹، مدلل مکمل۔ کتاب الفسخ والتفريق: ص ۸۸۔ و مجموعہ قوانین اسلامی:

ص ۱۹۸۔ والحيلة الناجزة: ص ۱۱۷). واللہ تعالیٰ اعلم۔

بے جا اور بلا وجہ شرعی ہونے والی طلاق روکنے کی تدبیر:

سوال: میاں بیوی آپس میں معاہدہ کر لے کہ اگر شوہر نے بے جا یا بلا وجہ شرعی تین طلاق دیدیں تو شوہر پر یہ لازم اور ضروری ہے کہ بیوی کو مکان دے یا گاڑی دے یا بڑی رقم دیکر رہا کرے، تو کیا بنگاہ شریعت اس طرح معاہدہ کرنے کی گنجائش ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اگر شوہر کو طلاق کے بیجا استعمال سے روکنے کے لیے بوقت عقد نکاح کسی ایسے معاہدہ کا پابند کیا جائے کہ جس کے مطابق وہ عورت کو جلد بلا قصور طلاق دیدے تو بطور متعہ ایک خطیر رقم کی ادائے گی اس کے ذمہ لازم قرار دی گئی ہو تو یہ صورت غالباً وفق بالقرآن بھی ہوگی، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿وَلِلْمُطَلَّقاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾ (سورة البقرة:).

اور طلاق شدہ عورتوں کے لیے معروف طریقہ پر متعہ دینا پرہیزگاروں پر لازم ہے، اگرچہ حسب تصریحات فقہاء متعہ کی یہ صورت صرف مستحب کے درجہ میں ہے، تاہم معاہدہ کے بعد اس کا لازم الوفاء ہونا ارشاد نبوی کے عین موافق ہوگا۔

بخاری شریف میں ہے:

عن عقبہ بن عامر رضي الله تعالى عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "أحق ما أوفيتم من الشروط أن توفوا به ما استحللتم به الفروج . (رواه البخاری: ۲/۷۷۴/۴۹۵۷، باب الشروط فی النکاح، فیصل).

وعدہ کو پورا کرنا بعض صورتوں میں لازم ہوتا ہے، جب کہ وعدہ عقد میں ہو۔
ملاحظہ فرمائیں قاضی خان میں ہے:

وإن ذكر البيع من غير شرط ثم ذكر الشرط على وجه المواعدة جاز البيع ويلزمه الوفاء بالوعد لأن المواعدة قد تكون لازمة فتجعل لازمة لحاجة الناس . (قاضیخان علی ہامش الہندیہ: ۲/۱۶۵، فصل فی الشروط المفسدة، تحت مسئلة بيع الوفاء).

نیز یہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح عقد بیع میں وعدہ پورا کرنا لازم ہے، اسی طرح عقد نکاح میں بھی مصلحت کی وجہ سے لازم الوفاء قرار دے سکتے ہیں۔

ملاحظہ ہو شرح سیر کبیر میں ہے:

۳۵۷۰۔ فإن شرطوا في أمان الرسل ألا يأخذ عاشر المسلمين منهم شيئاً ، فإن كانوا

يعاملون رسلنا بمثل هذا فينبغي للمسلمين أن يشترطوا لهم هذا ويوفوا به .

لأن هذا شرط موافق لحكم الشرع يجب الوفاء به . (شرح کتاب السیر الکبیر لمحمد بن الحسن

الشیبانی: ۱۷۹۰/۵، باب الشروط فی المواعدة وغیرها).

آیت کریمہ ﴿وَأَوْفُوا بعهْدِ اللَّهِ﴾ (سورة النحل: ۹۱) کے تحت علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

لفظ عام لجميع ما يعقد باللسان ويلتزمه الإنسان من بيع أو صلة أو موافقة في أمر

موافق للديانة . (الجامع لاحكام القرآن: ۱۱۱/۱۰، بیروت).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (جدید فقہی مباحث: ۱۴۳/۱۱، ادارۃ القرآن۔ و جدید فقہی مسائل: ۳/۳۳-۶۰، اشتراط فی النکاح).

واللہ تعالیٰ اعلم۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ :

﴿الطلاق مرتن فامساک بمعروف أو تسریح بإحسان﴾

عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال :

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :

”ثلاث جدهن جد و ہزلہن جد،

النکاح، والطلاق، والرجعة“

(رواہ الترمذی، وقال: ہذا حدیث حسن غریب)

باب ﴿۲﴾

صریح الفاظ سے طلاق

دینے کا بیان

باب ﴿۲﴾

صریح الفاظ سے طلاق دینے کا بیان

تین طلاق دیکر تاکید کی نیت کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے بیوی سے جھگڑا کی حالت میں کہا: تجھے طلاق، طلاق، طلاق اب وہ کہتا ہے کہ میں نے تاکید کے لیے کہا تھا مقصود ایک طلاق تھی، تو بیوی اس کی بات تسلیم کرے یا نہیں؟ جب کہ بیوی نے مقدمہ پیش کر دیا۔

الجواب: اگر کوئی شخص تین طلاق دیکر کہے کہ میں نے تاکید کی نیت کی تھی، تو دیاۓ اس کی تصدیق کرتے ہوئے ایک طلاق کا فتویٰ دیا جائے گا، لیکن صورتِ مسئلہ میں عورت نے تین طلاق سن کر مقدمہ پیش کر دیا تو قاضی یا جمعیت العلماء شوہر کی بات کو تسلیم نہ کرتے ہوئے ظاہر پر فیصلہ فرما کر تین طلاق کا حکم صادر کرنے پر مامور ہوگی۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

کرر لفظ الطلاق وقع الكل، وإن نوى التاكيد دين. وفي الشامية: دين: أي وقع الكل

قضاء. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۹۳/۳، سعید).

تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ میں ہے:

سئل في رجل قال لزوجته: روجي طالق وكررها ثلاثاً ناوياً بذلك جميعه واحدة وتاكيداً للأولى... وهو يحلف بالله العظيم أنه قصد ذلك، لا غيره فهل يقع عليه بذلك واحدة رجعية ديانة حيث نواها فقط؟ (الجواب): لا يصدق في ذلك قضاء، لأن القاضي مأمور باتباع الظاهر، والله يتولى السرائر، وإذا دار الأمر بين التأسيس والتأكيد تعين الحمل على التأسيس. (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۱/ ۳۶، كتاب الطلاق، دار الاشاعة العربية).

نظام الفتاوی میں ہے:

اگر یہ معاملہ قاضی (یا قائم مقام قاضی جیسے جماعت مسلمین و شرعی کمیٹی) کے سامنے پہنچ جائے گا، تو وہ بھی بحلف بیان کرنے کی تصدیق نہ کرے گا، بلکہ تین طلاق کا ہی حکم ہوگا۔ (نظام الفتاوی: جلد دوم: ص ۲۲۳).

واللہ تعالیٰ اعلم۔

الفاظ صریحہ میں تاکید کی نیت کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کے سامنے ”انت طالق، طالق، طالق“ کے الفاظ کہے اور دوسری اور تیسری طلاق سے تاکید کی نیت کی تو ایک واقع ہوگی یا تین؟ اور طلاق رجعی واقع ہوگی یا بائن؟

الجواب: بصورت مسئلہ تاکید کی نیت کرنے کی وجہ سے دیانۃً ایک طلاق بائن واقع ہوگی، لیکن قضاء اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

رجل قال لامرأته: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، فقال: عنيت بالأولى الطلاق وبالثانية والثالثة إفهامها صدق ديانة وفي القضاء طلقت ثلاثاً. (فتاویٰ قاضیخان علی هامش الہندیہ: ۱/ ۴۶۱، کتاب الطلاق).

ومثله في الأشباه والنظائر مع حاشية الحموي: (۱/ ۱۷۸)، القاعدة الثانية الأمور بمقاصدها. والفتاوى التاتارخانية: (۳/ ۲۸۶)، نوع آخر في تكرار الطلاق وإيقاع العدد).

ہدایہ میں ہے:

وإذا وصف الطلاق بضرب من الزيادة والشدة كان بائناً. (الهداية: ۲/۳۶۹).

درمختار میں ہے:

کرر لفظ الطلاق وقع الكل، وإن نوى التاكيد دين. (الدرالمختار: ۳/۲۹۳، باب طلاق غير

المدخول بها، سعيد).

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

سوال: زید نے اپنی بیوی کو حالت غصہ میں تین تین طلاق دیں ساتھ الفاظ متفرقہ اور صریحہ کے وہ الفاظ یہ

ہیں: کہ تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، پھر زید کہتا ہے کہ مراد ہماری ان الفاظ سے تاکید ہے؟

الجواب: درمختار میں ہے: کرر لفظ الطلاق... اس سے معلوم ہوا کہ قاضی اس کا اعتبار نہ کرے گا، اور

دیانۃ اس کی نیت معتبر ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۹/۲۲۷، مدلل مکمل).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

شوہر نے لفظ طلاق ایک دفعہ کہنے کے بعد اگر بار بار محض تاکید کی نیت سے دہرایا ہے اور خالی الذہن تھا،

اور جدید طلاق کی نیت نہ کی تو دیانۃ ایک ہی طلاق واقع ہوئی۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۲۸۰، مبوب و مرتب). واللہ تعالیٰ اعلم۔

خالی الذہن کی طلاق کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تم پر طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے، اور کوئی نیت نہیں تھی،

خالی الذہن تھا، تو کتنی طلاقیں واقع ہوں گی۔

الجواب: حضرت مفتی فرید صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی نیت مستحضر نہ ہو تو صرف ایک طلاق

رجعی واقع ہوگئی۔ کما فی الدرالمختار: کرر لفظ الطلاق وقع الكل، وإن نوى التاكيد دين.

وفي رد المحتار (۲/۸۴۲): أي ووقع الكل قضاءً وكذا إذا أطلق أشباه، أي بأن لم ينو استينافاً

ولا تأكيداً لأن الأصل عدم التاكيد، انتهى. قلت: والفتوى على الديانة دون القضاء فافهم.

قال العلامة محمد أمين ابن عابدين: المراد من قولهم يدين ديانة لا قضاء أنه إذا استفتى فقيهاً يجيبه على وفق ما نوى ولكن القاضي يحكم عليه بوفق كلامه ولا يلتفت إلى نيته إذا كان فيما نوى تخفيف عليه. (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۱/۳، فوائد بآداب المفتى). (فتاوى فریدیہ: ۵/۴۴۷).

الاشباه والنظائر میں ہے:

ولو كرر لفظ الطلاق، فإن قصد الاستئناف وقع الكل، أو التأكيد فواحدة ديانة، والكل قضاء، وكذا إذا أطلق. وفي شرح الأشباه للعلامة الحموي: قوله: وكذا إذا أطلق: يعني لو كرر لفظ الطلاق، ولم ينو الاستئناف، ولا التأكيد يقع الكل قضاء، لأنه يجعل تأسيساً لا تأكيداً، لأنه خير من التأكيد. (الاشباه والنظائر مع غمزيون البصائر: القاعدة الثانية: الامور بمقاصدها: ۱/۱۷۸، ادارة القرآن).

الاشباه والنظائر میں ہے:

يدخل في هذه القاعدة (أي أعمال الكلام أولى من إهماله) قولهم: التأسيس خير من التأكيد فإذا دار اللفظ بينهما تعين الحمل على التأسيس، ولذا قال أصحابنا: لو قال لزوجته: أنت طالق طالق طالق طلقت ثلاثاً. (الاشباه والنظائر: ۱/۳۷۶، القاعدة التاسعة، ادارة القرآن). واللہ تعالیٰ اعلم۔

مذاق میں صریح الفاظ سے طلاق دینے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے تین مرتبہ یہ الفاظ کہے ”انت طالق انت طالق انت طالق“ پھر کہتا ہے کہ ایک حقیقتاً دی اور دو مذاق میں دی تو کتنی واقع ہوئیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ تین طلاقیں واقع ہو گئیں، کیونکہ طلاق کے باب میں حقیقت تو حقیقت ہے ہی مذاق بھی حقیقت ہے، لہذا مذاق کی طلاق بھی حقیقتاً واقع ہو گئی، اب بتصریح نص قرآنی یہ عورت بدونِ حلالہ کے زوج اول کے لیے حلال نہیں ہے، اور یہی جمہور فقہاء کا مذہب ہے۔

نص قرآنی ملاحظہ فرمائیں:

﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ (سورة البقرة: ۲۳۹).

ترمذی شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ثلاث جدهن جد وهزلهن جد، النكاح، والطلاق، والرجعة، هذا حديث حسن غريب. (رواه الترمذی: ۱/۲۲۵، باب ما جاء في الحدو والهزل في الطلاق).

علامہ شامی فرماتے ہیں:

أو هازل أي فيقع قضاءً وديانةً. (فتاویٰ الشامی: ۳/۲۳۸، سعید).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وطلاق اللاعب والهازل به واقع. (الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۳۵۳، فیمن يقع طلاقه).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (الفتاویٰ التاتاریخانیہ: ۳/۲۵۷، من يقع طلاقه ومن لا يقع، إدارة القرآن).

واللہ تعالیٰ اعلم۔

طلاق کہکر زوج اول کی طلاق مراد لینے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو پہلے دو طلاقیں دی تھیں، پھر کچھ مدت کے بعد جھگڑے کے وقت طلاق کہا، لیکن وہ کہتا ہے کہ میں نے یہ نیت کی تھی کہ تم کو پہلے شوہر سے طلاق تھی، اب شرعاً بیوی کے لیے شوہر کے ساتھ رہنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ یاد رہے کہ بیوی کو پہلے شوہر سے طلاق ہوئی تھی۔

الجواب: بصورتِ مسئلہ اگر شوہر کی نیت یہی تھی جو سوال میں مذکور ہے تو طلاق واقع نہیں ہوئی اور بیوی شوہر کے ساتھ رہ سکتی ہے، لیکن آئندہ اس قسم کے الفاظ سے اجتناب کرنا چاہئے۔
ملاحظہ فرمائیں طحاوی میں ہے:

وكذا لو نوى طلاقها من زوجها الأول على الصحيح (خانية) أي يصدق قضاءً وديانةً

إذا كان لها زوج طلقها قبل. (حاشیۃ الطحاوی علی الدر المختار: ۲/۱۱۳).

الغرض: بہتر صورت یہ ہے کہ زوجین اپنا مسئلہ کسی حکم کے پاس لیجائیں، حکم شوہر سے قسم لے گا، اگر شوہر نے قسم کھالی اور واقعی بیوی کو پہلے شوہر سے طلاق بھی ہوئی تھی تو بیوی شوہر کے ساتھ رہ سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

”أنت طالق واحدة في ثنتين“ کہنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے ”أنت طالق واحدة في ثنتين“ کہا تو کتنی طلاق واقع ہوگی؟ اور اس میں کیا اختلاف ہے اور فتویٰ کس کے قول پر ہے؟

الجواب: صورتِ مسئلہ میں ظاہر الروایت کے مطابق ایک طلاق واقع ہوتی ہے، لیکن امام زفرؒ کے نزدیک دو طلاقیں واقع ہوں گی، اور فتویٰ امام زفرؒ کے قول پر ہے، یعنی مفتیؒ بہ قول کے مطابق دو طلاقیں واقع ہوں گی۔

ہدایہ میں ہے:

ولو قال: أنت طالق واحدة في ثنتين ونوى الضرب والحساب أولم تكن له نية فهي واحدة، وقال زفرؒ: تقع ثنتان لعرف الحساب وهو قول حسن بن زياد. (الهداية: ۲/۳۶۳).

فتح القدیر میں ہے:

وجه قول زفرؒ أن عرفهم فيه تضعيف أحد العددين بعدد الآخر فقوله واحدة في ثنتين كقوله واحدة مرتين أو ثنتين مرة. (فتح القدیر: ۴/۲۲، دار الفکر).

در مختار میں ہے:

وبواحدة في ثنتين واحدة إن لم ينو أو نوى الضرب لأنه يكسر الأجزاء لا الأفراد... و في الشامية: وقال زفرؒ والحسن بن زياد والأئمة الثلاثة، يقع ثنتان، لأن عرف أهل الحساب فيه تضعيف أحد العددين بعدد الآخر، ورجحه في الفتح: بأن العرف لا يمنع... واختاره أيضاً في غاية البيان... قال الرحمتي: فتزاد هذه المسئلة على المسائل المفتى بها بقول زفرؒ. أي لأن المحقق ابن الهمام من أهل الترجيح كما اعترف به صاحب البحر في

کتاب القضاء. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۲۶۱، باب الصریح، سعید).

شامی میں ہے:

وقد زدت على ذلك ثمانى مسائل : إذا قال أنت طالق واحدة في ثنتين وأراد الضرب تقع ثنتان عنده ، ورجحه المحقق الكمال بن الهمام والاتفاني في غاية البيان. (فتاوى الشامى: ۳/۶۰۸، باب النفقة، سعید). واللہ اعلم۔

ڈرکی وجہ سے لاعلمی میں تین مرتبہ ”اُنت طالق“ کہنے کا حکم:

سوال: ایک نو مسلم شخص کے خسر نے تین طلاقیں انگریزی زبان میں اس سے حاصل کیں، جب کہ اس نو مسلم کو معلوم نہیں تھا کہ تین دینے سے کیا ہوگا، محض ڈرکی وجہ سے یہ الفاظ بغیر نیت کے کہہ دیئے، تو ان الفاظ ”اُنت طالق، اُنت طالق، اُنت طالق“ سے کتنی طلاقیں واقع ہوئیں؟

الجواب: صورتِ مسئلہ میں صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوئی، اس لیے کہ بعد والی دو طلاقیں سے نئی طلاق دینا مقصود نہیں تھا، بلکہ ایک اور تین میں فرق معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ویسے ہی تکرار کیا، لہذا دیانۃ تصدیق کی جائے گی، ہاں اگر بیوی نے قاضی کے سامنے مقدمہ پیش کر دیا تو قاضی تین طلاقیں کا فیصلہ دیگا۔
ملاحظہ فرمائیں تبیین الحقائق میں ہے:

إذا قال : أنت طالق ، طالق ، طالق ، وقال : إنما أردت به التكرار صدق ديانة لا قضاء فإن القاضي مأمور باتباع الظاهر والله يتولى السرائر. (تبیین الحقائق: ۲/۲۱۸).

الاشباه والنظائر میں ہے:

ولو كرر لفظ الطلاق فإن قصد الاستئناف وقع الكل أو التاكيد فواحدة ديانة والكل قضاء وكذا إذا أطلق. (الاشباه والنظائر: ۱/۱۷۸).

مزید ملاحظہ ہو: (الفتاوى الهندية: ۱/۳۵۵، باب فى ايقاع الطلاق۔ الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۲۳۵، سعید۔ وفتاوى محمودیه: ۱۲/۴۴۳، مبوب ومرتب). واللہ اعلم۔

تعداد میں شک ہونے سے طلاق کا حکم:

سوال: ایک شخص کو شک ہے کہ دو طلاق دی یا تین، تو کتنی طلاق واقع ہوئی؟

الجواب: دو یا تین میں شک ہو تو چونکہ دو یقینی ہیں اس وجہ سے دو طلاقیں واقع ہوں گی، لیکن غالب گمان یہ ہے کہ تین طلاقیں دیں تو پھر تین واقع ہو جائیں گی۔
ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

ولو شك أطلق واحدة أو أكثر بنى على الأقل . وفي الشامية: بنى على الأقل أى كما ذكره الاسبيجاني ، إلا أن يستيقن بالأكثر أو يكون أكبر ظنه . (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۲۸۳، باب الصريح، سعيد).

بدائع الصنائع میں ہے:

شك الزوج لا يخلو اما أن وقع في أصل التطلق أطلقها أم لا ؟ ... وان وقع في القدر يحكم بالأقل لأنه متيقن به وفي الزيادة شك . (بدائع الصنائع: ۳/۱۲۶، فصل في الرسالة في الطلاق، سعيد).

مزید ملاحظہ ہو: (الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۳۶۳، فصل فی الطلاق الصریح۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۹/۳۱۶، مدلل مکمل۔
وفتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۱۷۵، مبہوب و مرتب). واللہ تعالیٰ اعلم۔

”تجھے ایک دو تین طلاق“ کہنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا ”تجھے ایک دو تین طلاق“ تو کتنی طلاق واقع ہوئی؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ تین طلاقیں واقع ہو گئیں، لہذا بدونِ حلالہ کے یہ عورت زوج اول کے لیے حلال نہیں ہے۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

(والطلاق يقع بعدد قرن به لا به) نفسه عند ذكر العدد، وعند عدمه الوقوع بالصيغة وفي الشامية: قوله والطلاق يقع بعدد قرن به لا به أى متى قرن الطلاق بالعدد كان الوقوع بالعدد بدليل ما أجمعوا عليه من أنه لو قال لغير المدخول بها أنت طالق ثلاثاً طلقت ثلاثاً. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۸۷/۳، مطلب الطلاق يقع بعدد قرن به، سعيد).

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

ولو قال: بیکے دو و سو طلاق ثم تزوجها يقع الثلاث وتماثل هذا في خزانة الواقعات. (خلاصۃ الفتاویٰ: ۸۷/۲، جنس آخر فی العدد، المكتبة الرشيدية).

مزید ملاحظہ ہو: (الفتاویٰ البنزازیة علی هامش الهندیة: ۱۸۲/۴، فیما یتعلق لصریح الطلاق۔ و الفتاویٰ الحمادیة: ص ۱۴۱۔ و الفتاویٰ التاتاریخانیة: ۲۷۸/۳، ایقاع الطلاق بطریق الاضمار وترك الاضافة).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

”ایک، دو، تین“ سے بھی مغلطہ ہوگئی، بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۶۴/۱۲، مبوب و مرتب).

مزید ملاحظہ ہو: (امداد الاحکام: ۵۹۵/۲۔ و فتاویٰ حقانیہ: ۴۶۰/۴). واللہ تعالیٰ اعلم۔

”تین شرط پر طلاق“ کہنے کا حکم:

سوال: کسی شخص نے بیوی سے کہا کہ تم کو تین شرط پر طلاق ہے، ان الفاظ سے کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟

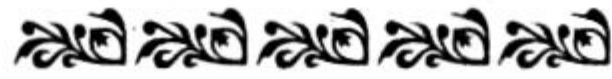
الجواب: تین شرط بعض علاقوں میں تین عدد کے معنی میں مستعمل ہے، لہذا ان علاقوں میں اس جملہ ”تم کو تین شرط پر طلاق ہے“ سے تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ فریدیہ میں ہے:

ہمارے بلاد کے عرف میں تین شرط تین دفعہ کو کہا جاتا ہے اس لیے اس عرف کی بنا پر یہ بیوی مطلقہ مغلطہ

ہوئی ہے۔

قال العلامة ابن عابدين: العرف والعادة ما استقر في النفوس من جهة العقول وتلقته
الطبائع السليمة بالقبول... اعلم أن اعتبار العادة والعرف رجع إليه في مسائل كثيرة حتى
جعلوا ذلك أصلاً فقالوا تترك الحقيقة بدلالة الاستعمال والعادة... الخ. شرح عقود رسم
المفتي، ص ۳۷، والعرف في الشرع له اعتبار. (فتاویٰ فریدیہ: ۵/۲۸۱). واللہ تعالیٰ اعلم۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ :

﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾

أخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عن رجل طلق امرأته ثلث تطليقات جميعاً

فقام غضباً ثم قال :

”أيلعب بكتاب اللہ عز وجل وأنا بين أظهركم ...“

(رواه النسائي)

باب ﴿٣﴾

طلاق ثلاثہ کا بیان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”جمع الأثاث

فی حکم

الطلقات الثلاث“

”جمع الأثاث في حكم الطلقات الثلاث“

ایک مجلس میں ایک کلمہ سے تین طلاق واقع ہونے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دے، تو اس سے ایک طلاق واقع ہوتی ہے یا تین؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں مدلل جواب مطلوب ہے؟

الجواب: قرآن حدیث و اجماع امت اور علمائے سلف، ائمہ اربعہ، بزرگانِ دین اور مشائخ مسلمین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ ایک مجلس میں ایک کلمہ سے تین طلاق دینے سے تین ہی واقع ہوتی ہے، مثلاً اگر کوئی شخص اپنی مدخول بہا یا غیر مدخول بہا بیوی کو ایک ہی تلفظ میں تین طلاقیں دیں یا اپنی مدخول بہا بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دیں، مثلاً یہ کہے: تجھے طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے، ان دونوں صورتوں میں تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، اور عورت مغلطہ ہو جاتی ہے، لہذا ایک طلاق کا فیصلہ نصوص کے مخالف ہے اور غلط ہے، اب اگر دو بارہ رشتہ نکاح میں منسلک ہونا چاہیں تو اس کی گنجائش نہیں ہے، ہاں یہ عورت عدت طلاق گزار کر دوسرے مرد سے نکاح کر لے، اور حقوق زوجیت سے بہرہ ور ہوتے ہوئے شوہر کے ساتھ رہے، پھر اتفاق سے یہ دوسرا شوہر بھی طلاق دیدے، یا وفات پا جائے، تو اس کی عدت ختم ہونے کے بعد پہلے شوہر کے لیے حلال ہوگی۔

طلاقِ ثلاثہ پر جمہور کے دلائل ملاحظہ فرمائیں:

❖ کتاب اللہ سے دلائل:

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿الطلاق مرتن فامساک بمعروف أو تسريح باحسان﴾۔ (سورۃ

یعنی ایسی طلاق جس میں رجوع ہو سکتا ہے، دوہیں پھر قاعدہ کے مطابق رکھ لے، یا اچھے طریقے سے اس کو رخصت کرے۔

تمام مفسرین اس آیت کا شان نزول یہ بیان کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں طلاقیں دینے اور عدت میں رجوع کرنے کی کوئی حد نہیں تھی، سینکڑوں طلاقیں دی جاتی تھیں، بعض لوگ بیویوں کو ستانے اور پریشان کرنے کی غرض سے طلاق دیکر عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لیتے تھے، ابتدائے اسلام میں بھی ایک عرصہ تک یہی طریقہ رائج تھا، بعد ازاں مذکورہ بالا آیت کریمہ نازل ہوئی اور یہ دیرینہ رسم منسوخ ہو گئی، نیز طلاق و رجعت کی حد بندی کر دی گئی کہ دو طلاقیں تک رجعت کا حق حاصل ہے اس کے بعد رجعت کا اختیار ختم ہو جاتا ہے، پھر طلاق کی آخری حد ﴿فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غیرہ﴾ (سورۃ البقرة: ۲۳۰) کے ذریعہ بیان کی گئی۔

لہذا اب اگر کسی نے تین طلاقیں دیں، چاہے متفرق مجالس میں یا ایک مجلس میں، چاہے ایک لفظ سے یا الگ الگ لفظ سے تینوں طلاقیں واقع ہو کر عورت مغلطہ ہو جائے گی، اور رجوع کا اختیار نہیں رہے گا۔

اشکال: تین طلاق کو ایک ماننے والے حضرات میں سے بعض یہ اشکال کرتے ہیں کہ آیت کریمہ میں ”مرتن“ فرمایا گیا ہے، جو ”مرة بعد مرة“ یعنی یکے بعد دیگرے (ایک کے بعد دوسرا) کے معنی میں ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ دو طلاقیں دو مجلس میں ہوں، گویا آیت کریمہ میں ایک مجلس میں دو طلاق کا ذکر نہیں ہے۔

الجواب: (۱) اس کا جواب یہ ہے کہ امام ابن جریر طبریؒ نے روایات کی روشنی میں ”مرتن“ کی تفسیر ”تطليقتان“ سے کی ہے جو ایک مجلس کی دو طلاق کو بھی شامل ہے، اور دو مجلس کی دو طلاق کو بھی شامل ہے، اور روایات کی روشنی میں جو تفسیر کی گئی ہو وہی معتبر ہوگی۔

(باء) نیز ”مرتن“ ”مرة بعد مرة“ کے معنی میں قطعی بھی نہیں ہے، کیونکہ دو چند اور ڈبل (دو گنا) کے معنی میں بھی قرآن وحدیث میں استعمال ہوا ہے، چند مثالیں بطور ”مشتہ نمونہ از خروارے“ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ﴿اولئك يؤتون اجرهم مرتين﴾ (سورۃ القصص: ۵۴)۔

یعنی یہ لوگ (مومنین اہل کتاب) اپنا دو گنا اجر و ثواب دیئے جائیں گے۔

(۲) ﴿وَمَنْ يَقْنُتْ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعْمَلْ صَالِحاً نُؤْتَهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ﴾ (سورۃ

الاحزاب: ۳۱)۔

اور جو کوئی تم میں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے، اور اچھے عمل کرے، تو ہم اس کو اس کا ثواب دو گنا دیں گے۔

ان دونوں آیات مبارکہ میں ”مرتین“ دو چند اور دوہرے ہی کے معنی میں ہے، یہ مطلب نہیں کہ ان کو الگ الگ دو مرتبہ ثواب دیا جائے گا۔

(۳) صحیح بخاری وغیرہ کئی کتب حدیث میں وضو کے باب میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

یہ روایت موجود ہے:

”أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ“ (رواہ البخاری: ۱/۲۷/۱۵۸۔ والترمذی:

۱۷/۱ عن أبي هريرة - وابودود: ۱/۱۸، عن أبي هريرة - وأحمد في مسنده: برقم ۱۶۹۱۱، عن عبد الله بن زييد - والبيهقي في سننه الكبرى: ۱/۷۹/۳۸۰، عن عبد الله بن زييد)۔

اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعضائے وضو کو ایک مجلس میں دو دو مرتبہ دھویا، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایک مجلس میں ایک مرتبہ اور دوسری مجلس میں دوسری مرتبہ دھویا۔

(۴) ”ان اهل مكة سألوا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يريهم آية فأراهم

انشقاق القمر مرتين“ (رواہ مسلم فی صحيحہ: ۲/۳۷۳، باب انشقاق القمر، فیصل - وعلى هامشه: قال: مرتين ای قطعتين)۔

حدیث بالا میں ”مرتین“ ”فَلِقَتَيْنِ“ دو ٹکڑے کے معنی میں ہیں؛ دو مجلس میں شق قمر کا معجزہ دکھانا مراد نہیں، کیونکہ یہ معجزہ صرف ایک ہی بار ظہور پذیر ہوا۔

پھر اگر ”مرتین“ سے ”مرة بعد أخرى“ مراد ہو تب بھی صرف اتنی بات ثابت ہوگی کہ دو طلاقیں الگ الگ آگے پیچھے دی جائیں، بیک وقت و بیک کلمہ نہ دی جائیں، اس سے زیادہ کوئی اور قید مثلاً تفریق مجلس وغیرہ کی طرف معمولی اشارہ بھی نہیں ہے، اس لیے اگر ایک مجلس یا ایک طہر میں انت طالق انت طالق، تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، الگ الگ لفظ سے طلاق دی جائے تو یہ صورت بھی ”الطلاق مرتن“ کے عین مطابق ہوگی۔

اور جب اس آیت کی رو سے ایک مجلس یا ایک طہر میں متعدد تلفظ سے دی گئی طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، تو ایک تلفظ سے دی گئی طلاقیں بھی واقع ہو جائیں گی، کیونکہ ایک مجلس میں دی گئی دونوں طلاقوں کا حکم بغیر کسی اختلاف سب کے نزدیک یکساں ہے۔

(۲) ﴿فَان طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ (سورة البقرة: ۲۳۰)۔

بعض علماء نے اس آیت کریمہ سے ایک مجلس میں تین طلاقوں کے وقوع پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ ”فان طلق“ فعل شرط ہے اور وہ عموم کے صیغوں میں سے ہے، جیسا کہ کتب اصول میں مصرح ہے، لہذا اس کے عموم میں ایک مجلس کی تین طلاقیں بھی داخل ہیں۔

علامہ ابن حزم ظاہریؒ اس آیت کریمہ کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

فهذا يقع على الثلاث مجموعة ومتفرقة ولا يجوز أن يخص بهذه الآية بعض ذلك

دون بعض بغير نص. (المحلى: ۱۰/۱۷۰)۔

(۳) ﴿تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ، لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ

يُحَدِّثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا﴾ (سورة الطلاق: ۱)۔

اس آیت کریمہ کا ظاہر یہی بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین طلاقوں کا جو حق مرد کو دیا ہے، اگر وہ اس کو ایک ہی دفعہ میں استعمال کر لے، تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی، البتہ وہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حد سے تجاوز کرنے کی بنا پر اپنی ذات پر ظلم کرنے والا ہوگا، کیونکہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل میں طلاق پر ندامت پیدا کر دے، اور بیک وقت تینوں طلاقیں دیدینے کی صورت میں زوجین کے درمیان جدائی واقع ہو جانے سے اس ندامت کا تدارک اور ازالہ نہ ہو سکے گا، اگر ایک دفعہ کی تین طلاقیں ایک ہی طلاق رجعی شمار ہوتی، جیسا کہ بعض اہل ظاہر، علامہ ابن تیمیہؒ، شیخ ابن القیمؒ اور دیگر غیر مقلدین حضرات کہتے ہیں، تو ندامت کس بات پر ہوئی؟ کیونکہ رجعت کے ذریعہ اس کے تدارک اور ازالہ کی گنجائش موجود ہے۔

حاصل کلام: ان تینوں آیات قرآنیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک مجلس میں یا ایک لفظ سے دی گئی تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

اس کے برعکس کسی ایک آیت سے اشارہ بھی یہ بات نہیں نکلتی کہ بیک مجلس یا بیک کلمہ دی گئی تین طلاقیں ایک شمار ہوں گی۔

✽ احادیث سے دلائل:

(۱) عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً فتزوجت فطلق فسئل النبي صلى الله عليه وسلم: أتحل للأول؟ قال: لا! حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (صحيح البخاری: ۷۹۱/۲، باب من أجاز طلاق الثلاث، فیصل).

حدیث بالا میں ”طلق امرأته ثلاثاً“ کا ظاہر یہی ہے کہ تینوں طلاقیں ایک ساتھ دی گئی تھیں، امام بخاریؒ نے اسی پر بنیاد رکھتے ہوئے اس حدیث کو ”باب من أجاز الطلاق الثلاث“ کے تحت ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

فالتمسك بظاهر قوله طلقها ثلاثاً فإنه ظاهر في كونها مجموعة. (فتح الباری: ۳۶۷/۹، باب من جوز طلاق الثلاث، الحديث الثالث حديث عائشة، لاہور).

(۲) امام بخاریؒ نے ”باب من أجاز الطلاق الثلاث“ کے تحت حضرت سہل بن سعدؓ کی روایت نقل فرمائی ہے، جس میں حضرت عویر عجلانیؓ کا قصہ لعان ذکر فرمایا ہے۔ اس قصہ میں مذکور ہے کہ جب میاں بیوی لعان سے فارغ ہوئے تو حضرت عویرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کرنے سے پہلے ہی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔

چنانچہ مذکور ہے: ”فطلقها ثلاثاً قبل أن يأمره رسول الله صلى الله عليه وسلم“. (صحيح البخاری: ۷۹۱/۲، باب من أجاز طلاق الثلاث).

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ ایک ہی مجلس کی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

قال العلامة العيني: ”فطلقها“ وأمضاه رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولم ينكر عليه فدل على أن من طلق ثلاثاً يقع ثلاثاً. (عمدة القاری: ۲۳۸/۱۴، ملتان).

اشکال: تین کو ایک ماننے والے بعض حضرات کہتے ہیں کہ نفس لعان ہی سے فرقت ہو گئی تھی، اور جب

بیوی اجنبیہ ہوگئی تو محل طلاق ہی نہیں، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس طرح طلاق دینے پر سکوت فرمایا۔

الجواب (المس): حضرت عویمیر ؓ یہی سمجھ رہے تھے کہ نفس لعان سے فرقت نہیں ہوتی، ایک ساتھ تین طلاقیں دینے سے فرقت ہو جائے گی، اس لیے انہوں نے ایک ساتھ تین طلاقیں دے دیں، یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک صحابی ایک ساتھ تین طلاق واقع ہونے کو صحیح سمجھتے ہو، اور ان کا یہ صحیح سمجھنا غلط ہو، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سکوت فرمائیں، اور کوئی نکیر نہ فرمائیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

حضرت عویمیر ؓ کے واقعہ لعان سے متعلق کسی روایت میں اس کا ذکر نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجلس کی تین طلاق کو کالعدم یا ایک طلاق قرار دیا ہو؛ بلکہ اس کے برعکس اسی واقعہ سے متعلق سنن ابی داؤد کی روایت میں تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان طلاقوں کو نافذ فرمادیا۔

ملاحظہ فرمائیں: ”فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله صلى الله عليه وسلم فأنفذه رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان ما صنع عند رسول الله صلى الله عليه وسلم سنة“ (سنن ابی داؤد: ۱/۳۰۶، باب فی اللعان، فیصل)۔

(باء) ان کی تاویل کی بنیاد اس بات پر ہے کہ نفس لعان ہی سے زوجین کے درمیان مفارقت ہو جاتی ہے، حالانکہ یہ بات خود محل نظر ہے، کیونکہ صرف لعان سے فرقت پر نہ لعان کا لفظ دلالت کرتا ہے اور نہ کسی آیت یا کسی صریح حدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے، لہذا لعان سے فرقت کوئی امر قطعی نہیں بلکہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے، اس لیے فقہاء کی مختلف آراء ہیں۔

اور حضرت عویمیر ؓ کا لعان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تین طلاق دینا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر سکوت بلکہ بروایت سنن ابی داؤد تینوں طلاقوں کو نافذ کرنا ایک امر منصوص ہے، اور ظاہر ہے کہ مسئلہ اجتہادی کے مقابلہ میں ترجیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، عمل اور تقریر کو ہوگی، یہی تمام محدثین اور فقہاء کا مسلک ہے۔

(۳) ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مسئلہ دریافت کیا گیا:

عن عائشة رضي الله تعالى عنها سألت عن الرجل يتزوج المرأة فيطلقها ثلاثاً، فقالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تحل للأول حتى يذوق الآخر عسيلتها وتذوق عسيلته. (السنن الكبرى للبيهقي مع الجوهر النقي: ۷/۳۷۴، باب نكاح المطلقة ثلاثاً، دارالمعرفة، وقال الامام البيهقي: رواه مسلم في الصحيح عن ابي بكر بن ابي شيبة: ۱/۴۶۳، باب لا تحل المطلقة ثلاثاً لمطلقها، فيصل).
حدیث بالا میں ”فیطلقها ثلاثاً“ کا ظاہر اکھٹی تین طلاق کو بتلا رہا ہے۔

(۴) سنن نسائی میں محمود بن لبید سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ کیا کتاب اللہ کے ساتھ کھیلا جائے گا جب کہ میں تمہارے سامنے موجود ہوں؟

”أخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم عن رجل طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعاً فقام غضباناً ثم قال: أيلعب بكتاب الله وأنا بين أظهركم. (رواه النسائي: ۲/۹۹، باب الثلاث المجموعة وما فيه من التغليب، قديمي).

اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ یہ تینوں طلاقیں واقع ہو گئیں۔

حافظ ابن القیم فرماتے ہیں ”اسنادہ علی شرط مسلم“۔ (زاد المعاد: ۵/۲۴۱، فصل فی حکمہ صلی اللہ علیہ وسلم فیمن طلق ثلاثاً بكلمة واحدة، مؤسسة الرسالة).

اور علامہ ماردینی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بسند صحیح ہے، (الجوهر النقي: ۷/۳۳۳، دارالمعرفة بیروت).

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: ”اسنادہ جید“ (نیل الاوطار: ۶/۲۴۱، باب ما جاء في طلاق البتة، ادارة القرآن).

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: رواه النسائي ورواه موثقون. (بلوغ المرام: ۳۲۱، باب الطلاق، الكويت).

قاضی ابوبکر ابن العربی نے اس حدیث کے متعلق فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کی تین طلاقوں کی طرح اس شخص کی بھی تین طلاقوں کو نافذ فرما دیا تھا۔

”فلم يرده النبي صلى الله عليه وسلم بل أمضاه كما في حديث عويمر العجلاني في

اللعان حیث أمضى طلاقه الثلاث ولم يردده. (تہذیب سنن ابی داود: ۳/۱۲۹، طبع مصر).

(۵) دارقطنی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ مذکور ہے، اس کے آخر میں ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر میں نے تین طلاقیں دی ہوتیں تو کیا میرے لیے رجوع کرنا جائز ہوتا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں اس صورت میں بیوی تم سے جدا ہو جاتی اور تمہارا یہ فعل (تین طلاقیں ایک ساتھ دینا) گناہ ہوتا۔
ملاحظہ ہو دارقطنی میں ہے:

عن الحسن قال نا عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہما أنه طلق امرأته تطليقة وهي حائض ثم أراد أن يتبعها بتطليقتين أخرأوين عند القرئين، فبلغ ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: يا ابن عمر ما هكذا أمرك الله انك قد أخطأت السنة، والسنة أن تستقبل الطهر فتطلق لكل قرء، قال فأمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم فراجعته ثم قال: اذا هي طهرت فطلق عند ذلك أو أمسك فقلت: يا رسول الله! أرايت لو أني طلقته ثلاثاً أكان يحل لي أن أراجعها قال: لا، كانت تبين منك وتكون معصية. (سنن دارقطنی: ۴/۳۱/۸۴، کتاب الطلاق، والسنن الكبرى للبيهقي: ۷/۳۳۴، دارالمعرفة).

(۶) عن سويد بن غفلة قال: لمات علي رضی اللہ عنہ جاءت عائشة بنت خليفة الخثعمية امرأة الحسن بن علي رضی اللہ عنہ فقالت له: لتهنك الإمارة، فقال لها: تهني بموت أمير المؤمنين انطلقني فأنت طالق ثلاثاً فتقنعت بثوبها أو قالت: إني لم أرد إلا خيراً فبعث إليها بمتعة عشرة آلاف وبقية صداقها فلما وضع بين يديها بكت وقالت: متاع قليل من حبيب مفارق فأخبره الرسول فبكي وقال: لولا أني أبنت الطلاق لها لراجعته لكني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: أيما رجل طلق امرأته ثلاثاً عند كل طهر تطليقة أو عند رأس كل شهر تطليقة أو طلقها ثلاثاً جميعاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. (سنن دارقطنی: ۴/۱۳/۸۳، کتاب الطلاق، والخلع والبيهقي: ۷/۳۳۶، باب ما جاء في امضاء الطلاق الثلاث، وقال ابن رجب: اسناده صحيح).

اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت حسن بن علی ؑ نے ایک موقع پر اپنی بیوی عائشہ خنعمیہ کو اس لفظ سے طلاق دی ”انطلقی فانت طالق ثلاثاً“ تو چلی جا تجھ کو تین طلاق ہے، عائشہ چلی گئیں، بعد میں حضرت حسن ؑ کو معلوم ہوا کہ عائشہ کو جدائی کا بہت غم ہے تو روئے اور فرمایا ”اگر میں نے بائنہ طلاق نہ دی ہوتی تو رجوع کر لیتا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے (اور ایک دوسری روایت میں ہے اگر میں نے اپنے والد سے اور انہوں نے میرے جد امجد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنا ہوتا) کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق اس طرح دے کہ ہر طہر میں ایک طلاق دے یا ہر مہینہ کے شروع میں ایک طلاق دے یا تین طلاق ایک ساتھ دیدے تو جب تک وہ عورت دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے پہلے کے لیے حلال نہیں ہو سکتی۔

(۷) حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث جو سنن ابن ماجہ میں مذکور ہے اور ابن ماجہ نے خود اس حدیث سے ایک مجلس کی تین طلاقوں کے وقوع پر استدلال کیا ہے، انہوں نے ایک باب کا عنوان یہ قائم کیا ہے۔ ”باب من طلق ثلاثاً فی مجلس واحد“ اور اس باب میں یہ حدیث ذکر کی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں: حدثنا محمد... عن عامر الشعبي قال: قلت لفاطمة بنت قيس: حدثيني عن طلاقك قالت: طلقني زوجي ثلاثاً وهو خارج الى اليمن فأجاز ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم. (ابن ماجه: ۱۴۷-۱۰۰/۲-۱۰۰/۱-ابوداود: ۳۱۹/۱-دارقطني: ۱۲/۴، القاهرة).

یعنی فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر نے تین طلاقیں بھیج دیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں طلاقوں کے واقع ہونے کا فتویٰ دیا۔

(۸) سنن دارقطنی میں ہے: ”عن علی ؑ قال: سمع النبي صلى الله عليه وسلم رجلاً طلق البتة، فغضب، وقال: ”تتخذون آيات الله هزواً، أودين الله هزواً ولعباً، من طلق البتة ألزمنه ثلاثاً، لا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره“۔ (سنن دارقطنی: ۲۰/۴، كتاب الطلاق، القاهرة).

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کے متعلق سنا کہ انہوں نے ”طلاق البتہ“ دی ہے، (لفظ البتہ سے ایک طلاق مراد ہوتی ہے اور تین طلاقوں کی بھی نیت ہو سکتی ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہو گئے، اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو کھیل اور مذاق بناتے ہیں جو کوئی

طلاق البتہ دے گا، ہم اس کے ذمہ تین لازم کر دیں گے، پھر وہ عورت اس کے لیے حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کر لے۔

(۹) مصنف عبدالرزاق میں ہے:

عن ابراهيم بن عبيد الله بن عباد بن الصامت عن أبيه عن جده قال: طلق جدي امرأة له ألف تطلقه، فانطلق أبي إلى رسول الله صلى عليه وسلم فذكر ذلك له، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: أما اتقى الله جدك، أما ثلاث فله، وأما تسع مائة وسبعة وتسعون فعدوان وظلم، إن شاء الله تعالى عذبه، وإن شاء غفر له. (مصنف عبدالرزاق: ۳۹۳/۶۔ باب المطلق ثلاثاً، المجلس العلمي۔ وسنن دارقطنی: ۴/۲۰، کتاب الطلاق، القاهرة).

روایت مذکورہ بالا میں ایک ہزار طلاقیں ایک ساتھ دی گئیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین طلاقیں کے وقوع کو تسلیم فرمالیا۔

(۱۰) عن صفوان بن عمران الطائي أن امرأة كانت تبغض زوجها فوجدته نائماً فأخذت شفرة و جلست على صدره ثم حركته وقالت: لتطلقني ثلاثاً أو لأذبحنك فناشدها الله فأبت فطلقها ثلاثاً ثم جاء إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فسأله عن ذلك فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا قيلولة في الطلاق". (سنن سعيد بن منصور: ۱/۲۷۵/۱۱۳۰۔ ورواه محمد باسناده، زجاجة المصابيح: ۲/۴۷۶، باب الخلع والطلاق).

(تلك عشرة كاملة)

✽ آثار صحابہ سے دلائل:

(۱) خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ:

عن زيد بن وهب أن بطالا كان بالمدينة فطلق امرأته ألفاً فرفع ذلك إلى عمر بن الخطاب رضي الله عنه فقال: إنما كنت ألعب، فعلاه عمر رضي الله عنه بالدرة، وقال: إن كان ليكفيك ثلاث. (اخرجه البيهقي في سننه الكبرى: ۷/۳۳۴، باب ما جاء في امضاء الطلاق الثلاث، دارالمعرفة).

(۲) خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ:

من طریق و کيع عن جعفر بن برقان عن معاوية بن أبي يحيى قال: جاء رجل إلى عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، فقال: طلقت امرأتي ألفاً فقال: بانت منك بثلاث. (محلّی ابن حزم: ۱۷۲/۱۰، کتاب الطلاق).

(۳) خلیفہ راشد حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا فتویٰ:

ومن طریق و کيع عن الأعمش عن حبيب بن أبي ثابت قال: جاء رجل إلى علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ فقال: إني طلقت امرأتي ألفاً فقال له علي رضی اللہ عنہ: بانت منك بثلاث. (محلّی ابن حزم: ۱۷۲/۱۰، کتاب الطلاق۔ وسنن بیہقی: ۳۳۵/۷۔ ومصنف ابن ابی شیبہ: ۱۳/۵۔ وطحاوی شریف: ۳۷/۲).

(۴) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فتویٰ:

عن محمد بن إياس بن بكير عن أبي هريرة وابن عباس وعائشة رضي الله تعالى عنهم في الرجل يطلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها، قالوا: لا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۳/۵، فی الرجل يتزوج المرأة ثم يطلقها۔ ومصنف عبدالرزاق: عن ابی سلمة: ۳۳۴/۶).

(۵) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ:

عن ابراهيم عن علقمة عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ أنه سئل عن رجل طلق امرأته مائة: قال: ثلاث تبينها منك، وسائرهما عدوان. (طحاوی شریف: ۳۷/۲، باب الرجل يطلق امرأته ثلاثاً معاً۔ مصنف عبدالرزاق: ۳۹۵/۶، باب المطلق ثلاثاً۔ وسنن کبری للبیہقی: ۳۳۲/۷، بیروت).

(۶) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ:

عن نافع قال: كان ابن عمر رضی اللہ عنہ إذا سئل عمن طلق ثلاثاً، قال: لو طلقت مرة أو مرتين، فإن النبي صلى الله عليه وسلم أمرني بهذا، فإن طلقها ثلاثاً حرمت عليك حتى تنكح زوجاً غيره. (صحيح البخاری: ۷۹۲/۲).

(۷) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فتویٰ:

عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہ فی رجل طلق امرأته ألفاً، فقال: أما ثلاث فتحرم عليك امرأتك، وبقيتهن عليك وزر، اتخذت آيات الله هزواً. (السنن الكبرى للبيهقي: ۳۳۲/۷-وسنن الدارقطني: ۱۴/۴، كتاب الطلاق، القاهرة، وقال الشيخ الالباني في الارواء: اسناده صحيح).

(۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ:

عن معاوية بن أبي عياش الأنصاري أنه كان جالساً مع عبد الله بن زبير رضی اللہ عنہ وعاصم بن عمر رضی اللہ عنہ فجاءهما محمد بن إياس بن البكير فقال: إن رجلاً من أهل البادية طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها فماذا تريان؟ فقال ابن الزبير رضی اللہ عنہ: إن هذا الأمر ما لنا فيه من قول فاذهب إلى ابن عباس رضی اللہ عنہ وأبي هريرة رضی اللہ عنہ فاسئلهما ثم اتنا فأخبرنا، فذهب فسألهم، فقال ابن عباس لأبي هريرة أفته يا أبا هريرة، فقد جاءتك معضلة، فقال أبو هريرة رضی اللہ عنہ: الواحدة تبينها والثلث تحرمها حتى تنكح زوجاً غيره. (طحاوی شریف: ۳۷/۲، باب الرجل يطلق امرأته ثلاثاً معاً- مؤطا امام مالك: ص ۲۰۸- سنن بيهقي: ۳۳۵/۷- ومصنف عبدالرزاق: ۳۳۴/۶).

(۹) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ:

عن عطاء بن يسار أنه جاء رجل إلى عبد الله بن عمرو رضی اللہ عنہ فسأله عن رجل طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يمسه قال عطاء فقلت له طلاق البكر واحدة فقال عبد الله: إنما أنت قاص الواحدة تبينها والثلث تحرمها حتى تنكح زوجاً غيره. (طحاوی شریف: ۳۷/۲، باب الرجل يطلق امرأته ثلاثاً معاً، سعید، وابن ابی شیبہ: ۲۲/۵- ومصنف عبدالرزاق: ۳۳۴/۶).

(۱۰) ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اثر:

عن أبي الزبير عن جابر قال سمعت أم سلمة سئلت عن رجل طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها فقالت: لا تحل له حتى يطأها غيره. (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۲/۵، فی الرجل يتزوج المرأة).
(تلك عشرة كاملة).

✽ اجماع امت سے دلائل:

عہد فاروقی میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوگی۔

اجماع کے ثبوت میں محققین فقہاء و محدثین کے اقوال ملاحظہ فرمائیں:

☆ حافظ الکتاب والسنة الشیخ ابوبکر جصاص رازیؒ فرماتے ہیں:

فالكتاب والسنة وإجماع السلف توجب إيقاع الثلاث معاً وإن كانت معصية.

(احکام القرآن: ۱/۳۸۸، ذکر الحجاج لایقاع الثلاث معاً، سہیل).

☆ شیخ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں:

فإجماعهم ظاهر، فإنه لم ينقل عن أحد منهم أنه خالف عمر رضي الله تعالى عنه حين

أمضى الثلاث له. (فتح القدیر: ۳/۴۷۰، باب طلاق السنة، دار الفکر).

☆ علامہ بدرالدین عینیؒ ”عمدة القاری“ میں تحریر فرماتے ہیں:

و مذهب جماهير العلماء من التابعين ومن بعدهم منهم : الأوزاعي والنخعي والثوري

وأبو حنيفة وأصحابه ومالك وأصحابه والشافعي وأصحابه وأحمد وأصحابه وإسحاق

وأبو ثور وأبو عبيد وآخرون وكثيرون، على أن من طلق امرأته ثلاثاً وقعن ، ولكنه يأنثم،

وقالوا: من خالف فيه فهو شاذ مخالف لأهل السنة ، وإنما تعلق به أهل البدع ومن لا يلتفت

إليه لشذوذه عن الجماعة التي لا يجوز عليهم التواطؤ على تحريف الكتاب والسنة . (عمدة

القاری شرح صحیح البخاری: ۱۴/۲۳۶، باب من اجاز طلاق الثلاث، ملتان).

☆ شیخ محمد امین الشنقیتیؒ اپنی تفسیر میں ابن عربیؒ مالکی کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقد اتفق علماء الإسلام وأرباب الحل والعقد في الأحكام على أن الطلاق الثلاث

في كلمة وإن كان حراماً في قول بعضهم وبدعة في قول الآخرين لازم ... وما نسبوه إلى

الصحابه كذب بحت ، لأصل له في كتاب ولا رواية له عن أحد . (اضواء البيان: ۱/۱۳۶).

☆ حافظ ابن حجر عسقلانی مذہب جمہور کی تائید کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

فالمراجع في الموضوعين تحريم المتعة وإيقاع الثلاث للإجماع الذي انعقد في عهد عمر رضي الله تعالى عنه على ذلك ، ولا يحفظ أن أحداً في عهد عمر رضي الله عنه خالفه في واحدة منهما، وقد دل إجماعهم على وجود ناسخ وإن كان خفي عن بعضهم قبل ذلك حتى ظهر لجميعهم في عهد عمر فالمخالف بعد هذا الإجماع منابذ له والجمهور على عدم اعتبار من أحدث الاختلاف بعد الاتفاق . (فتح الباری: ۹/۳۶۵، باب من جوز طلاق الثلاث، لاہور).

☆ حافظ ابن القیمؒ کے تلمیذ رشید علامہ ابن رجب حنبلیؒ اپنی کتاب ”بیان مشکل الأحادیث الواردة في أن الطلاق الثلاث واحدة“ میں لکھتے ہیں:

اعلم أنه لم يثبت عن أحد من الصحابة ولا من التابعين ولا من أئمة السلف المعتبر بقولهم في الفتاوى في الحلال والحرام شيء صريح في أن طلاق الثلاث بعد الدخول يحسب واحدة إذا سيق بلفظ واحد . (الاشفاق على أحكام الطلاق للعلامة الكوثري: ۴۱، سعيد).

☆ علامہ ابن تیمیہؒ کے جد امجد ابوالبرکات مجد الدین عبدالسلام الملقب بابن تیمیہ الحنبلیؒ اپنی مشہور کتاب ”منتقى الأخبار“ میں ”باب ما جاء في طلاق البتة وجمع الثلاث وتفريقها“ کے تحت احادیث و آثار نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وهذا كله يدل على إجماعهم على صحة وقوع الثلاث بالكلمة الواحدة . (منتقى الأخبار: ۲۳۷).

☆ ”مجلة البحوث الإسلامية“ سعودی عرب سے جاری شدہ رسالہ میں یہ مسئلہ بعنوان ”حكم الطلاق الثلاث بلفظ واحد في ضوء الكتاب والسنة“ فتویٰ کبار العلماء والمحققين ”بڑی تفصیل سے مذکور ہے، تقریباً ۱۵۰ صفحات پر مشتمل ہے، مختصر عبارت ملاحظہ فرمائیں:

خامساً أن القول بوقوع الثلاث ثلاثاً قول أكثر أهل العلم فلقد أخذ به عمر وعثمان وعلي والعبادلة ابن عباس وابن عمر وابن عمرو وابن مسعود رضي الله تعالى عنهم

وغیرہم من أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال به الأئمة الأربعة : أبو حنيفة ومالك والشافعي وأحمد وابن أبي ليلى والأوزاعي وذكر ابن عبد الهادي عن أبي رجب بقوله : اعلم أنه لم يثبت عن أحد من الصحابة ولا من التابعين ولا من أئمة السلف المعتمد بقولهم في الفتاوى في الحلال والحرام شيء صريح في أن طلاق الثلاث بعد الدخول يحسب واحدة إذا سيق بلفظ واحد . وقال شيخ الإسلام ابن تيمية في معرض بحثه الأقوال في ذلك : الثاني أنه طلاق محرم ولازم وهو قول مالك وأبي حنيفة وأحمد في الرواية المتأخرة عنه، اختارها أكثر أصحابه ، وهذا القول منقول عن كثير من السلف من الصحابة والتابعين . وقال ابن القيم : واختلف الناس فيها أي في وقوع الثلاث بكلمة واحدة على أربعة مذاهب أحدها : أنه يقع، هذا قول الأئمة الأربعة وجمهور التابعين وكثير من الصحابة . وقال القرطبي : قال علماؤنا واتفق أئمة الفتاوى على لزوم إيقاع الطلاق الثلاث في كلمة واحدة وهو قول جمهور السلف . (مجله البحوث الإسلامية: المجلد الأول العدد الثالث، سنة ۱۳۹۷ھ الرياض، مكة المكرمة) .

☆ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف مخالفت اجماع کی غلط نسبت :

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دور فاروقی میں ہونے والے اجماع صحابہ سے اختلاف کرنے والا بتایا جاتا ہے، جو حقیقت کے بالکل خلاف ہے، سلیمان اعمشؒ کے نقل کردہ ایک واقعہ سے اس کی قلعی کھل جاتی ہے، جس کو امام بیہقیؒ نے اپنی سنن میں بیان کیا ہے :

عن الأعمش قال : كان بالكوفة شيخ يقول : سمعت علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه يقول : إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً في مجلس واحد، فإنه يرد إلى واحدة ، والناس عنقاً واحداً إذ ذاك يأتونه ويسمعون منه، قال : فأتيته فقرعت عليه الباب، فخرج إلى شيخ، فقلت له : كيف سمعت علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه فيمن طلق امرأته ثلاثاً في مجلس واحد؟ قال : سمعت علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه يقول : إذا طلق رجل

امراته ثلاثاً في مجلس فإنه يرد إلى واحدة ، فقلت له: أين سمعت من علي؟ قال: أخرج إليك كتاباً ، فأخرج فإذا فيه: بسم الله الرحمن الرحيم، هذا ما سمعت علي بن أبي طالب عليه السلام يقول: إذا طلق رجل امرأته ثلاثاً في مجلس واحد فقد بانت منه ولا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره، قال: قلت: ويحك! هذا غير الذي تقول، قال: الصحيح هو هذا، ولكن هؤلاء أرادوني على ذلك . (السنن الكبرى للبيهقي: ۳۳۹/۷، باب من جعل الثلاث واحدة) .

اس واقعہ سے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا صحیح مسلک معلوم ہونے کے ساتھ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ہوس پرستوں نے کس طرح اس باب کی احادیث و آثار میں تحریف کی ہے۔

الغرض حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اجماع سے اختلاف کی نسبت صحیح نہیں ہے۔

✽ مخالف دلائل پر ایک نظر:

روافض اور داود ظاہری تین طلاق کے منکر ہیں، ان کا یہ کہنا ہے کہ تین طلاق ایک مجلس میں دینے سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے، اور وہ اپنے اس دعویٰ پر دو دلیلیں پیش کرتے ہیں:

پہلی دلیل حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ ہے:

صحیح مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقولہ مروی ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: كانت الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر رضی اللہ عنہ وسنتين من خلافة عمر رضی اللہ عنہ طلاق الثلاث واحدة ، فقال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ: إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم أناة فلو أمضيها عليهم ، فأمضاه عليهم . (صحیح مسلم شریف: ۴۷۷/۱، باب الطلاق الثلاث، فیصل) .

تین طلاقوں کو ایک ماننے والے کہتے ہیں کہ اس روایت سے ظاہر ہے کہ اصل سنت جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عمل ہوتا رہا اور اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ زریں میں نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو، تین سالوں میں بھی یہی معمول رہا، کہ تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں، لہذا یہی قابل اتباع ہے۔

حضرات محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس حدیث پر کافی شافی کلام فرمایا ہے۔ اور اس حدیث کے متعدد جوابات دیئے ہیں، شراح بخاری کے سرخیل و امام الناقدین حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس حدیث کے آٹھ جوابات دیئے ہیں۔ جمہور کی جانب سے دیئے گئے ان متعدد جوابات میں سے چند پیش خدمت ہیں:

الجواب (۱) یہ روایت وہم اور غلط ہے، علماء میں سے کسی نے بھی اس کو قابل التفات نہیں سمجھا۔

الجوہر النقی میں ہے:

وذكر صاحب الاستذكار أن هذه الرواية وهم وغلط لم يعرج عليها أحد من

العلماء. (الجوهر النقی: ۳۳۷/۷، باب من جعل الثلاث واحدة، دارالمعرفة).

وفي الاستذكار: قال أبو عمر: ما كان ابن عباسؓ ليخالف رسول الله صلى الله

عليه وسلم والخليفين إلى رأي نفسه، ورواية طاؤس وهم وغلط لم يعرج عليها أحد من

فقهاء الأمصار بالحجاز والعراق والمغرب والمشرق والشام. (الاستذكار لابن عبد البر: ۶/۶، باب

ما جاء في "البته"، دارالكتب العمية).

(۲) یہ روایت بحوالہ طاؤسؒ نقل کی جاتی ہے، لیکن حضرت طاؤسؒ ہی اس کی تردید کرتے ہیں۔

ملاحظہ فرمائیں: قال العلامة محمد زاهد الكوثري: قال الحسين بن علي الكرابيسي في أدب

القضاء: "أخبرنا علي بن عبد الله - وهو ابن المديني - عن عبد الرزاق عن معمر عن ابن

طاؤس عن طاؤس أنه قال: من حدثك عن طاؤس أنه كان يروي طلاق الثلاث واحدة،

كذبه". (الاشفاق على أحكام الطلاق: ص ۳۹، سعيد).

(۳) حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا فتویٰ بھی اس مقولہ کے خلاف ہے۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن

عباسؓ یہ فتویٰ دیتے تھے کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے تو تینوں واقع ہو جاتی ہیں، جیسا کہ سنن کبریٰ

بیہقی میں ہے:

عن سعيد بن جبير عن ابن عباسؓ في رجل طلق امرأته ألفاً، قال: أما ثلاث فتحرم

علیک امرأتک، وبقیتهن علیک وزر، اتخذت آیات اللہ ہزواً۔ (السنن الکبریٰ

للبيهقي: ۳۳۲/۷، وسنن دارقطنی: ۱۳/۴، وقال الشيخ الالبانی فی الارواء: اسنادہ صحیح)۔

نیز ان کے تلامذہ: سعید بن جبیر، عطاء بن ابی رباح، مجاہد، عکرمہ، عمرو بن دینار، مالک بن حارث، محمد بن ایاس بن بکیر، اور معاویہ بن ابی عیاش انصاری ان تمام نے یہی نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کے تین ہونے کا فتویٰ دیتے تھے، اور راوی کا فتویٰ اپنی روایت کے خلاف ہو تو وہ روایت یا تو مؤول ہوتی ہے یا منسوخ۔

(۴) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اس مقولہ کو بالفرض اگر صحیح تسلیم کیا جائے تو اس کا ایک بہت ہی ظاہر اور بے غبار مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے پہلا لفظ طلاق کے لیے کہا ہے، دوسرا اور تیسرا لفظ محض تاکید کے لیے کہا ہے، طلاق کے لیے نہیں کہا تو زمانہ خیر القرون میں سلامت صدر اور غلبہ صدق کی بنا پر اس کا قول قبول کر لیا جاتا اور اس کو قضاء بھی ایک ہی طلاق کا فیصلہ دیا جاتا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں طلاق کے واقعات بکثرت پیش آنے لگے، نیز صدق و دیانت میں بھی کمی محسوس کی گئی تو انہوں نے اعلان فرمایا کہ آئندہ کوئی شخص اس طرح طلاق دے گا، یعنی تین لفظوں سے طلاق دے تو تاکید کا عذر قبول نہ ہوگا، اور ظاہر الفاظ پر فیصلہ کرتے ہوئے قضاء اس کو تین طلاق شمار کیا جائے گا۔ (بذل المحمود: ۱۰/۳۰۰، بیان حکم الطلقات الثلاث، المكتبة الامدادية)۔

امام قرطبی نے اس جواب کو پسند فرمایا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن: ۸۶/۳)۔

اور امام نووی نے اس کو اصح الاجوبہ قرار دیا ہے۔ (شرح مسلم للنووی: ۱/۴۷۸، فیصل)۔

(۵) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ غیر مدخول بہا کے بارے میں ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں لوگ غیر مدخول بہا کو اس طرح طلاق دیتے تھے: ”انت طالق، انت طالق، انت طالق“ اس صورت میں پہلی طلاق سے غیر مدخول بہا بائنہ ہو جاتی تھی، اور دوسری تیسری واقع نہیں ہوتی تھیں، اس کے برخلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگوں نے غیر مدخول بہا کو ”انت طالق ثلاثاً“ کے الفاظ سے طلاق دینی شروع کر دی، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تینوں طلاقوں کے وقوع کا حکم جاری فرمادیا۔

(۶) پہلے تین طلاقوں کے بعد رجوع ہو سکتا تھا، مگر بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا، اس کی تائید حسب ذیل روایت سے ہوتی ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء، ولا يحل لهن أن يكتمن ما خلق الله في أرحامهن﴾. (سورة البقرة: ۲۲۸). وذلك أن الرجل كان إذا طلق امرأته فهو أحق برجعته وإن طلقها ثلاثاً، فنسخ ذلك فقال: ﴿الطلاق مرتن﴾ الآية. (سنن ابی داود: ۲۹۷/۱، باب فی نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث، فیصل۔ والسنن الکبری للبیہقی: ۳۳۷/۷، باب من جعل ثلاث واحدة، دار المعرفه).

(۷) محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی فرماتے ہیں کہ:

یہ حدیث کسی طرح قابل استدلال نہیں ہے، اس لیے کہ: اولاً تو اس میں نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مذکور ہے نہ فعل اور نہ یہ مذکور ہے کہ تین کو ایک کرنے کی اطلاع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوتی تھی، اطلاع ملنے پر آپ سکوت کرتے تھے، اور جب ان میں سے کوئی چیز مذکور نہیں ہے تو یہ حدیث نہ ہوئی۔ ابن حزم ظاہری نے اس روایت کو رد کر دیا ہے:

وأما حديث طاؤس فليس شيء أنه عليه السلام هو الذي جعلها واحدة أو ردّها إلى الواحدة ولا أنه عليه السلام علمه فأقره. (المحلى لابن الحزم: ۱۰/۱۶۸).

ثانیاً: اس روایت میں تین طلاقوں کے ایک شمار کیے جانے کی تصریح نہیں ہے، بلکہ اس میں صرف اتنا مذکور ہے کہ تین طلاق ایک تھی یا ایک کی جاتی تھی، اس سے زیادہ اور اس سے صاف کوئی بات کسی صحیح طریق میں مذکور نہیں ہے۔

پس استدلال کرنے سے پیشتر یہ ثابت کرنے کی ضرورت ہے کہ روایت میں جو کچھ مذکور ہے اس کا کوئی اور مطلب ہو ہی نہیں سکتا۔ بجز اس کے کہ تین طلاقیں ایک شمار کی جاتی تھیں، اور یہ ثابت کرنا ممکن نہیں ہے۔

امام ابو زرہ رازی اتنے بڑے محدث اور امام ہیں کہ امام مسلم نے ان کے سامنے اپنی صحیح پیش کی، اور انہوں نے جن جن حدیثوں کو معلول قرار دیا ان کو امام مسلم نے بے چوں و چرا حذف کر دیا، انہیں ابو زرہ نے

روایت مذکورہ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ یہ طلاق جو آج تین تین دی جاتی ہے عہد نبوی و عہد صدیقی میں ایک ہی دی جاتی تھی، پس جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا اور لوگوں نے دھڑا دھڑا تین طلاقیں دینا شروع کیں تو انہوں نے ان کو لازم بھی کر دیا (دیکھو سنن کبریٰ بیہقی وغیرہ)۔

ثالثاً: روایت مسلم میں اس کی تصریح بھی نہیں ہے کہ کون سی تین طلاق ایک تھی، ایک ساتھ دی ہوئی یا الگ الگ طہر میں پھر ایک ساتھ دی ہوئی بھی ایک لفظ میں یا تین لفظوں میں پھر وہ بھی مدخولہ کو یا غیر مدخولہ کو، لہذا اس روایت سے استدلال کرنے سے پہلے یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ اس سے ہر قسم کی تین طلاق مراد ہیں، یا اس کی بعض قسمیں، اگر تمام قسمیں مراد ہیں تو یہ روایت قرآن و حدیث کے خلاف ہو جائے گی، اور اگر بعض قسمیں مراد ہیں، تو وہ کون کون ہیں، اور اس کی کیا دلیل ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے انہیں بعض قسموں کے متعلق یہ بیان کیا ہے اور ان بعض قسموں کے مراد ہونے کی خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تصریح کی ہے... جب تک یہ باتیں صاف نہ کر لی جائیں اس وقت تک اس روایت کو استدلال کے لیے لانا صریح مغالطہ ہے۔ (مخلص از مقالات ابوالمآثر، جلد اول: ۳۱۵-۳۱۷، مجمع علمی، مرکز تحقیقات و خدمات علمیہ، منو)۔

دوسری دلیل حدیث رکانہ رضی اللہ عنہ ہے۔

ملاحظہ فرمائیں مسند احمد میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أنه قال: طلق ركانة بن عبد يزيد رضی اللہ عنہ أخو بني مطلب امرأته ثلاثاً في مجلس واحد فحزن عليها حزناً شديداً، قال: فسأله رسول الله صلى الله عليه وسلم كيف طلقته؟ قال: طلقته ثلاثاً، قال: فقال: في مجلس واحد؟ قال: نعم! قال: فإنما تلک واحدة، فارجعها إن شئت، قال: فارجعها. (مسند احمد: ۱/۳۴۷)۔

الجواب: جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ طلاق کے

بارے میں روایات مختلف ہیں، بعض میں ”طلق امرأته ثلاثاً“۔ بعض میں ”طلق امرأته البتة“۔ امام ابو داؤد، امام شافعی، امام ابن حبان، امام حاکم، امام دارقطنی، رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے اکابر محدثین نے طلاق ”البتة“ والی روایت کی تصحیح کی ہے، علامہ شوکانی فرماتے ہیں: ”أثبت ماروي في قصة ركانة أنه طلقها البتة لا

ثلاثاً. (نبیل الاوطار: ۶/۲۴۶، إدارة القرآن).

اس کے برعکس ”طلق امرأته ثلاثاً“ والی روایت محدثین کے نزدیک فنی اعتبار سے ساقط ہے، اور قابل استدلال نہیں ہے۔

طلاق ”البتة“ والی روایت کو امام ابوداؤد نے اصح کہا ہے۔

قال أبو داود: هذا أصح من حديث ابن جريج أن ركانة طلق امرأته ثلاثاً، لأنهم أهل بيته وهم أعلم به، وحديث ابن جريج رواه عن بعض بني أبي رافع عن عكرمة عن ابن عباس رضي الله عنه. (سنن أبي داود: ۱/۳۰۱، باب في البتة، كتاب الطلاق، فيصل).

امام ابوداؤد کی تصحیح پر اشکال اور جواب:

اشکال: بلوغ المرام کے محشی صفی الرحمن مبارکپوری نے ابوداؤد شریف کی روایت کو ضعیف قرار دیکر مسند احمد کی روایت کو قوی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اور امام ابوداؤد کے قول ”هذا اصح“ کی تاویل کرتے ہوئے کہا ہے کہ دراصل امام ابوداؤد نے دو ضعیف روایتوں میں سے ایک کے ضعف کو خفیف اور ہلکا قرار دیا ہے، ورنہ دونوں ضعیف ہیں، ملاحظہ ہو بلوغ المرام کا حاشیہ و تعلیق: (ص ۳۲۱)۔ اس اشکال کا کیا جواب ہے؟

الجواب: بلوغ المرام کے محشی کا اعتراض مبنی برانصاف نہیں ہے، وجہ یہ ہے کہ امام حاکم، حافظ ذہبی، ابن حبان وغیرہ نے بھی اس روایت کی تصحیح کی ہے، اور امام ابوداؤد کی تصحیح کو امام دارقطنی، محقق ابن حجر، علامہ صنعانی وغیرہ نے بلاچوں و چراقل فرمایا ہے، بلکہ محقق ابن حجر نے مسند احمد کی روایت کو (جس میں طلاق ثلاثہ ایک مجلس میں دینے کے بعد رجوع کا ذکر ہے) معلول قرار دیا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں حافظ ابن حجر ”تلخیص الحبیر“ میں فرماتے ہیں:

وصححه أبو داود وابن حبان والحاكم، وفي الباب عن ابن عباس رضي الله عنه رواه أحمد

والحاكم، وهو معلول أيضاً. (تلخیص الحبیر: ۳/۴۴۱/۱۷۴۴، كتاب الطلاق).

علامہ صنعانی سبل السلام شرح بلوغ المرام میں فرماتے ہیں:

وقد صححه أبو داؤد، لأنه أخرجه أيضاً من طريق آخر وهي التي أشار إليها المصنف بقوله "أحسن منه" وهي أنه أخرجه من حديث نافع بن عجير بن عبد يزيذ بن ركانة أن ركانة... الحديث. وصححه أيضاً ابن حبان والحاكم. (سبل السلام شرح بلوغ المرام: ۳/۳۶۰، طلاق الثلاث بلفظ واحد).

قال الحاكم في المستدرک: قد صح الحديث بهذه الرواية، فإن الإمام الشافعي قد أتقنه وحفظه عن أهل بيته... ووافقه الذهبي. (المستدرک: ۲/۲۵۰/۲۸۰۸، کتاب الطلاق، دار ابن حزم). وقال الإمام الدارقطني: قال أبو داؤد: هذا حديث صحيح. (سنن الدارقطني: ۴/۳۳، کتاب الطلاق، والخلع، القاهرة).

ابوداؤد کے رجال کی تحقیق:

- (۱) أحمد بن عمرو بن السرح أبو طاهر المصري: ثقة. (التقريب: ۱۵).
- (۲) إبراهيم بن خالد الكلبي، الفقيه صاحب الشافعي: ثقة. (التقريب: ۲۰).
- (۳) محمد بن إدريس الشافعي الإمام المعروف المحدث الكبير صاحب المناقب.
- (۴) محمد بن علي بن شافع: قال الحافظ في "التقريب" (۳۱۲) والذهبي في "الكاشف" (۲/۲۰۳): وثقه الشافعي. انتهى.
- (۵) عبد الله بن علي بن السائب: قال الحافظ في "التقريب" (۱۸۲): مستور. انتهى.
- وقال الدكتور بشار عواد وشعيب الأرناؤوط في "التحرير على التقريب" (۲/۲۴۱/۳۴۸۵): بل صدوق، حسن الحديث، فقد روي عنه أربعة، وذكره ابن حبان في "الثقات" وقال الذهبي في "الكاشف" (۲/۹۹): لم يضعف. انتهى.
- (۶) نافع بن عجير: قال الحافظ في "التهذيب" (۱۰/۳۶۴): ذكره ابن حبان في "الثقات" وذكره ابن حبان أيضاً في الصحابة وكذا أبو القاسم البغوي، وأبونعيم، وأبو موسى في الذيل وغيرهم. انتهى.

وقال الذهبي في "الكاشف" (۳۱۴/۲): وثق. انتهى.

دوسری سند کی تحقیق:

(۱) جریر بن حازم: قال الذهبي في "الكاشف" (۲۹۱/۱): ثقة. انتهى.

وقال الحافظ في "التهذيب" (۶۳/۲): قال ابن معين: ثقة، وقال العجلي: بصرى ثقة، وقال

النسائي: ليس به بأس، وقال أبو حاتم: صدوق صالح. انتهى.

وقال الدكتور بشار عواد وشعيب الأرناؤوط في "التحرير على التقريب" (۹۱۱/۲۱۲/۱):

أخرج له البخاري في "صحيحه" أحاديث يسيرة... وقال الذهبي في "السير" (۱۰۰/۷):

اغفرت أوهامه في سعة ماروى، وأنه اختلط قبل موته بسنة وقد حجه أولاده فلم يحدث

في حال اختلاطه. انتهى.

(۲) زبير بن سعيد بن سليمان أبو هاشم: قال الحافظ في "التهذيب" (۲۸۰/۳): قال

الدوري عن ابن معين: ثقة، وقال أبو زرعة: شيخ، وقال الدارقطني: يعتبر به، وذكره ابن

حبان في "الثقات". انتهى.

وقال الذهبي في "الميزان" (۲۵۷/۲): روى عباس عن ابن معين: ثقة، وقال أحمد بن حنبل:

فيه لين. انتهى.

(۳) عبد الله بن علي بن يزيد بن ركانة: قال الذهبي في "الكاشف" (۹۹/۲):

وثق. انتهى.

وقال الحافظ في "التهذيب" (۲۸۹/۵): ذكره ابن حبان في "الثقات" (۱۶۵/۵). انتهى.

وقال الحافظ في "التقريب": لين الحديث. انتهى.

وقال المزي في "تهذيب الكمال" (۳۲۳/۱۵): ذكره ابن حبان في "الثقات"، وقد وقع لنا

حديثه عالياً أخبرنا به أبو إسحاق... عن عبد الله بن علي بن ركانة عن أبيه عن جده "أنه طلق

امراته على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم البتة... رواه أبو داود ووافقه فيه بعلو. انتهى

(۴) عن أبيه أي علي بن يزيد بن ركانة: قال الحافظ في "التهذيب" (۳۳۳/۷) والمزي

في "تهذيب الكمال" (۱۷۵/۲۱): ذكره ابن حبان في "الثقات". انتهى.

وقال الذهبي في "الميزان" (۸۱/۴): قال البخاري: لم يصح حديثه. انتهى.

الغرض علی بن یزید پر کلام ہے، لہذا یہ روایت ضعیف ہے، لیکن نافع بن عجم کی روایت کے ساتھ بطور شاہد پیش کر سکتے ہیں، جبکہ اس کا قوی متابع بھی موجود ہے۔

ملاحظہ ہو مسند ابی داؤد الطیالسی میں ہے:

"قال أبو داود: وسمعت شيخاً بمكة فقال: حدثنا عبد الله بن علي عن نافع بن

عجير عن ركانة بن عبد يزيد قال: كانت عندي امرأة يقال لها سهيمة، فطلقها البتة...

الحديث. (۱/۱۶۴/۱۱۸۸، دار المعرفه، بيروت).

شیخ البانی ارواء الغلیل میں لکھتے ہیں:

و يغلب على ظني أن هذا الشيخ المكي إنما هو محمد بن علي بن شافع فإنه مكي،

وعليه فيكون الطيالسي قد تابع الإمام الشافعي في رواية الحديث عنه. والله أعلم.

قلت: وهذا الإسناد أحسن حالاً من الذي قبله، فإن رجاله ثقات. (ارواء الغلیل: ۷/۱۴۲،

باب صريح الطلاق وكنيته، المكتب الاسلامي).

مسند احمد کی روایت کی تحقیق: (جس میں ایک مجلس کی تین طلاق کے بعد رجوع کا ذکر ہے)

قال الشيخ شعيب الأرناؤوط في "تعليقه على مسند الإمام أحمد بن حنبل": إسناده

ضعيف، رواية داؤد عن عكرمة فيها شيء، قال ابن المديني: ماروى عن عكرمة فمنكر،

وقال أبو داود: أحاديثه عن شيوخه مستقيمة، وأحاديثه عن عكرمة مناكير، وقال الذهبي في

كتابه "من تكلم فيه وهو موثق" (۱۰۵): ثقة مشهور له غرائب تستنكر، وقال الحافظ في

"التقريب": ثقة إلا عن عكرمة... وقد روى أبو داود هذا الحديث بإسناد أجود منه: أن

ركاناً طلق امرأته البتة... وقال الحافظ ابن حجر في "الفتح" (۳۶۳/۹): إن أبا داود رجح أن

رکانه إنما طلق امرأته البتة، كما أخرجه هو من طريق آل بيت ركانة، وهو تعليل قوي...
(مسند الامام احمد بتحقيق شعيب الارنؤوط: ۴/ ۲۱۵-۲۱۸/ ۲۳۸۷، مؤسسة الرسالة).

وقال المزي في "تهذيب الكمال" (۳۸۰/۸) والحافظ في "التهذيب" (۱۶۳/۳): قال الساجي: منكر الحديث، يتهم برأي الخوارج، وقال ابن عيينة: كنا نتقي حديث داؤد. انتهى.
وقال ابن الجوازي في "الضعفاء والمتروكين" (۲۶۱/۱): قال ابن حبان: يحدث عن الثقات بما لا يشبه حديث الأثبات، يجب مجانته روايته. انتهى.
وقال أبو الفداء في "تعليقه على الضعفاء والمتروكين" (۲۶۱/۱) بعد ذكر أقوال المحدثين: من ذلك يتضح أن داؤد مضعف لسببين:

(۱) روايته عن عكرمة منكرة.

(۲) كونه خارجياً ومنكر الحديث.

لہذا صحیح یہ ہے کہ انہوں نے صراحتاً تین طلاق نہیں دی تھی، بلکہ طلاق "البتة" دی تھی اور اس وقت طلاق "البتة" بھی تین طلاق کے موقع پر استعمال ہوتی تھی، جیسا کہ سنن دارقطنی میں ص ۴۳۳ پر مذکور ہے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حلف دے کر پوچھا کہ تم نے ایک کا ارادہ کیا تھا؟ جب انہوں نے حلف سے بیان کیا کہ میرا ارادہ ایک ہی طلاق کا تھا تب ان کو رجعت کا اختیار دیا گیا۔
ملاحظہ فرمائیں ترمذی شریف میں ہے:

عن عبد الله بن يزيد بن ركانة عن أبيه عن جده قال: أتيت النبي صلى الله عليه وسلم فقلت: يا رسول الله! إنني طلق امرأتي البتة، فقال: ما أردت بها؟ فقلت: واحدة، قال: والله؟ قلت: والله، قال: فهو ما أردت. (رواه الترمذی: ۲۲۲/۱، باب فی الرجل طلق امرأته البتة، فیصل).
امام ترمذی فرماتے ہیں:

وقد اختلف أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم في طلاق "البتة" فروي عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ أنه جعل البتة واحدة، وروي عن علي رضی اللہ عنہ أنه جعلها

ثلاثاً، وقال بعض أهل العلم: فيه نية الرجل إن نوى واحدة فواحدة، وإن نوى ثلاثاً فثلاث، وإن ثنتين لم تكن إلا واحدة، وهو قول الثوري وأهل الكوفة، وقال مالك بن أنس في البتة: إن كان قد دخل بها، فهي ثلاث تطليقات، وقال الشافعي: إن نوى واحدة فواحدة يملك الرجعة، وإن نوى ثنتين فثنتين، وإن نوى ثلاثاً فثلاث. (ترمذی شریف: ۲۲۲/۱، باب فی الرجل طلق امرأته البتة، فیصل).

مزید جوابات اور ان کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (فتح الباری شرح صحیح البخاری: ۳۶۲-۳۶۷/۹، کتاب الطلاق، باب من جوز الطلاق الثلاث۔ وعمدة القاری شرح صحیح البخاری: ج ۱۴۔ وبذل المجہود: ۲۸۶/۱۰، باب فی نسخ المراجعة بعد الطليقات الثلاث۔ واوز المسالك الى مؤطا الامام مالك: ۳۳۱/۴، باب ماجاء فی البتة۔ وشرح النووی علی صحیح مسلم: ۴۷۸/۱، باب الطلاق الثلاث۔ والجامع لاحکام القرآن: ۸۶/۳۔ ونیل الاوطار: ۲۴۵/۶-۲۴۸، ادارة القرآن۔ وازالة الخفاء۔ وزاد المعاد۔ واثانة اللفهان).

وعصر حاضر کے پیچیدہ مسائل اور ان کا حل: جلد دوم۔ وفتاویٰ محمودیہ: جلد دوم، مہوب و مرتب۔ وفتاویٰ رحیمیہ: جلد ہشتم مہوب و مرتب۔ وخیال الفتاویٰ: جلد پنجم۔ ورسالہ تین طلاق کا ثبوت اسلامی شریعت میں، از مولانا محمد شہاب الدین ندوی۔ ورسالہ عمدۃ الثلاث فی حکم الطلقات الثلاث، از شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحبؒ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

طلاق، طلاق، طلاق سے طلاق ثلاثہ کا حکم:

سوال: میاں بیوی کے منازعہ میں شوہر نے بیوی سے کہا ”طلاق، طلاق، طلاق، کیا تم اب خوش ہو! کیا تم اب خاموش رہو گی! بعد میں شوہر کہتا ہے کہ صرف تم کو خاموش کرنے کے لیے ایسا کہا تھا، شریعتِ مطہرہ میں اب کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ تین طلاقیں واقع ہو گئیں، اس لیے کہ الفاظِ صریحہ میں نیت کی حاجت نہیں ہے، نیز کھیل کود اور مذاق میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ لہذا خاموش کرنے والی بات قابلِ قبول نہیں ہوگی۔ لیکن اگر اس نے پہلے سے گواہ بنا لیے تھے، مثلاً یہ کہہ رکھا تھا کہ میں اس طرح کہوں گا، لیکن میری نیت طلاق دینا نہیں، صرف بیوی کو خاموش کرنا ہے تو اس کی تصدیق کی جائے گی اور طلاق واقع نہ ہوگی۔
ملاحظہ فرمائیں شامی میں ہے:

وأما الهازل فيقع طلاقه قضاءً ودياناً لأنه قصد السبب عالماً بأنه سبب فرتب الشرع حكمه عليه أرادته أولم يردده. (فتاویٰ الشامی: ۲۵۰/۳، سعید۔ وکذا فی الهدایة: ۳۵۹/۲، باب ایقاع الطلاق).
در مختار میں ہے:

وإن قال تعمدته تخويفاً لم يصدق قضاءً إلا إذا أشهد عليه قبله وبه يفتى. وفي الطحطاوي: قوله تعمدته تخويفاً ولم يكن من قصدى الطلاق، قوله إلا إذا أشهد عليه قبله أي قبل التكلم بأن قال: امرأتی طلبت منی الطلاق وأنا لا أطلق فأقول هذا، بحر.
(الدر المختار مع حاشية الطحطاوي: ۱۱۲/۲، باب الصريح).

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

طلاق تین بار بولا گیا ہے، اس لیے تین طلاقیں واقع ہونے کا حکم دے دیا جائے گا، باقی اس کی طلاق کی نیت نہیں تو حقیقت یہ ہے کہ لفظ ”طلاق“ طلاق دینے کے لیے صریح ہے نیت کا محتاج نہیں ہے ”ولا یفتقر الی نية لأنه صريح فيه لغلبة الاستعمال“۔ (الهدایة: ۳۵۹/۲، باب ایقاع الطلاق)۔ ایسے ہی ڈرانے دھمکانے کی بات

قابل قبول نہیں ”وإن قال: تعمدته...“ البتہ وقوع طلاق کے لیے اضافت ضروری ہے، یعنی نسبت کرنا، یعنی نام لیکر یا اشارہ کر کے یا خطاب کرتے ہوئے طلاق کو بیوی کی طرف منسوب کرنا... لیکن اضافت صریحہ لازم نہیں ہے اضافت معنویہ جو قرآن اور مذاکرہ اور دلالت حال سے ثابت ہو وہ کافی ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۳۱۳/۸، مبہوت و مرتب)۔ مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۸۲/۹، مدلل مکمل۔ و فتاویٰ محمودیہ: ۳۵۴/۱۲، ۳۶۵، مبہوت و مرتب) واللہ تعالیٰ اعلم۔

دو طلاق دیکر تین کہنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دیں، پھر جب بیوی کے خاندان والے زیارت کے لیے پہونچے اور انہوں نے پوچھا کہ آپ نے کتنی طلاقیں دیں، تو اس نے کہا میں نے تین طلاقیں دیں، بنگاہ شریعت کتنی واقع ہوئیں؟

الجواب: بصورت مسئلہ شوہر کے تین طلاق کا اقرار کرنے سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں، اگرچہ درحقیقت دو ہی طلاقیں دی تھیں۔
ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

و كَذَا أَنْتَ طَالِقٌ قَبْلَ أَنْ أَتَزَوَّجَكَ أَوْ أَمْسَ وَقَدْ نَكَحَهَا الْيَوْمَ وَلَوْ نَكَحَهَا قَبْلَ أَمْسٍ وَقَعَ الْآنَ لِأَنَّ الْإِنْشَاءَ فِي الْمَاضِي إِنْشَاءٌ فِي الْحَالِ... أَنْتَ حَرَقْتَ قَبْلَ أَنْ أَشْتَرِيكَ أَوْ أَنْتَ حَرَقْتَ أَمْسَ وَقَدْ أَشْتَرَاهُ الْيَوْمَ فَإِنَّهُ يَعْتَقُ لِمَا يَعْتَقُ لَوْ أَقْرَعَ لَعَبْدٌ ثُمَّ أَشْتَرَاهُ لِإِقْرَارِهِ بِحَرِيَّتِهِ. وَفِي الشَّامِيَةِ: قَوْلُهُ لِأَنَّ الْإِنْشَاءَ فِي الْمَاضِي إِنْشَاءٌ فِي الْحَالِ لِأَنَّهُ مَا أَسْنَدَهُ إِلَى حَالَةٍ مُنَافِيَةٍ، وَلَا يُمْكِنُ تَصْحِيحُهُ إِخْبَارًا لِكُذْبِهِ وَعَدَمُ قُدْرَتِهِ عَلَى الْإِسْنَادِ، فَكَانَ إِنْشَاءً فِي الْحَالِ. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۶۶/۳، باب الصريح، سعيد).

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

وفي الصغرى: في أمالي أبي يوسف: إذا قال لها: "قد طلقتك" أو قال لها: "أنت طالق" وأراد الخبر عما مضى كذباً وسعه فيما بينه وبين الله تعالى أن يمسكها، وإن لم يرد

الخبر عما مضى وأراد الكذب فهي طالق في القضاء وفيما بينه وبين ربه، وكذا إذا أراد الهزل طلقت قضاءً وديانةً. (الفتاوى التاتارخانية: ۳/۲۶۱، فيما يرجع الى صريح الطلاق، إدارة القرآن).

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

سوال: ایک شخص نے اپنی زوجہ کو دو طلاقیں دی تھیں، چند ایام کے بعد ایک مولوی صاحب اس معاملہ کے فیصلہ کے لیے تشریف لائے، اور مجمع عام میں اس مرد مطلق سے دریافت کیا کہ تم نے اپنی زوجہ کو کتنی طلاق دی، اس مرد نے کہا کہ تین طلاق مغلظہ، پھر دو چار یوم کے بعد وہ مرد کہنے لگا کہ میں نے دراصل دو طلاق دی تھیں، دو گواہ موجود تھے، میں نے جھوٹ بول کر تین کہہ دی، آیا دو طلاق ہوں گی، یا تین؟

الجواب: جب کہ اس مرد نے بجواب سوال مذکور یہ کہا کہ تین مغلظہ تو اس کی زوجہ پر تین طلاق واقع ہوئی، اور رجوع کرنا اس کلام سے صحیح نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۹/۲۲۶، ۳۱۴، ۳۲۲، مدلل مکمل). واللہ تعالیٰ اعلم۔

”ایک دی دودے رہا ہوں“ سے تین طلاق کا حکم:

سوال: ایک شخص نے بیوی سے کہا ”کہ میں نے تجھے ایک طلاق دی تھی دو اب دے رہا ہوں“ ان الفاظ سے کتنی طلاق واقع ہوگی؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ ان الفاظ سے ”ایک دی تھی دودے رہا ہوں“ تین طلاقیں واقع ہو گئیں، اور بدون حلالہ زوج اول کے لیے حلال نہیں ہے، اس لیے کہ ”طلاق دے رہا ہوں“ صیغہ حال ہے جس سے فی الحال طلاق واقع ہو جاتی ہے۔
ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله وما يمعناها من الصريح أى مثل ما سئذ كره من نحو: كونه طالقاً واطلقتى يا مطلقة بالتشديد وكذا المضارع إذا غلب فى الحال مثل أطلقك كما فى البحر. (فتاوى الشامى: ۳/۲۴۸، باب الصريح، سعيد).

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

قالت لزوجها: من با تو نمي باشم، فقال الزوج: مباش، فقالت: طلاق بدست تو
 است، مرا طلاق کن، فقال الزوج: طلاق في كنم طلاق مي كنم، وكرر ثلاثاً طلقت ثلاثاً.
 (الفتاوى الهندية: ۱/۳۸۴، باب الطلاق بالفاظ الفارسية).

فتاویٰ رحیمہ میں ہے:

ایسا لفظ جو زمانہ حال میں طلاق دینے پر دلالت کرتا ہو اس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، وقوع طلاق کے
 لیے صیغہ ماضی ہی ہونا ضروری نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمہ: ۲۹۲/۸، باب و مرتب).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (تنقیح الفتاویٰ الہامیۃ: ۱/۳۸، کتاب الطلاق، دارالاشاعت العربیۃ). واللہ تعالیٰ اعلم۔

زوجہ کے مطالبہ پر شوہر نے کہا آپ کو مل گئی:

سوال: میاں بیوی کے درمیان جھگڑا چل رہا تھا، اسی دوران بیوی نے کہا مجھے اپنی طلاق دیدو، یا کہا
 مجھے طلاق مل سکتی ہے، جواب میں شوہر نے کہا، ٹھیک ہے آپ کو مل گئی، پھر بیوی نے پوچھا کہ کیا تین ہیں؟ شوہر
 نے کہا جی ہاں! تین ہیں، کوئی طلاق واقع ہوئی رجعی یا بائن اور کیا تین واقع ہوئی یا ایک؟

الجواب: صورت مسئلہ میں بیوی کے مطالبہ طلاق پر شوہر نے مطالبہ پورا کر دیا تو ایک طلاق رجعی
 واقع ہوئی، پھر عدد کے بارے میں دریافت کرنے پر شوہر نے تین کا اقرار کیا تو تین واقع ہوئی، اور عورت مغلطہ
 ہو گئی، اب بدون حلالہ زوج اول کے لیے حلال نہیں ہے۔

ملاحظہ فرمائیں عالمگیری میں ہے:

وفی المنتقی: امرأة قالت لزوجها: طلقني، فقال الزوج: قد فعلت، طلقت. (الفتاویٰ

الہندیۃ: ۱/۳۵۶، ایقاع الطلاق).

فتاویٰ شامی میں ہے:

ذكر الطلاق بلا عدد فقليل له بعد ما سكت كم؟ فقال: ثلاثاً، وقع ثلاث عندهما خلافاً

لمحمد... وفي الجوهرية: قال: أنت طالق، فقليل له بعد ما سكت كم؟ فقال: ثلاث، وفي

الخانية: ويحتمل أن هذا قول أبي حنيفة فإن عنده إذا طلق واحدة ثم قال: جعلتها ثلاثاً
تصير ثلاثاً. (فتاویٰ الشامی: ۳/۳۰۵، باب الکنايات، سعید).

التحریر المختار میں ہے:

قوله ويحتمل أن هذا قول أبي حنيفة: يبطل هذا الاحتمال جعل أبي يوسف مع الإمام
والظاهر أن وجه الوقوع على قولهما أن السؤال يتضمن الطلاق كأنه قال: كم طلقت؟
والجواب يتضمن ما في السؤال فكأنه قال: طلقت ثلاثاً. (التحریر المختار علی هامش
ردالمحتار: ۳/۲۱۹، باب الکنايات، سعید). واللہ اعلم۔

مطالبہ پر تین مرتبہ (I talaaq you) کہنے کا حکم:

سوال: میوں بیوی کے درمیان تین گھنٹے سے جھگڑا چل رہا تھا آخر میں بیوی نے کہا مجھے طلاق دیدو،
میں گھر جانا چاہتی ہوں، شوہر نے تین مرتبہ (I talaaq you) کہا، کتنی طلاقیں واقع ہوئیں؟
الجواب: بصورتِ مسئلہ تین طلاقیں واقع ہو کر عورت مغلطہ ہو گئی، اور بدون حلالہ زوج اول کے لیے
حلال نہیں رہی۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

قالت لزوجها: طلقني، فقال الزوج: فعلت، طلقت. وفي الشامي: أي بقرينة الطلب.

(الدر المختار مع ردالمحتار: ۳/۲۹۴، سعید و کذا فی الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۳۵۶).

فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله كرر لفظ الطلاق بأن قال للمدخولة: أنت طالق أنت طالق أو قد طلقتك قد
طلقتك أو أنت طالق... قوله وإن نوى التأكيد دين أي وقع الكل قضاءً، وكذا إذا أطلق،
أشبه: أي بأن لم ينو استينافاً ولا تأكيداً لأن الأصل عدم التأكيد. (فتاویٰ الشامی: ۳/۲۹۳، سعید).

غمز عیون البصائر میں ہے:

لو كرر لفظ الطلاق، ولم ينو الاستئناف، ولا التأكيد، يقع الكل قضاءً، لأنه يجعل تأسيساً لا تأكيداً، لأنه خير من التأكيد. (غمزعيون البصائر شرح الاشباه والنظائر: ۱/۱۷۸، القاعدة الثانية، الامور بمقاصدها). واللہ تعالیٰ اعلم۔

دو طلاق کے بعد فسخ کرانے پر مغلطہ ہونے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے دو مختلف اوقات میں اپنی بیوی کو ایک ایک طلاق دی اس کے بعد رجوع کیا پھر کافی ساری وجوہات کی وجہ سے جمعیت نے نکاح فسخ کر دیا، اس لیے کہ شوہر طلاق نہیں دیتا تھا، اب بیوی پھر سابقہ شوہر کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا چاہتی ہے، تو کیا بغیر حلالہ کے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ جمعیت کا فسخ شوہر کی کوتاہیوں کے سبب واقع ہوا ہے اس وجہ سے یہ فسخ طلاق بائنہ کے حکم میں ہو کر اگلی دو طلاقوں کے ساتھ طلاق ثلاثہ کا حکم اختیار کر لے گا، اور عورت کے لیے بغیر حلالہ کے سابقہ شوہر کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا درست نہیں ہوگا۔
ملاحظہ مختصر القدوری میں ہے:

والفرقة تطليقة بائنة. (قدوری: ۲۱۹، کتاب النکاح).

ہدایہ میں ہے:

لأن فعل القاضي أضيف إلى فعل الزوج فكأنه طلقها بنفسه. (الهداية: ۲/۴۲۱).

فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله فرق الحاكم وهو طلاق البائن. (فتاویٰ الشامی: ۷۰/۳، سعید).

الحيلة الناجزة میں ہے:

جن صورتوں میں قاضی عورت کو اختیار دے ان میں حکم یہ ہے کہ اگر عورت اسی مجلس میں تفریق چاہے تب تو تفریق ہو سکتی ہے ورنہ نہیں، پس اگر عورت نے اسی مجلس میں تخیر کہہ دیا کہ میں اس شوہر سے علیحدہ ہونا چاہتی ہوں تو قاضی اس کے شوہر سے کہے کہ اس عورت کو طلاق دیدو اس پر اگر خاوند نے طلاق دیدی تو طلاق بائنہ واقع

ہو جائے گی، اگر وہ طلاق دینے سے انکار کر دے تو قاضی خود تفریق کر دے یعنی مثلاً یوں کہہ دے کہ میں نے تجھ کو اس کے نکاح سے الگ کر دیا تو یہ تفریق بھی شرعاً طلاقِ بائنہ کے قائم مقام ہو جاوے گی۔ (المحلیۃ الناجزۃ: ۸۲)۔
دوسری جگہ مذکور ہے:

شرعی پنچایت اگر کسی معاملہ میں متفق ہو کر تفریق کر دے تو اس کا حکم قاضی کے حکم قائم مقام ہوگا، اور تفریق وغیرہ صحیح ہو جائے گی۔ (المحلیۃ الناجزۃ: ۷۴)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

غصہ کی حالت میں تین طلاق کا حکم:

سوال: ایک شوہر نے اپنی بیوی کو طلاقِ مغلطہ دی، کسی بدعتی عالم کے پاس جا کر فتویٰ پوچھا تو اس نے کہا کہ نکاح فسخ نہیں ہوا، کیونکہ حالتِ غصہ میں طلاق دی، اب اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئلہ میں بحالتِ غصہ دی ہوئی تینوں طلاقیں واقع ہو گئیں، اب بدون حلالہ زوج اول کے لیے حلال نہیں، کیونکہ عام طور پر حالتِ غصہ ہی میں طلاق دی جاتی ہے، پیار و محبت میں نہیں دی جاتی۔
ملاحظہ فرمائیں شامی میں ہے

ویقع طلاق من غضب خلافاً لابن القیم، وهذا الموافق عندنا لما مر فی المدہوش.

(فتاویٰ الشامی: ۳/۲۴۴، مطلب فی طلاق المدہوش، سعید)۔

الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں ہے:

فاعلم أن بعض العلماء قد قسم الغضب إلى ثلاثة أقسام الأول أن يكون الغضب في

أول أمره فلا يغير عقل الغضبان بحيث يقصد ما يقول ويعلمه، ولا ريب في أن الغضبان بهذا

المعنى يقع طلاقه وتنفذ عباراته باتفاق. (۴/۲۲۷، شروط الطلاق، القاهرة)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

غصہ کی حالت میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے، بعض متأخرین حنابلہ اس طرف

گئے ہیں کہ حالتِ غصہ میں طلاق واقع نہیں ہوتی، اور ان میں سے متقدمین کا قول یہ نہیں بلکہ حنفیہ کے موافق

ہے، قال أبو داود: "الغلاق أظنه في الغضب" اس سے ان بعض متأخرین حنابلہ نے استدلال کیا ہے کہ حدیث شریف "لا طلاق ولا عتاق في إغلاق" اغلاق کی تفسیر ابو داود نے غضب سے کی ہے، لہذا غصہ کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔ اس کا جواب بذل المجہود شرح ابی داود میں اس طرح دیا ہے: "ورده ابن السيد، فقال: لو كان كذلك لم يقع على أحد طلاق لأن أحداً لا يطلق حتى يغضب"۔ (بذل المجہود: ۲۷۶/۳، باب الطلاق علی غیض)۔

حافظ ابن حجر فتح الباری شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

قال المطرزي: قولهم إياك والغلق أي الضجرو والغضب ورد الفارسي في مجمع الغرائب على من قال الإغلاق الغضب، وغلط في ذلك وقال: إن طلاق الناس غالباً إنما هو في حال الغضب، وقال ابن المرباط: الإغلاق حرج النفس، وليس كل من وقع له فارق عقله، ولو جاز عدم وقوع طلاق الغضبان لكان لكل أحد أن يقول فيما جناه كنت غضباناً، وأراد بذلك الرد على من ذهب إلى أن الطلاق في الغضب لا يقع، وهو مروي عن بعض متأخري الحنابلة ولم يوجد عن أحد من متقدميهم إلا ما أشار إليه أبو داود. وأما قوله في المطالع "الإغلاق الإكراه" وهو من أغلقت الباب، وقيل الغضب، وإليه ذهب أهل العراق، فليس بمعروف عن الحنفية. فتح الباری: ۳۸۹/۹، باب الطلاق في الإغلاق والإكراه۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۰۸/۱۲، باب ومرتب)۔ واللہ اعلم۔

بحالت غصہ سو طلاق دینے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو کہا میں نے تم کو سو طلاقیں دیں، اب وہ شخص کہتا ہے کہ میں نے غصہ کی حالت میں بلا نیت طلاق یہ الفاظ کہے تھے تو طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورت مسئلہ شوہر کے یہ الفاظ "میں نے تم کو سو طلاقیں دیں" طلاق کے بارے میں صریح ہیں اور محتاج نیت نہیں ہیں، بدون نیت طلاق واقع ہو جاتی ہے، لہذا شخص مذکور کی بیوی پر تین طلاقیں واقع

ہو گئیں، اور بقیہ (۹۷) ستانوں کا بار شخص مذکور کی گردن پر رہے گا اس سے توبہ اور استغفار لازم ہے۔ نیز غصہ کی حالت میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے بلکہ عام طور پر غصہ کی حالت میں طلاق دی جاتی ہے، پیار و محبت میں اکثر طلاق نہیں دی جاتی۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

الصريح ما لا يحتاج إلى نية بائناً كان الواقع به أو رجعياً . (الدر المختار: ۳/۳۰۶، باب الصريح

سعيد).

حدیث میں ہے:

عن مجاهد عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أنه سئل عن رجل طلق امرأته مائة تطليقة قال: عصيت ربك وبانت منك امرأتك، لم تتق الله فيجعل لك مخرجاً . (السنن الكبرى: ۷/۳۳۱، بيروت).
وعن سعيد بن جبيرة عن ابن عباس رضی اللہ عنہ في رجل طلق امرأته ألفاً، فقال: أما ثلاث فتحرم عليك امرأتك وبقيتهن عليك وزر، اتخذت آيات الله هزواً . (السنن الكبرى: ۷/۳۳۲، بيروت).
وفى المصنف لعبد الرزاق: عن داود بن عباد [بن] الصامت رضی اللہ عنہ قال: طلق جدي امرأة له ألف تطليقة، فانطلق أبي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر ذلك له، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: ... أما ثلاث فله أما تسع مائة وسبعة وتسعون فعدوان وظلم إن شاء الله تعالى عذبه وإن شاء غفر له . (مصنف عبد الرزاق: ۶/۳۹۳، المجلس العلمي).

شامی میں ہے:

ويقع طلاق من غضب خلافاً لابن القيم، وهذا الموافق عندنا لما مر في المدهوش.

(فتاویٰ الشامی: ۳/۲۴۴، مطلب فی طلاق المدهوش، سعيد).

مزید ملاحظہ ہو: (فتح القدير: ۴/۷۴، دار الفکر۔ والبحر الرائق: ۳/۲۷۵، کوثر۔ وفتاویٰ

محمودیه: ۱۲/۳۳۳، مبوب ومرتب۔ وفتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۹/۴۹، مدلل مکمل۔ وامداد الاحکام

: (۲/۴۴۲). واللہ اعلم۔

حالت حیض میں طلاق ثلاثہ کا حکم:

سوال: اگر آدمی نے حالت حیض میں اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی تو کیا حکم ہے؟ حیض میں طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ حالت حیض میں تین طلاقیں واقع ہو گئیں، اور بغیر حلالہ کے زوج اول کے لیے حلال نہیں ہے۔
ملاحظہ ہو دارقطنی میں ہے:

عن الحسن قال نا عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہ أنه طلق امرأته تطليقة وهي حائض ثم أراد أن يتبعها بتطليقتين أخرأوين عند القرئين، فبلغ ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: يا ابن عمر ما هكذا أمرك الله انك قد أخطأت السنة، والسنة أن تستقبل الطهر فتطلق لكل قرء، قال فأمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم فراجعته ثم قال: إذا هي طهرت فطلق عند ذلك أو أمسك فقلت: يا رسول الله! أرأيت لو أني طلقتها ثلاثاً أكان يحل لي أن أراجعها قال: لا، كانت تبين منك وتكون معصية. (سنن دارقطنی: ۴/۳۱/۸۴، کتاب الطلاق، والسنن الكبرى للبيهقي: ۷/۳۳۴، دارالمعرفة).
ہدایہ میں ہے:

وإذا طلق الرجل امرأته في حالة الحيض وقع الطلاق لأن النهي عنه لمعنى في غيره فلا ينعدم مشروع عيته. (الهدایہ: ۲/، باب طلاق السنة).
فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

والبدعي من حيث الوقت أن يضنق المدخول بها وهي من ذوات الأقراء في حالة الحيض، وكان الطلاق واقعاً. (الفتاویٰ الهندية: ۱/۳۴۹).
فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

حالت حیض میں طلاق دینا منع ہے، تاہم اگر کوئی حالت حیض میں طلاق دیدے تو وہ واقع ہو جائے گی، جس حیض میں طلاق دی ہے وہ عدت میں شمار نہیں ہوگا، اس کے بعد تین حیض مستقل لازم ہوں گے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۱۸۷، محبوب و مرتب)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

طلاق ثلاثہ کے بعد شوہر کے منکر ہونے کا حکم:

سوال: میرے شوہر نے مجھے خلوت میں غصہ کی حالت میں تین طلاقیں دیں جو میں نے اپنے کانوں سے سنیں، جب میں گھر جانے لگی تو اس نے روک دیا اور تین طلاق سے انکار کر دیا، اب میرے لیے کیا راستہ ہے؟

الجواب: فقہاء نے لکھا ہے کہ عورت قاضی کی طرح ہے، اس لیے جب آپ نے طلاق خود اپنے کانوں سے سنی تو شوہر سے الگ رہے، لیکن اگر یہ صورت مشکل ہو کہ شوہر نہ چھوڑتا ہو اور نہ خلع کرتا ہو تو آپ اپنا معاملہ کسی شرعی قاضی یا حکم کے سامنے پیش کر دے، اور گواہ نہ ہونے کی وجہ سے شوہر پر قسم آتی ہے، اگر شوہر نے قسم کھالی تو پھر آپ اس کے پاس رہ سکتی ہے، گناہ اس پر ہوگا، یہی مضمون فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں کئی جگہ مذکور ہے۔

لیکن اگر اس پر اشکال کیا جائے کہ اگر کوئی شخص رمضان المبارک کے چاند کی گواہی دے اور گواہی منظور نہیں ہوئی، تو وہ شخص خود روزہ رکھے گا، معلوم ہوا کہ قاضی کے مقابلہ میں صاحب واقعہ کا قول معتبر ہے اور طلاق کے مسئلہ میں قاضی کی بات مانی گئی، تو اس کا جواب یوں سمجھ میں آتا ہے کہ رمضان کے مسئلہ میں روزہ کا تعلق صائم سے ہے کسی اور سے نہیں، اس لیے روزہ رکھے، مسئلہ مذکورہ میں نکاح کا تعلق شوہر سے بھی ہے اور وہ حلفاً انکار کرتا ہے، لہذا اس کے حق کو تسلیم کرتے ہوئے حتی الوسع الگ رہنے کے باوجود ہم بستری میں گناہ شوہر پر ہوگا۔ نیز روزہ میں قضاء اور دیانت میں تعارض بھی نہیں، یہ روزہ رکھے اور لوگ نہ رکھے، لیکن زوجین میں قضاء اور دیانت میں تعارض ہے۔

حضرت مفتی ولی حسن صاحبؒ کے سامنے جب شوہر کے طلاق ثلاثہ کے انکار اور عورت کے طلاق ثلاثہ کے دعوے کا مسئلہ آتا اور حضرت کو حکم بنایا جاتا تو عورت سے گواہ طلب کرتے اور جب عورت کے پاس گواہ نہ ہوتے تو شوہر سے قسم لیتے اور جب شوہر قسم کھاتا کہ میں نے تین طلاقیں نہیں دیں، تو بیوی سے فرماتے تم شوہر

کے ساتھ رہ سکتی ہو اگر شوہر جھوٹا ہوگا تو گناہ شوہر پر ہوگا، اس میں آسانی ہے اسی کی طرف بندہ کا میلان ہے۔
ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

سمعت من زوجها أنه طلقها ولا تقدر على منعه من نفسها إلا بقتله... وقال
الأوزجندی: ترفع الأمر للقاضي فإن حلف ولا بينة لها، فالإثم عليه. وفي الطحطاوي: قوله
فالإثم عليه ولا إثم عليها بتمكينه من نفسها. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱/۱۷۸، باب
الرجعة، كوئته).

فتاویٰ شامی میں ہے:

والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه والفتوى على أنه ليس
لها قتله ولا تقتل نفسها بل تفدي نفسها بمال أو تهرب كما أنه ليس له قتلها إذا حرمت عليه
وكلما هرب ردت به بالسحر. وفي البزازية عن الأوزجندی: أنها ترفع الأمر للقاضي فإن
حلف ولا بينة لها فالإثم عليه. قلت: أي إذا لم تقدر على الفداء أو الهرب ولا على منعه عنها
فلا ينافي ما قبله. (فتاویٰ الشامی: ۳/۲۵۱، باب الرجعة، سعيد).

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

وفي فتاوى النسفي عن السيد الإمام أبي شجاع هكذا وفي فوائد شمس الإسلام إن
لم يكن بينة ترفع إلى القاضي وتحلفه فإن حلف فالإثم عليه. (خلاصۃ الفتاویٰ: ۲/۱۲۰، المكتبة
الرشيدية).

مجمع الانهر شرح ملتقى الابحر میں ہے:

وفي التتارخانية وغيرها: سمعت المرأة من زوجها أنه طلقها ولا تقدر على منعه من
نفسها إلا بقتله لها قتله بالدواء ولا تقتل نفسها وقيل لا تقتله وبه يفتى وترفع الأمر إلى
القاضي فإن لم تكن لها بينة تحلفه فإن حلف فالإثم عليه. (مجمع الانهر شرح ملتقى
الابحر: ۳/۳۲۶، باب الرجعة).

کفایت المفتی میں ہے:

اگر شوہر طلاق دینے سے انکار کرتا ہے تو قاضی کے سامنے طلاق ثابت کرنے کے لیے شہادت کی ضرورت ہے اور دو گواہ نہ ہو تو پھر اس شوہر سے حلف لیا جائے گا، اگر وہ حلف کر لے کہ میں نے طلاق نہیں دی تو قاضی طلاق نہ ہونے کا فیصلہ کر دے گا، لیکن اس فیصلہ سے عورت شوہر کے لیے اگر وہ فی الحقیقت طلاق دے چکا ہے حلال نہ ہوگی اور مدۃ العروہ حرام کاری میں مبتلا ہوگا۔ فقط۔ (کفایت المفتی: ۸۲/۶، دارالاشاعت)۔

ایضاح النوادر میں ہے:

... لیکن اس شکل میں عورت کو کوئی راستہ نہ ملے اور شوہر جھوٹی قسم کھا کر عورت کو اپنے پاس رکھ لیتا ہے تو عورت گنہگار نہ ہوگی بلکہ سارا گناہ شوہر پر ہوگا، مسئلہ کے اس پہلو کو حضرات فقہاء ان الفاظ سے ذکر کرتے ہیں ”والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه“۔ (ایضاح النوادر: جلد دوم ۱۰۴)۔

مزید ملاحظہ فرمائیں: (البحر الرائق: ۲۵۷/۳، باب الصريح، کوئٹہ۔ والفتاویٰ الہندیہ: ۳۵۳/۳۔ وفتاویٰ محمودیہ: ۳۱۶/۱۲، مبوب و مرتب۔ فتاویٰ رحیمیہ: ۲۶۸/۸، مبوب و مرتب)۔

اس مسئلہ کی ایک نظیر ملاحظہ فرمائیں:

امراة زوجها في دار الغصب فتقول لا أقعد معك في أرض الغصب فباني أثمت بذلك ليس لها ذلك والإثم على الزوج . (الفتاویٰ السراجیہ:)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

طلاق ثلاثہ میں مفتی کے فیصلہ پر قاضی کے فیصلہ کی ترجیح:

سوال: ایک شخص کی بیوی غائب تھی اور شوہر نے اس کو بتایا کہ میں نے ”امراتی طالق“ تین مرتبہ کہا تھا لیکن میری نیت تاکید کی تھی اور مفتی صاحب نے ایک طلاق کا فتویٰ دیا اور میں رجوع کرتا ہوں لیکن بیوی قاضی کے پاس گئی اور اس نے حرمت مغلظہ کا فیصلہ کیا تو اب فتویٰ اور قضاء میں تعارض ہوا کس کو مانا جائے گا؟

الجواب: بصورت مسئلہ قاضی کے فیصلہ کو مفتی کے فیصلہ پر ترجیح ہوگی، لہذا عورت اس شخص کے لیے حرام رہے گی، بدون حلالہ زوج اول کے لیے حلال نہ ہوگی، نیز عورت کے لیے اپنے نفس پر قابو دینا جائز ہوگا اگر شوہر راضی نہ ہو تو خلع کر کے رہائی حاصل کر لیجائے۔

ملاحظہ فرمائیں بدائع الصنائع میں ہے:

المقلد إذا أفتاه إنسان في حادثة ثم رفعت إلى القاضي فقضى بخلاف رأي المفتي فإنه يأخذ بقضاء القاضي ويترك رأي المفتي لأن رأي المفتي يصير متروكاً لقضاء القاضي. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع: ۶/۷، كتاب آداب القاضي، فصل في شرائط القضاء، سعيد).
مبسوط میں ہے:

وإذا كان الزوج غائباً أو كان يعتقد أن الطلاق غير واقع فعليه أن يتبع رأي القاضي ... وكذا لو حكمنا فقيهاً فحكمه كفتواه لأن سببه تراضيهما لا ولاية ثابتة له حكماً فكان تراضيهما على تحكيمه كسوالهما إياه والفتوى لا تعارض قضاء القاضي فإذا قضى القاضي عليه بخلاف ذلك كان عليه أن يتبع رأي القاضي. (المبسوط للامام السرخسي: ۱۰/۱۸۵، كتاب الاستحسان، باب الرجل يرى الرجل يقتل اباه أو غيره، دارالفكر).

ایضاح النوادر میں ہے:

اگر ایک ہی واقعہ سے متعلق صاحب معاملہ مفتی سے فتویٰ لیکر پھر قاضی سے فیصلہ حاصل کرتا ہے، اور مفتی نے دیانت پر فتویٰ دیا تھا اور قاضی نے قضاء اور ظاہر پر فتویٰ دیدیا، مثلاً شوہر نے بیوی سے کہا کہ تجھے طلاق، طلاق، طلاق، اور کہتا ہے کہ میں نے صرف ایک طلاق کی نیت کی تھی تو مفتی نے دیانت کا اعتبار کر کے سائل کی نیت و ارادہ کے مطابق ایک طلاق پر فتویٰ دیکر رجعت کا حکم دیدیا، اور قاضی نے ظاہر کا اعتبار کر کے تین طلاق کا فیصلہ دے کر رجعت سے منع کر دیا تو ایسی صورت میں صاحب معاملہ پر مفتی کا فتویٰ چھوڑ کر قاضی کے فیصلہ پر عمل کرنا واجب ہے۔ (ایضاح النوادر: جلد دوم: ۹۲، مکتبہ علمیہ). واللہ تعالیٰ اعلم۔

فقہاء کی اصطلاح ”المرأة كالقاضي“ کی تحقیق:

سوال: فقہاء تحریر فرماتے ہیں ”المرأة كالقاضي“ اس کا کیا مطلب ہے اور اس کی کیا حدود ہیں؟

الجواب: فقہاء کی یہ اصطلاح دو حیثیتوں سے استعمال ہوتی ہے، اور دونوں میں فرق ہے۔

پہلی حیثیت :-

عورت کو قاضی کی طرح ظاہر کا اعتبار کرتے ہوئے اپنے نفس کے متعلق حلت و حرمت کا از خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

مثلاً شوہر نے یہ کہہ دیا کہ تجھے طلاق، طلاق، طلاق، اور کہتا ہے کہ میں نے تکرار و تاکید کا ارادہ کیا تھا، تین کا ارادہ نہیں کیا تھا، اور عورت نے خود بھی تین طلاق شوہر کی زبان سے سن رکھا ہے، اب اگر یہ معاملہ قاضی کی عدالت میں پہنچ جائے تو قاضی شوہر کی نیت کا اعتبار نہیں کریگا بلکہ ظاہر کے موافق تین طلاق کا فیصلہ کر دے گا، اور بیوی بالکلیہ آزاد ہو جائے گی۔

لیکن موجودہ دور میں شرعی قاضی نہ ہونے کی بنا پر مفتی کے پاس مسئلہ آیا اور مفتی نے شوہر کی نیت کا اعتبار کرتے ہوئے دیانۃً ایک طلاق کا فتویٰ دیا، یعنی شوہر کو رجعت کا اختیار حاصل ہوگا، تو اس صورت میں جس طرح ظاہر پر فیصلہ کرنا قاضی پر لازم ہے، اس طرح عورت پر بھی لازم ہے کہ ظاہری الفاظ یعنی تین طلاق کا اعتبار کرتے ہوئے اپنے نفس کے متعلق فیصلہ کر لے، اور شوہر کو اپنے اوپر قدرت نہ دے، بلکہ خلع کر کے آزادی حاصل کر لے یا مال دے کر طلاق حاصل کر لے، گویا عورت کے اپنے نفس کے متعلق ظاہر پر فیصلہ کرنے کو فقہاء نے ”المرأة كالقاضي“ کی اصطلاح سے تعبیر فرمایا ہے۔

فقہاء کی عبارات حسب ذیل ملاحظہ فرمائیں:

وإذا قال: أنت طالق، طالق، طالق، وقال: إنما أردت به التكرار صدق ديانة لا قضاء فإن القاضي مأمور باتباع الظاهر، والله يتولى السرائر، والمرأة كالقاضي لا يحل لها أن تمكنه إذا سمعت منه ذلك أو علمت به لأنها لا تعلم إلا الظاهر. (تبیین الحقائق: ۲/۲۱۸، والفتاویٰ الہندیہ: ۱/۳۵۴).

تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ میں ہے:

وقال في الخانية: لو قال: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، وقال: إنما أردت به التكرار صدق ديانة وفي القضاء طلقت ثلاثاً ومثله في الأشباه والحدادي وزاد الزيلعي أن

المرأة كالقاضي فلا يحل لها أن تمكنه إذا سمعت منه ذلك أو علمت به لأنها لا تعلم إلا

الظاهر . (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۱/۳۷، دارالاشاعة العربية).

طحاوی علی الدر میں ہے:

المدار بكون المرأة كالقاضي أن ذلك في عدم التصديق لا مطلقاً فإن خبر الواحد

يعتبر عند المرأة ولا يعتبر عند القاضي لأن شأن القاضي التفريق وشأن المرأة عدم التمكين

احتياطاً . (حاشية الطحاوی علی الدر المختار: ۲/۱۱۲، کوئٹہ).

در مختار میں ہے:

المفتي يفتي بالديانة والقاضي يقضي بالظاهر . وفي الشامية: قوله المفتي يفتي

بالديانة مثلاً إذا قال رجل: قلت لزوجتي أنت طالق قاصداً بذلك الإخبار كاذباً فإن

المفتي يفتيه بعدم الوقوع والقاضي يحكم عليه بالوقوع لأنه يحكم بالظاهر . (الدر المختار مع

رد المختار: ۵/۳۶۵، سعید).

دوسری حیثیت :-

شوہر تین طلاق دینے کے بعد سرے سے طلاق ہی کا انکار کر دے، جب کہ بیوی نے اپنے کان سے تین

طلاق سنی ہے، اور معاملہ قاضی کی عدالت میں پہنچ گیا، اور عورت کے پاس شرعی گواہ نہ ہونے کی وجہ سے قاضی نے

شوہر سے حلف لے کر عدم طلاق کا فیصلہ کر دیا، اور عورت کے بیان کے مطابق مفتی نے دیانت پر فتویٰ دیدیا کہ

جب عورت نے خود سن لیا ہے تو اس کو اب شوہر کے پاس رہنا اور شوہر کو اپنے اوپر قابو دینا جائز نہیں ہوگا، اور نہ

شوہر کو قتل کر دینا یا خودکشی کر لینا جائز ہو سکتا ہے، بلکہ خلع کر کے یا مال دے کر طلاق حاصل کر لینا لازم ہوگا، تو

قاضی کی طرح عورت کو اپنے یقین اور ظاہر کا اعتبار کرنے کا اختیار ہے۔ اس کو فقہاء ”المرأة كالقاضي“ کے

الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

دونوں حیثیتوں میں فرق:

دونوں شکلوں کا فرق یوں واضح ہو جاتا ہے کہ پہلی شکل میں قاضی کا فیصلہ شوہر کے مخالف ہے اور بیوی کے

موافق، اور دوسری شکل میں شوہر کے موافق اور بیوی کے مخالف ہے۔

دوسری شکل میں تمکین کی اجازت:

بعض فقہاء نے فرمایا ہے کہ دوسری شکل میں عورت کو کوئی راستہ نہ ملے اور شوہر جھوٹی قسم کھا کر عورت کو اپنے پاس رکھ لیتا ہے، تو عورت گنہگار نہ ہوگی بلکہ سارا گناہ شوہر پر ہوگا۔

فقہاء کی عبارات حسب ذیل ملاحظہ فرمائیں:

فتاویٰ شامی میں ہے:

والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه والفتوى على أنه ليس لها قتله ولا تقتل نفسها بل تفدي نفسها بمال أو تهرب كما أنه ليس له قتلها إذا حرمت عليه وكلما هرب رده بالسحر. وفي البزازية عن الأوزجندی: أنها ترفع الأمر للقاضي فإن حلف ولا بينة لها فالإثم عليه. قلت: أي إذا لم تقدر على الفداء أو الهرب ولا على منعه عنها فلا ينافي ما قبله. (فتاویٰ الشامی: ۲۵۱/۳، باب الرجعة، سعید).

حضرت مفتی ولی حسن صاحب بزازیہ اور خلاصۃ الفتاویٰ کی بات کو پسند فرماتے تھے کی شوہر کے پاس رہے اور گناہ شوہر پر ہوگا، اور عورت کا القاضي قبل المرافعة سمجھتے تھے۔ خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

وفي فتاوى النسفي عن السيد الإمام أبي شجاع هكذا وفي فوائد شمس الإسلام إن لم يكن بينة ترفع إلى القاضي وتحلفه فإن حلف فالإثم عليه. (خلاصۃ الفتاویٰ: ۱۲۰/۲، المكتبة الرشيدية). واللہ تعالیٰ اعلم۔

مطلقہ ثلاثہ کے مرتد ہونے سے سقوط حلالہ کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی، اس کے بعد اس کی بیوی مرتد ہو گئی (نعوذ باللہ) کچھ

مدت کے بعد اپنی مرضی سے مسلمان ہو گئی، اب وہ اپنے سابقہ شوہر سے بغیر حلالہ کے نکاح کر سکتی ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ تین طلاق کے بعد بیوی سابقہ شوہر کے لیے بغیر حلالہ کے حلال نہیں ہے، اور ارتداد سے بھی حلالہ کا حکم ساقط نہیں ہوتا۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

ولا ملک أمة بعد تطليقتين أو حرة بعد ثلاث ورثة وسبي، نظيره من فرق بينهما بظهار أو لعان ثم ارتدت وسببت ثم ملكها لم تحل له أبداً. وفي الشامية: قوله ولا ملك أمة أي لو طلقها ثنتين وهي أمة ثم ملكها أو ثلاثاً وهي حرة فارتدت ولحقت بدار الحرب ثم سببت وملكها لا يحل له وطؤها بملك اليمين حتى يزوجها فيدخل بها الزوج ثم يطلقها كما في الفتح قوله لم تحل له أبداً أي مالم يكفر في الظهار ويكذب نفسه أو تصدقه في اللعان، فوجه الشبه بين المسألتين أن الردة واللعان والسبي لم تبطل حكم الظهار واللعان كما لم تبطل حكم الطلاق. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۴۱۲، باب الرجعة، سعيد).

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

اگر ثابت ہو جائے کہ شوہر نے تین طلاق دی تھی، جس سے وہ بائنہ مغلظہ ہو گئی تھی، تو بدون حلالہ کے نکاح نہیں ہو سکتا، مرتد ہو جانے سے طلاق ثلاثہ مغلظہ کا اثر باطل نہیں ہوتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۳/۱۵۰، کتاب الطلاق۔ و فتاویٰ محمودیہ: ۱۳/۵۰۲، مبوب و مرتب). واللہ تعالیٰ اعلم۔

حلالہ میں دخول کی شرط ساقط کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں، اب وہ شخص اس کے ساتھ دوبارہ شادی کرنا چاہتا ہے مگر حلالہ ضروری ہے، تو کیا حلالہ میں دخول کی شرط ساقط کرنے کا کوئی حیلہ ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ حلالہ میں زوج ثانی کا صحبت کرنا ضروری ہے، اس کے بغیر حلالہ نہیں ہوگا، اور عورت زوج اول کے لیے حلال نہ ہوگی، احادیث اور کتب فقہ سے یہ ثابت ہے، لہذا اس پر عمل پیرا ہونا

ضروری ہے، شریعت کے حکم کے مطابق عمل کرنے میں دنیا و آخرت کی کامیابی کا راز پوشیدہ ہے، اگرچہ اس کی حکمت ہماری ناقص سمجھ سے بالاتر ہے۔

ملاحظہ فرمائیں امام ابو بکر صا ص رازی فرماتے ہیں:

قوله تعالى: ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ﴾ منتظم لمعان منها تحريمها على المطلق ثلاثاً حتى تنكح زوجاً غيره مفيد في شرط ارتفاع التحريم الواقع بالطلاق الثلاث العقد والوطء جميعاً لأن النكاح هو الوطء في الحقيقة وذكر الزوج يفيد العقد وهذا من الإيجاز والاقتصار على الكناية المفهمة المغنية عن التصريح وقد وردت عن النبي صلى الله عليه وسلم أخبار مستفيضة في أنها لا تحل للأول حتى يطأها الثاني. (احكام القرآن: ۱/۳۹۰، ذكر الحجاج لا يقع الطلاق الثلاث معاً، سهيل).

بخاری شریف میں ہے:

عن عائشة رضي الله تعالى عنها أن رفاعة القرظي تزوج امرأة ثم طلقها فتزوجت آخر فأتت النبي صلى الله عليه وسلم فذكرت أنه لا يأتيها وأنه ليس معه إلا مثل هدبة، فقال: لا، حتى تذوقي عسيلته ويذوق عسيلتك. (رواه البخاري: ۲/۸۰۱).

در مختار میں ہے:

ولا ينكح مطلقة من نكاح صحيح نافذ... وفي الشامي: ولا ينكح بها أي الثلاث لو حرة وثلثين لو أمة حتى يطأها غيره وتمضي عدته. (الدرمع الشامي: ۳/۴۱۳، باب الرجعة، سعيد).

فتح القدير میں ہے:

وإن كان الطلاق ثلاثاً أو ثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها. (الهداية مع فتح القدير: ۴/۱۷۸، دار الفکر).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

بیونہ غلیظہ میں دوبارہ نکاح کی صورت صرف یہ ہے کہ عورت عدت گزر بنے کے بعد دوسرے مرد سے

نکاح کر لے اور وہ مرد اس کے ساتھ جنسی تعلق قائم کرنے کے بعد مرجائے یا طلاق دیدے پھر عدت وفات یا عدت طلاق گزر جائے تو باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔

(مجموع قوانین اسلامی: ۱۴۲ دفعہ ۲۰۔ فتاویٰ محمودیہ: ۱۳/۴۷۹، محبوب و مرتب)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

عن عبد اللہ بن یزید بن رکافۃ عن أبیہ عن جدہ
 قال: أتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلت:
 یا رسول اللہ! إني طلقْتُ امرأتی البتَّة،
 فقال: ما أردتَ بها؟ فقلت: واحدة،
 قال: واللَّه؟ قلت: واللَّه، قال: فهو ما أردت.

(رواه الترمذی)

باب..... ﴿ع﴾

کنايات طلاق کا بيان

باب ﴿۴﴾

الفاظِ کنایات سے طلاق دینے کا بیان

”تمہارے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں“ کہنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ تمہارے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں، میرا اور آپ کا معاملہ ختم ہے، طلاق ہوئی یا نہیں؟ نیت کی حاجت ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئلہ میں اگر شوہر نے ان الفاظ ”تمہارے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں“ سے طلاق کی نیت کی تھی تو ایک طلاق بائن واقع ہوگئی، اور بغیر نیت کے طلاق واقع نہیں ہوتی، نیت کا حال شوہر سے معلوم ہو سکتا ہے۔
ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

وفی الفتاوی: لم یبق بینی و بینک عمل ونوی یقع، کذا فی العتابة. (الفتاویٰ الہندیۃ

۳۷۶/۱، الفصل الخامس فی الکنايات۔ و کذا فی البحر الرائق: ۳/۳۰۴، کوئٹہ)۔

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

اگر نیت شوہر کی ان الفاظ سے کہ ”مجھے تم سے کوئی تعلق نہیں ہے“ طلاق کی ہے تو ایک طلاق بائنہ اس کی زوجہ پر واقع ہوگئی، نیت کا حال شوہر سے معلوم ہو سکتا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۹/۳۹۴، مدلل مکمل)۔

دوسری جگہ مرقوم ہے:

در مختار میں تصریح ہے کہ ان الفاظ سے جو قطع تعلق پر دال ہیں، اگرچہ حالت غصہ میں سرزد ہوں بدون نیت کے طلاق واقع نہیں ہوتی، چنانچہ عبارت ذیل در مختار کا یہی مفاد ہے: ”وفی الغضب توقف الأولان، إن نوی وقع وإلا لا۔“ (فتاویٰ دارالعلوم: ۹/۴۳۷)۔

اور دوسرا جملہ ”میرا اور آپ کا معاملہ ختم ہے“ یہ بھی الفاظِ کنایات میں سے ہے، اور کنایات کے مختلف جملے کہنے سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے۔

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں مرقوم ہے:

اگر شوہر کنایہ کے مختلف جملے کہے تو صرف ایک طلاق بائن اس کی زوجہ پر واقع ہوگی، جیسا کہ در مختار میں ہے: ”البائن لا يلحق البائن، المراد بالبائن الذي لا يلحق هو ما كان بلفظ الكناية، لأنه هو الذي ليس ظاهراً في إنشاء الطلاق، كذا في الفتح۔“ (فتاویٰ دارالعلوم: ۹/۴۷۱، مکمل و مدلل)۔

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

لفظِ کنایہ سے واقع طلاقِ بائن کے بعد پھر لفظِ کنایہ سے طلاقِ بائن نہیں واقع ہو سکتی ہے، خواہ ایک ہی لفظ کنایہ کو بار بار استعمال کیا ہو یا متعدد الفاظِ کنایہ استعمال کئے گئے ہوں۔ (مجموعہ قوانین اسلامی ص ۱۴۹، دفعہ ۳۴)۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

”تو مجھ پر حرام ہے“ تین مرتبہ کہنے کا حکم:

سوال: اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا ”تو مجھ پر حرام ہے حرام ہے حرام ہے“ تو کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟ اور یہ لفظ کنائی ہے یا صریح؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ لفظ ”تو مجھ پر حرام ہے“ اصلاً کنایہ ہے لیکن عرف کی وجہ سے طلاقِ بائن بلا نیت واقع ہوتی ہے۔ متاخرین نے اسی پر فتویٰ دیا ہے، اور چونکہ کنایہ کے ساتھ کنایہ ملحق نہیں ہوتا، اس لیے صرف ایک طلاقِ بائن واقع ہوگی۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

قال لامرأته: أنت علي حرام، ونحو ذلك كأنت معي في الحرام إيلاء إن نوى التحريم... وتطبيقاً بآئنة إن نوى الطلاق وثلاث إن نواها، ويفتي بأنه طلاق بائن وإن لم ينو لغلبة العرف.

وفى الشامي: قوله "وإن لم ينو" هذا في القضاء، وأما في الديانة فلا يقع ما لم ينو، وعدم نية الطلاق صادق بعدم نية شيء أصلاً... قلت: الظاهر أنه إذا لم ينو شيئاً أصلاً يقع ديانة أيضاً. قال في البحر: وذكر الإمام ظهير الدين: لا نقول: لا تشترط النية لكن يجعل ناوياً عرفاً. وفي الفتح: فصار كما إذا تلفظ بطلاقها لا يصدق في القضاء، بل فيما بينه وبين الله، فهذا ظاهر فيما قلنا فافهم... وأما كونه بائناً فلأنه مقتضى لفظ الحرام، لأن الرجعي لا يحرم الزوجة ما دامت في العدة، وإنما يصح وصفها بالحرام بالبائن. (الدر المختار مع رد المحتار ۴۳۵/۳، باب الإيلاء، سعيد).

وفى الشامي أيضاً: والحاصل أن المتأخرين خالفوا المتقدمين في وقوع البائن بالحرام بلا نية حتى لا يصدق إذا قال: لم أنو لأجل العرف الحادث في زمان المتأخرين... ثم ظهر لي بعد مدة وهو أن لفظ حرام معناه عدم حل الوطء ودواعيه، وذلك يكون بالإيلاء مع بقاء العقد وهو غير متعارف، ويكون بالطلاق الراجع للعقد، وهو قسمان: بائن ورجعي، لكن الرجعي لا يحرم الوطء فتعين البائن. وكونه التحق بالصريح للعرف لا ينافي وقوع البائن به، فإن الصريح قد يقع به البائن كتطبيقاً شديدة ونحوه، كما أن بعض الكنايات يقع به الرجعي مثل اعتدي واستبرئي رحمك، وأنت واحدة. والحاصل أنه لما تعورف به الطلاق صار معناه تحريم الزوجة، وتحريمها لا يكون إلا بالبائن. (فتاوى الشامي:

۲۹۹/۳، باب الكنايات، سعيد).

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

تین دفعہ کہا ”تو مجھ پر حرام ہے“ اس صورت میں چونکہ زید نے صریح طلاق نہیں دی، بلکہ بالفاظ کنایہ طلاق دی ہے، اور الفاظ کنایہ میں طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے اور ایک بائنہ کے بعد دوسری بائنہ واقع نہیں ہوتی، کما صرح بہ فی الدر المختار وغیرہ، لہذا بصورتِ مسئلہ وہ عورت مطلقہ ثلاثہ اور مغلطہ نہیں ہوئی، بلکہ ایک طلاق بائنہ اس پر واقع ہوئی ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۹۱/۹، مدلل مکمل)۔

مزید ملاحظہ فرمائیں: (فتاویٰ محمودیہ: ۵۲۳/۱۲، مبوب و مرتب، امداد الاحکام: ۲/۳۵۵)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

”تجھ کو چھوڑ دیا“ تین مرتبہ کہنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو یہ الفاظ کہے ”تجھ کو چھوڑ دیا، چھوڑ دیا، چھوڑ دیا“ تو کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ لفظ چھوڑ دیا کنایہ ہے اور کنایہ نیت کا محتاج ہے، لہذا اگر نیت طلاق کی تھی تو ایک طلاق بائنہ واقع ہوگئی، اور اگر نیت طلاق کی نہیں کی تھی تو طلاق واقع نہیں ہوئی۔ بعض علماء نے اس کو الفاظِ صریحہ میں شمار کیا ہے، لہذا ابلانیت طلاقِ رجعی واقع ہوگی۔ حضرت مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے الفاظِ صریحہ میں شمار فرما کر طلاقِ رجعی کا فتویٰ مرحمت فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ: ۳۴۰/۱۲)۔

نیز حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ، ان حضرات نے بھی طلاقِ رجعی تحریر فرمایا ہے۔ لیکن حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے الفاظ کنایہ میں شمار فرما کر طلاقِ بائن فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں کفایت المفتی میں ہے:

(جواب) اگر مرد نے یہ لفظ (میں نے تجھ کو چھوڑ دیا) تین بار کہے تو اس کی بیوی پر طلاقِ بائن ہوگئی اور وہ اس کے نکاح سے باہر ہوگئی، ہاں دوبارہ وہ شخص اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے بشرطیکہ عورت بھی رضا مند ہو، حلالہ کی ضرورت نہیں۔ (کفایت المفتی: ۴۴/۶، کتاب الطلاق)۔

حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

الجواب: (ہم نے اس کو چھوڑ دیا، چھوڑ دیا، چھوڑ دیا) اگر شوہر کی نیت طلاق کی تھی اور بنیت طلاق اس نے یہ الفاظ کہے تھے تو ایک طلاق بائنہ اس کی زوجہ پر واقع ہوگئی، دوسری، تیسری واقع نہ ہوئی، لأن البائن لا يلحق البائن كما في الدر المختار وغيره. (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۸۸/۹)۔
فتاویٰ حقانیہ میں ہے:

اپنی بیوی کے متعلق یوں کہنا کہ ”میں نے اس کو چھوڑ دیا ہے“ یہ الفاظ طلاقِ کنایہ کے ہیں، نیت کی موجودگی میں ان سے طلاقِ بائن واقع ہوگی، لیکن علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے عرف کے حوالہ سے طلاقِ رجعی میں شمار کیا ہے، جس سے نیت کے بغیر بھی طلاقِ رجعی واقع ہوتی ہے۔ (فتاویٰ حقانیہ: ۴/۲۷۹)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

”طلاق دیتا ہوں... یہ حرفِ آخر ہے“ کہنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی سے الفاظ ”میں عبد العزیز پورے ہوش کے ساتھ اپنی بیوی زاہدہ سلیمانی کو طلاق دیتا ہوں جس میں وہ پھر سے شادی کر سکتی ہے، اور یہ حرفِ آخر ہے“ کہے، ان الفاظ سے طلاق رجعی ہوگی یا بائن؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ طلاق دیتا ہوں صریح الفاظ ہیں، جس سے رجعی طلاق واقع ہوتی ہے، لیکن ساتھ میں تاکید کے الفاظ بھی استعمال کئے ہیں، اس لئے ایک طلاقِ بائن واقع ہوگی۔ لہذا آپس میں رضامندی سے عدت میں یا عدت کے بعد نکاحِ جدید کر سکتے ہیں، اور عدت گزرنے کے بعد عورت دوسری جگہ بھی شادی کر سکتی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں ہدایہ میں ہے:

إذا وصف الطلاق بضرب من الزيادة والشدة كان بائناً. (الهداية: ۲/۳۶۹، باب ايقاع

الطلاق).

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما الصريح البائن... وهو أن يكون بحروف الإبانة أو بحروف الطلاق لكن قبل

الدخول حقيقة أو بعده، لكن مقروناً بعدد الثلاث نصاً أو إشارة أو موصوفاً بصفة تدل

عليها. (بدائع الصنائع: ۳/۱۰۹، بيان صفة الواقع، سعيد۔ وكذا في الشامى: ۳/۲۵۰، سعيد).

تبیین الحقائق میں ہے:

أنت طالق بائن أو البتة أو أفحش الطلاق أو طلاق الشيطان أو البدعة أو كالجبل أو أشد الطلاق أو كآلف أو ملأ البيت أو تطليقة شديدة أو طويلة أو عريضة فهي واحدة بائنة إن لم ينو الثلاث. وإنما كان بائناً في هذه لأنه وصف الطلاق بما يحتمله وهو البينونة. (البحر الرائق مع الكنز: ۳/۲۸۷، كوئته).

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

سوال: زید نے اپنی زوجہ سے یہ کہہ دیا کہ میری طرف سے تجھے طلاق ہے، تو چلی جا اس صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب: اس صورت میں زید کی زوجہ پر طلاقِ بائنہ واقع ہوگئی۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۹/۲۷۱، ۲۷۰)۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

”میری بیوی نہیں، گھر سے نکل جا“ ان الفاظ سے طلاق کا حکم:

سوال: اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا ”تو میری بیوی نہیں“ اور ایک طلاق کی نیت کی، اور کہا ”گھر سے نکل جا“ اور اس سے بھی ایک طلاق کی نیت کی تو اب کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ ایک ہی طلاقِ بائنہ واقع ہوئی، اس لیے کہ طلاقِ بائنہ کے بعد بائنہ نہیں

پڑتی۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

ولو قال حرمت نفسي عليك فاستتري ونوى بهما طلاقاً فهي واحدة بائنة، لأنه لا يقع على بائن بائن... والطلاق البائن يلحق الطلاق الصريح... ولا يلحق البائن البائن بأن

قال لها: أنت بائن، ثم قال لها: أنت بائن، لا يقع إلا طلقة واحدة بائة. (الفتاوى الهندية ۱/۳۷۷، الفصل الخامس في الكنايات).

درمختار مع الشامی میں ہے:

البائن لا يلحق البائن. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۳۰۸، سعيد). واللہ اعلم۔

طلاق بائن کے بعد بنیت انشاء طلاق بائن کا حکم:

سوال: فقہاء کا قاعدہ ہے ”البائن لا يلحق البائن“ یعنی طلاق بائن کے بعد دوسری طلاق بائن واقع نہیں ہوتی، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسری بائن میں پہلی بائن کی خبر دینے کا احتمال ہے، لیکن اگر کوئی شخص بنیت انشاء دوسری طلاق بائن دے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورت مسئلہ علامہ ابن نجیم مصریٰ اور حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ فرماتے ہیں کہ بائن کے بعد دوسری بائن بنیت انشاء دی جائے تو واقع ہو جائے گی۔
ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

و ينبغي أنه إذا أبانها ثم قال لها ”أنت بائن“ ناوياً طلقة ثانية، أن تقع الثانية بنيته، لأنه بنيته لا يصلح خبراً، فهو كما قال ”أبتك بأخرى“ إلا أن يقال إن الوقوع إنما هو بلفظ صالح له، وهو أخرى، بخلاف مجرد النية. (البحر الرائق: ۳/۳۰۸، كوئته).
احسن الفتاوى میں ہے:

أقول وبالله التوفيق وبيده أزمة التحقيق أن محصول المبسوط في الشامية وغيرها من الكتب المعتبرة أن الطلاق... فلا لحاق في صورتين: أي إن كان الطلاق السابق بائناً، صريحاً كان أو بالكناية، فلا يلحقه البائن بالكناية فقط إلا أن ينوي الإنشاء أو لم يمكن الحمل على الإخبار. (احسن الفتاوى: ۵/۱۳۵).

لیکن علامہ شامیؒ، علامہ طحطاویؒ اور حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ طلاق بائن کے بعد

دوسری طلاقِ بائن کسی بھی صورت میں واقع نہیں ہوگی، اور نیت کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے۔
ملاحظہ ہو علامہ شامی صاحب بحر کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

أقول: ويدفع البحث من أصله تعبيرهم بالإمكان، وبأنه لا حاجة إلى جعله إنشاءً متى
أمكن جعله خبراً عن الأول، لأنه صادق بقوله "أنت بائن" على أن البائن لا يقع إلا بالنية،
فقولهم "البائن لا يلحق البائن" لا شك أن المراد به البائن المنوي، إذ غير المنوي لا يقع به
شيء أصلاً، ولم يشترطوا أن ينوي به الطلاق الأول فعلم أن قولهم: إذا أمكن... الخ
احتراز عما إذا لم يمكن جعله خبراً كما في "أبتك بأخرى" لا عما إذا نوى به طلاقاً آخر،
فتدبر. (فتاوى الشامى: ۳۰۹/۳، سعيد-وكذا في منحة الخالق على البحر الرائق: ۳۰۸/۳، كوثنه).

علامہ طحاوی فرماتے ہیں:

(إذا أمكن جعله إخباراً عن الأول... فلا يقع، لأنه إخبار) الأولى أن يقول: "لصلاحيته
للإخبار" فإنه لو أنشأ ثانياً لا يعتبر الشارع، بل جعله بمنزلة الإخبار... وما سيأتي عن المحيط
صريح في إلغاء النية. (حاشية الطحاوی على الدر المختار: ۱۳۷/۲).
حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں:

جس صورت میں طلاقِ مقدم بائن ہو، صریح ہو یا کنایہ، اور طلاقِ مؤخر کنایہ بائن ہو، اس صورت میں
تو طلاقِ مؤخر کا وقوع نہ ہوگا، اگرچہ نیت بھی وقوع کی کر لے۔۔۔ (امداد الفتاویٰ: ۴۲۳/۲)۔

☆ طلاقِ بائن کے بعد دوسری طلاقِ بائن کے عدم وقوع کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ یہ ہے کہ طلاقِ بائن
کے بعد عورت دوسری طلاق کا محل ہی نہیں رہی، اس لیے دوسری واقع نہ ہوگی۔
ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

وفرق في الذخيرة بين "أنت بائن" للمبانة، وبين وقوع "أنت بائن" المعلق بعد الإبانة:
أنه لما صح التعليق أولاً لكونها محلاً له، جعلنا المعلق "الطلاق البائن" وصار بائناً صفة
للطلاق، والمعلق بالشرط كالمنجز عند وجوده، فإنه قال في العدة: أنت طالق بائن، ولو قاله

وقع، بخلاف أنت بائن، منجزاً في عدة المبانة، لأنه صفة للمرأة، وهي لم تكن محلاً، لأن محله من قام به الاتصال، وقد انقطعت الوصلة بالإبانة. (البحر الرائق: ۳/۳۰۸، کوئٹہ).

لیکن اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ عدم محل کی وجہ سے طلاق بائن واقع نہیں ہوتی تو پھر طلاق بائن کے بعد صریح بھی واقع نہ ہونی چاہئے، حالانکہ طلاق بائن کے بعد اگر کوئی شخص طلاق صریح دیدے تو واقع ہو جائے گی، اس کا کیا جواب ہے؟

(۱) اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ وقوع طلاق کے بارے میں الفاظ صریح قوی اور مضبوط ہیں، جب کہ کنایات میں دیگر احتمالات موجود ہیں، اور قوی الفاظ کے لیے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی وہ اپنا اثر دکھا کر رہتے ہیں۔
(۲) ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بائن کے بائن میں اخبار غالب ہے، جب کہ صریح میں انشاء غالب ہے، اس لیے صریح سے نئی طلاق واقع ہوتی ہے۔
شامی میں ہے:

الصريح - الذي هو الأصل في الكلام لما أنه موضوع للإفهام. (فتاویٰ الشامی: ۳/۲۹۶، سعید). واللہ تعالیٰ اعلم۔

It's all over (سب کچھ ختم) کہنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا "It's all over" (سب کچھ ختم، ہمارا آپس میں تعلق ختم ہو گیا) تو کیا حکم ہے؟ طلاق واقع ہوگی یا نہیں، اور واقع ہوگی تو کونسی رجعی یا بائن؟

الجواب: بصورت مسئلہ شوہر کا یہ کہنا (It's all over) یعنی سب کچھ ختم، ہمارا آپس میں تعلق ختم ہو گیا، دراصل یہ الفاظ کنایہ میں سے ہے، اگر شوہر نے طلاق کی نیت سے کہا ہے تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی، ورنہ بغیر نیت کے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

فالكنایات لا تطلق بها قضاء إلا بنية أو بدلالة الحال وهي مذاكرة الطلاق

أو الغضب. وفي الشامي: قوله "قضاء" قيد به لأنه لا يقع ديانة بدون النية ولو وجدت دلالة الحال فوقوعه بواحدة من النية أو دلالة الحال إنما هو في القضاء فقط. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۹۶/۳، سعيد).

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

ولو قال لم يبق بيني وبينك عمل إن نوى يقع. (خلاصۃ الفتاویٰ: ۹۹/۲، الفصل الثاني في الكنايات۔ وكذا في الفتاویٰ الهندية: ۳۷۶/۱، الفصل الخامس في الكنايات).

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

ان الفاظ میں نیت سے طلاق پڑتی ہے، اگر شوہر کی نیت طلاق کی تھی تو طلاق واقع ہوگئی۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۳۵۶/۹) واللہ اعلم۔

”ہماری اسلامی شادی ختم ہوگئی“ کہنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے متعدد بار یہ جملہ کہا ”ہماری اسلامی شادی ختم ہوگئی“ اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ فقہاء نے ان الفاظ ”ہماری اسلامی شادی ختم ہوگئی“ کو کنایات میں شمار کیا ہے، لہذا اگر طلاق کی نیت سے یہ الفاظ کہے تو اس کی بیوی پر ایک طلاق واقع ہوگئی، اور صاحب بحر کی تصریح کے مطابق اس سے رجعی طلاق واقع ہوگی۔
ملاحظہ ہوا البحر الرائق میں ہے:

وأشار بقوله تطلق إلى أن الواقع بهذه الكناية رجعي. (البحر الرائق: ۳۰۶/۳، كوئته).

لہذا متعدد بار کہنے سے اگر تائیس کی نیت ہو، تاکید کی نہ ہو تو تین طلاقیں واقع ہوگی۔

فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

لو قال لها: لا نكاح بيني وبينك أو قال: لم يبق بيني وبينك نكاح أو قال: فسخت

نکاحک يقع الطلاق إذا نوى. (فتاویٰ قاضیخان علی ہامش الہندیۃ: ۱/۶۸، فصل فی الکنایات۔ وکذا فی الفتاویٰ الہندیۃ: ۱/۳۷۵، الفصل الخامس فی الکنایات)۔

ہمارے اکابر نے بھی اس قسم کے الفاظ کو نیت پر موقوف مانا ہے، نیت ہو تو طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں۔
فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مکمل و مدلل میں یہ الفاظ کہ ”میں نے تجھ کو زوجیت سے علیحدہ کر دیا“ سے طلاق کو بشرط نیت تسلیم کیا ہے۔

ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۹/۳۸۷، ۹/۴۷۱)۔

نیز ملاحظہ ہو ”میں نے عورت کے نکاح کا سوتا توڑ دیا“ کو کنایات میں شمار فرمایا ہے، (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۹/۴۷۱)۔ ”تم میری زوجیت سے باہر ہو گئی“ کہنے سے طلاق بشرط نیت فرمایا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۹/۳۸۲)۔
احسن الفتاویٰ میں مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے بھی اس کے مشابہ الفاظ کو کنایات میں شمار فرمایا ہے، اور بشرط نیت طلاق رجعی کا حکم فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے: (احسن الفتاویٰ ۵/۱۴۲)۔

یہاں ایک اشکال ذہن میں آتا ہے کہ نکاح سے علیحدہ کرنے یا زوجیت ختم کرنے کے الفاظ تو تقریباً صریح ہیں اور انشاء طلاق کی طرح ہیں تو پھر ان الفاظ سے طلاق کے وقوع کو نیت پر موقوف رکھنا کہاں درست ہے، بلکہ یہ تو فی الحال نفی نکاح یا طلاق کے لئے ہیں، نیز ان الفاظ کو جو د (یعنی دیدہ دانستہ انکار) پر محمول کرنا بھی مشکل ہے، کیونکہ یہ فوری طور پر نکاح کو ختم کرنے کے لئے ہیں؟

اس کا جواب ذہن میں یہ آتا ہے کہ عرف میں یہ الفاظ نکاح کو باقی رکھتے ہوئے تعلقات نکاح نہ ہونے یا بیوی کے کسی اور سے تعلقات قائم رکھنے کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے کسی عورت کے اپنے شوہر سے تعلقات نہ ہوں تو کہا جاتا ہے، ”ہمارا نکاح تو فلاں کے ساتھ نہیں ہے بلکہ وہ تو فلاں کی منکوحہ ہے“ الغرض نکاح ختم ہونا یا نکاح کے تعلقات اور ہمبستری ختم ہونے کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس لیے فقہاء نے اس کو کنایات میں شمار فرمایا ہے۔

نیز ”لا نکاح بیننا أو لست لی بزوجۃ“ میں ایک احتمال یہ ہے: ”لا نکاح بیننا لأن لک صلۃ وعلاقۃ بالغیر“ اگر یہ ارادہ ہو تو طلاق نہیں ہوگی، اور اگر یہ ارادہ ہو: ”لا نکاح بیننا لأنی طلقک“ تو اس سے

طلاق رجعی واقع ہو جائیگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

”دوسری جگہ شادی کرنے کی اجازت ہے“ کہنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا ”دوسری جگہ شادی کرنا چاہتی ہو تو میری طرف سے اجازت ہے“ ان الفاظ سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اور واقع ہوگی تو کونسی؟ واضح رہے کہ کوئی مذاکرہ طلاق نہیں تھا؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ ان الفاظ ”دوسری جگہ شادی کرنا چاہتی ہو تو میری طرف سے اجازت ہے“ سے طلاق کی نیت کی تھی تو ایک طلاق بائن واقع ہوگئی، اور اگر نیت طلاق نہیں کی تھی تو واقع نہیں ہوئی۔
ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

ولو قال: تزوجي ونوى الطلاق أو الثلاث صح، وإن لم ينو شيئاً لم يقع، كذا في

العتابية. (الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۳۷۶، باب الکنایات).

دوسری جگہ مذکور ہے:

وبابتغی الأزواج تقع واحدة بائنة إن نواها، الخ. (الفتاویٰ الہندیۃ: ۱/۳۷۵، باب الکنایات).

نیز مرقوم ہے:

اذہبی فتزوجي تقع واحدة إذا نوى. (الفتاویٰ الہندیۃ: ۱/۳۷۶، باب الکنایات).

یہ مسئلہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جدید میں ۳۸۵/۹، ۳۹۸/۹، ۴۰۳/۹، ۴۳۴/۹، ۴۶۰/۹، ۴۶۹/۹،

۴۸۱/۹، ۴۸۳/۹ پر بھی مذکور ہے۔

درمختار میں ”اذہبی فتزوجي“ کہنے سے، نیز الفتاویٰ الانقرویۃ میں انہی الفاظ سے طلاق واقع ہونے کا حکم بغیر نیت کے لکھا ہے۔ علامہ شامیؒ نے اسکی تردید فرمائی ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے::

ويخالفه ما في شرح الجامع الصغير لقاضي خان: ولو قال: اذہبی فتزوجي وقال: لم

أنو الطلاق لا يقع شيء، لأن معناه إن أمكنك... ويؤيده ما في الذخيرة: اذہبی فتزوجي لا

يقع إلا بالنية، وإن نوى فهي واحدة بائة، وإن نوى الثلاث فثلاث . (فتاویٰ الشامی: ۳/۳۱۴، باب
الکنایات، سعید).

ہمارے بعض اکابر نے اس قسم کے الفاظ سے مذاکرہ طلاق کے وقت بغیر نیت کے طلاق کا واقع ہونا لکھا ہے، یاد رہے کہ صورتِ مسئلہ میں مذاکرہ طلاق نہیں پایا جاتا، کیونکہ مذاکرہ طلاق کا مطلب فقہاء کی اصطلاح میں یہ ہے کہ بیوی یا بیوی کی طرف سے کوئی اجنبی طلاق کا مطالبہ کرے یا پہلے سے کوئی طلاق دی ہو، صورتِ مسئلہ میں یہ نہیں پایا جاتا، سوال میں اس کی صراحت ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ شوہر سے معلوم کر لیا جائے کہ آپ نے طلاق کی نیت کی تھی یا نہیں؟ اگر شوہر کہدے کہ میری نیت نہیں تھی، اور بیوی کو اطمینان نہ ہو تو شوہر سے قسم کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ کذا فی کتب الفقہ۔ نیت نہ ہونے کی صورت میں میاں بیوی بغیر تجدید نکاح کے رہ سکتے ہیں، ہاں شوہر نے طلاق کی نیت کی ہو تو اس سے ایک طلاق بائن واقع ہو جائیگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

”تم ہمارے گھر سے چلی جاؤ“ کہنے کا حکم:

سوال: زید نے اپنی بیوی سے کہدیا ”تم ہمارے گھر سے چلی جاؤ“ اور وہ منکوحہ زید اپنے خاوند کے کہنے پر ماں باپ کے گھر چلی گئی، اور تقریباً دس گیارہ سال گزر گئے، اب طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اگر واقع ہوگی تو کونسی؟ اس لیے کہ زید نے مذکورہ مدت میں اپنی منکوحہ کو بالکل طلب نہیں کیا۔

الجواب: بصورتِ مسئلہ یہ الفاظ کنایات میں سے ہیں، لہذا اگر زید نے یہ الفاظ کہتے وقت طلاق کی نیت کی تھی تو ایک طلاق بائن واقع ہوگئی، ورنہ طلاق نہیں ہوئی، بدستور وہ عورت زید کی زوجیت میں ہے۔
ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

ولو قال لها: إذهبي أي طريق شئت، لا يقع بدون النية وإن كان في حال مذاكرة الطلاق. وفي المنتقى: لو قال لها: إذهبي ألف مرة ونوى الطلاق يقع الثلاث. وفي مجموع النوازل: لو قال لها: إذهبي إلى جهنم ونوى الطلاق يقع، كذا في الخلاصة. (الفتاویٰ

الہندیہ ۱/۳۷۶، باب الکنایات).

البحر الرائق میں ہے:

(قوله أخرجی، إذهبی، قومی) لحاجة أولانی طلقک، قید باقتصارہ علی إذهبی، لأنه لو قال إذهبی فبیعی ثوبک لا يقع وإن نوى. ولو قال لها إذهبی إلى جہنم يقع إن نوى، کذا فی الخلاصة. ولو قال إذهبی فتزوجی وقال: لم أنو الطلاق لم يقع شيء، لأن معناه تزوجی إن أمکنک وحل لک، کذا فی شرح الجامع الصغير لقاضي خان. (البحر الرائق: ۳/۳۰۲، باب الکنایات فی الطلاق، کوئٹہ).

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

”میرے یہاں سے نکل جا“ اس صورت میں اگر شوہر نے بیتِ طلاق کلمہ مذکورہ کہا ہے تو اس کی زوجہ پر ایک طلاقِ بائنہ واقع ہو جائیگی۔ بلا نکاح رجعت اس میں درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۹/۳۹۳، ۴۰۹، ۴۱۳۔ وفتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۵۵۷). واللہ تعالیٰ اعلم۔

”نکل جا اپنی ماں کے گھر چلی جا“ کہنے کا حکم:

سوال: اپنی عورت کے ساتھ نزاع کے وقت مرد کی زبان سے یہ الفاظ ”نکل جا اپنی ماں کے گھر چلی جا“ نکلے، ان الفاظ کے کہنے کے بعد جب اسکو نیت کا خیال آیا تو شک میں پڑ گیا کہ نیت کی تھی یا نہیں؟ اب نیت کے مشکوک ہونے کی صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ یہ الفاظ صریح نہیں ہیں، بلکہ کنایہ ہیں، نیت کے محتاج ہیں، اور نیت میں شک ہے اسوجہ سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔ فقہ کا قاعدہ ہے ”الیقین لا یزول بالشک“ محض شک کی وجہ سے طلاق کا حکم نہ ہوگا۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

علم أنه حلف ولم یدر بطلاق أو غیره لغا، کما لو شک أطلق أم لا. وفي حاشية

الطحاوي على الدر: قوله كما لو شك: لأن النكاح ثابت يقيناً والقاطع له مشكوك والشك لا يزيل اليقين وقدم الشرح آخر نواقض الوضوء أنه لو شك في نجاسة ماء أو ثوب أو طلاق أو عتق لم يعتبر. (حاشية الطحاوي على الدر المختار: ۲/۱۲۷، باب الصريح، كوئته).

امداد الاحکام میں ہے:

قال في الدر: علم أنه حلف ولم يدر بطلاق أو غيره لغا، كما لو شك أطلق أم لا. (۷۴۵/۲). چونکہ صورت مسئلہ میں لفظ صریح نہیں، بلکہ کنایہ محتاج نیت ہے، اور نیت میں شک ہے اسلئے طلاق واقع نہ ہوگی۔ (امداد الاحکام ۲/۴۷۲). واللہ تعالیٰ اعلم۔

”نہ میں تیرا شوہر ہوں نہ تو میری بیوی ہے“ کہنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: ”جانہ میں تیرا شوہر ہوں اور نہ تو میری بیوی ہے“ اور طلاق کی نیت نہیں کی تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئلہ میں اگر بنیت طلاق یہ الفاظ کہے ہیں تو طلاق رجعی واقع ہوگی، اور اگر طلاق کی نیت نہیں تھی تو طلاق واقع نہ ہوگی، اگرچہ غصہ کی حالت میں کہا ہو۔

ملاحظہ فرمائیں عالمگیری میں مرقوم ہے:

ولو قال لامرأته لست لي بامرأة أو قال لها ما أنا بزوجة أو سئل فقبل له هل لك امرأة؟ فقال: لا، فإن قال أردت به الكذب يصدق في الرضا والغضب جميعاً ولا يقع الطلاق، وإن قال نويت الطلاق يقع الطلاق في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى. (الفتاوى الهندية: ۱/۳۷۵).

در مختار میں ہے:

لست لك بزوجة أولست لي بامرأة أو قالت له: لست لي بزوجة، فقال: صدقت طلاق إن نواه خلافاً لهما. وفي الشامي: قوله طلاق إن نواه لأن الجملة تصلح لإنشاء

الطلاق كما تصلح لإنكاره فيتعين الأول بالنية وقيد بالنية لأنه لا يقع بدونها اتفاقاً لكونه من الكنايات، وأشار إلى أنه لا يقوم مقامها دلالة الحال، لأن ذلك فيما يصلح جواباً فقط وهو ألفاظ ليس هذا منها، وأشار بقوله طلاق إلى أن الواقع بهذه الكناية رجعي، كذا في البحر من الكنايات. (الدر المختار مع الشامى: ۲۸۳/۳، سعيد۔ وكذا في البحر الرائق: ۳/۶، ۳۰، كوئته).

ہدایہ میں ہے:

وفي حالة الغضب يصدق في جميع ذلك (أى في جميع أقسام الكنايات) لاحتمال الرد أو السب إلا فيما يصلح للطلاق ولا يصلح للرد. (الهداية: ۲/۳۷۴).

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۹/۳۹۲). واللہ تعالیٰ اعلم۔

مذاکرۃ طلاق کا مطلب:

سوال: فقہاء لکھتے ہیں کہ الفاظِ کنایہ میں مذاکرۃ طلاق ہو تو بغیر نیت کے طلاق واقع ہوتی ہے، تو مذاکرۃ طلاق کا کیا مطلب ہے؟

الجواب: فقہاء کی اصطلاح میں مذاکرۃ طلاق کا مطلب یہ ہے کہ بیوی یا بیوی کی طرف سے کوئی اجنبی طلاق کا مطالبہ کرے یا پہلے سے کوئی طلاق دی ہو، اور پھر الفاظِ کنایہ میں سے کوئی لفظ کہہ دے تو بلا نیت طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

(قوله وهي حالة مذاكرة الطلاق) أشار به إلى ما في النهر من أن دلالة الحال تعم دلالة المقال. قال: وعلى هذا تفسر المذاكرة بسؤال الطلاق أو تقديم الإيقاع كما في اعتدي ثلاثاً، وقال قبله: المذاكرة أن تسأله هي أو أجنبي الطلاق. (فتاوى الشامى: ۳/۲۹۷، باب الكنايات۔ وكذا في تبیین الحقائق شرح كنز الدقائق: ۲/۲۱۷، باب الكنايات، ملتان).

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

قوله فإن لم يكن له نية لم يقع بهذه الألفاظ طلاق إلا أن يكونا في مذاكرة الطلاق وهو أن تطالبه بالطلاق أو تطالبه بطلاق غيرها. (الحوهرة النيرة ۲/ ۱۰۵، كتاب الطلاق).

وفى الفتاوى الهندية: وحالة مذاكرة الطلاق بأن تسأل هي طلاقها أو غيرها يسأل طلاقها. (الفتاوى الهندية ۱/ ۳۷۵، الفصل الخامس فى الكنايات). واللہ تعالیٰ اعلم۔

”سامان لیکر اپنے والدین کے گھر چلی جا“ کہنے کا حکم:

سوال: شوہر نے درج ذیل الفاظ کہے:

"Pack your things and go to your father's house, I don't want you any more, get out"

یعنی ”چلی جا، مجھے اب ضرورت نہیں، سامان لیکر اپنے والدین کے گھر چلی جا“ لیکن وہ کہتا ہے کہ میری نیت ان الفاظ سے وقوع طلاق کی نہیں تھی، تو کیا طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ شوہر جب انکار کرتا ہے کہ میری نیت طلاق کی نہیں تھی تو طلاق واقع نہیں ہوئی، اسوجہ سے کہ یہ الفاظ کنایہ میں سے ہے، اور کنایہ سے طلاق اسوقت واقع ہوتی ہے جب نیت کرے یا مذاکرہ طلاق میں کہے، اگر مذاکرہ طلاق میں کہے تو قضاء بغیر نیت کے طلاق واقع ہو جاتی ہے، ہاں دیانۃً فیما بینہ وبين اللہ طلاق واقع نہ ہوگی۔

ملاحظہ فرمائیں ہدایہ میں ہے:

الکنايات لا يقع بها الطلاق إلا بالنية أو بدلالة الحال، لأنها غير موضوعه للطلاق بل تحتمله وغيره فلا بد من التعيين أو دلالة وهي على ضربين... وبقيّة الكنايات إذا نوى بها كانت واحدة بائنة، وإن نوى ثلاثاً كان ثلاثاً... إلا أن يكون في حالة مذاكرة الطلاق فيقع بها الطلاق فى القضاء، ولا يقع فيما بينه وبين الله تعالى إلا أن ينويه. (الهداية ۲/ ۳۷۴، باب إيقاع الطلاق۔ وكذا فى بدائع الصنائع: ۳/ ۱۰۶۔ والشامى: ۳/ ۳۰۱، سعيد). واللہ تعالیٰ اعلم۔

ریٹائرڈ (Retired) کر دیا کہنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے بیوی سے کہا میں نے تم کو ریٹائرڈ (Retired) کر دیا، بعد میں بیوی اپنے والدین کے یہاں چلی گئی، شوہر کہتا ہے میں نے غصہ میں کہا تھا لیکن طلاق کی نیت نہیں تھی، اب شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ یہ لفظ کنایات میں سے ہے، اور ”فارقتک“ دستبردار کر دینے کے معنی میں ہے، اور ”فارقتک“ کا حکم یہ ہے کہ غصہ کی حالت میں یا مذاکرہ طلاق میں بغیر نیت کے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ لہذا صورتِ مذکورہ میں عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہو گئی، دورانِ عدت نکاح جدید کر کے دوبارہ ساتھ رہ سکتے ہیں، اور عدت ختم ہونے کے بعد عورت آزاد ہے، جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

والکنایات ثلاث، ما یحتمل الرد، أو ما یصلح للسب، أو لا ولا، فنحو اخرجي واذهبي وقومي... یحتمل رداً، ونحو خلیة، بریة، حرام، بائن... یصلح سباً. ونحو اعتدي... أنت حرة... فارقتک لا یحتمل السب والرد، ففي حالة الرضا أى غیر الغضب و المذاکرة تتوقف الأقسام الثلاثة تأثيراً... وفي الغضب توقف الأولان، إن نوى وقع وإلا لا. وفي الشامي: والحاصل أن الأول يتوقف على النية في حالة الرضا والغضب والمذاکرة، والثاني في حالة الرضا والغضب فقط ويقع في حالة المذاکرة بلا نية، والثالث يتوقف عليها في حالة الرضا فقط، ويقع في حالة الغضب والمذاکرة بلا نية.

ورسمتها في شباك لزيادة الإيضاح بهذه الصورة:

الأحوال	رد وجواب،	سب وجواب،	جواب فقط،
	اخرجي اذهبي	خلية	اعتدي، استبرئي
		برية	(وفي معناه فارقتک)

رضا	تلزم النية	تلزم النية	تلزم النية
غضب	تلزم النية	تلزم النية	يقع بلا نية
مذاکرة	تلزم النية	يقع بلا نية	يقع بلا نية

(الدرالمختار مع الشامی: ۳/۲۰۹۸، باب کنایات).

وفی الفتاویٰ الہندیۃ: وإذا قال لها: أبرأتک عن الزوجیۃ یقع الطلاق بغير نية في حالة الغضب وغيره، کذا فی الذخیرۃ. (الفتاویٰ الہندیۃ: ۱/۳۷۶).

وفی البدائع: قال أصحابنا: قوله سرحتک و فارقتک من کنایات لا یقع الطلاق بهما إلا بقریۃ النية کسائر کنایات. (بدائع الصنائع: ۳/۱۰۶). واللہ اعلم۔

”جاؤ تم آزاد ہو، آزاد کرتا ہوں“ کہنے کا حکم:

سوال: جناب مفتی صاحب! مؤدبانہ گزارش ہے کہ ایک مسئلہ لیکر آپ کے پاس حاضر ہوئی ہوں اور آپ کی بزرگانہ رائے کی طلبگار ہوں۔ گھریلو جھگڑے میں میرے شوہر نے مجھ سے کہا ”تمہاری کیا اوقات ہے، طلاق دینے میں ایک منٹ لگتا ہے، تم آزاد ہونا چاہتی ہو، جاؤ تم آزاد ہو، آزاد کرتا ہوں“ اس کے جواب میں میں نے کہا: ٹھیک ہے، مجھے ایک منٹ لگتا ہے تو لگاؤ، مجھے بھی تمہارے ساتھ نہیں رہنا، مجھے بھی طلاق چاہئے، اب ان حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے کیا میری طلاق ہو چکی ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ اگر شوہر نے واقعی سوال میں درج شدہ الفاظ کہے ہوں تو اس کی بیوی پر ایک طلاقِ بائن واقع ہوگئی، ان الفاظ سے طلاقِ بائن کا واقع ہونا دو وجہ سے ہے، ایک تو اس لیے کہ یہ الفاظ عرف میں طلاق کے لیے استعمال کئے جاتے ہیں، علامہ شامیؒ نے ”أنت علی حرام“ یعنی تو مجھ پر حرام ہے، کے متعلق لکھا ہے کہ لوگوں کے عرف کی وجہ سے اس سے طلاقِ بائن پڑتی ہے۔

مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ تحریر فرماتے ہیں: تیسرا جملہ ”میں نے آزاد کر دیا“ طلاقِ صریحِ بائن

ہے، لہذا اس سے طلاق کی نیت ہو یا نہ ہو ایک طلاقِ بائن واقع ہوگئی۔ (احسن الفتاویٰ ۵/۲۰۲)۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ پہلے سے طلاق کی بات چل رہی تھی یعنی ”تمہاری کیا اوقات ہے، طلاق دینے میں ایک منٹ لگتا ہے، تم آزاد ہونا چاہتی ہو، جاؤ تم آزاد ہو، آزاد کرتا ہوں تجھے“ لہذا بیوی پر ایک طلاقِ بائن واقع ہوئی۔ غالباً طلاق کے بعد عدت تو گزر چکی ہوگی، کیونکہ جس عورت کو ماہواری آتی ہو، اس کی عدت تین ماہواریوں کا گزرنا ہے۔ اگر عدت گزر گئی ہو تو عورت کسی اور جگہ نکاح کر سکتی ہے، اور سابقہ شوہر سے بھی نکاح ہو سکتا ہے، کسی قسم کے حلالہ کے ضرورت نہیں۔ اگر شوہر ان الفاظ سے انکاری ہو اور بیوی کے پاس شرعی گواہ نہ ہو تو شوہر پر قسم آئے گی، اگر اس نے نہ کہنے کی قسم اٹھائی تو شوہر کی بات مانی جائے گی، لیکن بیوی کو جب ان الفاظ کے کہنے کا یقین ہے تو وہ شوہر کو اپنے پاس بغیر نکاحِ جدید کے نہ چھوڑے۔ اگر سابقہ شوہر سے دوبارہ نکاح ہو جائے تو آئندہ اس کو صرف دو طلاق دینے کا حق حاصل ہوگا، اگر کسی وقت دو طلاقیں دیدے تو بیوی مغلطہ ہو جائے گی۔ واللہ اعلم۔

”تم چلی جاؤ“ سے تین طلاق کی نیت کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے بیوی سے کہا ”تم چلی جاؤ“ بیوی نے کہا تم نے تین طلاقیں دیں، شوہر نے کہا ہاں، تو کتنی طلاقیں واقع ہوئیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ شوہر کا یوں کہنا ”تم چلی جاؤ“ یہ الفاظِ کنایہ میں سے ہے، اور الفاظِ کنایہ کا حکم یہ ہے کہ شوہر سے نیت کے بارے میں پوچھا جائے گا، اگر شوہر نے ایک طلاق کی نیت کی تو ایک طلاقِ بائن واقع ہوگئی، اور اگر تین طلاقیں کی نیت کی تو تین طلاقیں واقع ہو جائے گی۔ بظاہر سوال کی نوعیت سے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر نے تین طلاق کا اقرار کیا، لہذا اس کی بیوی پر تین طلاقیں پڑ گئیں اور مغلطہ ہوگئی، اب بغیر حلالہ کے زوج اول کے لئے حلال نہیں۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

فالکنايات لا تطلق بها إلا بالنية أو دلالة الحال، فنحو اخرجي واذهي

وقومی... وثلاث إن نواه. (الدر المختار: ۲۹۷/۳، سعید).

ہدایہ میں ہے:

وبقية الكنايات إذا نوى بها الطلاق كانت واحدة بائة، وإن نوى الثلاث كانت

ثلاثاً. (الهداية: ۲/۳۷۴).

شرح العنایہ میں ہے:

وأما جواز نية الثلاث فلأن الواقع بها إذا كان بائناً فالبينونة تتصل بالمرأة

للحال. (شرح العنایہ علی هامش فتح القدیر: ۴/۶۴، دار الفکر). واللہ تعالیٰ اعلم۔

”اپنا مطبخ لیکر چلی جاؤ“ کہنے سے طلاق کا حکم:

سوال: گزشتہ کل میری بیوی نے مجھ سے کہا تھا کہ بس اب میں تجھ سے بیزار ہو گئی ہوں اور اب میں

جانا چاہتی ہوں، تو میں نے اس سے کہا تھا کہ ”اپنا مطبخ لے کر چلی جاؤ“ بیوی نے اپنی والدہ اور چچا کو فون کیا تا کہ

اس کو گھر لیجائے، جب وہ آگئے تو میں نے بیوی کو روکنے کی کوشش کی، لیکن وہ جانا چاہتی تھی، تو میں نے اس کے

چچا سے کہا کہ اگر آپ اس کو لے جائیں گے تو تین طلاق واقع ہوگی، اس پر انہوں نے سخت برا بھلا کہا اور مجھے پکڑ

کر بیوی سے کہا چلی جا، وہ چلی گئی، اب کتنی طلاق واقع ہوگی، شریعت مطہرہ میں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ یہ الفاظ ”اپنا مطبخ لیکر چلی جاؤ“ کنایات میں سے ہیں، لہذا شوہر کی نیت پر

موقوف ہے، اگر شوہر نے نیت کی تو ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ورنہ کچھ نہیں، لیکن پھر شوہر نے صریح الفاظ میں کہا

کہ ”اگر تم بیوی کو لیجاؤ گے تو تین طلاق واقع ہوگی“ یہ تعلیق طلاق ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر شرط پائی گئی تو طلاق

واقع ہو جائے گی، چنانچہ صورتِ مسئلہ میں بیوی چلی گئی تو شرط کے پائے جانے کی وجہ سے تین طلاقیں واقع ہو

گئیں، جس سے وہ عورت مغلطہ ہوگئی اور اب بغیر حلالہ کے زوج اول کے لئے حلال نہیں ہے۔

ملاحظہ فرمائیں ہدایہ میں ہے:

وبقية الكنايات إذا نوى بها الطلاق كانت واحدة بائة، وهذا مثل قوله أخرجني

واذہبی وقومی، لأنها تحتمل الطلاق وغيره فلا بد من النية. (الهدایة: ۲/۳۷۴).
در مختار میں ہے:

الکنایات لا تطلق بها قضاء إلا بنية أو دلالة الحال وهي حالة مذاكرة الطلاق أو الغضب. فالحالات ثلاث: رضا وغضب ومذاكرة، والکنایات ثلاث: ما یحتمل الرد... فنحو اخرجي واذهبی وقومی... إن الأول يتوقف على النية في حالة الرضا والغضب والمذاكرة. (الدر المختار مع الشامی: ۳/۲۹۶-۳۰۱).
ہدایہ میں ہے:

وإذا أضافه إلى شرط وقع عقيب الشرط مثل أن يقول لامرأته إن دخلت الدار فانت طالق. (الهدایة: ۲/۳۸۵).
البحر الرائق میں ہے:

وفي الحاوي القدسي: إذا طلق المباينة في العدة فإن كان بصريح الطلاق وقع. (البحر الرائق: ۳/۳۰۷، کوئٹہ).
در مختار میں ہے:

الصريح يلحق الصريح ويلحق البائن بشرط العدة... فإن أبان امرأته ثم طلقها في العدة يقع. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۳۰۶-۳۰۷، مطلب الصريح يلحق الصريح والباين، سعيد).
وفي الشامي: الطلاق الثلاث يلحق الصريح والباين، فإذا أبان امرأته ثم طلقها ثلاثاً في العدة وقع. (فتاویٰ الشامی: ۳/۳۰۷، مطلب الصريح يلحق الصريح والباين، سعيد). واللہ اعلم۔

”نکاح کا رشتہ ٹوٹ گیا“ کہنے کا حکم:

سوال: شوہر نے یوں کہا کہ ”میرے اور بیوی کے درمیان نکاح کا رشتہ اس قدر ٹوٹ گیا ہے کہ اب سنبھالنے کا امکان باقی نہیں ہے۔ یہ جملہ پانچ مرتبہ کہا ہے، یہاں تک کہ ایک مرتبہ کورٹ میں بھی تاکید کے ساتھ

اس کی گواہی دی، لیکن شوہر یوں کہتا ہے کہ کبھی طلاق دینے کی نیت نہیں کی۔

الجواب: بصورتِ مسئلہ شوہر کے یہ الفاظ ”نکاح کا رشتہ ٹوٹ گیا...“ کنایاتِ طلاق میں سے ہیں، لہذا بغیر نیت کے طلاق واقع نہیں ہوئی، ہاں اگر طلاق کی نیت کی تھی تو ایک طلاق بائن واقع ہوئی۔
ملاحظہ فرمائیں عالمگیری میں ہے:

ولو قال فسخ النكاح ونوى الطلاق يقع، وعن أبي حنيفة رحمه الله تعالى: إن نوى ثلاثاً فثلاث كذا في معراج الدراية. (الفتاویٰ الہندیۃ: ۱/۳۷۵، الفصل الخامس فی الکنايات)
فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

”ہمارے ساتھ نکاح ٹوٹ گیا“ یہ صریح لفظ نہیں، بلکہ کنایہ ہے، شوہر سے دریافت کیا جائے، وہ اگر یہ کہے کہ ہاں طلاق کی نیت سے کہا ہے، تو طلاق واقع ہوگی۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۵۵۹، مبوب و مرتب۔ واحسن الفتاویٰ: ۵/۱۹۳)۔

لیکن صاحب بحر علامہ ابن نجیم مصریٰ اور علامہ شامی کے قول کے مطابق طلاق رجعی واقع ہوگی۔
ملاحظہ فرمائیں البحر الرائق میں ہے:

والأصل أن نفي النكاح أصلاً لا يكون طلاقاً بل جحوداً ونفي النكاح في الحال يكون طلاقاً إذا نوى وماعداه فالصحيح أنه على هذا الخلاف قيد بالنية لأنه لا يقع بدون النية اتفاقاً لكونه من الكنايات ولا يخفى أن دلالة الحال تقوم مقامها حيث لم يصلح للرد والشم ويصلح للجواب فقط وقد منّا أن الصالح للجواب فقط ثلاثة ألفاظ ليس هذا منها فلذا اشترط النية للإشارة إلى أن دلالة الحال هنا لا تكفي وأشار بقوله تطلق إلى أن الواقع بهذه الكناية رجعي. (البحر الرائق: ۳/۳۰۶، باب الكنايات، كوئته۔ وكذا في فتاویٰ الشامی: ۳/۲۸۳، سعید)۔

واللہ اعلم۔

”آخر جتک من نکاحی“ کہنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا ”آخر جتک من نکاحی“ تم کو میں نے اپنے نکاح سے باہر کیا تو طلاق ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ ان الفاظ سے اگر طلاق کی نیت کی ہے تو صاحب بحر کی تصریح کے مطابق ایک طلاق رجعی واقع ہوگی، اگرچہ یہ الفاظ کنایات میں سے ہیں۔
ملاحظہ فرمائیں البحر الرائق میں ہے:

ولو قال لا نکاح بیننا يقع الطلاق، والأصل أن نفي النكاح أصلاً لا يكون طلاقاً بل يكون جحوداً، ونفي النكاح في الحال يكون طلاقاً إذا نوى، وما عداه فالصحيح أنه على هذا الخلاف، قيد بالنية لأنه لا يقع بدون النية اتفاقاً لكونه من الكنايات. ولا يخفى أن دلالة الحال تقوم مقامها حيث لم يصلح للرد والشتيم ويصلح للجواب فقط، وقد منّا أن الصالح للجواب فقط ثلاثة ألفاظ ليس هذا منها فلذا شرط النية للإشارة إلى أن دلالة الحال هنا لا تكفي، وأشار بقوله تطلق إلى أن الواقع بهذه الكناية رجعي. (البحر الرائق: ۳/۳۰۶، باب الكنايات۔ وكذا في فتاوى الشامی: ۳/۲۸۳، باب الصريح، سعيد).

ولو قال فسخت النكاح ونوى الطلاق يقع، وعن أبي حنيفة رحمه الله تعالى: إن نوى ثلاثاً فثلاث. (البحر الرائق: ۳/۳۰۳، باب الكنايات، كوئته۔ وكذا في الفتاوى الهندية: ۱/۳۷۵، الفصل الخامس في الكنايات). واللہ تعالیٰ اعلم۔

”نکاح سالم نہیں رہا“ کہنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص اپنی عورت کے بارے میں کسی دوسرے سے مخاطب ہو کر کہے: میرا اور اس عورت کا نکاح سالم نہیں رہا، تو کیا دوبارہ نکاح کی ضرورت ہے؟

الجواب: یہ کنایات میں سے ہے اگر یہ نیت کی کہ نکاح باقی نہیں رہا بلکہ ٹوٹ گیا تو طلاق بائن واقع ہوگئی، اور اگر یہ نیت کی ہے کہ نکاح میں عیب اور خرابی پیدا ہوئی اگرچہ نکاح قائم ہے تو طلاق نہیں ہوگی۔

فتاویٰ سراجیہ میں مرقوم ہے کہ ان تین کنایات ”اعتدی، اختاری، امرک بیدک“ کے علاوہ جو کنایات ہیں ان میں نیت کی ضرورت ہے۔ نکاح سالم نہیں رہا یہ بھی کنایات میں سے ہے۔ ہاں بعض کنایات میں مذاکرہ طلاق کے وقت بغیر نیت کے طلاق پڑ جاتی ہے مثلاً ”انت خلیۃ، بریۃ، بتۃ، بانن“ ان میں سے ہیں، وفیما عداہا من الفاظ الکنایات ”ای ما عدا الثلاثة“ یصدق، ولو قال: فی مذاکرۃ الطلاق أحد هذه الألفاظ الثلاثة أوقال: أنت خلیۃ أو بریۃ أو بتۃ أو بانن أو حرام لم یصدق. (فتاویٰ سراجیہ: کتاب الطلاق، باب المتفرقات،)۔

لیکن صاحب بحر علامہ ابن نجیم مصریٰ اور علامہ شامی کے نزدیک فی الحال نکاح کی نفی کرنے سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے، کما مر آنفاً۔ واللہ اعلم۔

”گھر سے نکل جاؤ“ بغیر نیت طلاق کہنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے ۵ سال پہلے بیوی سے کہا ”گھر سے نکل جاؤ“ اور اس وقت کہا تھا کہ میری نیت طلاق کی نہیں تھی، اس درمیان میں بچے کی پیدائش بھی ہوئی۔ اب کہتا ہے کہ میری نیت طلاق کی تھی، کیا ۵ سال کے بعد کہنے سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور بچہ ثابت النسب ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئلہ میں یہ الفاظ ”گھر سے نکل جاؤ“ کنایات طلاق میں سے ہیں، اور اس کا حکم یہ ہے کہ اگر طلاق کی نیت کی تھی تو طلاق واقع ہوگی، لیکن شوہر نے جب انکار کر دیا کہ میری نیت طلاق کی نہیں تھی تو طلاق واقع نہیں ہوئی، پھر ۵ سال کا عرصہ گزرنے کے بعد کہتا ہے کہ میری نیت طلاق کی تھی، اس سے کوئی اثر مرتب نہ ہوگا، کیونکہ یہ اقرار سے رجوع کرنے کے مترادف ہے اور اس کا اعتبار نہیں ہے، نیز بچے بھی ثابت النسب ہوں گے۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

الکنايات لا تطلق بها قضاء إلا بنية أو دلالة الحال وهي حالة مذاكرة الطلاق أو الغضب. وفي الشامي: قوله قضاء، قيد به لأنه لا يقع ديانة بدون النية ولو وجدت دلالة الحال، فوقوعه بواحد من النية أو دلالة الحال إنما هو في القضاء فقط، كما هو صريح البحر وغيره. (الدر المختار مع الشامي: ۲۹۶/۳، باب الكنايات۔ وكذا في الفتاوى الهندية: ۳۷۴/۱۔ والبحر الرائق: ۲۹۸/۳، باب الكنايات في الطلاق)۔

شرح مجلہ میں ہے:

لا يصح الرجوع عن الإقرار في حقوق العباد. (شرح المحلة، ص: ۸۷۶)۔
وفي تكملة فتح القدير: لأن الرجوع عن الإقرار باطل مفصولاً كان أو موصولاً. (نتائج الأفكار تكملة فتح القدير: ۳۶۴/۸، دار الفكر)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

طلاق کنائی کے الفاظ سے طلاق واقع ہونے کا مدار نیت پر ہے، اگر بہ نیت طلاق یہ الفاظ کہے ہیں تو اس سے طلاق بائن واقع ہوگی، اور اگر بہ نیت طلاق یہ الفاظ نہیں کہے تو ان سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، بدستور نکاح قائم ہے۔ نیت کے بارے میں شوہر ہی کا قول معتبر ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۰۰/۱۲، مبہوب و مرتب)۔
فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

ان الفاظ (کنایات) میں اگر نیت طلاق کی ہو تو ایک طلاق بائنہ واقع ہوئی ہے، اور اگر نیت طلاق کی نہ تھی تو طلاق واقع نہیں ہوئی، بدستور وہ عورت اسکی زوجہ ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۸۱/۹، مدلل مکمل)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

”خدا کی قسم اس عورت کو کبھی نہیں رکھوں گا“ کہنے کا حکم:

سوال: ایک آدمی نے اپنی منکوحہ کو مار پیٹ کر گھر سے نکال دیا اور یہ الفاظ کہے ”مجھ کو خدا کی قسم، اس

عورت کو کبھی نہیں رکھوں گا“ چنانچہ چار سال کا عرصہ ہو گیا کہ نان و نفقہ نہیں دیا، تو کیا اس کے ایسے صاف الفاظ ہوتے ہوئے بھی نیتِ طلاق کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ اس شخص کی زوجہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی، اور نیت کی ضرورت نہیں رہی، وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص صیغہ استقبال کے ساتھ صریح الفاظِ طلاق بولے تو اس سے طلاق نہیں ہوتی، مثلاً یوں کہے ”خدا کی قسم میں تجھے طلاق دوں گا“ تو ان الفاظ سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ لہذا مذکورہ الفاظ سے بدرجہ اولیٰ طلاق واقع نہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

بخلاف قوله (طلاق) كنم، لأنه استقبال فلم يكن تحقيقاً بالتشكيك، وفي المحيط:
لو قال بالعربية ”أطلق“ لا يكون طلاقاً إلا إذا غلب استعماله للحال، فيكون طلاقاً. (الفتاوى
الهندية: ۱/۳۸۴).

درمختار میں ہے:

بخلاف قوله ”طلقي نفسك“ فقالت أنا طالق أو أنا أطلق نفسي، لم يقع لأنه وعد.
جوهرة. وفي الشامي: عبارة الجوهرية: وإن قال: طلقي نفسك، فقالت: أنا أطلق لم يقع
قياساً واستحساناً. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۳۱۹، باب تفويض الطلاق، سعيد).
تنقيح الفتاوى الحامدية میں ہے:

صيغة المضارع لا يقع بها الطلاق إلا إذا غلب في الحال كما صرح به الكمال ابن
الهام. (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۱/۳۸).

وينظر: البحر الرائق: ۳/۳۱۴، كوئته۔ وفتح القدير: ۴/۷، دار الفكر۔ وفتاوى دارالعلوم دیوبند: ۹/۴۷،
واحسن الفتاوى: ۵/۱۴۸۔ وفتاوى محمودیہ: ۱۲/۲۴۷، مبوب و مرتب۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

”تو میری بیوی نہیں“ کہنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی سے کہا ”اب تو میری بیوی نہیں، اور نہ آئندہ میں تجھے اپنی بیوی سمجھونگا، اس صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ اگر طلاق کی نیت سے کہا ہے تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی، اور اگر طلاق کی نیت نہیں کی تھی تو طلاق واقع نہیں ہوئی۔
ملاحظہ ہوا البحر الرائق میں ہے:

(قوله وتطلق بلسن لي بامرأة أولست لك بزواج إن نوى طلاقاً)... ولو قال لا نكاح بيننا يقع الطلاق، والأصل أن نفي النكاح أصلاً لا يكون طلاقاً بل يكون جحوداً، ونفي النكاح في الحال يكون طلاقاً إذا نوى، وما عداه فالصحيح أنه على هذا الخلاف، قيد بالنية لأنه لا يقع بدون النية اتفاقاً لكونه من الكنايات. ولا يخفى أن دلالة الحال تقوم مقامها حيث لم يصلح للرد والشتيم ويصلح للجواب فقط، وقدمنا أن الصالح للجواب فقط ثلاثة ألفاظ ليس هذا منها فلذا شرط النية للإشارة إلى أن دلالة الحال هنا لا تكفي، وأشار بقوله تطلق إلى أن الواقع بهذه الكناية رجعي. (البحر الرائق: ۳/۳۰۶، باب الكنايات - وكذا في الدر المختار مع فتاوى الشامی: ۳/۲۸۳، باب الصريح، سعيد).

مزید ملاحظہ ہو: (تبیین الحقائق: ۲/۲۱۸ - وفتح القدیر: ۴/۶۷ - وفتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۹/۴۰۰، مدلل مکمل). واللہ تعالیٰ اعلم۔

بیٹے کو طلاق کے بچے کہنے کا حکم:

سوال: ایک شخص کو اپنے بیٹے پر غصہ آیا اور اس سے کہا طلاق کے بچے، اس شخص نے پہلے کبھی بیوی کو طلاق نہیں دی، کیا ان الفاظ سے طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ طلاق واقع نہیں ہوئی، کیونکہ بیوی کی طرف نسبت نہیں پائی گئی، نیز یہ الفاظ اکثر سب و شتم کے طور پر استعمال ہوتے ہیں، اگر سب و شتم کی نیت ہو تو بیوی کو مخاطب کر کے طلاق کہہ دے تب بھی دیانۃً طلاق نہیں ہوگی۔

قال فی المحيط البرہانی: ولو قال ابن طالق ولیست امرأته فی ذلک البیت وقت المقالة لاتطلق امرأته. (المحیط البرہانی: ۳/۳۵۴).

وقال فی خلاصة الفتاوی: لو قال لامرأته یا مطلقۃ بالتشدید، ولو قال أردت الشتم لم یصدق قضاء ودين. (خلاصة الفتاوی: ۸/۲).

شامی میں ہے:

یا طالق أو یا مطلقۃ بالتشدید ولو قال أردت الشتم لم یصدق قضاء ودين، خلاصة، ولو كان لها زوج طلقها قبل فقال أردت ذلك الطلاق صدق دیانة باتفاق الروایات وقضاء فی رواية أبي سليمان وهو حسن كما فی الفتح وهو الصحيح كما فی الخانية ولو لم یکن لها زوج لا یصدق وكذا لو كان لها زوج قد مات. (فتاوی الشامی: ۳/۲۵۱۔ وكذا فی الهندیة: ۱/۳۵۵).

واللہ اعلم۔

طلاق کہنے سے طلاق کا حکم:

سوال: ایک شخص کا اپنی بیوی کے ساتھ جھگڑا چل رہا تھا باتوں میں اس نے بیوی کو طلاق کہا، کیا اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ طلاق کہنے سے اس کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہو گئی، ہاں اگر اس نے سب و شتم کرتے ہوئے کہا تو دیانۃً اس کی بات مانی جائیگی اور طلاق واقع نہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو امداد الاحکام میں ہے:

...البتہ طلاق اور مطلقہ کہہ کر پکارنے سے زوجہ پر ایک طلاق رجعی واقع ہو چکی ہے... (امداد الاحکام: ۲/۴۱۸).

وفی الشامیة: یا طالق أویا مطلقة بالتشديد ولو قال أردت الشتم لم يصدق قضاء ودين، خلاصة، ولو كان لها زوج طلقها قبل فقال أردت ذلك الطلاق صدق ديانة باتفاق الروايات، وقضاء في رواية أبي سليمان وهو حسن كما في الفتح وهو الصحيح كما في الخانية ولولم يكن لها زوج لا يصدق، وكذا لو كان لها زوج قد مات. (فتاویٰ شامی: ۲۵۱/۳، وكذا في الفتاوى الهندية: ۲۵۵/۱، وخلاصة الفتاوى: ۸۰/۲).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

اگر پہلے شوہر سے طلاق مل چکی ہے اسی لیے اس شخص نے طلاقن کہا ہے تو شرعاً اس کا قول معتبر ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۳۷۰).

خلاصہ یہ ہے کہ سب و شتم کی نیت سے کہا اور بیوی کو کوئی اعتراض نہیں ہے تو مفتی طلاق نہ ہونے کا فتویٰ دے سکتا ہے، کیونکہ عرف میں یہ سب و شتم میں استعمال ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

”تو میری بہن کے برابر ہے“ کہنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا ”تو میری بہن کے برابر ہے“ کیا ان الفاظ سے طلاق پڑی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ یہ الفاظ کنایات میں سے ہیں اگر طلاق کی نیت سے یہ الفاظ کہے تو ایک طلاق بائن واقع ہوگئی، اور بلا نیت طلاق واقع نہیں ہوئی، لیکن آئندہ اس قسم کے الفاظ سے اجتناب کرنا چاہئے۔ ملاحظہ فرمائیں شامی میں ہے:

إن نوى بآنت علي مثل أمي أو أمي أو كأمي، وكذا لو حذف ”علي“ خانية، برأ أو ظهاراً أو طلاقاً صحت نيته ووقع مانواه لأنه كناية. وفي الشامیة: قوله لأنه كناية، أي من كنايات الظهار والطلاق، قال في البحر: وإذا نوى به الطلاق كان بائناً كلفظ الحرام. (فتاویٰ الشامی: ۴۷۰/۳، باب الظهار، سعيد۔ وكذا في البحر الرائق: ۹۸/۴، كوئته).

در مختار میں ہے:

ویکړه قوله أنت أمي ویا ابنتي ویا أختي . وفي الشامية: والذي في الفتح: وفي " أنت أمي"... وينبغي أن يكون مكروهاً فقد صرحوا بأن قوله لزوجته يا أختية مكروه. وفيه حديث رواه أبو داود... الخ. (الدر المختار مع الشامى: ۳/ ۴۷۰، باب الظهار، سعيد).

مزید ملاحظہ ہو: (فتح القدیر: ۴/ ۲۵۲، دار الفکر۔ فتاویٰ محمودیہ: ۱۳/ ۳۲۲۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۹/ ۳۸۴۔ وکفایت المفتی: ۶/ ۴۴۰۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

”تم سب سے کہد و کہ طلاق دیدی“ کہنے کا حکم:

سوال: عورت نے اپنے خاوند سے کہا مجھے طلاق دیدو، اس نکاح میں بدنامی ہے، اس کے جواب میں شوہر نے ایک رقعہ لکھا: تمہاری بدنامی جاتی رہے گی، تم سب سے کہد و کہ طلاق دیدی، بظاہر اس سے مقصود طلاق واقع کرنا نہ تھا، اب اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ اگر واقعۃً طلاق نہیں دی اور عورت سے صرف یہ کہد یا: سب سے کہد و کہ طلاق دیدی، دیانۃً اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی، ہاں قضاءً طلاق ہوگئی، مگر پہلے سے اس پر گواہ بنا لیے تھے تو قضاءً بھی واقع نہ ہوگی، اور اگر شوہر کا مقصد اس لفظ سے طلاق دینا تھا تو طلاق واقع ہوگئی۔ ملاحظہ ہوشامی میں ہے:

وأما ما في إكراه الخانية: لو أكره على أن يقر بالطلاق فأقر لا يقع، كما لو أقر بالطلاق هازلاً أو كاذباً، فقال في البحر: إن مراده لعدم الوقوع في المشبه به عدمه ديانةً، ثم نقل عن البرازية والقنية: لو أراد به الخبر عن الماضي كاذباً لا يقع ديانةً، وإن أشهد قبل ذلك لا يقع قضاءً أيضاً. (فتاویٰ الشامی: ۳/ ۲۳۸، کتاب الطلاق، سعيد).

مزید ملاحظہ ہو: (البحر الرائق: ۳/ ۲۴۶۔ وحاشیہ چلبی علی تبیین الحقائق: ۲/ ۱۹۵۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۹/ ۱۵۸، مدلل مکمل۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

”والدہ کے گھر چلی جا، یہاں تک کہ عقل ٹھیک ہو جائے“ کہنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی سے کہا: ”تو اپنی والدہ کے گھر چلی جا، یہاں تک کہ تیری عقل ٹھیک ہو جائے“ یہاں طلاق کی کوئی بات نہ تھی اور نہ شوہر کی نیت طلاق دینے کی تھی، بلکہ بچوں کے بارے میں کوئی جھگڑا ہوا اور شوہر نے یہ جملہ کہہ دیا، کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں اور کیوں؟ جواب دیکر ممنون و مشکور فرمائیں۔

الجواب: بشرطِ صحتِ سوال صورتِ مسئلہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی۔ وجہ یہ ہے کہ یہ الفاظ ”اپنی والدہ کے گھر چلی جا“ کنایہ میں سے ہیں، اور کنایہ کا حکم یہ ہے کہ اگر طلاق دینے کی نیت ہو تو طلاق واقع ہوگی۔ جبکہ صورتِ مسئلہ میں مابعد کی عبارت خود طلاق کے مخالف ہے، یعنی ”یہاں تک کہ تیری عقل ٹھیک ہو جائے“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقصود طلاق دینا نہیں تھا، بلکہ کچھ مدت والدہ کے گھر رکھنا مقصود تھا۔
ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

وبقية الكنايات إذا نوى بها الطلاق كانت واحدة بائنة، وإن نوى ثلاثاً كان ثلاثاً... وهذا مثل قوله أنت بائن، وألحقى بأهلك . (الهداية: ۲/۳۷۴۔ وكذا في الفتاوى الهندية: ۱/۳۷۵)۔ عالمگیری میں ہے:

الفصل الخامس في الكنايات: لا يقع بها الطلاق إلا بالنية أو بدلالة الحال كذا في الجوهرة النيرة . (الفتاوى الهندية: ۱/۳۷۴)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

”والدین کے گھر گئی تو تیسری“ کہنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو پہلے وقفے وقفے سے دو طلاقیں دی ہیں، اب اس کے اختیار میں ایک طلاق باقی ہے، ایک مرتبہ اس نے بیوی سے کہا ”اگر تم والدین کے گھر گئی تو تم کو تیسری“ اس کے ساتھ طلاق وغیرہ کا لفظ نہیں کہا، اگر بیوی والدین کے گھر گئی تو تیسری طلاق ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ اگر شوہر نے تیسری میں طلاق کی نیت کی تو والدین کے گھر جانے سے تیسری واقع ہو جائیگی، اور اگر ویسے ڈرانے کے لئے یہ لفظ کہا تو طلاق نہیں ہوگی۔ عالمگیری میں ہے:

امراة قال لها زوجها: أنت طالق واحدة، فقالت له المرأة: هزار، فقال الزوج: هزار، فهذا على وجهين: إما أن ينوي شيئاً أو لم ينو، ففي الوجه الأول هو على ما نوى، وفي الوجه الثاني لا يقع . (الفتاوى الهندية: ۱/۳۸۱) .

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ شوہر نے بیوی کے جواب میں ہزار کا لفظ کہا، لیکن جب نیت نہیں کی تو طلاق نہیں ہوگی۔

دوسری جگہ مذکور ہے کہ شوہر نے بیوی سے کہا: حیلہ زنان کن یکون إقراراً بالطلاق إذا نوى - (الفتاویٰ الهندية: ۱/۳۸۶) .

یعنی شوہر نے بیوی سے کہا: عورتوں والا حیلہ کرو، بظاہر مطلب یہ ہے کہ حلالہ کی تدبیر کرو، کیونکہ تین طلاقیں ہوئیں۔ لیکن جب طلاق کا لفظ نہیں کہا تو نیت پر موقوف ہے، اگر نیت ہو تو طلاق ہے ورنہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

عن ابراہیم قال: إذا كتب الطلاق بيده، وجب عليه.
وعن حماد قال: إذا كتب الرجل إلى امرأته: إذا أتاك كتابي
هذا فأنت طالق، فإن لم يأتها الكتاب فليس هي بطلاق،
وإن كتب: أما بعد فأنت طالق، فهي طالق.
وقال ابن شبرمة: هي طالق.

(مصنف ابن أبي شيبة)

باب..... ﴿٥﴾

طلاق بالکتابت کا بیان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

﴿رسالہ﴾

الدلائل الباهرة

فی تنفیذ

کتابۃ الطلاق

للزوجة الحاضرة

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”الدلائل الباہرۃ فی تنفیذ کتابۃ الطلاق للزوجة الحاضرة“

زوجہ کی موجودگی میں طلاق بالکتابت کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی حاضری میں طلاق لکھ کر دے دے اور زبان سے کچھ نہ کہے تو کیا یہ طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: تحریری طلاق زبانی طلاق کی طرح ہے بیوی حاضر ہو یا غائب بہر صورت طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر کسی پر اکراہ کیا جائے تو مکڑہ کی تحریر معتبر نہ ہوگی اور طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔
ملاحظہ ہو مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

تحریری طلاق کی چند صورتیں ہیں:

کتابت مستبینہ: یعنی کسی کاغذ، دیوار وغیرہ پر ایسی تحریر جو واضح ہو اور باقی رہنے والی ہو، اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) مستبینہ مرسومہ: اگر باضابطہ طلاق نامہ یا مکتوب عنوان اور مخاطب کے ساتھ لکھا گیا ہو تو اسے کتابت مستبینہ مرسومہ کہتے ہیں۔

(۲) مستبینہ غیر مرسومہ: اگر یوں ہی کسی کاغذ کے ٹکڑے یا دیوار پر بیوی کی طرف اضافت کے بغیر صرف یہ لکھے کہ طلاق ہے یا طلاق دی، اور یہ تحریر بیوی کو نہ بھیجے تو یہ کتابت مستبینہ غیر مرسومہ ہے۔
کتابت مستبینہ مرسومہ تلفظ کے قائم مقام ہے، اس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

کتابت مستبینہ غیر مرسومہ سے طلاق ایسی صورت میں واقع ہوگی جب کہ شوہر کہے کہ میری نیت بیوی کو طلاق دینے کی تھی۔

کتابت غیر مستبینه: جو تحریر ظاہر نہ ہو اور پڑھنے میں نہ آئے، جیسے پانی اور ہوا پر لکھنا، اس سے کسی حال میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (مجموع قوانین اسلامی: ۱۲۹-۱۳۰، دفعہ ۴/۳، مسلم پرنٹ لا بورڈ)۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

الكتابة على ثلاثة أوجه مستبين مرسوم أى معنون وهو يجري مجرى النطق فى الحاضر والغائب على ما قالوا، ومستبين غير مرسوم كالكتابة على الجدار وأوراق الأشجار وهوليس بحجة إلا بالبيئة والبيان وغير مستبين كالكتابة على الهواء والماء وهو بمنزلة كلام غير مسموع فلا يثبت به الحكم. (الفتاوى الهندية: ۶/۴۴۲، مسائل شتى)۔

درمختار میں ہے:

كتب الطلاق، إن مستبيناً على نحو لوح وقع إن نوى، وقيل مطلقاً، ولو على نحو الماء فلا، مطلقاً، ولو كتب على وجه الرسالة والخطاب كأن يكتب يا فلانة: إذا أتاك كتابي هذا فأنت طالق طلقت بوصول الكتاب جوهره.

وفى الشامية: (قوله كتب الطلاق الخ) قال فى الهندية: الكتابة على نوعين: مرسومة وغير مرسومة، ونعني بالمرسومة أن يكون مصدراً ومعنوياً مثل ما يكتب إلى الغائب وغير المرسومة أن لا يكون مصدراً ومعنوياً، وهو على وجهين مستبينة وغير مستبينة، فالمستبينة ما يكتب على الصحيفة والحائط والأرض على وجه يمكن فهمه وقراءته، وغير المستبينة ما يكتب على الهواء والماء وشيء لا يمكن فهمه وقراءته. ففي غير المستبينة لا يقع الطلاق وإن نوى، وإن كانت مستبينة لكنها غير مرسومة إن نوى الطلاق يقع وإلا لا، وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى أولم ينو، ثم المرسومة لا تخلو إما أن أرسل الطلاق بأن كتب: أما بعد فأنت طالق، فكما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة، وإن علق طلاقها بمجئ الكتاب بأن كتب: إذا جاءك كتابي فأنت طالق فجاءها الكتاب فقرأتها أولم تقرأ يقع الطلاق كذا فى الخلاصة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۴۶۶، مطلب

فی الطلاق بالکتابۃ، سعید).

ہدایہ میں ہے:

ثم الكتاب على ثلاثة مراتب : مستبين مرسوم وهو بمنزلة النطق في الغائب والحاضر على ما قالوا، ومستبين غير مرسوم كالكتابة على الجدار وأوراق الأشجار وبنوي فيه لأنه بمنزلة صريح الكناية فلا بد من النية وغير مستبين كالكتابة على الهواء والماء وهو بمنزلة كلام غير مسموع فلا يثبت به الحكم. (الهداية: ۴/۷۰۵، كتاب الخنثى).

وفى الشامية: اعلم أن هذا في كتابة غير مرسومة أى غير معتادة، لما فى التبيين وغيره أن الكتاب على ثلاثة مراتب: مستبين مرسوم وهو أن يكون معنوياً: أى مصدراً بالعنوان، وهو أن يكتب فى صدره من فلان إلى فلان على ما جرت به العادة فهذا كالنطق فلزم حجة... الخ. (فتاوى الشامى: ۶/۷۳۷، مسائل شتى، سعید).

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما النوع الثاني فهو أن يكتب على قرطاس أو لوح أو أرض أو حائط كتابة مستبينة لكن لا على وجه المخاطبة امرأته طالق فيسئل عن نيته فإن قال: نويت به الطلاق وقع وإن قال: لم أنوبه الطلاق صدق فى القضاء لأن الكتابة على هذا الوجه بمنزلة الكتابة لأن الإنسان قد يكتب على هذا الوجه ويريد به الطلاق وقد يكتب لتجويد الخط فلا يحمل على الطلاق إلا بالنية... وإن كتب كتابة مرسومة على طريق الخطاب والرسالة مثل أن يكتب أما بعد يا فلانة فأنت طالق أو إذا وصل كتابي إليك فأنت طالق يقع به الطلاق ولو قال: ما أردت به الطلاق أصلاً لا يصدق إلا أن يقول نويت طلاقاً من وثاق فيصدق فيما بينه وبين الله عز وجل لأن الكتابة المرسومة جارية مجرى الخطاب ألا ترى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يبلغ بالخطاب مرة وبالكتاب أخرى وبالرسول ثالثاً وكان التبليغ بالكتاب والرسول كالتبليغ بالخطاب فدل أن الكتابة المرسومة بمنزلة الخطاب فصار كأنه خاطبها

بالطلاق عند الحضرة فقال لها: أنت طالق. (بدائع الصنائع: ۳/۱۰۹، سعید).

دررالحکام شرح مجلۃ الاحکام میں ہے:

المادة: ۶۹: — الكتاب كالخطاب... والحاصل أن كل كتاب يحرر على وجه المتعارف من الناس حجة على كاتبه كالنطق باللسان. (دررالحکام شرح محلۃ الاحکام: ۱/۶۲، دارالکتب العلمیۃ).

وکذا فی الفتاوی التاتارخانیۃ: ۳/۳۷۷، فی ایقاع الطلاق بالکتاب۔ والأشباه والنظائر: ۳/۱۲۳، مع شرح الحموی۔ والبحر الرائق: ۸/۴۷۷، مسائل شتی، کوئٹہ۔ وتبيين الحقائق: ۶/۲۱۸، مسائل شتی، ملتان۔ وتنقيح الفتاوی الحامدية: کتاب الدعوی).

مذکورہ بالا عبارات فقہاء سے مجموعی طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کتابت مستبینہ مرسومہ نطق کے قائم مقام ہے، اس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، اور اس میں حاضر وغائب کا کوئی فرق نہیں ہے۔ اکابر کے فتاویٰ ملاحظہ فرمائیں:

الطرائف والظرائف میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے استفتاء کے جواب میں حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب، مفتی دارالعلوم دیوبند کی تحریر ملاحظہ فرمائیں:

عبارات کتب متعلقہ کتابت طلاق سے یہ ہی ظاہر اثبات ہوتا ہے کہ حضور زوجہ فی المجلس کی صورت میں بھی طلاق مکتوب صریح و کنایہ واقع ہو جاوے گی اگر غرض ایقاع طلاق ہونہ تجربہ خط وغیرہ، نکاح میں چونکہ سماع شہود ایجاب و قبول زوجین کو شرط کیا گیا ہے، لہذا بصورت امکان سماع مکتوب کو لغو کہا جاوے تو ممکن ہے اور طلاق میں اس کی حاجت نہیں، شامی کتاب الاقرار میں طلاق کو بھی دیگر دیون وغیرہ کے اقرار کی مثل باللسان وبالبنان دونوں طرح مساوی قرار دیا ہے: فإنه كما يكون باللسان يكون بالبنان در مختار. اور ظاہر ہے کہ اقرار بالدیون اگر بالبنان ہو اور کاتب کو اقرار ہو کہ یہ تحریر میری ہے تو لزوم دین میں تامل نہ ہوگا، اگرچہ شامی نے مسائل شتی میں ایک عبارت اشباہ و نظائر سے یہ مفہوم ہونا ظاہر کیا ہے کہ ناطق حاضر میں کتابت کا اعتبار نہ ہو، مگر ظاہر اس کا یہ ہے کہ شہود مجرد تحریر و کتابت پر شہادت نہیں دے سکتے، کیونکہ مجرد کتابت میں احتمال ہے کہ تجربہ خط وغیرہ کے لیے لکھا ہو، الغرض راجح و محقق یہ معلوم ہوتا ہے کہ حاضرہ فی المجلس کو بھی طلاق بالکتابتہ واقع ہوتی ہے اور جانب

احتیاط بھی یہی ہے حضرت مولانا محمود حسن صاحب سلمہ و مولانا انور شاہ کی بھی یہی رائے ہے۔ فقط والسلام راقم الحروف عزیز الرحمن عفی عنہ از دیوبند ۱۳۳۰ھ بروز پنجشنبہ۔

(الطرائف والظرائف: ۱۲-۱۳، فائدہ فقہیہ متعلقہ بالطلاق بالکتابت)۔

فتاویٰ رحیمہ میں ہے:

تحریری طلاق زبانی طلاق کی طرح ہے یعنی جو حکم زبان سے بولنے کا ہے وہی حکم تحریر کا ہے۔ البتہ حالت اکراہ میں یعنی جبراً لکھوانے کی صورت میں جب تک زبان سے طلاق نہ کہے طلاق نہیں ہوتی۔ (فتاویٰ رحیمہ: ۳۰۹/۸، مبوب و مرتب)۔

مزید ملاحظہ ہو: امداد الفتاویٰ: ۳۸۶/۲۔ واحسن الفتاویٰ: ۱۸۴/۵۔

لیکن علامہ شامیؒ نے ایک جگہ تحریر فرمایا ہے: وظاہرہ أن المعلنون من الناطق الحاضر غیر معتبر۔ (فتاویٰ الشامی: ۷۳۷/۶، مسائل شتی، سعید)۔

اس جزئیہ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ گونگے کی معنون طلاق حاضر کے لیے معتبر ہے اور ناطق کی مرسوم طلاق حاضر کے لیے معتبر نہیں ہے، لیکن یہاں علامہ شامیؒ نے جس مفہوم مخالف کو ظاہر کہا ہے اس کے مقابلہ میں فقہاء کی صریح عبارات موجود ہیں، مفہوم مخالف کا اعتبار تب ہوگا جب کہ منطوق اس کے خلاف نہ ہو، خود علامہ شامیؒ نے اس کو ظاہر یعنی قیاس کا درجہ دیا محقق نہیں بتایا، نیز علامہ رافعیؒ نے علامہ شامیؒ کے ظاہر کہنے پر اشکال فرمایا، چنانچہ فرماتے ہیں: (قوله وظاہرہ) لم یظهر وجه ظهورہ من عبارة الأشباه۔ (تقریرات الرافعی: ۳۵۵/۶، مسائل شتی، سعید)۔

کیونکہ ممکن ہے کہ صاحب اشباہ کی عبارت کا یہ مطلب ہو کہ گونگے کی معنون طلاق کا اعتبار ہے غیر معنون کا اعتبار نہیں ہے۔

نیز یہ علامہ شامیؒ کا مسلک مختار نہیں ان کا مسلک مختار وہی ہے جو اوپر کی عبارات میں ان ہی کے حوالہ سے مذکور ہوا، لہذا معلوم ہوا کہ طلاق بالکتابت المستبينة المرسومة طلاق صریح کے حکم میں ہے، اور جس طرح زبان سے طلاق صریح دینے میں بیوی کی موجودگی اور عدم موجودگی برابر ہے یعنی دونوں صورتوں میں بلاشبہ طلاق

واقع ہو جاتی ہے، اسی طرح طلاق بالکتابت المستبينة المرسومة بھی بہر صورت واقع ہو جائے گی، خواہ بیوی موجود ہو یا غائب، اور زبان سے طلاق کے الفاظ ادا کیے ہوں یا ادا نہ کیے ہوں۔

اکثر فقہاء کرام کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ کتابت اور نطق احکام کے ثابت کرنے میں برابر ہے اگرچہ نطق و کتابت میں فرق ہے اس لیے کہ نطق کو مشبہ بہ اور کتابت کو مشبہ فرماتے ہیں، ”الكتاب كالخطاب“ جیسے آخرس کی کتابت اور اشارہ میں فرق ہے لیکن اثبات حکم میں دونوں برابر ہے۔

لیکن شمس الدین قاضی زادہ نے ایک اشکال ظاہر فرمایا ہے، ملاحظہ ہو، نتائج الافکار میں ہے:

قوله وهو بمنزلة النطق في الغائب والحاضر على ما قالوا، فإنه إذا كان بمنزلة النطق في حق الحاضر أيضاً لم يكن حجة ضرورية، فينبغي أن يكون حجة في الحدود أيضاً كما كان النطق حجة فيها أيضاً فليتأمل في المخلص. (نتائج الافكار: ۱۰/۵۲۵، مسائل شتی، دارالفکر).

یعنی جب کتابت نطق کی طرح ہے تو پھر حدود میں حجت ہونی چاہئے؟

لیکن یہ اشکال درست نہیں، کیونکہ حدود کا ثبوت اس طریقہ پر ہوگا جو طریقہ شریعت میں وارد ہے، کتابت کا طریقہ وارد نہیں ہے، جیسے عام طور پر ایک مرتبہ کا اقرار کافی ہوتا ہے، لیکن حد زنا میں احادیث میں چار مرتبہ اقرار وارد ہے، اس لیے چار مرتبہ ضروری ہوگا۔

نیز حدود شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں۔

اگر نطق کو فی الحاضر مؤثر اور کتابت کو غیر مؤثر مان لیں تو پھر طلاق بالکتابت میں قادر علی النطق کو کتابت کے ساتھ نطق بھی کرنا چاہئے، چاہے گواہوں کے سامنے کرے یا بغیر گواہوں کے، جیسے نکاح میں تلفظ ضروری ہے، مثلاً زید نے ہندہ کو نکاح کا پیغام لکھ کر بھیجا تو قبول کرنے سے پہلے گواہوں کے سامنے اس کا پڑھنا اور پھر قبول کرنا ضروری ہے تاکہ ایجاب و قبول مکمل ہو۔

نیز اگر کوئی شخص در بن سے جہانسرگ طلاق نامہ لکھ کر بھیج دے تو طلاق واقع ہو جائے گی، حالانکہ اس زمانہ میں وہ تلفظ پر بذریعہ ٹیلی فون مع معرفۃ الصوت قادر ہے، پھر کیوں طلاق واقع ہوتی ہے؟

نیز وصیت میں کتابت چلتی ہے، لیکن اگر وہ نطق پر قادر ہے تو اس کو زبانی وصیت کرنا چاہئے، کتابت

کا اعتبار نہیں ہونا چاہئے۔

نیز احادیث کی اجازت بالمشافہہ کتابۃ معتبرہ ہے، حالانکہ تلفظ پر قادر ہے تو کتابۃ اجازت معتبر نہیں ہونا چاہئے۔

اعلاء السنن میں ہے:

أن يكتب الشيخ مسموعه لحاضر أو غائب بخطه أو بأمره. وأما المجردة فتمنع الرواية بها، وأجازه كثيرون من المتقدمين والمتأخرين. (اعلاء السنن: ۸/۱۶۷).

بیع کے لیے شرعاً ”اشتریت“ کے الفاظ ہیں، حالانکہ تعاطی سے بھی بیع منعقد ہوتی ہے، جب تلفظ پر قادر ہے تو تعاطی سے بیع کیوں منعقد ہوتی ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن جحش کو خط دیا اور فرمایا اس کو فلان جگہ سے پہلے نہ کھولو، اور وہاں جا کر پڑھو۔ (بخاری کتاب العلم).

اگر کتابت بغیر قراءت کے حاضر میں معتبر نہیں تو یہ مکتوب غیر معتبر ہو جائے گا۔

مدرسہ کے دفتر اہتمام کی طرف سے امتحان کا اعلان آویزاں کیا جاتا ہے، زبانی اعلان نہیں ہوتا، اگر طلبہ امتحان میں شرکت نہ کریں اور کہیں کہ آپ نے باوجود ناطق ہونے کے تحریر لکھی جو غیر معتبر ہے، لہذا یہ اعلان غیر معتبر ہے، تو ہم کیا کہیں گے؟

اگر مسجد کے بورڈ پر نماز کے ٹائم کا اعلان لگا دیا جائے اور امام وقت مقرر پر نہ آئے اور کہیں کہ تلفظ پر قدرت کے باوجود آپ کی تحریر معتبر نہیں تو ہم کیا کہیں گے؟
لہذا تحریر کو غیر معتبر ماننے سے بے شمار مسائل پیدا ہوں گے۔

باقی جہاں فقہاء نے مکرہ کی طلاق مکتوب کو نہیں مانا اور صرف طلاق مکرہ میں ایسا کیا اس میں استحسان للضرورة یعنی دفع الظلم کا دخل ہے، تاکہ وہ ظلم سے بچے، ظلم سے بچنے کے لیے حیلہ بھی کافی ہے، جیسے ظالم کے استخلاف کے وقت ظلم سے بچنے کے لیے کوئی شخص طلاق ثلاثہ دیدے اور گواہ پیش کرے کہ جھوٹی قسم تھی، ہمارے اکراہ طلاق میں بھی اعراض من التلفظ إلى الكتابة کو ظلم سے بچنے کا ذریعہ بنایا گیا۔

لأن الكتابة أقيم مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة ههنا. کا مطلب یہی ہے کہ عبارت کو چھوڑ کر کتابت کو اختیار کرنا کسی حاجت و مقصد کی وجہ سے ہوتا ہے، اور یہاں صرف جان چھڑانا مقصود ہے اور کوئی حاجت نہیں، لہذا اس کی جان چھوٹ گئی اور طلاق واقع نہیں ہوئی، اب اگر کوئی شخص لکھتا ہے تو اس کی بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں، بیوں کا مطالبہ مکتوب کا ہے، تاکہ آئندہ سندر ہے، یا اس کو عدالت میں پیش کرنا ہوگا، یا بیوی سے خائف ہے زبانی طلاق نہیں دے سکتا، یا اس لیے کہ یہ قلم و کتابت کا زمانہ ہے۔ صرف جان چھڑانا مقصود نہیں ہے۔

(۲) بے شمار احکام عرف پر مبنی ہوتے ہیں، اس مسئلہ میں جیسے بیع میں عرف کا اعتبار کر لیا جائے اور آجکل کے عرف میں کتابت کا لفظ ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ مضبوط ہے، اس لیے حضرت مولانا تھانویؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت مفتی عزیز الرحمنؒ اور حضرت انور شاہ کشمیریؒ نے کتابت کو تلفظ کے برابر تسلیم کیا۔ خصوصاً اس زمانہ میں کتابت کو غیر مؤثر تسلیم کرنا مجھ میں نہیں آتا۔

شرح مجلہ میں مذکور ہے:

(المادة: ۱۶۰۹): إن سند الدين الذي يكتبه الرجل أو يستكتبه ويعطيه لآخر فمضى بإمضائه أو مختوماً بختمه يعد إقراراً بالكتابة ويكون معتبراً ومرعياً كتقريره الشفاهي إذا كان مرسوماً أي إذا كان قد كتب موافقاً للرسم، والعادة والوثائق المعلمة بالقبض المسماة بالوصول هي من هذا القبيل أيضاً... (شرح المحلة: ص ۹۰۲).

(المادة: ۱۶۱۰): من كتب سنداً أو استكتبه مرسوماً على الوجه السابق وأعطاه فمضى أو مختوماً إذا أقر بأنه له ولكنه أنكر الدين الذي حواه فلا يعتبر إنكاره ويلزمه أداء ذلك الدين. (شرح المحلة: ص ۹۰۴).

نیز مفتی محمد اشرف صاحب ”مفتی جامعہ محمودیہ اسپرنگ“ فقہاء کی عبارات ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

مندرجہ بالا مسائل و عبارات سے چند امور ثابت ہوئے:

(۱) کتابت مستبینہ تلفظ کے حکم میں ہے۔

(۲) مستبینہ مرسومہ صریح کے حکم میں ہے۔

(۳) مستبینہ غیر مرسومہ کنایہ کے حکم میں ہے۔

(۴) کتابت اگر معلق نہ ہو تو وہ طلاق منجز کے حکم ہے، اور لکھنے کے ساتھ ہی واقع ہو جائے گی۔

(۵) کتابت مستبینہ کو مٹانا ایسا ہے جیسے تعلیق سے رجوع کرنا اور تعلیق سے رجوع نہیں ہو سکتا۔

(۶) کتابت اگر ثابت ہو جائے تو وہ قضاء معتبر ہے، شوہر کے انکار کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

... سابق بحث خصوصاً کتابت کے احکام سے متعلق مطلق عبارتیں، تحریر کا قضاء معتبر ہونا، المرأة كالقاضي

اور آج کل کے حالات و عرف کے تقاضے کے مطابق ہماری رائے یہ ہے کہ بیوی خواہ سامنے موجود ہو یا غائب ہو، ہر صورت میں کتابت اپنی شرائط و تفصیل کے ساتھ معتبر ہے۔

آج کل کا عرف یہ ہے کہ لوگ تحریر کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں، بعض دفعہ کلام کرنے کے بجائے تحریر ہی کرتے ہیں کیونکہ وہ باقی رہتی ہے، سند بنتی ہے اور بوقت ضرورت کام آتی ہے خصوصاً اہم معاہدوں کے وقت تحریر کا زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے۔ (مخلص از فتویٰ مفتی اشرف صاحب زید مجدہ، ۱۶/ رجب ۱۴۲۳ھ مطابق ۱۳/ ستمبر ۲۰۰۳ء)۔

نیز دارالافتاء دارالعلوم کراچی سے بھی تفصیلی فتویٰ شائع ہوا ہے، اس میں بھی ثابت کیا ہے کہ بیوی کی موجودگی میں تحریری طلاق معتبر ہے۔ اور چند مفتی حضرات کی دستخط بھی موجود ہے۔ اور پاکستان کے دارالافتاؤں کا یہی فتویٰ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

طلاق بالکتابت فی الحاضر کا ایک مسئلہ:

سوال: یہاں جنوبی افریقہ میں ایک صاحب نے اپنی حاضر بیوی کو تین طلاقیں کاغذ پر لکھ کر دیں، بعض مفتی حضرات نے اس کو لغو قرار دیا اور شامی کی اس عبارت سے استدلال کیا: لکن فی الدر المنقہ عن الأشباه أنه فی حق الآخرس یشرط أن یكون معنواً وإن لم یکن لغائب وظاهره أن المعنون من الناطق الحاضر غیر معتبر. (شامی: ۶/۷۳۷). یعنی ناطق حاضر کی طلاق معنوں ”جو عرف و عادت کے مطابق لکھی گئی ہو“ معتبر نہیں، اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: بیوی کی موجودگی میں دی ہوئی تحریری طلاق واقع ہوتی ہے اس مسئلہ میں چند سال پہلے یہاں مفتیوں کا اجلاس بھی ہوا تھا، بہت سارے مفتیوں کی رائے آخر میں یہ ٹھہری کہ طلاق ہو جاتی ہے اب اس نئے واقعہ کی وجہ سے یہ مسئلہ دوبارہ اٹھا، فقہاء احناف کی چند عبارات ملاحظہ ہو:

وهو أى المستبين بمنزلة النطق فى الغائب والحاضر على ما قالوا فإنه إذا كان بمنزلة النطق فى حق الحاضر أيضاً لم یکن حجة ضرورية. (تكملة فتح القدير: ۱۰/۵۲۵، دار الفکر).

شامی میں ہے: فهذا أى المستبين كالنطق فلزم حجة. (فتاویٰ الشامی: ۶/۷۳۷، سعید، وشرح الحموی علی الاشباه: ۳/۱۲۳، احکام الکتابہ).

وهو یجرى مجرى النطق فى الحاضر والغائب. (حاشیة الكنز من ملامسکین والعینی، ص ۴۹۰، ورمز الحقائق: ۲/۴۹۹، مسائل شتی).

وهو أى هذا المذكور من الكتابة كالنطق فى الغائب والحاضر على ما قالوا فيلزم حجة وفي زماننا الختم شرط لكونه معتاداً. (مجمع الانهر: ۲/۷۳۳، دار احیاء التراث العربی).

ثم الكتابة على ثلاثة أوجه مستبين مرسوم... وهو یجرى مجرى النطق فى الحاضر والغائب على ما قالوا. (عالمگیریہ: ۶/۴۴۲، مسائل شتی).

ثم الكتاب على ثلاث مراتب مستبين مرسوم وهو بمنزلة النطق فى الغائب والحاضر

علی ما قالوا . (الهدایة ، مسائل شتی : ۷۰۵/۴) .

والحاصل أن كل كتاب يحرر على الوجه المتعارف من الحاضر حجة على كاتبه

كالنطق باللسان . (دررالحکام شرح مجلة الاحکام ، مادة الكتاب كالخطاب ، لعلی حیدر) .

الموسوعة الفقهية میں ہے :

وجه انعقاد العقود بالكتابة هو أن القلم أحد اللسانين كما قال الفقهاء بل ربما تكون

هي أقوى من الألفاظ ولذلك حث الله المؤمنين على توثيق ديونهم بالكتابة . (الموسوعة

الفقهية الكويتية ، مادة : العقد بالكتابة او الرسالة : ۲۱۰/۳ ، وزارة الاوقاف ، الكويت) .

مذکورہ بالا عبارات سے واضح ہوا کہ تحریری طلاق واقع ہو جاتی ہے بیوی سامنے ہو یا غائب ہو، اور شامی کی

عبارت سے جو استدلال کیا جاتا ہے اس کے جوابات حسب ذیل ہیں :

(۱) علامہ شامیؒ کی یہ رائے مذکورہ بالا کتب فقہیہ کے خلاف ہے اس لیے یہ مرجوح ہے اور وقوع طلاق کا

قول رائج ہے۔

(۲) شامیؒ کے محشی علامہ رافعیؒ نے اس کی تردید فرما کر غیر ظاہر ہونے کا حکم کیا، چنانچہ فرماتے ہیں : لم

يظهر وجه ظهوره من عبارة الأشباه . (تقريرات الرافعي ، ضميمه شامی : ۳۵۵/۶) .

(۳) یہ عبارت خود علامہ شامیؒ کی دوسری عبارت کے خلاف ہے، لہذا جو عبارت بقیہ کتب فقہ کے موافق

ہے، مثلاً ”فهذا كالنطق فلزم حجة“ (شامی : ۷۳۷/۶) تو اسی کا اعتبار ہوگا۔ جب کہ علامہ شامیؒ نے ”ظاہرہ

أن المعنون من الناطق الحاضر ، فرما کر اس کو ماقبل سے بطریق دلالت التزامی یا مفہوم مخالف ثابت کیا ہے۔

اور قاعدہ ہے کہ منطوق غیر منطوق (مفہوم مخالف) پر مقدم ہے۔

(۴) مفتی عزیز الرحمن صاحب ، حضرت شیخ الہندؒ ، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ ، حضرت مولانا اشرف علی

تھانویؒ ، ان تمام حضرات نے عام فتاویٰ کی کتابوں کے فتویٰ کو قبول فرمایا، اور شامیؒ کی عبارت کو قبول نہیں فرمایا۔

چنانچہ الطرائف والظرائف (بیاض اشرفی، ص ۲۴) کی فوٹو کاپی ملاحظہ فرمائیں:

۲۴

فائده فقہیہ متعلقہ بالطلاق بالکتابت

ازبندہ عزیز الرحمن عفی عنہ بملاحظہ حضرت مخدوم محرمی مولانا محمد اشرف علی صاحب دہقیضہ۔ عبارات کتب متعلقہ کتابت طلاق سے یہ ہی ظاہر نکلتی ہوتا ہے کہ حضور زوجہ فی المجلس کی صورت میں بھی طلاق مکتوب مسریع وکناہ واقع ہو جاوے۔ اگر غرض ایقاع طلاق ہو نہ بقرہ خط و غیرہ کلام میں چونکہ سماع شہود واجب و قبل زوجین کو شرط کیا گیا ہے۔ لہذا بصورت امکان سماع مکتوب کو لغو کہا جاوے تو ممکن ہے اور طلاق میں اس کی حاجت نہیں۔ شامی کتاب الاقراء میں طلاق کو بھی دیگر دہون وغیرہ کے اقراء کی مثل باللسان وبالہن ان دونوں طرح مساوی قرار دیا ہے فلانہ کما یکون باللسان یکون بالہن حد مختار اعظاہر ہے کہ اقراء بالادیون اگر بالہن ان ہوا اور کتابت کو اقراء ہوا کہ یہ تحریر سیری ہے تو لزوم دین میں تا مل نہ ہوگا۔ اگرچہ شامی نے سائل شتی میں ایک عبارت اشباہ و نظائر سے یہ مفہوم جو نا ظاہر کیا ہے کہ نا ظن حاضرین کتابت کا اعتبار نہ ہو مگر ظاہر اس کا یہ ہے کہ شہود مجرد تحریر کتابت پر شہادت نہیں دے سکتے۔ کیونکہ مجرد کتابت میں احتمال ہے کہ بقرہ خط وغیرہ کے لئے لکھا ہو۔ الغرض راجح و محقق یہ معلوم ہوتا ہے کہ حاضرہ فی المجلس کو بھی طلاق بالکتابت واقع ہوتی ہے اور جانب اصیاط بھی یہی ہے۔ حضرت مولانا محمد حسن صاحب سلمہ مولانا احمد شاہ کی بھی یہی رائے ہے۔ فقط والسلام

راقم عزیز الرحمن عفی عنہ از دیوبند
۴۱۴۱ھ بروز پنجشنبہ

(۵) اس عبارت کا تعلق مسئلہ اکراہ سے ہے، کیونکہ علامہ شامی نے یہ عبارت اشباہ بلکہ شرح اشباہ سے نقل فرمائی ہے، اور وہ خانیہ سے نقل کرتے ہیں دیکھئے: (اشباہ مع شرح الحموی: ۱۲۳/۳) اور شرح اشباہ اور خانیہ کی عبارت میں اکراہ کا مسئلہ موجود ہے، حالت اختیار میں حاضر بیوی کا مسئلہ مذکور نہیں ہے۔

فتاویٰ قاضیخان کی عبارت ملاحظہ ہو:

رجل أكره بالضرب والحبس على أن يكتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان ابن فلان
فكتب امرأته فلانة بنت فلان ابن فلان طالق لا تطلق امرأته لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة

باعتبار الحاجة ولا حاجة ههنا. (فتاویٰ قاضیخان علی ہامش الہندیۃ: ۱/۴۷۲۔ شرح الاشباہ: ۳/۱۲۳)۔

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ حالتِ اکراہ میں اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق لکھ کر دیدی تو طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ کتابت ضرورت کی وجہ سے قائم مقام عبارت ہے اور یہاں ضرورت نہیں یعنی سابقہ عبارات کی روشنی میں کتابت حجتِ اصلیه ہے لیکن حالتِ اکراہ میں عدم وقوع طلاق کا فیصلہ کر کے کتابت کو حجتِ ضروریہ تسلیم کیا گیا۔

عام حالات میں تو کتابت حجتِ اصلیه اور عبارت کی طرح ہے لیکن حالتِ اکراہ میں اس کے نافذ کرنے کی ضرورت نہیں اور یہ موثر نہیں، یعنی حالتِ اکراہ میں کتابت کا اعتبار نہیں، چاہے بیوی حاضر ہو یا غائب، لہذا اکراہ کے مسئلہ کا تعلق بیوی کے حاضر یا غائب ہونے سے نہیں بلکہ اس صورت میں اس کو حجتِ ضروریہ تسلیم کیا گیا، عام حالات میں کتابت کا حجتِ اصلیه ہونا سابقہ عبارات میں بحروغ القدر میں مذکور ہے۔

اس مسئلہ کی مزید تفصیل محترم مولانا مفتی محمد رضوان صاحب کے رسالہ ”تحریری اور زبردستی طلاق کی تحقیق“ میں موجود ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں، یہ رسالہ بہت سارے مفتیوں کی تقریظات سے آراستہ و مزین ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

غیر معتاد طریقہ پر طلاق بالکتابت کا حکم:

سوال: زید کرسی پر بیٹھا تھا اس کے سامنے میز پڑی تھی، اس نے میز پر اپنی بیوی کا نام لکھ کر تین طلاق لکھ دی اور یہ لکھا: ”میری بیوی زینب کو تین طلاق“ بعد میں کہا کہ ہمارا کوئی جھگڑا نہیں تھا اور نہ غصہ میں لکھا، بلکہ میں مذاق کر رہا تھا، کیا طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب: غیر معتاد طریقہ پر طلاق لکھنے سے بغیر نیت کے طلاق واقع نہیں ہوتی، ہاں طلاق کی نیت سے لکھا تو طلاق واقع ہو جائیگی۔ اور صورتِ مسئلہ میں چونکہ مذاق میں طلاق کے الفاظ میں طلاق واقع کرنے کی نیت نہیں ہے، اس لیے طلاق واقع نہیں ہوئی۔

ملاحظہ ہوشامی میں ہے:

ومستبين غير مرسوم كالكتابة على الجدران وأوراق الأشجار أو على كاغذ لا على الوجه المعتاد فلا يكون حجة إلا بانضمام شيء آخر إليه كالنية . (فتاویٰ الشامی، مسائل شتی: ۷۳۷/۶)

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

کتابت مستبینہ غیر مرسومہ سے طلاق ایسی صورت میں واقع ہوگی جب کہ شوہر کہے کہ میری نیت بیوی کو طلاق دینے کی تھی۔ ردالمحتار میں ہے: وإن كانت مستبينة لكنها غير مرسومة إن نوى الطلاق يقع وإلا لا. (مجموعہ قوانین اسلامی، ص ۱۳۰)

مزید ملاحظہ ہو: (مجمع الانهر: ۷۳۳/۲، والفتاویٰ الهندیہ: ۴۴۲/۶). واللہ تعالیٰ اعلم۔

بجبر واکراہ تحریری طلاق کا حکم:

سوال: ایک عورت نے طلاق نامہ لکھوا کر ایک پولیس کو اپنے ہمراہ کیا اور شوہر کے پاس گئی، پولیس والے نے شوہر کو دھمکی دی کہ اس پرچہ پر دستخط کر دو ورنہ گولی مار دوں گا، اس نے پوچھا اس میں کیا لکھا ہے، پولیس والے نے کہا ایک طلاق، شوہر نے بجبر واکراہ بادل ناخواستہ اس طلاق نامہ پر دستخط کر دی، بعد میں بتایا کہ اس میں تین طلاق لکھی تھی، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کتنی طلاق واقع ہوئی ایک یا تین؟

الجواب: طلاق بالکتابت میں شرعاً شوہر کی رضامندی سے طلاق واقع ہوتی ہے، یعنی شوہر نے از خود اپنی رضامندی سے طلاق نامہ لکھایا اس نے برضا و رغبت طلاق نامہ پر دستخط کر دی، لیکن بجبر واکراہ طلاق نامہ لکھوانے یا طلاق نامہ پر جبراً دستخط کرا لینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، لہذا بصورتِ مسئلہ اگر شوہر نے زبان سے کچھ نہیں کہا تو طلاق واقع نہیں ہوئی۔

ملاحظہ فرمائیں شامی میں ہے:

وفي البحر: ... فلو أكره على أن يكتب طلاق امرأته فكتب لا تطلق. (فتاویٰ الشامی:

فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

رجل أكره بالضرب والحبس على أن يكتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان بن فلان
فكتب امرأته فلانة بنت فلان بن فلان طالق لا تطلق امرأته. (فتاویٰ قاضیخان علی هامش
الہندیہ: ۱/۴۷۳، الطلاق بالکتابت).

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

وفی الظہیریۃ: رجل أكره بالضرب والحبس على أن يكتب طلاق امرأته فكتب
فلانة بنت فلانة امرأته طالق، وفي الحاوي: ولم يعبر بلسانه لا تطلق. (الفتاویٰ
التاتارخانیہ: ۳/۳۸۰، ایقاع الطلاق بالکتابت).

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

بجبر طلاق نامہ پر دستخط کرا لینے سے جب کہ زبان سے طلاق نہیں دی، اور نہ خو لکھی، طلاق واقع نہیں
ہوئی۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۵۴/۹، مدلل مکمل).

کتاب الفتاویٰ میں ہے: پولیس کی دھمکی بھی ”اکراہ“ میں داخل ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۹۰/۵).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (مجموعہ قوانین اسلامی: ۱۳۵، دفعہ ۶۔ واداد المفتین: جلد دوم: ۶۳۵، دارالاشاعت۔ وکتاب
الفتاویٰ: ۱۰۲/۵). واللہ تعالیٰ اعلم۔

بحالت نشہ طلاق نامہ پر دستخط کروانے کا حکم:

سوال: ایک شخص کے دشمنوں نے اسے شراب پلا کر یا کسی اور طرح بے ہوش کر دیا، پھر ایک وثیقہ
نویس (طلاق نامہ لکھنے والے اور عرضی لکھنے والے) کو ساتھ لے کر نشہ کی حالت میں اس طلاق نامہ پر اس کی
انگشت کا نشان لگوا لیا، یا اس کے دستخط کروا لیے، پھر ان لوگوں نے اس کی زوجہ کو اس کی طرف سے طلاق لکھ دی،
لیکن اس شخص کو اور اس کی زوجہ کو طلاق نامہ کی کچھ خبر نہیں، الغرض پوری کارروائی دھوکہ سے کی گئی، کیا اس صورت
میں اس کی زوجہ پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ دھوکہ بازی اور بغیر اطلاع کے سادہ کاغذ پر دستخط کروانے سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

فرضی طور سے کسی کی طرف سے طلاق نامہ لکھ دینے سے اور بدون اطلاع اس امر کے کہ اس کاغذ میں طلاق لکھی ہوئی ہے، شوہر کا انگوٹھا لگوا لینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، اسی طرح سفید سادہ کاغذ پر کسی حیلہ سے شوہر کا انگوٹھا لگوا کر بعد میں اس کاغذ میں طلاق لکھ دینے سے شوہر کی طرف سے طلاق واقع نہ ہوگی۔

كما في حديث ابن ماجة: "الطلاق لمن أخذ بالساق". الخ. اور شامی میں ہے: وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق مالم يقر أنه كتابه. پس اس صورت میں شوہر کی طرف سے طلاق نہیں ہوئی۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۰۲/۹، دارالاشاعت)۔
وكذا في فتاویٰ محمودیہ: ۶۳۳/۱۲. واللہ تعالیٰ اعلم۔

زبان سے کہے بغیر محض تحریری طلاق کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو صرف تحریری طلاق لکھ کر بھیج دی، مگر زبان سے کچھ نہیں کہا، اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ اپنی رضامندی سے تحریری طلاق خود لکھنے یا دوسرے سے لکھوانے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، اگرچہ زبان سے کچھ نہ کہا ہو، اس لیے کہ وقوع طلاق کے لیے تکلم شرط نہیں ہے۔
ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

وكذا التكلم بالطلاق ليس بشرط فيقع الطلاق بالكتابة المستبينة وبالإشارة المفهومة من الأخرس لأن الكتابة المستبينة تقوم مقام اللفظ. (بدائع الصنائع: ۱۰۰/۳، شرائط ركن الطلاق، سعيد).

در مختار میں ہے:

كتب الطلاق، إن مستبيناً على نحو لوح وقع إن نوى، وقيل مطلقاً، ولو على نحو الماء فلا، مطلقاً، ولو كتب على وجه الرسالة والخطاب كأن يكتب يافلانة: إذا أتاك كتابي هذا فأنت طالق طلقت بوصول الكتاب جوهره.

وفى الشامية: (قوله كتب الطلاق الخ) قال فى الهندية: الكتابة على نوعين: مرسومة وغير مرسومة، ونعني بالمرسومة أن يكون مصدراً ومعنوياً مثل ما يكتب إلى الغائب وغير المرسومة أن لا يكون مصدراً ومعنوياً، وهو على وجهين مستبينة وغير مستبينة، فالمستبينة ما يكتب على الصحيفة والحائط والأرض على وجه يمكن فهمه وقراءته، وغير المستبينة ما يكتب على الهواء والماء وشيء لا يمكن فهمه وقراءته. ففي غير المستبينة لا يقع الطلاق وإن نوى، وإن كانت مستبينة لكنها غير مرسومة إن نوى الطلاق يقع وإلا لا، وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى أولم ينو، ثم المرسومة لا تخلو إما أن أرسل الطلاق بأن كتب: أما بعد فأنت طالق، فكما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة، وإن علق طلاقها بمجئ الكتاب بأن كتب: إذا جاءك كتابي فأنت طالق فجاءها الكتاب فقرأته أولم تقرأ يقع الطلاق كذا فى الخلاصة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۲۴۶، مطلب فى الطلاق بالكتابة، سعيد).

مزید ملاحظہ ہو: (حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار: ۲/۱۱۱، کوئٹہ۔ والفتاویٰ الهندیہ: ۱/۳۷۸۔ وبدائع الصنائع: ۳/۱۰۹، سعید۔ ومجموعہ قوانین اسلامی: ۱۲۹۔ وفتاویٰ دارالعلوم دیوبند: جلد دوم: ۶۳۳۔ وفتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۵۸۳). واللہ اعلم۔

مولوی صاحب کے کہنے پر طلاق نامہ لکھنے کا حکم:

سوال: میں نے اپنی مخطوبہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ نکاح کر لیا، مگر میری مخطوبہ اس کے باوجود میرے انتظار

میں بیٹھی رہی، آخر لوگوں کے کہنے سے نکاح کی تیاری ہوئی، لیکن عین موقع پر اس کے والد نے کہا پہلی زوجہ کو طلاق دیدو، میں نے صاف انکار کر دیا، ایک روز مولوی صاحب نے کہا تم کاغذ لکھ دو تو ان کی زبان بند ہو جائے گی، اور صرف لکھنے سے طلاق نہیں ہوتی، مولوی صاحب کے کہنے کی وجہ سے مجھے یقین ہوا کہ صرف لکھنے سے طلاق نہیں ہوگی، مولوی صاحب مضمون بتلاتے تھے اور میں لکھتا تھا، تین طلاق کا لفظ بھی لکھوایا اور زوجہ کا نام وغیرہ بھی لکھوایا، اس صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب: جس طرح زبانی طلاق واقع ہوتی ہے اسی طرح تحریری طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے، چنانچہ بصورتِ مسئلہ باضابطہ طلاق نامہ یا مکتوب بعنوان و مخاطب لکھا ہے، لہذا تلفظ کے قائم مقام ہو کر بلا نیت طلاق واقع ہو گئی۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

اعلم أن هذا في كتابة غير مرسومة أي غير معتادة ، لما في التبيين وغيره أن الكتاب على ثلاثة مراتب : مستبين مرسوم وهو أن يكون معنواً : أي مصدراً بالعنوان ، وهو أن يكتب في صدره من فلان إلى فلان على ما جرت به العادة فهذا كالنطق فلزم حجة ومستبين غير مرسوم كالكتابة على الجدران وأوراق الأشجار... وغير مستبين كالكتابة على الهواء أو الماء... والحاصل أن الأول صريح والثاني كناية والثالث لغو. (فتاویٰ الشامی: ۶/۷۳۷، مسائل شتی، سعید).

بدائع الصنائع میں ہے:

وإن كتب كتابة مرسومة على طريق الخطاب والرسالة مثل أن يكتب أما بعد يا فلانة فأنت طالق أو إذا وصل كتابي إليك فأنت طالق يقع به الطلاق ولو قال: ما أردت به الطلاق أصلاً لا يصدق، إلا أن يقول: نويت طلاقاً من وثاق فيصدق فيما بينه وبين الله عز وجل لأن الكتابة المرسومة جارية مجرى الخطاب ألا ترى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يبلغ بالخطاب مرة وبالكتاب أخرى وبالرسول ثالثاً وكان التبليغ بالكتاب والرسول

کالتبلیغ بالخطاب فدل أن الكتابة المرسومة بمنزلة الخطاب فصار كأنه خاطبها بالطلاق عند الحضرة فقال لها: أنت طالق. (بدائع الصنائع: ۳/۱۰۹، سعید).

دررالحکام شرح مجلۃ الاحکام میں ہے:

المادة: ۶۹: - الكتاب كالخطاب... والحاصل أن كل كتاب يحزر على وجه المتعارف من الناس حجة على كاتبه كالنطق باللسان. (دررالحکام شرح مجلۃ الاحکام: ۶۲/۱، دارالکتب العلمیۃ). واللہ تعالیٰ اعلم۔

طلاق نامہ پر دستخط کرنے سے طلاق کا حکم:

سوال: ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دینا نہیں چاہتا تھا، لیکن بیوی نے محکمہ میں جا کر مقدمہ دائر کیا اور طلاق نامہ لکھوا کر شوہر کے سامنے دستخط کے لیے پیش کر دیا، اب اگر شوہر اس طلاق نامہ پر دستخط کر دے تو طلاق ہوگی یا نہیں؟ جب کہ بیوی کے بھائی دستخط کرنے پر مجبور کر رہے ہیں۔

الجواب: بصورتِ مسئلہ شوہر اگر اپنی رضامندی سے دستخط کر دے تو طلاق واقع ہو جائے گی، لیکن اگر بیوی کے بھائی انتہائی سخت مار پٹائی یا پولیس وغیرہ کی دھمکی دیکر جبراً دستخط کروالے اور شوہر زبان سے کچھ نہ کہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔
ملاحظہ فرمائیں شامی میں ہے:

وفی البحر: ... فلو أكره على أن يكتب طلاق امرأته فكتب لا تطلق. (فتاویٰ الشامی: ۳/۲۳۶، مطلب فی الاکراه علی التوکیل...، سعید).

فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

رجل أكره بالضرب والحبس على أن يكتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان بن فلان فكتب امرأته فلانة بنت فلان بن فلان طالق لا تطلق امرأته. (فتاویٰ قاضیخان علی هامش الہندیۃ: ۱/۴۷۳، الطلاق بالکتابۃ).

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

وفی الظہیریۃ: رجل أكره بالضرب والحبس على أن يكتب طلاق امرأته فكتب
فلانة بنت فلانة امرأته طالق، وفي الحاوي: ولم يعبر بلسانه لا تطلق. (الفتاویٰ
التاتارخانیۃ: ۳/۳۸۰، ایقاع الطلاق بالکتابۃ).

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں:

زید سسرال گیا اس کی سسرال والوں نے طلاق دینے پر مجبور کیا اور طلاق نامہ لکھ کر اس پر جبراً انگوٹھا زید
سے لگوا لیا لیکن زید نے زبان سے الفاظ طلاق نہیں کہے، اس صورت میں زید کی زوجہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔
(مخلص از امداد الممتحنین: ۶۳۴، جلد دوم، دارالاشاعت). واللہ تعالیٰ اعلم۔

طلاق نامہ بھیجنے کے بعد تصدیق کے لیے دوسرا خط بھیجنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق نامہ لکھ کر بھیج دیا، پھر اس کی تصدیق کے لیے دوبارہ خط لکھ کر
بھیجا تو کتنی طلاق واقع ہوگی؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ اگر شوہر نے دوسرے خط میں پہلے خط کی تصدیق کی نیت کی تھی نئی طلاق
مقصود نہیں تھی تو اس کی زوجہ پر صرف ایک طلاق واقع ہوگئی۔

اور اگر دوسرا خط دوسری طلاق کے ارادہ سے لکھا تھا تو دو طلاقیں واقع ہوں گی۔

ملاحظہ فرمائیں شامی میں ہے:

كرر لفظ الطلاق وقع الكل وإن نوى التاكيد دين، قوله وإن نوى التاكيد أى وقع
الكل قضاءً وكذا إذا أطلق أشباه: أى بأن لم ينو استينافاً ولا تأكيداً لأن الأصل عدم التاكيد.
(فتاویٰ الشامی: ۳/۲۹۳، سعید).

اگر عدت گزری ہو تو بہر حال دونوں صورتوں میں تجدید نکاح کی گنجائش ہے، البتہ پہلی صورت میں تجدید نکاح کے
بعد شوہر کو دو طلاقیں کا حق ملے گا، اور دوسری صورت میں صرف ایک طلاق کا حق حاصل ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

میاں بیوی کے ایک معاہدے پر دستخط کرنے کا حکم:

سوال: میاں بیوی اگر ایسے معاہدہ (Agreement) پر دستخط کریں جس میں اور باتوں کے ساتھ یہ بھی درج ہوں ”ہم میاں بیوی کا باہم مل کر رہنا ناممکن ہو چکا ہے“ تو شرعاً ایسے معاہدہ پر دستخط کرنے سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ ایسے معاہدہ پر دستخط کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی، اس لیے کہ یہ الفاظ طلاق ہی نہیں، ہاں اگر اس کے بعد یا اس کے علاوہ دوسرے الفاظ کہہ دئے ہوں تو پھر سوال کیا جائے۔ مفتی عزیز الرحمن صاحب فرماتے ہیں:

سوال: شوہر نے اپنی خوشدامن کو ایک تحریر لکھی کہ آپ کی لڑکی کا اور میرا نباہ دنیا میں مشکل ہے، اب وہ کہتا ہے کہ یہ تحریر میں نے یوں ہی لکھ دی تھی قطع تعلق کا ارادہ نہ تھا آیا اس فقرہ سے طلاق بائن پڑی یا نہیں؟

الجواب: اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ نباہ کو مشکل کہنا نہ صریح طلاق ہے نہ کنایہ۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۸۱/۹، مدلل مکمل)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تحریری طلاق معلق کرنے کا حکم:

سوال: میری اہلیہ اور والدین کا ہمیشہ جھگڑا رہتا ہے، والدین کی شکایت رہتی ہے کہ تمہاری اہلیہ کام کاج وغیرہ نہیں کرتی، اور والدین گھر میں رکھنا نہیں چاہتے، اور والد صاحب نے مجھ کو خط لکھا کہ میں اپنی اہلیہ کو شرطیہ طلاق دیدوں، اور اگر نہ دوں تو والدین ناراض رہیں گے، حالانکہ میرا اور اہلیہ کا کوئی جھگڑا نہیں، بلکہ ہم اچھی طرح زندگی گزارتے ہیں، اور میری اولاد بھی ہیں، نیز شرطیہ طلاق کی تحریر والد صاحب نے خود لکھ کر مجھے دی ہے کہ میں نقل کر کے اہلیہ کو پہنچا دوں، والد صاحب کی تحریر حسب ذیل درج کر رہا ہوں:

میری بیوی شمیمہ خاتون بنت نصیر الدین خوب غور سے سنو تم میری بیوی ہو میں تم کو خرچہ دوں گا جہاں تم رہو گی، لیکن تم نے میری غیر موجودگی میں میرے والدین کے گھر میں چند ہفتے کے لیے مالکانہ تصرف کر کے میرے والدین کو روجی اور جسمانی تکلیف و اذیت پہنچائی ہے اس سے مجبور ہو کر وہ مجھ کو اپنی ملکیت سے محروم کر رہے ہیں، جس کی وجہ سے میں ان کی بات اور شرط کو ماننے پر مجبور ہوں کہ تم اپنی پوری زندگی بھر میں میرے والدین کے ملکیت والے گھر و زمین پر قدم رکھو گی تو تم کو فوراً اسی وقت طلاق، طلاق، طلاق۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا میرے لیے گنجائش ہے کہ میں والدین کو راضی کرنے کے لیے یہ تحریر والدین کو نقل کر دوں اور کہہ دوں کہ میں نے اہلیہ کو لکھ کر بھیج دیا، اور میں اپنی اہلیہ سے اس کے بارے میں کوئی تذکرہ نہ کروں تو یہ شرطیہ طلاق معلق ہوگی یا نہیں؟ اور شرط کے پائے جانے پر واقع ہوگی یا نہیں؟ برائے مہربانی جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: زبانی طلاق کی طرح تحریری طلاق بھی معلق ہو جاتی ہے، اور شرط کے پائے جانے پر طلاق واقع ہو جاتی ہے، بنا بریں اگر آپ نے والدین کو طلاق نامہ لکھ دیا اگرچہ اہلیہ کو نہ لکھا اور نہ کوئی تذکرہ کیا پھر بھی طلاق معلق ہو جائے گی، اور والدین کی زندگی میں آپ کی اہلیہ والدین کے گھر جائے گی تو تین طلاق واقع ہو جائے گی، لہذا آپ طلاق نامہ والدین کو بھی نہ لکھیں، ہاں اگر تو یہ کر کے والدین سے یہ کہیں کہ بالکل میں نے بیوی کو خط لکھا ہے، اور خط کا مضمون نہ بتائے اور نہ یہ بتائے کہ میں نے بیوی کو طلاق معلق دی ہے، اور اس خط پر احتیاطاً گواہ بھی رکھ لے تو پھر طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ آپ نے طلاق نامہ لکھا ہی نہیں۔

ملاحظہ فرمائیں ہدایہ میں ہے:

وإذا أضافه إلى شرط وقع عقيب الشرط مثل أن يقول لامرأته إن دخلت الدار فانت

طالق. (الهداية: ۲/۳۸۵).

در مختار میں ہے:

كتب الطلاق إن مستبينا على نحو لوح وقع إن نوى وقيل مطلقاً. وفي الشامية: قوله

كتب الطلاق قال في الهندية: الكتابة على نوعين: مرسومة وغير مرسومة، ونعني

بالمرسومة أن يكون مصدراً ومعنوياً مثل ما يكتب إلى الغائب وغير المرسومة أن لا يكون مصدراً ومعنوياً، وهو على وجهين مستبينة وغير مستبينة، فالمستبينة ما يكتب على الصحيفة والحائط والأرض على وجه يمكن فهمه وقراءته، وغير المستبينة ما يكتب على الهواء والماء وشيء لا يمكن فهمه وقراءته. ففي غير المستبينة لا يقع الطلاق وإن نوى، وإن كانت مستبينة لكنها غير مرسومة إن نوى الطلاق يقع وإلا لا، وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى أولم ينو، ثم المرسومة لا تخلو إما أن أرسل الطلاق بأن كتب: أما بعد فأنت طالق، فكما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة، وإن علق طلاقها بمجيء الكتاب بأن كتب: إذا جاءك كتابي فأنت طالق فجاءها الكتاب فقرأته أولم تقرأ يقع الطلاق كذا في الخلاصة. قوله مطلقاً المراد به في الموضعين نوى أولم ينو. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۴۶/۳، مطلب في الطلاق بالكتابة، سعيد. وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱۱۱/۲، كوئته).

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

طلاق لکھنے اور لکھانے سے بھی واقع ہو جاتی ہے اور طلاق کے اندر جد و ہزل برابر ہے یعنی جعلی طور سے یا مذاق سے بھی اگر طلاق دی جاوے یا دوسرے سے کہہ دے کہ طلاق لکھ دے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۳۶/۹، مدلل مکمل).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

وقوع طلاق کے لیے طلاق نامہ کا عورت تک پہنچنا شرط نہیں صرف لکھنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے اور جس قسم کی طلاق لکھوائی ہے اس قسم کی واقع ہوگی۔ (احسن الفتاویٰ: ۱۳۸/۵). واللہ تعالیٰ اعلم۔

شوہر خط کا منکر ہو تو طلاق کا حکم:

سوال: ایک شخص کچھ مدت کے لئے گھر سے چلا گیا، اس کی طرف سے ایک خط اس کے خسر کو ملا کہ:

”میری طرف سے مہر معاف کرادو، اور بیوی کو میری طرف سے اجازت ہے“ اس پر دستخط بھی موجود نہیں تھے، اس شخص کو جب خبر ملی تو اس نے خط کا انکار کیا، تو کیا اب طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ وقوع طلاق کی بظاہر کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی، اس لئے کہ شخص مذکور خط کا انکار کرتا ہے، اور خط میں طلاق کا کوئی لفظ بھی موجود نہیں ہے، بلکہ صرف اتنی بات ہے کہ میری طرف سے اجازت ہے۔ یہ الفاظ کنایہ میں سے ہے، اور نیت کی ضرورت ہے، اور جب شوہر خود انکار کر دے تو وقوع طلاق کا فیصلہ نہیں ہوگا۔

ملاحظہ فرمائیں شامی میں ہے:

وإن لم يقر أنه كتابه ولم تقم بينة، لكنه وصف الأمر على وجهه لا تطلق قضاء ولا ديانة، وكذا كل كتاب لم يكتب بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق ما لم يقر أنه كتابه.
(فتاویٰ الشامی: ۲۴۷/۳، سعید۔ وکذا فی الفتاویٰ الہندیۃ: ۳۷۹/۱۔ وفتاویٰ محمودیہ: ۵۹۴/۱۲۔ والمحیط البرہانی: ۴۲۹/۳، رشیدیہ)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :

” لا طلاق إلا بعد نکاح “

وعن الشعبي : أنه سئل عن رجل قال لامرأته كل امرأة

أتزوجها عليك فهي طالق؟ قال: فكل امرأة

يتزوجها عليها فهي طالق.

(مصنف ابن ابی شیبہ)

باب..... ﴿٦﴾

تفویض، توکیل

اور تعلیق طلاق کا بیان

باب ﴿۶﴾

تفویض، توکیل اور تعلیق طلاق کا بیان

تفویض طلاق کی ایک صورت:

سوال: ساؤتھ افریقہ میں کورٹ کا قانون ہے کہ جس طرح شوہر کو طلاق کا اختیار ہوتا ہے اسی طرح بیوی کو بھی طلاق کا اختیار ہوتا ہے، لہذا اس قانون کے مطابق کسی نے اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ اگر کورٹ میں بلائے اور طلاق دینے کو کہے تو دیدینا لیکن شرعی طلاق کا جو اختیار مجھے ہے وہ اختیار میں تجھے نہیں دیتا ہوں، اب سوال یہ ہے کہ اس لفظ سے تفویض سمجھی جائے گی یا نہیں؟ اور عورت مطلقہ ہوگی یا نہیں؟

الجواب: شریعت مطہرہ نے طلاق کا مکمل اختیار مرد کو دیا ہے، اگر مرد اپنا اختیار عورت کو دینا چاہے تو دے سکتا ہے، شرعاً اس کو تفویض طلاق کہتے ہیں، لیکن شوہر کی اجازت کے بغیر عورت کو طلاق کا کوئی اختیار نہیں، اگرچہ غیر اسلامی قوانین میں ہو، اسلامی قانون پر اس کا کوئی اثر مرتب نہ ہوگا، اسی مسئلہ کے پیش نظر بصورتِ مسئلہ جب کہ شوہر نے صرف غیر اسلامی قانون کی رعایت کرتے ہوئے کہہ دیا کہ کورٹ میں مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے، ورنہ درحقیقت تفویض کی نیت نہیں تھی، نیز شوہر کے صریح الفاظ ”شرعی طلاق کا جو اختیار مجھے ہے وہ اختیار میں تجھے نہیں دیتا ہوں“ سے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر نے بیوی کو طلاق کا اختیار نہیں دیا، لہذا شرعاً تفویض نہیں ہوئی اور طلاق واقع نہ ہوگی۔

ملاحظہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

أولياء المرأة إذا طلبوا من الزوج أن يطلقها، فقال الزوج لأبيها: ماذا تريد مني أفعَل ما تريد وخرج ثم طلقها أبوها، لم تطلق إن لم يرد الزوج التفويض ويكون القول قوله أنه لم يرد به التفويض، كذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية: ۱/۴۰۷، فصل في المشيئة).
در مختار میں ہے:

(قال لها: اختاري أو أمرک بیدک ينوي) تفويض (الطلاق) لأنها كناية فلا يعملان بلانية (أو طلقي نفسك فلها أن تطلق في مجلس علمها به). وفي الشامية: ثم اعلم أن اشتراط النية إنما هو فيما إذا لم يذكر النفس أو ما يقوم مقامها في كلامه... قوله فلا يعملان بلانية أي قضاء وديانة في حالة الرضاء، أما في حالة الغضب أو المذاكرة فلا يصدق قضاء في أنه لم ينو الطلاق... قوله طلقي نفسك هذا تفويض بالصريح ولا يحتاج إلى نية والواقع به رجعي. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۳۱۵، باب تفويض الطلاق، سعيد).
تقریرات الرافعی میں ہے:

(ثم اعلم أن اشتراط النية إنما هو) كلماتهم متفقة على اشتراط النية وذكر النفس أو ما يقوم مقامها والاكتفاء بذكر النفس عن النية تكون مخالفاً لما اتفقوا على اشتراطه فلا يعول عليه. (تقریرات الرافعی: ۳/۲۱۹، سعيد).
عالمگیری میں ہے:

ثم لا بد من النية في قوله اختاري فإن اختارت نفسها في قوله اختاري كانت واحدة بائة... فإذا اختارت نفسها فأنكر قصد الطلاق فالقول له مع يمينه. (الفتاوى الهندية: ۱/۳۸۸، الباب الثالث في تفويض الطلاق).

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

ولو لم يرد الزوج بالأمر باليد طلاقاً فليس بشيء إلا أن يكون في حالة الغضب أو في

حالة مذاكرة الطلاق فلا يد في الحكم. (الفتاوى التاتارخانية: ۳/۳۲۹، تفويض الطلاق - وكذا في البحر الرائق: ۳/۳۱۱، كوئته). واللہ تعالیٰ اعلم۔

تفويض طلاق اور توکیل طلاق میں فرق:

سوال: تفويض طلاق اور توکیل طلاق میں کیا فرق ہے؟

الجواب: مرد اپنا اختیار اپنی بیوی کو دیدے کہ وہ اس کی طرف سے اپنے اوپر طلاق واقع کر لے، یا کسی اور شخص کو اس بات کا اختیار دیا کہ اگر وہ چاہے تو اس کی بیوی کو طلاق دیدے، تو یہ تفويض ہے۔ اور اگر کسی دوسرے عاقل بالغ کو طلاق دینے کا حکم دے اور اس کے اختیار پر نہ چھوڑے، تو یہ توکیل ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ تفويض تمليک ہے اور توکیل تمليک نہیں ہے، اسی وجہ سے تفويض طلاق میں رجوع صحیح نہیں اور توکیل طلاق میں رجوع صحیح ہے، نیز مالک اپنی مشیت پر عمل کرتا ہے جب کہ وکیل کا مشیت اور رائے سے تعلق نہیں، اس سے فقط فعل مطلوب ہے۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ تفويض مجلس تک محدود ہے برخلاف توکیل کے کہ وہ مجلس تک محدود نہیں ہے۔ بدائع الصنائع میں ہے:

وأما قوله طلقي نفسك فهو تمليك عندنا سواء قيده بالمشيئة أو لا ويقتصر على المجلس... والمراد من المشيئة المذكورة ههنا هو اختيار الإيثار لا اختيار الفعل وتركه لأننا لو حملناه عليه للغا كلامه ولو حملناه على اختيار الإيثار لم يلغ وصيانة كلام العاقل عن اللغو واجب عند الإمكان واختيار الإيثار في التمليك لا في التوكيل لما ذكرنا أن الوكيل يعمل عن رأي المؤكل وتديره وإنما يستعير منه العبارة فقط فكان الإيثار من المؤكل لا من الوكيل وأما المملك فإنما يعمل برأي نفسه وتديره وإيثاره لا بالمملك فكان التقييد بالمشيئة مفيداً والأصل أن التوكيل لغة هو الإنابة والتفويض هو التسليم بالكلية لذلك سمي مشايخنا الأول توكيلاً والثاني تفويضاً، وإذا ثبت أن المقيد بالمشيئة تمليك

والمطلق توکیل و التملیک يقتصر على المجلس لما ذكرنا أن المملك إنما يملك بشرط
الجواب في المجلس... ثم التوكيل لا يقتصر على المجلس. (بدائع الصنائع: ۳/۱۲۳، فصل في
التفويض، سعيد).

فتاویٰ شامی میں ہے:

المراد بالتفويض تملك الطلاق وذكر في الفتح في فصل المشيئة أن صاحب
الهداية جعل مناط الفرق بين التملك والتوكيل مرة بأن المالك يعمل برأي نفسه
بخلاف الوكيل، ومرة بأنه عامل لنفسه بخلافه، ومرة بأنه يعمل بمشيئة نفسه بخلافه... ثم
قال بعد ما بحث في الأولين أن الفرق الثالث أصوب... (وتفويض الطلاق... تملك
فيتوقف على قبولها في المجلس لا توكيل فلم يصح رجوعه) تفريع على كونه ليس توكيلاً،
فإن الوكالة غير لازمة فلو كان توكيلاً لصح عزلها، قال في البحر عن جامع الفصولين:
تفويض الطلاق إليها، قيل هو وكالة يملك عزلها والأصح أنه لا يملكه... (قوله طلقي
نفسك وأخواته متى شئت... فلا يتقيد بالمجلس ولم يصح رجوعه) لأنه ليس توكيلاً بل
لو صرح بتوكيلها لطلاقها يكون تملكاً لا توكيلاً كما في البحر عن الفصولين، (وأما في
طلقي ضرتك أو قوله لأجنبي طلق امرأتي فيصح رجوعه منه ولم يقيد بالمجلس لأنه
توكيل محض) أي بخلاف طلقي نفسك لأنها عاملة لنفسها فكان تملكاً لا توكيلاً بحر،
(وفي طلقي نفسك وضرتك كان تملكاً في حقها) لأنها عاملة فيه لنفسها (توكيل في
حق ضررتها) لأنها عاملة فيه لغيرها، (إلا إذا علقه بالمشيئة فيصير تملكاً) فلا يملك
الرجوع لأنه فوض الأمر إلى رأيه، والمالك هو الذي يتصرف عن مشيئته والوكيل
مطلوب منه الفعل شاء أو لم يشأ. (فتاوى الشامى: ۳/۳۱۵-۳۱۷، سعيد- وكذا في الهداية: ۲/۳۸۱-.

ومجموعه قوانين اسلامي: ۱۵۰ دفعه ۳۵). واللہ تعالیٰ اعلم۔

تفویض طلاق کے بعد رجوع کرنے کا حکم:

سوال: اگر کسی نے بیوی کو تفویض طلاق کر لی یعنی طلاق کا اختیار دیدیا تو اب اس کو واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ تفویض طلاق کے بعد رجوع نہیں کر سکتا ہے یعنی شوہر عورت کو طلاق کا اختیار دینے کے بعد واپس نہیں لے سکتا ہے۔
ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

وإن قال طلقي نفسك فليس له أن يرجع عنه لأن فيه معنى اليمين لأنه تعليق الطلاق بتطليقها واليمين تصرف لازم. (الهداية: ۲/۳۸۱، باب تفويض الطلاق).

وفی الدر المختار: ولا يملك الزوج الرجوع عنه أي عن التفويض. (الدر المختار: ۳/۳۳۲، باب المشيئة، سعيد۔ وکذا فی الہندیۃ: ۱/۳۸۷).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

تفویض طلاق کے بعد شوہر اس سے رجوع نہیں کر سکتا ہے۔ (مجموعہ قوانین اسلامی: ۱۵۴ دفعہ ۴۲).

واللہ تعالیٰ اعلم۔

تفویض طلاق کا مجلس تک محدود رہنے کا حکم:

سوال: کیا تفویض طلاق مجلس تک محدود رہتی ہے یا ہمیشہ کے لیے ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ اگر شوہر نے اپنی بیوی کو ہمیشہ کے لیے اختیار نہیں دیا اور کوئی مدت بھی متعین نہیں کی تو ایسی صورت میں اسی مجلس تک تفویض طلاق محدود رہے گی، لیکن اگر شوہر نے بیوی کو ہمیشہ کے لیے اختیار دیا مثلاً یہ کہا کہ جب چاہو اپنے اوپر طلاق واقع کرلو، تو ہمیشہ کے لیے اختیار حاصل ہوگا، اور اگر کوئی مدت مقرر کر دی ہے، تو اسی مدت تک اختیار حاصل رہے گا، غرض یہ ہے کہ شوہر کے الفاظ سے فیصلہ کیا جائے گا۔

ملاحظہ فرمائیں بدائع الصنائع میں ہے:

فإن كان مطلقاً بأن قال: أمرک بیدک فشرط بقاء حکمہ بقاء المجلس وهو مجلس علمها بالتفویض فما دامت في مجلسها فالأمر بیدها... وسواء قصر المجلس أو طال لأن ساعات المجلس جعلت كساعة واحدة، فإن قامت عن مجلسها بطل لأن الزوج يطلب جواب التملیک فی المجلس والقیام عن المجلس دلیل الإعراض عن جواب التملیک... هذا إذا كان التفویض مطلقاً عن الوقت فأما إذا كان موقتاً فإن أطلق الوقت بأن قال: أمرک بیدک إذا شئت أو إذا ما شئت أو متى شئت أو حیثما شئت فلها الخيار فی المجلس وغير المجلس ولا یتقید بالمجلس حتی لو ردت الأمر لم یکن رداً ولو قامت من مجلسها أو أخذت فی عمل آخر أو کلام آخر فلها أن تطلق نفسها لأنه ما ملکها الطلاق مطلقاً لیكون طالباً جوابها فی المجلس بل ملکها فی أي وقت شاءت... فإن وقته بوقت خاص بأن قال: أمرک بیدک يوماً أو شهراً أو سنة أو قال اليوم أو الشهر أو السنة أو قال: هذا اليوم أو هذا الشهر أو هذه السنة لا یتقید بالمجلس ولها الأمر فی الوقت کله تختار نفسها فیما شاءت منه. (بدائع الصنائع: ۱۱۳/۳-۱۱۵، سعید).

وکذا فی الدر المختار: ۳۳۲/۳، فصل فی المشیئة، سعید۔ والفتاویٰ الہندیة: ۱/۳۹۰۔ ومجموعہ قوانین اسلامی: ۱۵۱، دفعہ ۳۶۔ وفتاویٰ محمودیہ: ۱۳/۱۳۹، محبوب و مرتب۔ واللہ اعلم۔

”پہلی طلاق شوہر کا حق دوسری بیوی کا حق اور تیسری شوہر کا حق“ کہنے کا حکم:

سوال: میاں بیوی نے نکاح کے وقت یہ شرط لگائی کہ پہلی طلاق دینے کا حق شوہر کو ہوگا اور دوسری طلاق بیوی کی ملک میں ہوگی، اور تیسری طلاق کا حق شوہر کا ہے، اس ترتیب سے تفویض صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ عورت کو ایک طلاق کی تفویض صحیح اور درست ہوگئی، اب عورت ایک طلاق اپنے اوپر واقع کر سکتی ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ شوہر کے پاس صرف دو طلاقیں رہ گئیں، بلکہ حسب

سابق شوہر تینوں طلاقوں کا مالک ہے، لہذا اگر شوہر نے تین طلاق دیدی تو اس کی زوجہ پر تین واقع ہو جائیں گی۔ البتہ مذکورہ بالا صورت میں چونکہ ترتیب کی شرط لگائی ہے لہذا اس کا اعتبار کرتے ہوئے جب شوہر ایک طلاق دے گا اس کے بعد ہی بیوی کو ایک طلاق کا اختیار ہوگا اس سے قبل طلاق واقع کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔
مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

شوہر نے اگر عد طلاق یا وصف طلاق ذکر کرتے ہوئے تفویض یا توکیل کو عورت یا وکیل کی مشیت کی شرط کے ساتھ مقید کر دیا ہو تو شوہر کے ذکر کردہ عدد یا وصف کی رعایت ضروری ہوگی، مخالفت کی صورت میں طلاق نہ پڑے گی۔

قال فی الدر: طلقی نفسک ثلاثاً إن شئت فطلقت واحدة و کذا عکسہ لایقع فیہما لاشتراط الموافقة لفظاً (قوله لا اشتراط الموافقة لفظاً... ان اشتراط الموافقة لفظاً خاص بالمعلق بالمشیئة فيكون تعليقاً للإتيان بصورة اللفظ. "الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۳۳۴، فصل فی المشیئة، سعید۔ و هكذا فی الهدایة علی فتح القدیر: ۳/۱۱۸۔" (مجموعہ قوانین اسلامی: ۱۵۳، دفعہ ۴۰)۔
جدید فقہی مسائل میں ہے:

تفویض کی ایک صورت یہ ہے کہ ایجاب و قبول ہی میں تفویض طلاق کر دیا جائے، درست ہے، البتہ ضروری ہے کہ ایجاب عورت کی طرف تفویض طلاق سے مشروط ہو اور مرد اس کو قبول کر لے، اگر مرد کی طرف سے ایجاب ہو اور وہ ایجاب کے ساتھ تفویض طلاق کرے اور عورت قبول کرے، تو اس کا اعتبار نہیں، خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے: وعلى هذا لو تزوج امرأة على أنها طالق أو على أن أمرها بیدها تطلق نفسها كلما تريد لایقع الطلاق ولا یصیر الأمر بیدها ولو بدأت المرأة فقالت: زوجت نفسي منك على أني طالق أو على أن أمري بيدي أطلق نفسي كلما أريد فقال الزوج: قبلت، وقع الطلاق وصار الأمر بیدها. (خلاصۃ الفتاویٰ: ۲/۲۹، ط: المكتبة الرشیدیة)۔

خلاصہ ہی کے حوالہ سے اس کو ابن نجیم نے (البحر الرائق: ۳/۳۱۸)۔ اور ابن نجیم کے حوالہ سے علامہ شامی نے (رد المحتار) بھی اس کو نقل کیا ہے فتاویٰ بزاز یہ میں بھی تفویض طلاق کی اسی صورت کو کسی قدر قیود و حدود کی پابندی کے ساتھ اس طرح ذکر کیا گیا ہے۔ إذا خافت المرأة أنه إذا تزوجها لا يجعل الأمر بیدها بعد التزوج

تقول زوجت نفسي منك بكذا على أن أمري بيدي، أطلق نفسي منك بائناً متى شئت كلما ضربتني بغير جنابة أو تزوجت عليّ أخرى أو اشتريت أو غبت عني سنة. (البرازية: ۴/ ۲۳۴) یہ شوہر کی جانب سے لازم ہے۔ (جدید فقہی مسائل: ۳/ ۴۶، اشتراط فی النکاح)۔
مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

تفویض یا توکیل کی وجہ سے خود شوہر کا حق طلاق ختم نہیں ہوتا۔ (مجموعہ قوانین اسلامی: ۱۵۴)۔

جدید فقہی مباحث میں ہے:

شریعت نے جو طلاق کا اختیار مردوں کو دیا ہے، یہ اختیار تفویض کے نتیجے میں عورت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، تو اس انتقال اختیار کی وجہ سے مصالح شرع کے ضیاع کا کوئی خطرہ نہیں، کیونکہ عورت کو اختیار دینے کے باوجود شوہر کو از خود طلاق واقع کرنے کا اختیار ختم نہیں ہوتا بلکہ بدستور سابق باقی رہتا ہے۔ (جدید فقہی مباحث: ۳۵۳/۱۱) واللہ تعالیٰ اعلم۔

”إن دخلت دار أمك فانت طالق ثلاثاً“ سے تعلیق کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا ”إن دخلت دار أمك فانت طالق ثلاثاً“ تو کیا دخول دار سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ نیز اس تعلیق سے بچنے کا کوئی راستہ نکل سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ تعلیق صحیح ہے، بیوی اگر اپنی والدہ کے گھر جائے گی تو تین طلاق واقع ہو جائے گی، اور بغیر شرعی حلالہ کے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی۔

ہاں اس تعلیق سے بچنے کا ایک راستہ یہ نکل سکتا ہے، کہ شوہر بیوی کو ایک طلاق دیکر الگ کر دے، پھر عدت کے بعد عورت اپنی والدہ کے گھر چلی جائے گی تو اس وقت تعلیق پوری ہو جائے گی چونکہ دخول دار کے وقت اس مرد کے نکاح میں نہیں ہے، لہذا تین طلاق واقع نہ ہوگی، پھر مرد تجدید نکاح کر لے اسکے بعد بیوی اپنی ماں کے گھر جاتی رہے، لیکن یہ حیلہ اس وقت مفید اور کارآمد ثابت ہوگا جب کہ بیوی اب تک اپنی ماں کے گھر نہیں گئی، اگر گئی ہو تو اس پر تین طلاقیں واقع ہو گئیں۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

وإذا أضافه إلى شرط وقع عقيب الشرط مثل أن يقول لامرأته إن دخلت الدار فانت طالق وهذا بالاتفاق لأن الملك قائم في الحال، والظاهر بقاؤه إلى وقت وجود الشرط فيصح يميناً أو إيقاعاً. (الهداية: ۲/۳۸۵، باب الايمان في الطلاق).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وإذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقاً مثل أن يقول لامرأته إن دخلت الدار فانت طالق. (الفتاوى الهندية: ۱/۴۲۰، فصل في تعليق الطلاق).

وفى الدر المختار: وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقاً لكن إن وجد في الملك طلقت وعق و إلا لا، فحيلة من علق الثلاث بدخول الدار أن يطلقها واحدة ثم بعد العدة تدخلها فتحل اليمين فينكحها. (الدر المختار: ۳/۳۵۵، باب التعليق، سعيد). والله أعلم۔

”اگر میں لینس گیا تو مجھ پر تین طلاق“ کہنے کا حکم:

سوال: اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر میں لینس گیا تو مجھ پر تین طلاق اور وہ شخص لینس گیا لیکن وہ کہتا ہے کہ میں بھول گیا تھا مجھے اپنی تعلیق یاد نہیں تھی، تو اس صورت میں اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورت مسئلہ شخص مذکور کی بیوی پر قضاء طلاق واقع ہوگئی، لیکن دیانۃ طلاق واقع نہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ میں ہے:

سنل في رجل حلف بالطلاق أن لا يسافر حتى يعطى زوجته خرجية فسار ولم يعطها خرجية وادعى أنه نسي ذلك فهل يقع عليه الطلاق المذكور (الجواب) نعم، يقع طلاق الساهي قضاءً فقط والمعتمد أن السهو والنسيان مترادفان كما في الأشباه. (تنقيح الفتاوى

الحامدية: ۱/۳۶، دار الاشاعة العربية).

در مختار میں ہے:

ويقع طلاق كل زوج بالغ عاقل... أو مخطئاً... أو غافلاً أو ساهياً... يقع قضاءً فقط.
 وفي الشامية: قوله أو غافلاً أو ساهياً فالظاهر أن المراد هنا بالغافل الناسي بقريضة عطف
 الساهي عليه، وصورته أن يعلق طلاقها على دخول الدار مثلاً فدخلها ناسياً التعليق أو ساهياً،
 قوله يقع قضاءً متعلق بالمخطئ وما بعده، لكن في وقوعه في الساهي والغافل على ما صورناه
 لا يظهر التقييد بالقضاء، إذ لا فرق في مباشرة سبب الحث بين التعمد وغيره. (الدر المختار مع
 رد المحتار: ۲۴۱/۳، كتاب الطلاق، سعيد).

وفي حاشية الطحطاوي على الدر: قوله أو ساهياً صورته أن يحلف أن لا يلفظ
 بالطلاق فجري على لسانه الطلاق سهواً منه. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۲/۱۰۹، كوئته).
 واللہ تعالیٰ اعلم۔

”مکان میں جاؤ تو واپس نہ آنا“ اس جملہ سے تعلیق کا حکم:

سوال: شوہر نے بیوی سے کہا ”اس مکان میں نہ جاؤ اگر چلی گئی تو واپس مت آنا“ ان الفاظ سے تعلیق
 صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ یہ الفاظ کنایہ میں سے ہے، اگر شوہر نے طلاق کی نیت کی ہے تو تعلیق صحیح ہے
 اور مکان میں جانے پر طلاق واقع ہو جائے گی، ورنہ بغیر نیت کے طلاق واقع نہیں ہوگی۔
 ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

إذا أضافه إلى شرط وقع عقيب الشرط مثل أن يقول لامرأته إن دخلت الدار فأنت
 طالق وهذا بالاتفاق لأن الملك قائم في الحال والظاهر بقاؤه إلى وقت وجود الشرط
 فيصح يميناً وإيقاعاً. (الهداية: ۲/۳۸۵، باب الايمان في الطلاق).
 در مختار میں ہے:

الكنایات لا تطلق بها قضاءً إلا بنية أو بدلالة الحال، قوله قضاءً قيد به لأنه لا يقع ديانةً

بدون النية، ولو وجدت دلالة الحال فوقه بواحد من النية أو دلالة الحال إنما هو في القضاء فقط. (الدر المختار مع رد المختار: ۲۹۶/۳، باب الكنايات، سعيد).

فتاویٰ دارالعلوم میں ہے:

اگر صریح طلاق معلق کی ہے، تو بعد تحقیق شرط رجعی طلاق واقع ہوگی اور اگر بائنہ کو معلق کیا ہے، تو بائنہ واقع ہوگی، غرض جیسی طلاق معلق کی ہے بوقت تحقیق ویسی ہی واقع ہوگی۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۹۱/۱۰، مدلل مکمل۔ و فتاویٰ ریمیہ: ۳۰۸/۶). واللہ تعالیٰ اعلم۔

”جب ہوا چلے گی تو تجھ کو طلاق“ سے تعلیق کا حکم:

سوال: کسی نے بیوی سے کہا جب ہوا چلے گی تو تجھ پر طلاق تو اس کا کیا حکم ہے؟ تعلیق صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ یہ شرط ”جب ہوا چلے گی“ باطل ہے اور طلاق فی الحال واقع ہو جائے گی۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

فأما لا يصح التعليق بمجرد الشرط كقوله إن هبت الريح أو جاء المطر وكذا إذا جعل واحداً منهما أجلاً إلا أنه يصح الكفالة ويجب المال حالاً لأن الكفالة لما صح تعليقاً بالشرط لا تبطل بالشروط الفاسدة، كالطلاق والعتاق. (الهداية: ۱۱۷/۳، كتاب الكفالة).

وفي البناية في شرح الهداية للعلامة العيني: قوله كالطلاق والعتاق أي كما أن الشرط المجهول في الطلاق والعتاق يبطل ويصح الطلاق والعتاق، بأن قال: أعتقت عبدي أو طلقته امرأتني إلى قدوم الحاج أو الحصاد أو القطاف. (البناية في شرح الهداية: ۲۳۹/۳، المكتبة الامدادية۔ وفتح القدير: ۱۸۶/۷، دار الفكر۔ والعناية على هامش الفتح: ۱۸۷/۷، دار الفكر).

در مختار میں ہے:

وشرط صحته كون الشرط معدوماً على خطر الوجود، وفي الشامية: قوله على خطر الوجود أي متردداً بين أن يكون وأن لا يكون لا مستحيلاً ولا متحققاً لا محالة لأن الشرط

للحمل والمنع وکل منهما لا یصور فیہما، شرح التحریر . (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۳۴۲، باب
التعلیق، سعید). واللہ تعالیٰ اعلم۔

”فلان چیز دیکھوں تو میری بیوی کو طلاق“ کہنے سے تعلیق کا حکم:

سوال: اگر کسی نے نکاح کے بعد یوں کہا کہ ”اگر میں نے فلان چیز کو دیکھا تو میری بیوی کو طلاق“ اور
اس آدمی نے اس چیز کو دیکھ لیا، لیکن اب تک دخول و خلوت صحیحہ نہیں ہوئی تو کیا طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ نیز طلاق
ہوگئی تو یہ شخص اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور حلالہ کی ضرورت ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ طلاق معلق شرط کے پائے جانے کی وجہ سے واقع ہوگئی، ہاں دوبارہ اس
عورت سے نکاح کرنے کے بعد ساتھ رہنے کی اجازت ہے، اور حلالہ کی ضرورت نہیں ہے۔
ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

إذا أضافه إلى شرط وقع عقيب الشرط مثل أن يقول لامرأته إن دخلت الدار فانت
طالق وهذا بالاتفاق لأن الملك قائم في الحال والظاهر بقاؤه إلى وقوع وجود الشرط
فيصح يميناً وإيقاعاً. (الهداية: ۲/۳۸۵، باب الايمان في الطلاق)؛

وفيه: وإذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها لأن
المحلية باقية لأن زواله معلق بالطلقة الثالثة فينعدم قبله. (هداية: ۲/۳۹۹، باب الرجعة).
فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

اگر نکاح کا ایجاب و قبول ہونے کے بعد تنہائی و یکجائی ہونے سے پہلے ہی طلاق دیدی خواہ ایک
یا دو طلاق دی ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ طرفین کی رضامندی سے دوبارہ نکاح کی اجازت ہے، حلالہ کی ضرورت
نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۳/۳۶۴، باب و مرتب). واللہ تعالیٰ اعلم۔

”اگر وجہ بیان نہیں کرتی تو ایک طلاق کے ساتھ الگ ہو جا“ کہنے کا حکم:

سوال: شوہر بیوی کے درمیان اختلاف و جھگڑا ہوا، دوران گفتگو بیوی نے شوہر سے کہا میں تجھ سے الگ ہونا چاہتی ہوں، اور الگ ہونے سے طلاق مراد نہیں تھی، شوہر نے الگ ہونے کی وجہ کافی اصرار کے ساتھ دریافت کی، بیوی نے وجہ بیان کرنے سے انکار کر دیا، آخر شوہر نے کہا: اگر تو وجہ بیان نہیں کرتی تو ایک طلاق کے ساتھ الگ ہو جا، بیوی نے کہا ٹھیک ہے، اب طلاق کا کیا حکم ہے، معلق ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ شوہر نے بیوی کو طلاق معلق دی یعنی ”اگر تو وجہ بیان نہ کرے تو تجھے ایک طلاق“ اور عدم بیان اس وقت معلوم ہوگا جب کہ شوہر یا بیوی کا انتقال ہو جائے، لہذا شوہر یا بیوی کے انتقال سے پہلے طلاق واقع نہ ہوگی، اور اگر عورت وجہ بیان کر دے گی تو طلاق معلق ساقط ہو جائے گی۔
خلاصہ یہ ہے کہ فی الحال کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ولو قال: أنت طالق إن لم أطلقك، لم تطلق حتى يموت لأن العدم لا يتحقق إلا باليأس عن الحياة وهو الشرط كما في قوله إن لم آت البصرة، وموتها بمنزلة موته هو الصحيح. (الهداية: ۲/۳۶۵، باب إيقاع الطلاق).

فتح القدیر میں ہے:

قوله ولو قال: أنت طالق إن لم أطلقك، لم تطلق حتى يموت باتفاق الفقهاء لأن الشرط أن لا يطلقها وذلك لا يتحقق إلا باليأس عن الحياة لأنه متى طلقها في عمره لم يصدق أنه لم يطلقها بل صدق نقيضه وهو أنه طلقها واليأس يكون في آخر جزء من أجزاء حياته ولم يقدره المتقدمون بل قالوا: تطلق قبيل موته، فإن كانت مدخولاً بها ورثته بحكم الفرار وإلا لآثرته، وقوله وهو الشرط يعني العدم، قوله كما في قوله إن لم آت البصرة، إعطاء نظير، والمراد أن كل شرط يان منفي حكمه كذلك وهو أن لا يقع الطلاق أو العتاق

إذا علق به إلا بالموت كما ذكرنا وزاد قيداً حسناً في المبتغى بالغين المعجمة، قال: إذا قال لامرأته: إن لم تخبريني بكذا فأنت طالق ثلاثاً فهو على الأبد إذا لم يكن ثمة ما يدل على الفور، انتهى. (فتح القدیر: ۴/۳۱، باب ایقاع الطلاق، دار الفکر). واللہ تعالیٰ اعلم۔

تعليق اور تنجیز میں زوجین کے اختلاف کا حکم:

سوال: میاں بیوی کے درمیان جھگڑا اور اختلاف ہو گیا، اور اس درمیان شوہر نے کہا ”میں ابھی یہاں سے رخصت ہوں گا تو تجھے دو طلاق کے ساتھ چھوڑ کر رخصت ہوں گا“ بیوی کا بیان ہے کہ شوہر کے یہ الفاظ تھے ”میں تجھے دو طلاق کے ساتھ چھوڑ رہا ہوں“ پھر شوہر چار پانچ روز کے بعد سفر پر روانہ ہو گیا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کس کا قول معتبر ہوگا اور طلاق ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ شوہر طلاق معلق کا دعویٰ کرتا ہے اور عورت فوری طلاق کو بیان کرتی ہے، لہذا عورت کے ذمہ دو گواہ پیش کرنا ضروری ہے، اور اگر دو گواہ پیش نہ کر سکے تو شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا، اور اگر عورت نے گواہ پیش کر دیے تو دو طلاق رجعی واقع ہو گئی، اور شوہر کو رجعت کا اختیار ہے عدت ختم ہونے سے پہلے اور عدت کے بعد عورت کی رضا مندی سے بغیر حلالہ کے تجدید نکاح کر سکتا ہے۔ اور اگر عورت گواہ پیش کرنے سے قاصر ہے تو قسم کے ساتھ شوہر کا قول معتبر ہوگا اور طلاق معلق ہوگی، پھر تعلیق کی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوئی، کیونکہ شوہر نے کہا ابھی میں رخصت ہوتا ہوں، اور وہ اس وقت نہیں گیا چار پانچ روز کے بعد روانہ ہوا۔

ملاحظہ ہوشامی میں ہے:

(فإن اختلفا في وجود الشرط فالقول له مع اليمين إلا إذا برهنت) قوله في وجود الشرط أي أصلاً أو تحقيقاً كما في شرح المجمع: أي اختلفا في وجود أصل التعليق بالشرط، أو في تحقق الشرط بعد التعليق، وفي البرازية: ادعى الاستثناء أو الشرط فالقول له، ثم قال: وذكر النسفي: ادعى الزوج الاستثناء وأنكرت فالقول لها ولا يصدق بلائنه، وإن ادعى تعليق الطلاق بالشرط وادعت الإرسال فالقول له. (فتاویٰ الشامی: ۳/۳۵۶، مطلب

اختلاف الزوجین فی وجود الشرط، سعید).

ہدایہ میں ہے:

وإن اختلفا فی الشرط فالقول قول الزوج إلا أن تقيم المرأة البينة لأنه متمسك بالأصل وهو عدم الشرط ولأنه منكر وقوع الطلاق وزوال الملك والمرأة تدعيه. (الهداية: ۲/۳۸۶).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

تعلیق اور وجود شرط میں بینہ زوجہ پر ہے ورنہ قول زوج مع الیمین قبول ہوگا۔ (احسن الفتاویٰ: ۵/۱۹۶).
واللہ تعالیٰ اعلم۔

”بیوی کی اجازت کے بغیر نکاح کروں تو طلاق“ کہنے کا حکم:

سوال: زید نے اللہ کا نام لے کر قسم کھائی اور اپنی بیوی اور دو مذکر گواہوں کے سامنے یہ کہا کہ میں اگر پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر کسی عورت سے نکاح کروں تو اس کو یعنی دوسری بیوی کو طلاق، اب زید نے پہلی کی اجازت کے بغیر دوسرا نکاح کر لیا، اور زید یوں کہتا ہے کہ اس کا دوسرا نکاح برقرار ہے کیونکہ بعض مفتیان کرام نے بتلایا کہ قسم توڑنے کی وجہ سے اس پر کفارہ لازم ہے اور اس نے کفارہ ادا کر دیا، تو اب زید کی دوسری شادی کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ طلاق معلق میں شرط پائی گئی یعنی بغیر اجازت زید نے دوسرا نکاح کر لیا لہذا دوسری بیوی کو طلاق واقع ہوگئی، نیز قسم توڑنے کی وجہ سے کفارہ بھی لازم ہوا۔
ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

إذا أضاف الطلاق إلى النكاح وقع عقيب النكاح مثل أن يقول لامرأة إن تزوجتك فأنت طالق... أن هذا تصرف يمين لوجود الشرط والجزاء فلا يشترط لصحته قيام الملك في الحال لأن الوقوع عند الشرط. (الهداية: ۲/۳۸۵، باب الايمان في الطلاق).

درمختار میں ہے:

لا تطلق الجديدة في قوله للقدیمة إن نکحتها أي فلانة عليك فهي طالق إذا نکح فلانة عليها في عدة البائن، فلو نکح في عدة الرجعي أو لم يقل عليك طلقت الجديدة. (الدرالمختار: ۳/۳۶۵، باب التعليق، سعيد). واللہ تعالیٰ اعلم۔

تعلیق طلاق کی ایک صورت:

سوال: ایک شخص کی بیوی ناراض ہو کر چلی گئی، شوہر نے کہا اگر تم یکم جنوری ۲۰۱۰ تک نہیں آئی، تو نکاح ختم اور فسخ ہے، مذکورہ تاریخ تک بیوی نہیں آئی، اب بیوی پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور طلاق واقع ہونے کی صورت میں کونسی طلاق ہوئی؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ شخص مذکور نے طلاق کی نیت سے کہا تھا تو اس کی بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہو گئی، چونکہ عرف میں نکاح ختم ہونا تعلقات ختم ہونے کے لیے استعمال ہوتا ہے اس لیے بظاہر نیت کی ہوگی۔

ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

ولو قال لها لانکاح بيني وبينك أو قال لم يبق بيني وبينك نکاح أو قال فسخ نکاح يقع الطلاق إذا نوى. (فتاویٰ قاضیخان علی هامش الہندیۃ: ۱/۴۶۸). واللہ تعالیٰ اعلم۔

”مجھے دوبارہ فون کر لے تو سمجھ لیجئے کہ طلاق“ کہنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی زوجہ کو دو طلاق دیکر رجعت کر لی، حال میں دونوں ٹیلی فون پر گفتگو کر رہے تھے کہ جھگڑے کی صورت پیدا ہو گئی، اور غصہ میں مرد نے بیوی سے فون پر یہ کہا: اگر تو مجھے دوبارہ فون کرے گی تو سمجھ لیجئے کہ تیسری طلاق واقع ہو چکی، اس جملہ سے قبل زوج نے یہ بھی کہا تھا کہ میں تجھے طلاق دوں گا، عورت کہتی

ہے کہ یہ پہلا جملہ ”میں تجھے طلاق دوں گا“ سن کر میں نے فون نیچے رکھ دیا، پس آگے جو بھی شوہر نے کہا وہ میں نے نہیں سنا، اس گفتگو کے پندرہ منٹ بعد زوجہ نے شوہر کو فون کیا معافی کی غرض سے، اب چونکہ زوجہ نے تعلیق نہیں سنی تھی تو شرط پائے جانے پر تیسری طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ ان الفاظ سے ”اگر تو مجھے دوبارہ فون کر لے تو سمجھ لیجئے کہ تیسری طلاق واقع ہو چکی“ طلاق واقع نہیں ہوئی۔
ملاحظہ فرمائیں عالمگیری میں ہے:

دادہ انگار او کرده انگار لایقع وان نوى ولو قال لها بعد ما طلبت الطلاق. (الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۳۸۰).

فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

امراة قالت لزوجها مرا طلاق ده قال الزوج دادہ انگار او کرده انگار لایقع الطلاق و
ان نوى. (فتاویٰ قاضیخان: ۲/۲۱۰)۔
نیز مرقوم ہے:

كانه قال لها بالعربية: احسبي انك طالق وان قال ذلك لایقع وان نوى.
(قاضیخان: ۲/۲۱۰)۔

اردو فتاویٰ میں حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی عثمانی نے امداد الاحکام: ۲/۲۲۳ پر یہ مسئلہ تحریر فرمایا ہے وہاں
ملاحظہ فرمالیا جائے۔

باقی رہا یہ مسئلہ کہ اگر بیوی کو خطاب کیا اور وہ ٹیلی فون سے اٹھ گئی تھی تو اس میں فقیر کی رائے یہ ہے کہ طلاق واقع ہوگی، اس کو اس طرح سمجھ لیجئے جیسے کوئی شخص بیوی کو طلاق کا خط لکھ کر خط اس کے مکان پر پہنچا دے، اور بیوی گھر پر موجود نہ ہو تو طلاق واقع ہو جائے گی۔
درمختار میں ہے:

ثم المرسومة لا تخلو إما أن أرسل الطلاق بأن كتب أما بعد فأنت طالق فكما كتب

هذا يقع الطلاق. (الدر المختار مع الشامی: ۳/۲۹۶، سعید).

یہ مسئلہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کی پہلی جلد عزیز الفتاویٰ میں بھی موجود ہے، لیکن غالباً اس میں ایک لفظ لکھنے سے رہ گیا ہے عنوان ہے، وقوع طلاق کے لیے زوجہ کا سامنے ہونا شرط نہیں ہے: پھر سوال کے الفاظ یہ ہیں زید نے اپنی زوجہ کو جب کہ وہ اس کے سامنے تھی، یہاں غالباً ”نہیں“ کا لفظ رہ گیا ہے، کیونکہ جواب میں یہ الفاظ ہیں: سامنے ہونا زوجہ کا وقوع طلاق کے لیے ضروری نہیں... الحاصل حاضر ہونا عورت کا بوقت طلاق شرط نہیں۔ (عزیز الفتاویٰ: جلد اول: ۴۸۲، دارالاشاعت). واللہ تعالیٰ اعلم۔

”تقریر سنوں تو میری بیوی کو طلاق“ کہنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے زید کو بتلایا کہ فلاں مولوی صاحب کی تقریر مت سنو اس کی تقریر میں زہر بھرا ہوا ہے، زید نے کہا: اگر میں فلاں مولوی صاحب کی تقریر سنوں تو میری بیوی پر تین طلاق، پھر زید نے ٹیپ ریکارڈ سے بیان سنا، تو طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ اگر ٹیپ ریکارڈ سے بیان سنا تو زید کی بیوی پر طلاق نہیں پڑے گی اس لیے کہ اس نے تقریر و بیان کا عکس سنا بعینہ بیان نہیں سنا جیسے ٹیپ ریکارڈ سے آیت سجدہ سننے سے سجدہ تلاوت لازم نہیں ہوتا یا آواز بازگشت سے سجدہ تلاوت لازم نہیں ہوتا، مسئلہ طلاق بھی اسی طرح ہے۔
ملاحظہ ہو آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام میں ہے:

ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ جو آیت سجدہ سنی جائے اس کا وہی حکم ہے جو گراموفون کے ریکارڈ کا کہ اس کے سننے سے سجدہ تلاوت واجب نہیں ہوتا، کیونکہ سجدہ تلاوت کے وجود کے لیے تلاوت صحیحہ شرط ہے اور آلہ بے جان بے شعور سے تلاوت مقصود نہیں۔ (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، ص ۲۲۳).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص ۴۸۶، و نظام الفتاویٰ: ۱/۷۲، و فتاویٰ محمودیہ: ۷/۴۷۲، و احسن الفتاویٰ: ۴/۶۵، و فتاویٰ دارالعلوم زکریا: ۲/۴۷۸).

نوٹ: عام طور پر کتابوں میں مرقوم ہوتا ہے کہ تعلیق الطلاق میں یمین پوشیدہ ہے سو وہ اس طور پر کہ جس طرح یمین توڑنے سے اس پر کفارہ مرتب ہوتا ہے، اسی طرح تعلیق کے بعد طلاق مرتب ہوتی ہے، ورنہ تعلیق طلاق میں حقیقی و اصطلاحی یمین نہیں ہے، لہذا طلاق کا مدار حقیقت پر ہوگا اور تقریر کا عکس سننے سے طلاق واقع نہ ہوگی، برخلاف یمین کے کہ کتاب الایمان میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ تقریر کا عکس سننے سے حانث ہو جائیگا۔
واللہ تعالیٰ اعلم۔

”جب بھی میں شادی کروں تو میری بیوی کو طلاق“ کہنے کا حکم:

سوال: اگر کسی نے کہا کہ میں جب بھی شادی کروں تو میری بیوی کو طلاق، اب اس شخص کی شادی کا کیا طریقہ ہے، جب کہ وہ شادی کا شوق بھی رکھتا ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ ایسا شخص شافعی قاضی کے پاس اپنا مقدمہ لے جائے، اور چونکہ شوافع کے نزدیک جب وہ شخص یہ جملہ کہے گا، تو لغو ہو جائے گا، کیونکہ اس کے وقوع کا کوئی محل نہیں ہے، پھر قاضی تعلیق ختم کر دے گا، اب وہ شخص شادی کرے گا تو طلاق واقع نہیں ہوگی، ورنہ مذہب احناف کے مطابق جب بھی وہ شادی کرے گا اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی۔

دوسرا حیلہ یہ ہے کہ کوئی فضولی اس شخص کا نکاح کرادے اور وہ شخص اس نکاح کو بالفعل قبول کرے۔

ملاحظہ ہو علامہ شامی فرماتے ہیں:

قال فی البحر: وللحنفی أن یرفع الأمر إلى شافعی یفسخ الیمین المضافة، فلو قال: إن تزوجت فلانة فہی طالق ثلاثاً فتزوجها فخاصمتہ إلى قاض شافعی وادعت الطلاق فحكم بأنہا امرأته وإن الطلاق لیس بشیء حل له ذلك. (فتاویٰ الشامی: ۳/ ۳۴۶، مطلب فی فسخ الیمین المضافة إلى الملك، سعید).

وفی الدر المختار: کل امرأة تدخل فی نکاحی أو تصیر حلالاً لی فکذا فأجاز فضولی

بالفعل لا یحنت. (الدرالمختار: ۳/۸۴۶، باب الیمین فی الضرب...، سعید).

وفی الشامی: ۳/۸۴۸، باب التعلیق، سعید).
 الفصولی فی زوجه العالم امرأۃ ویجیز بالفعل فلا یحنت. (فتاوی الشامی: ۳/۸۴۸، باب التعلیق، سعید).
 فتاوی سراجیہ میں ہے:

القاضي إذا فوض إلى شافعي ليقضي بطلان اليمين بالطلاق جاز وعليه الفتوى.
 (الفتاوی السراجیة: ص ۱۱۹، کتاب القضاء، باب المتفرقات). واللہ اعلم۔

تعلیق طلاق میں شافعی قاضی سے فیصلہ کرانے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے یہ کہا کہ اگر میں کسی بھی عورت سے نکاح کروں تو اس کو طلاق ہے۔ حنفیہ کے نزدیک جس لڑکی سے بھی نکاح کرے گا، تو اس کو طلاق واقع ہو جائے گی۔
 یا ایک شخص نے ایک عورت کو شہوت کے ساتھ مس کیا، اور پھر لاعلمی میں اس عورت کی لڑکی سے نکاح کیا، اور اس لڑکی سے اولاد ہوئی۔ یا اولاد نہیں ہوئی لیکن اس سے محبت ہے، اب اگر کوئی حنفی مفتی یا قاضی اس جوڑے کو کسی شافعی کے پاس بھیج دے، اور شافعی قاضی یا جمعیت کے شافعی علماء پہلی صورت میں نکاح کو جائز قرار دے اور طلاق کو کالعدم قرار دے، اور دوسری صورت میں اس لڑکی کے نکاح کو درست قرار دے تو حنفی کے لیے اس فیصلہ کو تسلیم کرنا جائز یا نہیں؟

الجواب: بعض کتب فقہیہ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ شافعی قاضی کے فیصلہ کو تسلیم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اس مسئلہ کے دیگر بہت سارے نظائر دستیاب ہوئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حنفی شافعی قاضی کا فیصلہ تسلیم کر لے تو نافذ ہو جائے گا، اسی طرح شافعی حنفی قاضی کا فیصلہ تسلیم کر لے تو وہ بھی نافذ ہو جائے گا، نیز بوقت ضرورت بعض صورتوں میں حنفی قاضی شافعی قاضی کی طرف مقدمہ بھیج سکتا ہے۔

کتب فقہ کی عبارات حسب ذیل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) فتاوی سراجیہ میں ہے:

القاضي إذا فوض إلى شافعي ليقضي بطلاق اليمين بالطلاق جاز وعليه الفتوى.

(الفتاوى السراجية: ص ۱۱۹، كتاب القضاء، باب المتفرقات).

یعنی کسی اجنبی عورت سے کہا: ”إن تزوجتك فانت طالق“ پھر نکاح ہوا اور حنفی قاضی نے شافعی قاضی کی طرف مسئلہ بھیج دیا اور اس نے تعلیق کے باطل ہونے کا فیصلہ کیا تو درست ہے۔
البحر الرائق میں ہے:

(الف) وللحنفي أن يرفع الأمر إلى شافعي يفسخ اليمين المضافة فلو قال: ”إن تزوجت فلانة فهي طالق ثلاثاً“ فتزوجها فخاصمته إلى قاضٍ شافعي وادعت الطلاق، فحكم بأنها امرأته وأن الطلاق ليس بشيء، حل له ذلك، ولو وطئها الزوج بعد النكاح قبل الفسخ ثم فسخ يكون الوطء حلالاً إذا فسخ وإذا فسخ بعد الزوج لا يحتاج إلى تجديد العقد.

(باء) ولو قال: كل امرأة أتزوجها فهي طالق فتزوج امرأة وفسخ اليمين ثم تزوج امرأة أخرى لا يحتاج إلى الفسخ في كل امرأة كذا ذكر في الخلاصة، وفي الظهيرية: أنه قول محمد. وبقوله يفتى. وكذلك في قوله: ”كل عبد اشتريته“.

(ج) وإذا عقد أيماناً على امرأة واحدة فإذا قضى بصحة النكاح بعد، ارتفعت الأيمان كلها.

وإذا عقد على امرأة يميناً على حدة لا شك أنه إذا فسخ على امرأة لا يفسخ الأخرى.

(د) وإذا عقد يمينه بكلمة كلما فإنه يحتاج إلى تكرار الفسخ في كل يمين.

فهي أربع مسائل في شرح المجمع للمصنف فإن أمضاه قاضٍ حنفی بعد ذلك كان

أحوط. (البحر الرائق: ۶/۴، باب التعليق، كوئته. وكذا في التمامي: ۳/۳۴۶، سعيد. وفتح القدير:

۳۰۶/۷، دار الفكر. خلاصة الفتاوى: ۲/۲۷، الرشيدية).

وفي المحيط البرهاني: وإذا كتب القاضي الحنفی إلى القاضي الشافعی [في الأصل

الشفعوي] في تقليده في هذه الصورة وأمثالها إن كان التقليد للحكم بطلاق اليمين كان جائزاً في قول أبي حنيفة... وذكر شمس الأئمة الحلواني في شرح أدب القاضي للخصاف: أن حكم الحاكم فيما عدا الحدود والقصاص من المجتهدات نحو الكنايات، والطلاق المضاف جائز، هذا هو الظاهر من مذهب أصحابنا رحمهم الله تعالى، وهو الصحيح لكن مشايخنا امتنعوا عن هذه الفتوى... كيلا يتجاسر العوام. (المحيط البرهاني: ۴/ ۲۵۴، كتاب النكاح، المجلس العلمي).

(۲) اگر کسی شخص نے اپنی ساس کے ساتھ زنا کیا، پہلے دینداری نہیں تھی، اب دینداری آنے کے بعد شوہر نے اس کا اقرار کیا، بیوی کو پتہ چلا تو تفریق کے لیے قاضی کے پاس گئی، اتفاق سے وہ قاضی شافعی تھا، اور اس نے بیوی کو شوہر کے ساتھ رہنے کا حکم دیا، تفریق نہیں کی، اب یہ عورت اپنے شوہر کے ساتھ رہ سکتی ہے۔ فتاویٰ سراجیہ میں ہے:

إذا زنى بأم امرأته فراجعته إلى القاضي، فلم يفرق بينهما وأقرهما على ذلك، فليس لقاضٍ آخر أن يفرق بينهما. (الفتاوى السراجية: ۱۱۶، كتاب القضاء، ما يجوز من القضاء). فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

قال صاحب الأقضية: ولو زنى رجل بأم امرأته، ولم يدخل بها، فجلبده القاضي ورأى أن لا يحرمها عليه، فأقرها معه وقضى بذلك نفذ قضائه. (الفتاوى الهندية: ۳/ ۳۵۸). وذكر مثله صاحب المحيط عن صاحب الأقضية: وزاد بقوله: نفذ قضاءه لأنه قضى في فصل مجتهد فيه، فإن بين الصحابة اختلافاً في هذه الصورة، فعند ابن مسعود... قالوا بالحرمة، وابن عباس ؓ كان لا يقول بالحرمة وكان يقول: "الحرام لا يحرّم الحلال" وربما كان يرويه مرفوعاً إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم. (المحيط البرهاني: ۱۲/ ۲۴۷، كتاب القضاء، وكذا في خلاصة الفتاوى: ۴/ ۲۶).

(۳) اگر کسی آدمی نے کسی عورت سے زنا کیا پھر اس کی بیٹی سے شادی کی، اور قاضی نے نکاح کے صحیح ہونے

کا فیصلہ کیا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نافذ نہ ہوگا، امام محمدؒ کے نزدیک نافذ ہو جائے گا۔ فتاویٰ ظہیریہ سے معلوم ہوا کہ امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ ہے کما مر آنفا۔

فتح القدیر میں ہے:

و حکی فی الفصول فیما إذا زنی بامرأة ثم تزوج بنتها فقصی بجوازه... عند أبي يوسف لا ینفذ للنص علیه ، وعند محمد یجوز . (فتح القدیر: ۳۰۳/۷، دار الفکر۔ و کذا فی الفتاویٰ الہندیۃ: ۳۵۸/۳۔ والمحیط البرہانی: ۲۴۷/۱۲)۔

(۴) ایک شافعی لڑکی نے ولی کی اجازت کے بغیر حنفی مرد سے نکاح کیا، شوافع کے نزدیک بغیر ولی کے نکاح نہیں ہو سکتا، اور احناف کے نزدیک ہو جاتا ہے، اب اس صورت میں شوہر بیوی کے ساتھ ہم بستری کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور بیوی شوہر کو اپنے اوپر قدرت دے سکتی ہے یا نہیں؟ یاد رہے کہ جنوبی افریقہ کے مسلمان بعض حنفی ہیں اور بعض شافعی؟

الجواب: اولاً لڑکی کو چاہئے کہ والدین کی رضامندی سے نکاح کرے، لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو پھر اس مسئلہ کا حل بھی یہی ہے کہ لڑکی کسی حنفی قاضی یا جمعیت کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کر دے، پھر وہ حضرات نکاح کے درست ہونے کا فیصلہ کر دیں گے تو یہ فیصلہ نافذ ہو جائے گا۔ اگرچہ فقہ حنفی کی روشنی میں یہ نکاح درست ہے، لیکن چونکہ لڑکی مطمئن نہیں ہے اس لیے قاضی کے فیصلہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔

قال الماوردي: وليس للزوج الاستبداد بعقد مختلف فيه، إلا أن كانا من أهل الاجتهاد واداهما إلى ذلك وإلا فوجهان أحدهما: نعم، وثانيهما: لا، إلا بإفتاء مفتٍ أو حكم حاكم . (حواشی الشیخ عبدالحمید الشروانی والشیخ احمد بن قاسم العبادی علی تحفة المحتاج: ۲۸۳/۷)۔

در مختار میں ہے:

والحنفي كفاء لبنت الشافعي، وقال الشامي: يعني لو تزوج حنفي بنت شافعي نحكم بصحة العقد، وإن كان في مذهب أبيها أنه لا يصح العقد إذا كانت بكرًا إلا بمباشرة وليها،

لأننا نحكم بما نعتقد صحته في مذهبنا .

قال في البرازية: وسئل شيخ الإسلام عن بكر بالغة شافعية زوجت نفسها من حنفي أو شافعي بلا رضا الأب هل يصح؟ أجاب: نعم وإن كانا يعتقدان عدم الصحة، لأننا نجيب بمذهبنا، لا بمذهب الخصم... (الدر المختار مع فتاوى الشامى: ۹۳/۳، باب الكفاءة، سعيد).

(۵) اگر کسی شخص نے اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح غیر عادل گواہوں کی گواہی سے نابالغ لڑکے سے کر دیا، اب دونوں بالغ ہو گئے، لیکن دونوں کے درمیان بہت دوری ہے ملنا مشکل ہے، تو اگر حنفی قاضی شافعی قاضی کو خط لکھ دے کہ آپ اس نکاح کو باطل کر دے، اور شافعی قاضی اس نکاح کے باطل ہونے کا فیصلہ کر دے، تو یہ فیصلہ نافذ ہو جائے گا، حنفی اس کے مطابق عمل کر سکتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو چھوڑ کر دوسرے ملک چلا گیا اور اس کے واپس آنے کا امکان نہیں ہے، اور یہ نکاح فاسق گواہوں کی گواہی سے ہوا تھا، تو اگر حنفی قاضی شافعی قاضی کے پاس عورت کو بھیج دے اور شافعی قاضی نکاح کے باطل ہونے کا فیصلہ کر دے تو یہ فیصلہ نافذ ہو جائے گا۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ذكر في مجموع النوازل: سئل شيخ الإسلام عطاء بن حمزة عن أب الصغيرة زوجها من صغير، وقبل أبوه، وكبر الصغيران وبينهما غيبة منقطعة، وقد كان التزويج بشهادة الفسقة هل يجوز للقاضي أن يبعث إلى شافعي المذهب ليطل هذا النكاح بسبب أنه كان بشهادة الفسقة؟ قال: نعم. (الفتاوى الهندية: ۳۶۲/۳ - وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱۹۶/۳ - وفتاوى الشامى: ۴۰۳/۵).

وفي المحيط: سئل شيخ الإسلام أبو الحسن عطاء بن حمزة عن رجل غاب عن امرأته غيبة منقطعة، وقد كان النكاح بينهما بشهادة الفسقة، هل يجوز للقاضي أن يبعث إلى القاضي الشافعي ليطل هذا النكاح بهذا السبب؟ قال: نعم. (المحيط البرهاني: ۲۵۸/۴).

(۶) ایک شخص نے کسی لڑکی سے اس کے ولی کی اجازت کے بغیر شادی کی، دخول کے بعد اسے تین طلاق

دید، اب ولی اس لڑکی کی شادی اسی آدمی سے کرانا چاہتا ہے، لیکن حلالہ سے بچنا چاہتا ہے، تو اس کی صورت یہ ہے کہ قاضی زوجین کو شافعی قاضی کے پاس بھیج دے، جو پہلے نکاح کے باطل ہونے کا فیصلہ کرے گا، اور نکاح ثانی کو جائز قرار دے گا، اور یہ فیصلہ بلا کسی خرابی کے نافذ ہو جائے گا۔

ملاحظہ ہو فتح القدیر میں ہے:

و كذا لو كان بغير ولي فطلقها ثلاثاً فبعث إلى شافعي يزوجهها منه بغير محلل، ثم يقضي بالصحة وبطلان النكاح الأول يجوز إذا لم يأخذ القاضي الكاتب ولا المكتوب إليه شيئاً، ولا يظهر بهذا حرمة الوطاء السابق ولا شبهة ولا خبث في الولد، كذا في الخلاصة. (فتح القدیر: ۲۰۳/۳، کتاب النکاح، دار الفکر۔ و کذا فی الفتاویٰ الہندیۃ: ۳۶۲/۳۔ والبحر الرائق: ۸۹/۳۔ والمحیط البرہانی: ۲۵۹/۴)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان تمام مسائل کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر حنفی قاضی یا مفتی، زوجین کو شافعی قاضی یا جمعیت کے شافعی علماء کے پاس بھیج دے اور وہ حضرات نکاح کے جائز ہونے کا فیصلہ کر دے تو یہ فیصلہ درست ہے، اور حنفی کے لیے اس پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :

کل طلاق جائز إلا طلاق المعتوه المغلوب علی عقله .

(رواہ الترمذی)

وعن مجاہد وعطاء و الحسن و محمد و إبراهیم

وسعيد بن المسيب أنهم قالوا: طلاق السكران جائز.

وعن عبد الرحمن بن عنبسة: أن عمر بن عبد العزيز

أجاز طلاق السكران و جلده .

(مصنف ابن ابی شیبہ)

باب ﴿۷﴾

سکران، مجنون اور مکرہ کی طلاق کا بیان

روی الفرع بن فضالة عن عمرو بن شراحيل

أن امرأة أكرهت زوجها على طلاقها فطلقها،

فرفع ذلك إلى عمر فأمضى طلاقها.

(عمدة القاری)

باب ﴿۷﴾

سکران، مجنون اور مکرہ کی طلاق کا بیان

بحالتِ نشہ وقوعِ طلاق کا حکم:

سوال: اگر کسی نے نشہ کی حالت میں بیوی کو طلاق دی تو طلاق ہوگی یا نہیں؟ اور اگر کسی کو دوا سے نشہ آگیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب: مذہب احناف کے مطابق حالتِ نشہ کی طلاق زجر و تنبیہ اور بطورِ سزا واقع ہو جاتی ہے، بشرطیکہ اس کا نشہ پینا ناجائز طریقہ پر ہو، ہاں اگر کوئی مباح شئی ہو اور اتفاقاً اس سے نشہ پیدا ہو گیا، یا اکراہ واضطرار کی وجہ سے نشہ آور چیز استعمال میں آئی ہو تو اسکی طلاق واقع نہ ہوگی۔

اسی طرح بعض ادویات بھی نشہ آور ہوتی ہیں، لہذا ان چیزوں کے استعمال سے اگر نشہ آجائے اور اس حالت میں طلاق دیدے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ نیز بعض ایسی چیزیں بھی ہیں کہ شرعاً ان کا کھانا حرام نہیں بلکہ مکروہ ہے، مگر استعمال کی بے اعتدالی کی وجہ سے اس سے بھی کبھی نشہ پیدا ہوتا ہے، جیسا کہ تمباکو وغیرہ تو اس صورت میں بھی طلاق واقع نہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

السکران إذا طلق امرأته فإن كان سکره بسبب محظور بأن شرب الخمر أو النبیذ

طوعاً حتى سکر و زال عقله فطلاقه واقع عند عامة العلماء وعامة الصحابة رضي الله عنهم... لعموم قوله عز وجل: ﴿الطلاق مرتن﴾ إلى قوله سبحانه وتعالى ﴿فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾ من غير فصل بين السكران وغيره إلا من خص بدليل، وقوله عليه الصلاة والسلام: "كل طلاق جائز إلا طلاق الصبي والمعتوه" ولأن عقله زال بسبب هو معصية، فينزل قائماً عقوبة عليه وزجراً له عن ارتكاب المعصية... بخلاف ما إذا زال بالدواء، لأنه ما زال بسبب هو معصية. (بدائع الصنائع: ۹۹/۳، شرائط ركن الطلاق، سعيد).

وفي الدر المختار: سواء كان سكره من الخمر أو الأشرطة الأربعة المحرمة أو غيرها من الأشرطة الأربعة المتخذة من الحبوب والعسل عند محمد. قال في الفتح: وبقوله يفتى لأن السكر من كل شراب محرم. وفي البحر عن البزازية: المختار في زماننا لزوم الحد ووقوع الطلاق. وما في الخانية من تصحيح عدم الوقوع فهو مبني على قولهما من أن النبذ حلال، والمفتي به خلافه. وفي النهر عن الجوهرية أن الخلاف مقيد بما إذا شربه للتداوي فلو للهو والطرب فيقع بالإجماع... قوله أو أفيون أو بنج... إن كان للتداوي لم يقع لعدم المعصية، وإن للهو وإدخال الآفة قصداً، فينبغي أن لا يتردد في الوقوع. وفي تصحيح القدوري عن الجواهر: وفي هذا الزمان إذا سكر من البنج والأفيون يقع زجراً، وعليه الفتوى، وتماه في النهر. قوله (لو زال عقله بالصداع أو بمباح لم يقع) كما إذا سكر من ورق الرمان فإنه لا يقع طلاقه ولا عتاقه. ونقل الإجماع على ذلك صاحب التهذيب، كذا في الهندية. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۳۹/۳، ۲۴۰، مطلب في تعريف السكران وحكمه، سعيد).

(وكذا في المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۳/۳۴۸، الفصل الثالث في بيان من يقع طلاقه ومن لا يقع

طلاقه، رشيدية).

وفي الفتاوى الهندية:

ولو أكره على شرب الخمر أو شرب الخمر لضرورة وسكر وطلق امرأته، اختلفوا

فيه، والصحيح أنه كما لا يلزمه الحد لا يقع طلاقه ولا ينفذ تصرفه. كذا في فتاوى قاضي

خان. (الفتاوى الهندية: ۳/۳۵۳، فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لا يقع طلاقه)

مزید ملاحظہ ہو: (الفقه على المذاهب الأربعة: ۴/۲۱۹، شروط الطلاق۔ و جدید فقہی مسائل:

۲۱۵/۳)۔

مفتی کفایت اللہ صاحب ”تحریر فرماتے ہیں:

نشہ کی حالت کی طلاق واقع ہو جاتی ہے، مگر شرط یہ ہے کہ نشہ اپنے علم و اختیار سے کیا ہو۔ اگر کسی نے دھوکہ دے کر یا زبردستی پلا دیا اور اس حالت میں طلاق دی گئی تو وہ طلاق نہیں پڑتی۔ (کفایت المفتی: ۶/۹۲، حالت نشہ میں طلاق دینا، دارالاشاعت)۔

مزید ملاحظہ فرمائیں: (خیر الفتاویٰ: ۵/۲۳۷۔ و فتاویٰ رحیمیہ: ۸/۲۷۳۔ و احسن الفتاویٰ: ۵/۱۸۲)۔

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

اسلام میں نشہ کی سخت ممانعت ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص نشہ استعمال کر لے اور اس حالت میں طلاق دیدے تو گو وہ ہوش و حواس سے محروم ہے پھر بھی اس کی طلاق واقع ہو جائے گی۔ لیکن اگر ناواقفیت میں یا کسی غیر معمولی مجبوری کی بنا پر کسی شخص نے نشہ آور چیز استعمال کی تو ایسے خصوصی مواقع پر وہ گنہگار نہیں ہوگا اور ایسی حالت میں دی گئی طلاق واقع نہ ہوگی، ایسے نشہ کی چند صورتیں ہیں:

(الف) بطور دوا و علاج کے نشہ آور چیز استعمال کر لی گئی۔

(ب) کوئی شخص بھوک کی وجہ سے مرنے کے قریب تھا اور اس وقت نشہ آور چیز کے سوا کوئی اور ایسی چیز موجود نہ تھی جسے کھا کر وہ جان بچائے اس لیے اضطرار کی حالت میں اس نے نشہ آور چیز کا استعمال کر لیا۔

(ج) کسی شخص کو نشہ آور چیز کے استعمال کرنے پر اس طرح مجبور کیا گیا کہ اسکو غالب گمان ہو کہ اگر وہ اس کا استعمال نہیں کریگا تو اسکو سخت جسمانی مضرت یا کوئی اور ناقابل برداشت نقصان پہنچ سکتا ہے۔

(د) اس نے کوئی ایسی چیز استعمال کی جس کے نشہ آور ہونے سے واقف نہیں تھا، اتفاق سے وہ نشہ آور شے

نکلی اور نشہ آ گیا۔

ان صورتوں میں اگر وہ طلاق دیدے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ (مجموعہ قوانین اسلامی: ۱۳۳، ۱۳۵)۔

نیز ملاحظہ فرمائیں: (نئے مسائل اور علمائے ہند کے فیصلے، حالت نشہ کی طلاق، ص ۹۰)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حالت غصہ میں عقل زائل ہونے پر طلاق کا حکم:

سوال: اگر ایک آدمی غصہ میں اپنے اختیار سے باہر ہو جاتا ہے، اپنا سردیوار سے ٹکراتا ہے، گھر کے سامان کو بھی توڑ دیتا ہے، اور کچھ یاد بھی نہیں رہتا کہ میں نے کیا کیا تھا، اس کی آواز بھی بدل جاتی ہے، اور یہ شخص مسحور بھی ہے، ایسی کیفیت میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں تو طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ اگر شخص مذکور کی حالت واقعی ایسی ہے جو سوال میں درج ہے، تو ان حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے طلاق واقع نہ ہوگی۔ البتہ آئندہ علاج کی فکر کرنا چاہئے، تاکہ بار بار ان حالات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

ملاحظہ ہو ”الفقه على المذاهب الأربعة“ میں ہے:

فاعلم أن بعض العلماء قد قسم الغضب إلى ثلاثة أقسام: الأول: — أن يكون الغضب في أول أمره، فلا يغير عقل الغضبان بحيث يقصد ما يقوله ويعلمه، ولا ريب في أن الغضبان بهذا المعنى يقع طلاقه وتنفيذ عباراته باتفاق.

الثاني: — أن يكون الغضب في نهايته بحيث يغير عقل صاحبه ويجعله كالمجنون الذي لا يقصد ما يقول ولا يعلمه، ولا ريب في أن الغضبان بهذا المعنى لا يقع طلاقه لأنه هو والمجنون سواء.

الثالث: — أن يكون الغضب وسطاً بين الحالتين بأن يشتد ويخرج عن عادته، ولكنه لا يكون كالمجنون الذي لا يقصد ما يقول ولا يعلمه. والجمهور على أن القسم الثالث يقع به الطلاق. والتحقيق عند الحنفية أن الغضبان الذي يخرج غضبه عن طبيعته وعادته بحيث يغلب الهذيان على أقواله وأفعاله فإن طلاقه لا يقع وإن كان يعلم ما يقول ويقصده، لأنه

يكون في حالة يتغير فيها إدراكه، فلا يكون قصده مبنياً على إدراك صحيح، فيكون كالمجنون، لأن المجنون لا يلزم أن يكون دائماً في حالة لا يعلم معها ما يقول، فقد يتكلم في كثير من الأحيان بكلام معقول، ثم لم يلبث أن يهذي. (الفقه على المذاهب الأربعة: ۴/ ۲۲۷، شروط الطلاق، القاهرة).

و كذا في رد المحتار: ۳/ ۲۴۴، مطلب في طلاق المدهوش، سعيد).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

انتہائی درجہ کا غضب جس میں عقل مغلوب ہو جائے اور انسان یہ نہ سمجھے کہ کیا کہہ رہا ہے اور کیا کر رہا ہے، یہ بھی وہ کیفیت ہے جس میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔ (مجموعہ قوانین اسلامی: ۱۳۳۔ و امداد المفتین جلد دوم: ۵۹۳)۔
واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسحور اور آسیب زدہ کی طلاق کا حکم:

سوال: اگر کسی پر جادو کیا گیا ہو اور اسی حالت میں اس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیں تو واقع ہوگی یا نہیں؟ اس کی حالت بظاہر مجنون کی سی نہیں ہے۔ نیز اگر مجنون کی طرح ہو تو کوئی فرق ہوگا یا نہیں؟ نیز اگر کوئی کہے اس پر جنات کا اثر ہے اور جنات نے طلاق دی، اس نے نہیں دی تو کیا حکم ہے؟

الجواب: سحر اور جنات کا دعویٰ بظاہر مقبول نہیں، طلاق سے فرار اختیار کرنے کے لئے ہے، لہذا جس شخص نے بیوی کو طلاق دی اور اس کا جنون اور پاگل پن معلوم و مشہور نہ ہو تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی۔ ہاں اگر جنون اور پاگل پن معلوم و مشہور ہو تو پھر طلاق واقع نہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

لا يقع طلاق... والمجنون... والمعته وهو اختلال في العقل. وفي الشامية: قوله "والمجنون" قال في التلويح: الجنون اختلال القوة المميزة بين الأمور الحسنة والقبیحة المدركة للعواقب بأن لا تظهر آثارها وتتعلل أفعالها، إما لنقصان جبل

عليه دماغه في أصل الخلقة، وإما لخروج مزاج الدماغ عن الاعتدال بسبب خلط أو آفة وإما لاستيلاء الشيطان عليه وإلقاء الخيالات الفاسدة إليه بحيث يفرح ويفزع من غير ما يصلح سبباً. وفي البحر عن الخانية: رجل عرف أنه كان مجنوناً فقالت له امرأته طلقني البارحة فقال: أصابني الجنون ولا يعرف ذلك إلا بقوله كان القول قوله. (قوله وهو اختلال في العقل) هذا ذكره في البحر تعريفاً للجنون وقال: ويدخل فيه المعتوه، وأحسن الأقوال في الفرق بينهما أن المعتوه هو القليل الفهم المختلط الكلام الفاسد التدبير، لكن لا يضرب ولا يشتم بخلاف المجنون، وصرح الأصوليون بأن حكمه كالصبي. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۴۳، كتاب الطلاق، سعيد).

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما شرائط الركن فأشياء، بعضها يرجع إلى الزوج... أما الذي يرجع إلى الزوج فمنها: — أن يكون عاقلاً حقيقةً أو تقديرًا، فلا يقع طلاق المجنون والصبي الذي لا يعقل، لأن العقل شرط أهلية التصرف، لأن به يعرف كون التصرف مصلحة، وهذه التصرفات ما شرعت إلا لمصالح العباد. (بدائع الصنائع: ۳/۹۹، شرائط ركن الطلاق، سعيد).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

اگر جنون و سحر وغیرہ کی وجہ سے ہوش و حواس قائم نہ رہے اور یہ معلوم نہ ہو کہ زبان سے کیا الفاظ کہہ رہا ہے اور ان کا کیا نتیجہ ہوگا تو ایسی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوئی، اگر یہ بات نہ ہو بلکہ الفاظ کے مطلب کو سمجھتا ہو پھر اس طرح کہے تو طلاق ہو جاتی ہے۔

طلاق دیتے وقت اس کے دوسرے احوال و معاملات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حواس صحیح تھے یا نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۶۵۱، مہوب و مرتب).

و كذا في الفتاوى التاتارخانية: ۳/۲۵۵، في بيان من يقع طلاقه ومن لا يقع. و امداد الاحكام: ۲/

۵۶۵۔ و فتاوى رحيميه: ۸/۲۶۲۔ و فتاوى محموديه: ۱۲/۳۰۱۔ و مجموعه قوانين اسلامي: ۱۳۱).

واللہ اعلم۔

بحالت جبر و اکراہ وقوع طلاق کا حکم:

سوال: اگر کسی نے دوسرے کو طلاق پر مجبور کیا کہ اگر طلاق نہیں دیتے تو تمہاری پٹائی کرتے ہیں، تو کیا پٹائی اکراہ میں آتی ہے یا اکراہ میں قتل اور ہاتھ وغیرہ کا کاٹنا مراد ہے؟ اور مکروہ کی طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ حالت اکراہ میں مکروہ کی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور اکراہ میں قتل اور قطع ید

وغیرہ مراد ہے۔

ملاحظہ ہو خزائنہ الفقہ میں فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں:

إذا أكره رجلاً بقتل أو تلف عضو من أعضائه أو بأمر يخاف منه تلف نفسه أو ذهاب

عضو من أعضائه أن يطلق امرأته... إلى قوله ففعل ذلك جاز. (خزانة الفقہ: ۳۳۳، ۳۳۴، کتاب

الاکراہ، باب ماتصح مع الاکراہ، المكتبة الغفورية).

شرح منظومہ ابن وہبان میں مذکور ہے:

أن الإكراه يحصل بالضرب أو بالحبس أو بالقيد. قال: وأعلم أن أصحابنا أجمعوا

على أن الإكراه بوعيد تلف النفس أو عضو من الأعضاء إكراه معتبر شرعاً، سواء حصل على

فعل أو قول. وإن حصل الإكراه بالحبس والتقييد، فإن كان على فعل فليس بمعتبر شرعاً،

ويجعل كأن المكره فعل ذلك بغير إكراه، وإن كان على قول لا يستوي فيه الجحد والهزل،

كالبيع والشراء والوقف والهبة والإجارة والبراءة والصدقة، فيعتبر شرعاً، كما سيأتي في

البيت الذي بعد هذا. وإن كان على ما يستويان فيه كالطلاق والعتاق فغير معتبر. (شرح منظومة

ابن وہبان: ۸۷/۲، فصل من کتاب الحجر والاکراہ، الوقف المدنی، دیوبند).

ترجمہ: بے شک اکراہ حاصل ہوتا ہے مار پٹائی سے یا قید و بند سے، مصنفؒ فرماتے ہیں کہ جان لو ہمارے

فقہائے احناف کا اس بات پر اجماع ہے کہ بے شک اکراہ اگر قتل کرنے یا کسی عضو کو ہلاک کرنے کی دھمکی سے ہو

تو یہ اکراہ از روئے شریعت معتبر ہے چاہے فعل پر حاصل ہو یا قول پر، اور اگر قید و بند کے ذریعہ حاصل ہو تو اگر کسی

کام کے کرنے پر کیا جائے تو از روئے شرع معتبر نہیں ہے، اور گویا مکروہ نے یہ کام بغیر کسی اکراہ کے کیا۔ اور اگر کسی قول پر اکراہ کیا جائے اور وہ قول ایسا ہو کہ اس میں حقیقت اور مذاق دونوں کا حکم یکساں نہیں ہے، جیسے خرید و فروخت، وقف، ہبہ، اجارہ، براءت اور صدقہ تو از روئے شرع معتبر ہے، اور اگر ایسے قول پر کیا جائے کہ جس میں جد و ہزل کا حکم یکساں ہے، جیسے طلاق و عتاق تو اس میں یہ اکراہ (یعنی غیر ملجئی) معتبر نہیں ہے۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

والإكراه بوعيد القتل وإتلاف العضو يظهر في الأقوال والأفعال جميعاً. (فتاویٰ قاضیخان: ۴۸۳/۳). واللہ تعالیٰ اعلم۔

پولیس کی دھمکی اکراہ میں داخل ہے:

سوال: اگر کسی شخص کو اس کے خسر یا کسی اور نے کہا کہ تم اپنی بیوی کو تین طلاق لکھ دو ورنہ تم کو پولیس کے حوالہ کر دوں گا، تو یہ اکراہ ہے یا نہیں؟ اور طلاق ہوگی یا نہیں؟ کیا طلاق میں اکراہ ملجی موثر ہے؟

الجواب: بصورت مسئلہ بحجر و اکراہ طلاق لکھنے سے طلاق واقع نہ ہوگی، ہاں زبان سے طلاق دیدے تو مکروہ کی طلاق واقع ہو جائے گی، اور پولیس کی دھمکی بھی اکراہ میں داخل ہے۔ ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

ويقع طلاق كل زوج بالغ عاقل ولو عبداً أو مكرهاً فإن طلاقه صحيح. وفي الشامي: وفي البحر: أن المراد بالإكراه على التلفظ بالطلاق، فلو أكره على أن يكتب طلاق امرأته فكتب لا تطلق. (الدر المختار مع فتاوى الشامى: ۲۳۶/۳، مطلب فى الإكراه، سعيد).

وفي البزازیة: أكره على أن يكتب على قرطاس "امرأته طالق أو أمرها بیدها" لم يصح إلا إذا نوى. (الفتاوى البزازیة على هامش الهندية: ۱۳۱/۶، كتاب الاكراه- وكذا فى البحر الرائق: ۲۴۶/۳).

وفي الهندية: وأما أنواعه فالإكراه فى أصله على نوعين، إما أن كان ملجئاً أو غير ملجئ، فالإكراه الملجئ هو الإكراه بوعيد تلف النفس أو بوعيد تلف عضو من الأعضاء،

والإكراه الذي هو غير الملجئ هو الإكراه بالحبس والتقييد. (الفتاوى الهندية: ۳۵/۵).
عالمگیری میں ہے:

ولو كانت هي المسلطة فأكرهت على أن يطلقها بوعيد تلف ففعل لم يكن لها عليه
شيء من المهر ولو كانت المكروهة بالحبس أخذته بنصف الصداق. (الفتاوى الهندية: ۴۳/۵).
فتاویٰ دارالعلوم میں ہے:

بجز طلاق نامہ پر دستخط کرا لینے سے جب کہ زید نے زبان سے طلاق نہیں دی، اور نہ خود لکھی، طلاق واقع
نہیں ہوئی۔ (فتاویٰ دارالعلوم: ۱۵۴/۹۔ و کتاب الفتاویٰ: ۱۰۲/۵).
کتاب الفتاویٰ میں ہے:

پولیس کی دھمکی بھی اکراہ میں داخل ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۹۰/۵).

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

رجل أكره بالضرب والسجن على أن يكتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان بن فلان،
فكتب: امرأته فلانة بنت فلان بن فلان طالق، لا تطلق امرأته. (فتاوى قاضیخان علی هامش
الهندية: ۴۷۲/۱، فصل فی الطلاق بالكتابة). واللہ تعالیٰ اعلم۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ :

﴿وَالَّذِينَ يَخَاهَرُونَ مِنْكُمْ مِنْ نِسَائِهِمْ مَا هُنَّ أُمَّهَاتُهُمْ...﴾

(سورة المجادلة : الآية: ۲)

وقال تعالیٰ :

﴿لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ،

فَإِنْ فَأَاءَ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ عَفْوَ رَحِيمٍ﴾

(سورة البقرة: الآية: ۲۲۶)

باب..... ﴿۸، ۹، ۱۰﴾

ظہار، ایلاء اور خلع

کا بیان

وقال تعالیٰ :

﴿فَإِنْ خَفْتُمْ أَنْ لَا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ،

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾

(سورة البقرة: الآية: ۲۲۹)

باب ﴿۸﴾

ظہار کا بیان

شریعتِ مطہرہ میں ظہار کا صحیح مفہوم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ تمہاری شرمگاہ میرے لیے ماں بہن کی طرح ہے، اس پر بعض علماء نے اس سے کہا کہ یہ ظہار ہے تم کو کفارہ دینا پڑے گا، حالانکہ وہ شخص نہ ظہار جانتا ہے نہ اس نے ظہار کی نیت کی تھی، شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ بعض علماء کا قول صحیح ہے، یہ ظہار ہے اور کفارہ بھی لازم ہوگا، اور حکمِ شریعت سے ناواقف ہونا کوئی عذر نہیں ہے، اگر ناواقف ہے تو ہم ظہار کے باب میں سیر کراتے ہیں، چنانچہ ظہار کا صحیح مفہوم حسبِ ذیل ملاحظہ فرمائیں:-

ظہار کے لغوی معنی پشت کو پشت کے مقابل کرنا یا ملانا ہے۔

شریعت کی اصطلاح میں بیوی کو یا اس کے کسی ایسے عضو کو جس سے پوری ذات مراد لی جاسکتی ہو اپنی محرماتِ ابدیہ یا اس کے کسی ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دینا جس کی طرف دیکھنا حرام ہے، ظہار کہلاتا ہے۔
ملاحظہ فرمائیں فتح القدیر میں ہے:

والظہار لغة مصدر ظاهر وهو مفاعلة من الظهر فيصح أن يراد به معانٍ مختلفة ترجع إلى الظهر معنىً ولفظاً بحسب اختلاف الأغراض، فيقال: ظهرت، أى قابلت ظهرک بظهره حقيقة، وإذا غايظه أيضاً وإن لم تدابره حقيقة. (فتح القدير: ۴/ ۲۴۵، باب الظہار، دارالفکر۔ وکذا فی الدرالمختار: ۳/ ۴۶۵، باب الظہار، سعید)۔

وفی العناية فی شرح الهدایة: وفي اصطلاح الفقهاء: تشبيه المنکوحة بالمحرمة علی سبیل التأيید اتفاقاً بنسب أو برضاع أو مصاهرة. (شرح العناية علی هامش فتح القدير: ۴/ ۲۴۶، دارالفکر۔ ومجموعه قوانین اسلامی: ۱۶۱، قانون ظہار)۔

نیز ظہار کے کچھ ارکان و شرائط ہیں، جو حسب ذیل درج ہیں:

(۱) شوہر کا عقل بالغ ہونا۔

(۲) بیوی کی پوری ذات یا اس کے کسی ایسے عضو کو تشبیہ دینا جس سے پوری ذات مراد لی جاسکتی ہو۔

(۳) محرماتِ ابدیہ میں سے کسی سے یا اس کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دینا جس کی طرف دیکھنا حرام

ہے۔

(۴) حرف تشبیہ یعنی لفظ مثل، طرح، جیسے، وغیرہ الفاظ کا صراحتاً ذکر کرنا، ورنہ کلام لغو ہو جائے گا، مثلاً

اگر کوئی یہ کہے ”تو میری ماں ہے“ یا ”میری ماں کی پشت ہے“ تو کلام لغو ہوگا۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وشرعاً تشبیہ المسلم... زوجته... أو تشبیہ ما یعبر عنها من أعضائها كالرأس والرقبة أو تشبیہ جزء شائع منها كنصفک ونحوه بمحرم علیه تأییداً أي بعضو یحرم النظر إلیه من أعضاء محرمة علیه نسباً أو صهریة أو رضاعاً کما فی البحر، أو بجملتها کانت علی کأمی فإنه تشبیہ بالظهر و زیادة. (الدرالمختار مع الشامی: ۳/ ۴۶۶، سعید۔ وکذا فی فتح القدير: ۴/ ۲۴۵، دارالفکر)۔

البحر الرائق میں ہے:

والحاصل أن هنا أربعة أركان المشبه، والمشبه به... أما الأول: وهو المشبه وهو

بکسر الباء فهو الزوج البالغ العاقل المسلم... وأما الثاني وهو المشبه بفتح الباء المنكوحه أو عضو منها يعبر به عن كلها أو جزء شائع، وأما الثالث: وهو المشبه عضو لا يحل النظر إليه من محرمة تأبيداً. وأما الرابع: وهو الدال عليه وهو ركنه وهو صريح وكناية. (البحر الرائق: ۴/۹۵، باب الظهار، كوثته۔ وكذا في فتح القدير: ۴/۲۴۵، ط: دار الفكر۔ وبدائع الصنائع: ۳/۲۳۰-۲۳۳، شرائط الظهار، ط: سعيد۔ ومجموعه قوانين اسلامي: ۱۶۲، قانون ظهار)۔

اقسام ظہار:-

ظہار کی دو تقسیم کی گئی ہے۔ (۱) باعتبار الفاظ۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

(الف) ظہار صریح (باء) ظہار کنایہ۔

(الف) صریح: محرمات ابدیہ کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دینا جس کی طرف دیکھنا حرام ہے۔ مثلاً ”تو میری ماں کی پشت کی مانند ہے“۔ تو یہ صریح ظہار ہے اس میں نیت کا اعتبار نہیں بلانیت ظہار متحقق ہو جائے گا۔ (باء) محرمات ابدیہ کی پوری ذات سے تشبیہ دینا۔ مثلاً کوئی یہ کہے ”تو میری ماں کی مثل ہے“۔ تو یہ ظہار کنائی ہوگا، جس میں ظہار، طلاق، ایلاء اور عزت و کرامت میں مماثلت سب ہی کا احتمال ہے۔ جیسی نیت ہوگی اس کے مطابق حکم ہوگا، لیکن مذاکرۃ طلاق اور باہمی جھگڑے کے وقت عند القضاء عزت و کرامت کی نیت معتبر نہ ہوگی۔

ملاحظہ فرمائیں بدائع الصنائع میں ہے:

لو قال لامرأته أنت علي كظهر أمي كان مظاهراً سواء نوى الظهار أو لا نية له أصلاً لأن هذا صريح في الظهار إذ هو ظاهر المراد مكشوف المعنى عند السماع بحيث يسبق إلى أفهام السامعين فكان صريحاً لا يفتقر إلى النية كصريح الطلاق... وكذا إذا قال: أنا منك مظاهر أو قد ظاهرتك فهو مظاهر نوى الظهار أو لا نية له لأن هذا اللفظ صريح في الظهار أيضاً... وكذا لو قال: أنت علي كبطن أمي أو كفخذ أمي أو كفرج أمي فهذا وقوله أنت علي كظهر أمي على سواء لأنه يجري مجرى الصريح لما ذكرنا.

ولو قال لها: أنت علي كأمي أو مثل أمي يرجع إلى نيته فإن نوى به الظهار كان مظاهراً وإن نوى به الكرامة كان كرامة وإن نوى به الطلاق كان طلاقاً وإن نوى به اليمين كان إيلاء لأن اللفظ يحتمل كل ذلك إذ هو تشبيه المرأة بالأم فيحتمل التشبيه في الكرامة والمنزلة... (بدائع الصنائع: ۳/۲۳۱، شرائط الظهار، سعيد).

وفی الشامی: وینبغي أن لا یصدق قضاء فی إرادة البر إذا كان فی حال المشاجرة وذكر الطلاق. (فتاوی الشامی: ۳/۴۷۰ باب الظهار، سعید۔ وفتح القدیر: ۴/۲۵۱، باب الظهار، دار الفکر۔ ومجموعه قوانین اسلامی: ۱۶۲، قانون ظہار).

ظہار کی دوسری تقسیم باعتبار مدت کے ہے، اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

(الف) ظہار موقت۔

(باء) ظہار مطلق۔

(الف) ظہار موقت وہ ہے جس میں کسی خاص وقت کی طرف نسبت کی گئی ہو مثلاً یوں کہا گیا ہو: أنت علي كظهر أمي يوماً أو شهراً أو سنة.

اس کا حکم یہ ہے کہ وقت ختم ہونے سے ظہار بھی ختم ہو جاتا ہے کفارہ ادا کرنا بھی ضروری نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

وإن كان موقتاً بأن قال لها: أنت علي كظهر أمي يوماً أو شهراً أو سنة صح التوقيت وينتهي بانتفاء الوقت بدون الكفارة عند عامة العلماء... لأن تحريم الظهار أشبه بتحريم اليمين من الطلاق لأن الظهار تحله الكفارة كاليمين يحله الحنث ثم اليمين تتوقت كذا الظهار. (بدائع الصنائع: ۳/۲۳۵، سعید۔ وكذا فی فتح القدیر: ۴/۲۵۷، دار الفکر).

(باء) ظہار مطلق: وہ ہے جس میں کسی وقت کی طرف نسبت نہ کی گئی، مثلاً یوں کہا گیا ہو: "أنت علي

كظهر أمي".

مطلق ظہار کا حکم ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ظہار سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے الا یہ کہ طلاق کی نیت کرے، البتہ جب تک کفارہ ادا نہ کیا جائے بیوی سے صحبت اور بوس و کنار حرام ہے۔

(۲) اگر شوہر کفارہ ادا نہ کرنے کی وجہ سے بیوی سے ہم بستر نہیں ہوتا ہے تو عورت قاضی کے ذریعہ شوہر کو کفارہ ادا کرنے یا طلاق دینے پر مجبور کر سکتی ہے۔
ملاحظہ فرمائیں بدائع الصنائع میں ہے:

وأما حكم الظهار فللظهار أحكام (۱) منها حرمة الوطء قبل التكفير لقوله عز وجل ﴿والذين يظاهرون من نسائهم ثم يعودون لما قالوا فتحرير رقبة من قبل أن يتماسا﴾ (۲) ومنها حرمة الاستمتاع بها من المباشرة والتقبيل واللمس عن شهوة والنظر إلى فرجها عن شهوة قبل أن يكفر. (۳) ومنها مع بقاء النكاح كحرمة الفعل في المطلقة بعد زوال النكاح وتلك الحرمة تعم البدن كله كذا هذه... (۴) ومنها أن للمرأة أن تطالبه بالوطء وإذا طالبت به فعلى الحاكم أن يجبره حتى يكفر ويطأ... (بدائع الصنائع: ۳/۲۳۴، أحكام الظهار، سعيد۔ و كذا في فتح القدير: ۴/۲۴۶، ط: دار الفكر۔ ومجموعه قوانين اسلامي: ۱۶۳، قانون ظهار)۔

ظہار کا حکم ختم ہونے یا باطل ہونے کا حکم:

ظہار کا حکم ختم ہو جاتا ہے یا باطل ہو جاتا ہے مندرجہ ذیل امور میں سے کسی ایک سے:

(۱) زوجین میں سے کسی ایک کے انتقال کرنے کی وجہ سے، چونکہ محل باطل ہو گیا۔

(۲) کفارہ ظہار ادا کرنے کی وجہ سے ظہار کا حکم ختم ہو جاتا ہے۔

(۳) اگر ظہار موقت ہے تو وقت کے ختم ہونے سے ظہار کا حکم بھی ختم ہو جاتا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں بدائع الصنائع میں ہے:

وأما بيان ما ينتهي به حكم الظهار أو يبطل فحكم الظهار ينتهي بموت أحد الزوجين لبطلان محل الظهار ولا يتصور بقاء الشيء في غير محله وينتهي بالكفارة وبالوقت إن كان

موقتاً. (بدائع الصنائع: ۳/۲۳۵، سعيد۔ وفتح القدير: ۴/۲۴۶، دار الفكر)۔

کفارۃ ظہار ملاحظہ فرمائیں:

(۱) کفارۃ ظہار میں دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا ہے اس طور پر کہ ان میں رمضان کے روزے اور وہ پانچ دن شامل نہ ہوں جن میں روزہ رکھنا حرام ہے۔

اگر کفارہ کے روزوں کے درمیان رمضان مبارک شروع ہو جائے یا دس ذی الحجہ کی تاریخ آگئی تو از سر نو دو ماہ کے روزے رکھنا ضروری ہوگا۔

(۲) جو شخص روزے پر قادر نہ ہو اس کے لیے کفارہ ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت متوسط درجہ کا پیٹ بھر کر کھانا کھلانا یا ساٹھ مسکینوں میں سے ہر ایک کو نصف صاع گیہوں یا اس کی قیمت دینا ہے۔
ہدایہ میں ہے:

و کفارة الظہار عتق رقبة فإن لم يجد فصيام شهرين متتابعين فإن لم يستطع فإطعام
ستين مسکیناً للنص الوارد فيه فإنه الکفارة علی هذا الترتیب ... صوم شهرين متتابعين ليس
فيهما شهر من رمضان ولا يوم الفطر ولا يوم النحر ولا أيام التشريق ... وإن أفطر منها يوماً
بعذر أو بغير عذر استأنف لفوات التابع وهو قادر عليه عادة. (الهداية: ۲/۴۱۳، ۴۱۴، فصل فی
الکفارة۔ و مجموعہ قوانین اسلامی: ۱۶۳، قانون ظہار، مسلم پرسنل لا بورڈ) واللہ تعالیٰ اعلم۔

ظہار میں عزت و احترام کی نیت کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ ”تو میری ماں بہن کی طرح ہے“ اس کے بعد بیوی اپنے میکے چلی گئی شوہر کہتا ہے میری نیت طلاق کی نہیں تھی، بلکہ احترام و عزت کی تھی حالانکہ اس وقت جھگڑا چل رہا تھا، شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: صورت مسئلہ میں دیائے اس کی نیت کا اعتبار ہے، لیکن قضاء یہ ظہار ہے اور جھگڑے
و اختلاف کے وقت عزت و احترام کی نیت کا اعتبار نہیں ہوتا، لہذا عند القضاء شرعاً کفارہ لازم ہوگا۔
ملاحظہ فرمائیں علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

وينبغي أن لا يصدق قضاء في إرادة البر إذا كان في حال المشاجرة وذكر الطلاق.

(فتاویٰ الشامی: ۳/۴۷۰، باب الظہار، سعید۔ وفتح القدیر: ۴/۲۵۱، باب الظہار، دارالفکر).

وفی البدائع: ولوقال لها: أنت علي كأمي أو مثل أمي يرجع إلى نيته فإن نوى به الظهار كان مظاهراً وإن نوى به الكرامة كان كرامة وإن نوى به الطلاق كان طلاقاً وإن نوى به اليمين كان إيلاء لأن اللفظ يحتمل كل ذلك إذ هو تشبيه المرأة بالأم فيحتمل التشبيه في الكرامة والمنزلة... (بدائع الصنائع: ۳/۲۳۱، شرائط الظہار، سعید).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

اگر محرماتِ ابدیہ کی پوری ذات سے تشبیہ دی گئی ہو، مثلاً کوئی یوں کہے: ”تو میری ماں کی مثل ہے“ تو یہ ظہار کنائی ہوگا، جس میں ظہار، طلاق، ایلاء، اور عزت و کرامت میں مماثلت سب ہی کا احتمال ہے، جیسی نیت ہوگی اسی کے مطابق حکم ہوگا، حتیٰ کہ اگر شوہر کی مراد عزت و کرامت کے اندر مماثلت ہے تب بھی تسلیم کیا جائے گا، اور اگر یہی جملہ مذاکرہ طلاق اور باہمی جھگڑے کے وقت استعمال کیا جائے تو عند القضاء عزت و کرامت کی نیت معتبر نہ ہوگی۔ (مجموعہ قوانین اسلامی: ۱۶۲، دفعہ ۳۸). واللہ تعالیٰ اعلم۔

”تو میری ماں ہے“ کہنے سے ظہار یا طلاق کا حکم:

سوال: اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ ”تو میری ماں ہے“ اور طلاق یا ظہار کی نیت کر لی تو ظہار یا طلاق ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ بغیر حرفِ تشبیہ کے یہ کہنا ”تو میری ماں ہے“ اس لفظ سے ظہار نہیں ہوگا اور نہ طلاق واقع ہوگی، بلکہ کلام لغو ہو جائے گا۔

قاضی مجاہد الاسلام تحریر فرماتے ہیں:

حرفِ تشبیہ یعنی لفظ مثل، طرح، جیسے وغیرہ کا صراحۃً ذکر،... اور یہ رکنِ اعظم ہے جس کے بغیر کلام لغو قرار پائے گا، مثلاً کوئی کہے ”تو میری ماں ہے“ یا ”میری ماں کی پشت ہے“ تو کلام لغو ہوگا۔ (مجموعہ قوانین اسلامی: ص ۱۶۲).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

لو قال أنت أمي لا يكون مظاهراً، وينبغي أن يكون مكروهاً، ومثله أن يقول يا ابنتي،

ويا أختي. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۰۶، باب الظهار).

درمختار میں ہے:

ویکروہ قولہ ”انت امی“ و ”یا ابنتی“ و ”یا اختی“. وفي الشامية: والذي في الفتح:

وفي ”انت امی“ لا يكون مظاهراً، وينبغي أن يكون مكروهاً، فقد صرحوا بأن قوله لزوجه

”یا أخیة“ مکروہ. وفيه حديث رواه أبو داود أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سمع رجلاً

يقول لامرأته ”یا أخیة“ فکروہ ذلك ونهی عنه ... ولولا هذا لأمکن أن یقال: هو ظهار، لأن

التشبيه في ”انت امی“ أقوى منه مع ذکر الأداة. (الدرالمختار مع فتاوی الشامی: ۳/ ۴۷۰).

وفي البدائع: وروی ابن سماعة عن محمد فيمن قال لامرأته ”إن فعلت كذا فانت

أمی“ یرید التحريم، قال: هو باطل، لأنه لم يجعلها مثل أمه ليكون تحريماً، وإنما جعلها أمه

فيكون كذباً. قال محمد: ولو ثبت التحريم بهذا لثبت إذا قال: أنت حواء، وهذا لا يصح.

(بدائع الصنائع: ۳/ ۱۷۰ - سعيد - وكذا في فتح القدير: ۴/ ۲۵۲ - والبحر الرائق: ۴/ ۹۸ - ومجمع الأنهر: ۲/ ۳۳۸، باب

الظهار).

اس مسئلہ کے بارے میں احسن الفتاویٰ میں مفتی رشید احمد صاحب نے تفصیلی فتویٰ تحریر فرمایا ہے اور یہ

ثابت کیا ہے کہ طلاق بائن واقع ہو جائیگی۔ تفصیلی فتویٰ ملاحظہ فرمائیں: (احسن الفتاویٰ: ۵/ ۱۸۵-۱۸۷)۔

لیکن حضرت مفتی صاحب کا فتویٰ ہماری سمجھ میں نہیں آیا، کیونکہ حدیث میں اس کو طلاق قرار نہیں دیا۔ اگر

اس میں نیت کی ضرورت ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیت کے بارے میں دریافت فرماتے، جیسا کہ آپ

نے حضرت رکانہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا۔

ملاحظہ ہو حدیث میں ہے:

عن نافع بن عجير بن عبد يزید بن ركانة أن ركانة بن عبد يزید طلق امرأته سهيمة

ألبتة ، فأخبر النبي صلى الله عليه وسلم بذلك وقال : ما أردت إلا واحدة ، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : والله ما أردت إلا واحدة ؟ فقال ركانة : ما أردت إلا واحدة ، فردها إليه رسول الله صلى الله عليه وسلم . (ابوداود شریف: ۱/۳۰۰).

بلکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہار کے مخصوص الفاظ ہیں، ان سے طلاق یا ظہار ہوتا ہے، باقی الفاظ جن میں کاف محذوف ہو، ظہار یا طلاق کا سبب نہیں، ورنہ تشبیہ کے وقت کاف کا حذف کرنا عرب کے عرف میں عام ہے۔

نیز اس زمانے میں طلاق کی کثرت اور اس کے نتیجے میں بے شمار گھروں کی ویرانی کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ طلاق واقع نہ ہونے کا حکم دیا جائے۔ باقی حضرت مفتی رشید احمد صاحب کا یہ فرمانا کہ اس زمانے میں طلاق کا واقع ہونا ان الفاظ سے معروف ہے، تو دراصل بات یہ ہے کہ جب یہ الفاظ ہی طلاق کے نہیں ہیں تو عرف کا کوئی اعتبار نہیں، جیسے تین طلاق کے لئے تین پتھروں کا پھینکنا معروف ہے، لیکن تین پتھروں کے پھینکنے سے طلاق نہیں پڑتی جب تک تین پتھروں پر طلاق کا تلفظ نہ کرے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

(وركنه لفظ مخصوص) ... وبه ظهر أن من تشاجر مع زوجته فأعطاه ثلاثاً أحجار ينوي الطلاق، ولم يذكر لفظاً صريحاً ولا كناية لا يقع عليه ، كما أفتى به الخير الرملي وغيره . (فتاویٰ الشامی: ۳/۲۳۰).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وفي مجموع النوازل: سئل شيخ الإسلام عن ضرب امرأته فقال: دار طلاق (أي خذى الطلاق) قال: لا تطلق . (الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۳۸۲).

وفيه أيضاً: ولو قالت لزوجها طلقني، فأشار بثلاث أصابع وأراد بذلك ثلاث تطليقات لا يقع مالم يقل بلسانه . (الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۳۵۷) وكذا في الحانية على هامش الہندیہ: ۱/۴۶۲. واللہ تعالیٰ اعلم۔

”تجھے رکھوں تو ماں بہن کو رکھوں“ کہنے کا حکم:

سوال: اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا ”تجھے رکھوں تو اپنی ماں بہن کو رکھوں“ ان الفاظ سے ظہار یا طلاق ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ بغیر حرفِ تشبیہ کے یہ کہنا ”تجھے رکھوں تو اپنی ماں بہن کو رکھوں“ ان الفاظ سے ظہار نہیں ہوگا اور نہ طلاق واقع ہوگی، بلکہ کلام لغو ہو جائے گا۔ البتہ اس قسم کے الفاظ کہنا مکروہ ہے۔ قاضی مجاہد الاسلام تحریر فرماتے ہیں:

حرفِ تشبیہ یعنی لفظ مثل، طرح، جیسے وغیرہ کا صراحتہ ذکر،... اور یہ رکنِ اعظم ہے جس کے بغیر کلام لغو قرار پائے گا، مثلاً کوئی کہے ”تو میری ماں ہے“ یا ”میری ماں کی پشت ہے“ تو کلام لغو ہوگا۔ (مجموعہ قوانین اسلامی: ص ۱۶۲)۔ فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال: ایک شوہر نے اپنی بیوی کو سخت غصہ کی حالت میں جس میں اپنا سر خود کئی جگہ سے پھوڑ لیا کہا: اگر میں تجھ سے صحبت کروں، اپنی ماں سے صحبت کروں۔ کیا یہ الفاظ یمنین ہیں، کفارہ دینا ہوگا؟

الجواب: لو قال: إن وطئتک وطئت أُمی، فلا شیء علیہ، کذا فی غایۃ السروجی، فتاویٰ عالمگیریہ، عبارت منقولہ سے معلوم ہوا کہ الفاظ مذکورہ کہنے سے شوہر پر کوئی کفارہ لازم نہیں، بیوی پر طلاق بھی نہیں ہوئی اس کا یہ قول لغو ہے۔ فلو قال: إن فعلت کذا فانت أُمی، وفعله، فهو باطل إن نوى التحريم، سكب الأنهر. (فتاویٰ محمودیہ: ۳۲۶/۱۳، فاروقیہ)۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

لو قال: أنت أُمی، لا یكون مظاهراً، وینبغي أن یكون مکروهاً، ومثله أن یقول یا ابنتی ویأختی. (الفتاویٰ الہندیہ: ۵۰۶/۱)۔

وللاستزادة انظر: (الدر المختار مع رد المحتار: ۴۷۰/۳، سعید، وبدائع الصنائع: ۱۷۰/۳، سعید، و

المحیط البرہانی: ۶۱۱/۳)۔ واللہ اعلم۔

باب ﴿۹﴾

ایلاء کا بیان

ایک سال تک عدم قربان کی قسم کھانے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے قسم کھا کر اپنی بیوی سے کہا: ”میں ایک سال تک آپ سے ہم بستری نہیں کروں گا“
شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی ہم بستری سے چار ماہ سے زیادہ مثلاً ایک سال کی قسم کھائے، اور چار ماہ بغیر جماع کے گزر گئے، تو اس کی بیوی پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی، اور اگر چار ماہ کی مدت میں جماع کیا تو کفارہ لازم ہوگا، قسم کا کفارہ، اگر اس مدت میں جماع پر قادر نہ ہو تو زبانی رجوع بھی طلاق سے بچنے اور کفارہ کے لیے کافی ہے۔

ملاحظہ ہو فتح القدیر میں ہے:

والإيلاء لغة اليمين... وفي الشرع هو اليمين على ترك قربان الزوجة أربعة أشهر

فصاعداً بالله أو بتعليق ما يستشقه على القربان. (فتح القدیر: ۴/۱۸۹، باب الإيلاء، دار الفکر۔ وکذا فی

البحر الرائق: ۴/۶۰، کوئٹہ)۔

البحر الرائق میں ہے:

فإن وطئ في المدة كفر وسقط الإيلاء بإجماع الفقهاء حتى لو مضت أربعة أشهر لا يقع طلاق لإخلال اليمين بالحنث وسواء حلف على أربعة أشهر أو أطلق أو على الأبد... وإلا بانء أي إن لم يطأ في المدة وهي أربعة أشهر وقعت عليه طلقة بائنة. (البحر الرائق: ۶۲/۴، باب الإيلاء، كوئته).

ہدایہ میں ہے:

وإن كان المولي مريضاً لا يقدر على الجماع أو كانت مريضة أو رتقاء أو صغيرة لا تجماع أو كانت بينهما مسافة لا يقدر أن يصل إليها في مدة الإيلاء ففيه أن يقول بلسانه فئت إليها في مدة الإيلاء فإن قال ذلك سقط الإيلاء. (الهداية: ۴۰۳/۲، باب الإيلاء). واللہ اعلم۔

ہم بستری پر چار رکعت نماز کی قسم سے ایلاء کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ اپنی بیوی سے صحبت کروں تو مجھ پر چار رکعت نماز پڑھنا لازم ہے، اس صورت میں ایلاء ہوگا یا نہیں؟ نیز ایلاء میں کسی مدت کی تعیین شرط ہے یا مطلقاً بھی صحیح ہے؟ نیز برائے مہربانی شرعاً ایلاء متحقق ہونے کے لیے ضروری چیزیں بتلادیں؟

الجواب: چار ماہ یا اس سے زائد عرصہ کے لیے یا مدت کی تعیین کے بغیر بیوی سے صحبت نہ کرنے کی قسم کھانا، یا بیوی سے صحبت کرنے پر کسی کام کو اپنے اوپر لازم کرنا جو فی نفسہ بہت مشکل ہو، ایلاء ہے، لیکن اگر ایسی چیز کو لازم یا جو عموماً بہت دشوار نہ ہو تو ایلاء نہ ہوگا، مثلاً یوں کہے: ”اگر میں تم سے صحبت کروں تو مجھ پر چار رکعت نماز یا ایک دن کا روزہ لازم ہوگا۔“

ملاحظہ ہو فتح القدیر میں ہے:

و الإيلاء لغة اليمين... وفي الشرع هو اليمين على ترك قربان الزوجة أربعة أشهر فصاعداً بالله أو بتعليق ما يستشفه على القربان. (فتح القدیر: ۱۸۹/۴، باب الإيلاء، دار الفکر۔ و کذا فی

البحر الرائق: ۴/۶۰، کوئٹہ)۔

وفی العناية: وهو فی اللغة عبارة عن اليمين... وفي الشريعة عبارة عن منع النفس عن قربان المنكوحه أربعة أشهر فصاعداً منعاً مؤكداً باليمين. (شرح العناية: علی فتح القدير: ۴/۱۸۸، دار الفکر)۔

شرعاً ایلاء متحقق ہونے کے لیے کچھ شرائط ہیں، ملاحظہ فرمائیں:-

(الف) ایلاء کرنے والے کا عقل بالغ ہونا۔ (ب) بوقت ایلاء عورت کا حقیقتاً یا حکماً شوہر کے نکاح میں ہونا۔ (ج) اگر ایلاء کسی اجنبیہ سے کیا گیا ہے تو وہ اس وقت صحیح ہوگا جب کہ ایلاء کو اس عورت سے نکاح پر موقوف رکھا گیا ہو۔ (د) صحبت نہ کرنے کو کسی جگہ کے ساتھ مقید نہ کرنا۔ (ه) چار ماہ سے کسی دن کا استثناء نہ کرنا۔ ملاحظہ فرمائیں بدائع الصنائع میں ہے:

لرکن الإیلاء فی حق هذا الحکم شرائط بعضها یعم کل یمین بالطلاق وبعضها یخص الإیلاء أما الذی یعم... من العقل والبلوغ وقيام ملک النکاح والإضافة إلى المملک حتی لا یصح إیلاء الصبی والمجنون لأنهما لیسا من أهل الطلاق... وكذا جمیع ما ذکرنا من شرائط صحة التطلاق فهو من شرط صحة الإیلاء فی حق الطلاق وأما الذی یخص الإیلاء فشئان أحدهما المدة... والثانی ترک الفی فی المدة... (بدائع الصنائع: ۳/۱۷۱-۱۷۳- سعید)۔

فتح القدير میں ہے:

وشرطه محلية المرأة وأهلية الحالف وعدم النقص عن أربعة أشهر. (فتح القدير: ۴/۱۸۹، باب الإیلاء، دار الفکر)۔

البحر الرائق میں ہے:

ولو حلف لا یقربها فی زمان أو مکان معین لا یكون مولياً لأنه یمكنه قربانها فی مکان

آخر أو زمان آخر. (البحر الرائق: ۴/۱۶، باب الإیلاء، کوئٹہ)۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

یشترط أن لا يستثنى بعض المدة مثل لا أقرب سنة إلا يوماً. (فتاویٰ الشامی: ۳/۴۲۴،

سعید - وبدائع الصنائع: ۳/۱۷۲، سعید - ومجموعہ قوانین اسلامی: ۱۷۴، قانون ایلاء).

ایلاء کی چند اقسام ہیں جو حسب ذیل درج ہیں:-

ایلاء کی دو تقسیم کی گئی ہے (۱) باعتبار مدت (۲) باعتبار الفاظ۔

(۱) تقسیم اول کی دو قسمیں ہیں:

(الف) ایلاء موقت: مدت معینہ کے لیے (جو چار ماہ سے کم نہ ہو) بیوی سے صحبت نہ کرنے کی قسم کھانا۔

(باء) ایلاء مؤبد: بغیر تعیین مدت یا ہمیشہ کے لیے بیوی سے صحبت نہ کرنے کی قسم کھانا۔

(۲) تقسیم دوم کی بھی دو قسمیں ہیں:

(الف) ایلاء صریح: ان الفاظ سے ایلاء کرنا جن کو سنتے ہی ترک جماع کا مفہوم ذہن میں آئے، تو ان

الفاظ سے ایلاء صریح کہلائے گا۔

(باء) ایلاء کنایہ: اور جو الفاظ ایسے نہ ہوں وہ ایلاء کے سلسلہ میں کنائی کہلائیں گے، اور شوہر کی نیت

پر اس کا حکم موقوف رہے گا، اگر اس نے ترک جماع مراد لیا ہے تو ایلاء ہوگا ورنہ نہیں۔

ایلاء کے احکام:

ایلاء موقت میں چار ماہ کے اندر صحبت کرنے سے کفارہ یا وہ مشکل کام لازم ہو جاتا ہے جو اس نے اپنے

اوپر لازم کیا تھا۔

اور چار ماہ تک صحبت نہ کرنے سے اس مدت کے گزرتے ہی طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے، اور دونوں

صورتوں میں ایلاء ختم ہو جاتا ہے۔

ایلاء مؤبد میں چار ماہ کے اندر صحبت کرنے سے کفارہ لازم ہو کر ایلاء ختم ہو جائے گا، اور چار ماہ تک صحبت

نہ کی تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی، مگر ایلاء ختم نہ ہوگا، اور یہ سلسلہ چلتا رہے گا، حتیٰ کہ وہ عورت پھر اس کے نکاح

میں آئے اور چار ماہ کے اندر اس سے صحبت کرے تو کفارہ لازم آئے گا، اور ایلاء بھی ختم ہو جائے گا، اور صحبت نہ کی تو طلاق بائن واقع ہوگی، یہاں تک کہ تین طلاق واقع ہو جائے تو طلاق کی حد تک ایلاء ختم ہو جائے گا، اب حلالہ کے بعد جب وہ عورت اس کے نکاح میں آئے اور صحبت کرے تو طلاق واقع نہ ہوگی، مگر کفارہ لازم ہوگا۔
ملاحظہ فرمائیں ہدایہ میں ہے:

فإن كان حلف على أربعة أشهر فقد سقطت اليمين لأنها كانت موقته به وإن كان حلف على الأبد فاليمين باقية لأنها مطلقة ولم يوجد الحنث لترفع به إلا أنه لا يتكرر الطلاق قبل التزوج لأنه لم يوجد منع الحق بعد البينونة فإن عاد فتزوجها عاد الإيلاء فإن وطئها وإلا وقعت بمضي أربعة أشهر تطليقة أخرى لأن اليمين باقية لإطلاقها وبالتزوج ثبت حقها فيتحقق الظلم ويعتبر ابتداء هذا الإيلاء من وقت التزوج فإن تزوجها ثلثاً عاد الإيلاء ووقعت بمضي أربعة أشهر أخرى إن لم يقربها لما بينها فإن تزوجها بعد زوج آخر لم يقع بذلك الإيلاء طلاق لتقيده بطلاق هذا الملك واليمين باقية لإطلاقها وعدم الحنث فإن وطئها كفر عن يمينه لوجود الحنث. (الهداية: ۲/ ۴۰۱، باب الإيلاء كتاب الطلاق - والبحر الرائق: ۴/ ۶۰، باب الإيلاء - وكذا في فتح القدير: ۴/ ۱۸۹، دار الفكر - ومجموعه قوانين إسلامي: ۱۷۷، قانون إيلاء).
فتح القدير میں ہے:

وحكمه لزوم الكفارة أو الجزاء المعلق بتقدير الحنث بالقربان، ووقوع طلاقه بئنة بتقدير البر... (فتح القدير: ۴/ ۱۸۹ - وكذا في بدائع الصنائع: ۳/ ۱۷۵، سعيد). والله تعالى أعلم۔

ایلاء سے رجوع کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے ایلاء کیا چار ماہ یا اس سے زیادہ، اب ایلاء سے رجوع کرنا چاہتا ہے تو اس کیا طریقہ ہے؟ نیز رجوع کرنے سے طلاق یا کفارہ لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اگر کوئی شخص ایلاء سے رجوع کرنا چاہتا ہو اور صحبت پر قادر ہو تو ایلاء کی مدت کے اندر صحبت

کر لے، کفارہ لازم ہوگا، اور ایلاء ختم ہو جائے گا، صحبت پر قادر ہونے کی صورت میں زبان سے رجوع کرنا کافی نہیں، اور اگر کوئی شخص کسی عارضی یا مستقل مرض یا کسی اور قوی مانع کے سبب چار ماہ تک مسلسل صحبت پر قادر نہ ہو تو اس کا زبان سے رجوع کر لینا کافی ہوگا، طلاق واقع نہیں ہوگی، اور کفارہ بھی لازم نہیں ہوگا۔
البحر الرائق میں ہے:

فبان وطئ فی المدة كفر وسقط الإيلاء بإجماع الفقهاء حتى لو مضت أربعة أشهر لا يقع طلاق لإخلال اليمين بالحنث وسواء حلف على أربعة أشهر أو أطلق أو على الأبد... وإلا بانت أي إن لم يطأ في المدة وهي أربعة أشهر وقعت عليه طلاقه بئنة. (البحر الرائق: ۴/۶۲، باب الإيلاء، كوثته).

ہدایہ میں ہے:

وإن كان المولي مريضاً لا يقدر على الجماع أو كانت مريضة أو رتقاء أو صغيرة لا تجماع أو كانت بينهما مسافة لا يقدر أن يصل إليها في مدة الإيلاء ففيه أن يقول بلسانه فئت إليها في مدة الإيلاء فإن قال ذلك سقط الإيلاء. (الهداية: ۲/۴۰۳، باب الإيلاء- ومجموعه قوانین اسلامی: ۱۷۸، قانون ایلاء). واللہ اعلم۔

باب ﴿۱۰﴾

خلع کا بیان

شوہر کی رضا مندی کے بغیر خلع کرنے کا حکم:

سوال: عورت نے شوہر کے مظالم سے تنگ آ کر طلاق نہ ملنے کی صورت میں از خود خلع کر لیا اور شوہر کے بیان کے مطابق نہ اسے کسی قسم کی خلع کے سلسلہ میں پیش کش کی گئی اور نہ ہی کوئی اختیار دیا گیا، تو اس صورت میں خلع ہوا یا نہیں؟ عورت دوسری جگہ شادی کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعت مطہرہ میں خلع بھی دیگر عقود کی طرح ایک عقد ہے، جو فریقین کی رضا مندی کے بغیر تام نہیں ہوتا، لہذا بصورتِ مسئلہ خلع منعقد نہیں ہوا اور عورت کا خلع کا دعویٰ کرنا لغو اور بے بنیاد ہے، وہ حسب سابق اس مرد کے نکاح میں ہے، طلاق یا تفریق کے بغیر کسی اور سے نکاح کرنا ناجائز ہے۔
ملاحظہ فرمائیں شامی میں ہے:

وأما ركنه فهو كما في البدائع : إذا كان بعوض الإيجاب والقبول لأنه عقد على الطلاق بعوض ، فلا تقع الفرقة ، ولا يستحق العوض بدون القبول . (فتاویٰ الشامی: ۴۴۱/۳، باب الخلع، سعید).

علامہ زیلعی فرماتے ہیں:

ولا بد من قبولها لأنه عقد معاوضة أو تعليق بشرط فلا تنعقد المعاوضة بدون

القبول... إذ لا ولاية لأحدهما في إلزام صاحبه بدون رضاه. (تبيين الحقائق: ۲/۲۷۱، ملتان).

شمس الائمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

فيحتمل الفسخ بالتراضي أيضاً وذلك بالخلع واعتبر هذه المعاوضة المحتملة

للفسخ بالبيع والشراء في جواز فسخها بالتراضي. (المبسوط: ۶/۱۷۱، باب الخلع، إدارة القرآن۔ وکذا

فی بدائع الصنائع: ۳/۱۴۵، سعید). واللہ تعالیٰ اعلم۔

شوہر کے ظلم کی بنا پر خلع کرنے کا حکم:

سوال: ایک شوہر اپنی بیوی پر ظلم و زیادتی کرتا ہے اور وہ طلاق دینا بھی نہیں چاہتا ہے، تو عورت کیسے

رہائی حاصل کرے، بنگاہ شریعت عورت کے چھٹکارے کی کیا شکل ہو سکتی ہے؟

الجواب: سب سے پہلے خاندان والوں کو کوشش کرنی چاہئے کہ کسی طریقہ پر دونوں کے درمیان صلح

صفائی ہو جائے اور آپس میں الفت و محبت کی زندگی بسر کرنا شروع کر دے۔ لیکن کسی طرح صلح کی شکل نہ نکل سکے

اور شوہر کے ظلم کی وجہ سے عورت اس کے ساتھ رہنا گوارہ نہ کرے تو پھر شوہر کو طلاق پر آمادہ کرنا چاہئے، لیکن

شوہر کو کچھ منظور نہ ہو تو مہر یا کچھ مال دیکر خلع کر لے، اور اس طرح عورت شوہر کے پنجہ ظلم سے نجات حاصل

کر لے، لیکن خلع میں بھاری معاوضہ طلب کرنا بھی جائز نہیں ہے، بلکہ جو مہر دیا ہے وہی واپس کر کے خلع کر

لینا چاہئے۔

ملاحظہ فرمائیں:

قال الله تعالى: ﴿وإن خفتن شقاق بينهما فابعثوا حكماً من أهله وحكماً من أهلها إن

يريدا إصلاحاً يوفق الله بينهما﴾. (سورة النساء: الآية: ۳۵).

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

إذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس بأن تفتدي نفسها منه بمال يخلعها به فإذا فعل ذلك وقعت تطليقة بائنة ولزمها المال كذا في الهداية. (الفتاوى الهندية: ۱/۴۸۸۔ وكذا في بدائع الصنائع: ۳/۱۴۵، سعيد).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

خلع ایک طرح کا معاہدہ ہے جس میں شوہر نکاح سے حاصل ہونے والے اپنے اختیارات کسی طے شدہ بدل کے عوض ختم کر دیتا ہے اس لیے یہ طلاق بائن کے حکم میں ہے، اور چونکہ اس میں عوض زوجہ کو ادا کرنا پڑتا ہے اس لیے اس کی رضامندی ضروری ہے، خلع کی پیش کش زوجین میں سے کسی کی طرف سے ہو سکتی ہے، مثلاً شوہر کہے کہ میں نے مہر کے عوض تم کو خلع دیا، اور عورت کہے کہ میں نے قبول کیا، یا عورت کہے کہ مجھے مہر کے عوض خلع دے دو، اور شوہر کہے کہ میں نے خلع دے دیا۔

خلع کے ذریعہ وہی حقوق ساقط ہوں گے اور وہی عوض واجب الاداء ہوگا جن کے اسقاط اور جن کی ادائیگی پر باہم اتفاق ہو گیا ہو۔

خلع میں اگر عورت صراحۃً نفقۃً عدت کو ساقط کر دے تو ساقط ہو جائے گا، لیکن عدت کا سکنی اور بچوں کا نفقہ ساقط کرنے سے بھی ساقط نہیں ہوگا۔

خلع میں مال کی جو مقدار طے ہو جائے درست ہے، لیکن مقدار مہر سے زیادہ مال متعین کرنا اور لینا بہر حال ناپسندیدہ ہے۔ (مجموعہ قوانین اسلامی، قانون خلع: ۱۸۱-۱۸۳، مسلم پرسنل لا بورڈ)۔

اور اگر شوہر کے برے اخلاق کی وجہ سے بیوی شوہر کو ناپسند کرے تب بھی خلع کی گنجائش ہے اسی طرح بغیر کسی وجہ کے ناپسند کرے اور دونوں خلع پر راضی ہیں، تب بھی خلع کرنے کی اجازت ہے۔

ملاحظہ فرمائیں علامہ شعرانیؒ ”المیزان الکبریٰ“ میں فرماتے ہیں:

واتفق الأئمة على أن المرأة إذا كرّهت زوجها لقبح منظر أو سوء عشرة جاز لها أن تخالعه على عوض وإن لم يكن من ذلك شيء وتراضيا على الخلع من غير سبب جاز ولم يكره. (الميزان الكبرى: ۲/۱۱۹، كتاب الخلع، دار الفکر). واللہ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ:

﴿وإن خفتن شقاق بينهما فابعثوا حكماً من أهله
وحكماً من أهلها إن يريدان إصلاحاً يوفق الله بينهما﴾.

(سورة النساء: الآية: ۳۵).

وقال تعالیٰ:

﴿وإن يتفرقا يغن الله كلا من سعته﴾.

(سورة النساء: الآية: ۱۳۰).

باب..... ﴿۱۱﴾

فسخ و تفریق کا بیان

باب..... (۱۱) فسخ و تفریق کا بیان

شوہر کا نفقہ ادا نہ کرنے پر تفریق کا حکم:

سوال: ایک عورت شوہر کے متعلق یہ کہتی ہے کہ وہ گھر کا ضروری خرچہ نہیں دیتا ہے، مثلاً بہت کم رقم دیتا ہے جس سے گزارہ مشکل ہوتا ہے اور اس کا حساب بھی مانگتا ہے، نیز بیوی کے رشتہ داروں کی مہمان نوازی سے انکار کرتا ہے، لڑائی جھگڑے روزانہ کا معمول ہے، بیوی سخت کوفت میں مبتلا ہے، شوہر کے ساتھ بالکل رہنا نہیں چاہتی، اور شوہر کے مطالبات ظالمانہ ہونے کے وجہ سے خلع بھی مشکل ہے، لہذا اس مسئلہ میں کوئی عالم تفریق کر سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ کورٹ میں تفریق ہو چکی ہے۔

الجواب: اگر شوہر زوجہ کو نفقہ کے معاملہ میں پریشان کرتا ہو اور سخت جبوری کی بنا پر تفریق کے سوا کوئی چارہ نہ ہو تو ایسے وقت میں علمائے احناف عورت کو مصیبت سے نکالنے کے لئے مذہب مالکیہ پر فتویٰ دیتے ہیں، یعنی جب کسی قسم کی مصالحت یا خلع وغیرہ کی گنجائش باقی نہ رہے تو عورت کو اپنا مقدمہ قاضی یا جمعیتہ العلماء کے سامنے پیش کر کے تفریق کرانے کا اختیار ہے۔

ملاحظہ ہو ”الحیلة الناجزة“ میں ہے:

زوجہ متعنت (باوجود قدرت کے بیوی کے حقوق نفقہ وغیرہ ادا نہ کرے) کو اول تو لازم ہے کہ کسی طرح خاوند

سے خلع وغیرہ کر لے، لیکن اگر باوجود سعی بلیغ کے کوئی صورت نہ بن سکے تو سخت مجبوری کی حالت میں مذہب مالکیہ پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ اور سخت مجبوری کی دو صورتیں ہیں:

(۱) ایک یہ کہ عورت کے خرچ کا کوئی انتظام نہ ہو سکے یعنی نہ تو کوئی شخص عورت کے خرچ کا بندوبست کرتا ہو اور نہ خود عورت حفظِ آبرو کے ساتھ کسبِ معاش پر قدرت رکھتی ہو۔

(۲) اور دوسری صورت مجبوری کی یہ ہے کہ اگرچہ بسہولت یا بدقت خرچ کا انتظام ہو سکتا ہے، لیکن شوہر سے علیحدہ رہنے میں ابتلائے معصیت کا قوی اندیشہ ہو۔

اور صورتِ تفریق کی یہ ہے کہ عورت اپنا مقدمہ قاضی یا مسلمان حاکم، اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں جماعتِ مسلمین کے سامنے پیش کرے، اور جس کے سامنے پیش ہو وہ معاملہ کی شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعہ پوری تحقیق کرے، اور اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو کہ باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو، ورنہ ہم تفریق کر دیں گے، اس کے بعد بھی اگر وہ ظالم کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی یا شرعاً جو اس کے قائم مقام ہو طلاق واقع کر دے، اس میں کسی مدت کے انتظار و مہلت کی باتفاق مالکیہ ضرورت نہیں۔

”لِلرَّوَايَةِ الثَّانِيَةِ وَالْعَشْرِينَ مِنَ الْفَتَاوَى لِلْعَلَامَةِ سَعِيدِ بْنِ صَدِيقِ الْمَالِكِيِّ“ (الحيلة

الناجزة للحيلة العاجزة: ص ۶۳، حکم زوجہ متعنت فی النفقة، ط: دارالاشاعت، دیوبند)۔

جماعتِ مسلمین مذکورہ بالا ہدایات کے مطابق تحقیق کر کے فیصلہ کر دے تو وہ نافذ ہوگا۔

جماعتِ مسلمین کی شرائط:

جماعتِ مسلمین کے بارے میں مندرجہ ذیل باتیں ملحوظ رکھنا ضروری ہیں:

(۱) فتاویٰ مالکیہ میں ”جماعة المسلمين العدول“ کے الفاظ ہیں، اور عدول سے مراد وہ شخص ہے جو

فاسق نہ ہو۔

(۲) اگر فیصلہ جماعت کے سپرد کیا جائے تو وہ عوام کی پنچایت اور جماعت نہ ہو یعنی یا تو سب علماء ہوں یا

کم از کم ایک معاملہ شناس عالم ہو۔

(۳) جماعت کا عدد کم از کم تین ہو۔

(۴) ایسی جماعت اگر تفریق کر دے تو اس کا فیصلہ نافذ ہوگا، لیکن فیصلہ اتفاق رائے سے ہونا ضروری ہے۔ پس اگر ارکان میں اختلاف رہے تو مقدمہ خارج کر دیا جائے۔

(ملخص از "الحيلة الناجزة" ص ۱۳۵، صورت قضاء قاضی در ہندوستان)

مالکی مفتی کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:

الجواب من العلامة سعيد بن صديق الفلاتي متعنا الله بعلومه:

بسم الله الرحمن الرحيم، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم، سبحانك لا علم لنا إلا ما علمتنا إنك أنت العليم الحكيم، أتم الصلاة وأتم التسليم على سيدنا محمد الهادي الحليم، وعلى آله وصحبه والآتي ربه بقلب سليم... أما الجواب عن المتعنت الممتنع عن الإنفاق ففي مجموع الأمير ما نصه: إن منعها نفقة الحال فلها القيام، فإن لم يثبت عسره أنفق أو طلق، وإلا طلق عليه. قال محشي: قوله وإلا طلق أي طلق عليه الحاكم من غير تلوم إلى أن قال: وإن تطوع بالنفقة قريب أو أجنبي... قال ابن عبد الرحمن: لا مقال لها، لأن سبب الفراق هو عدم النفقة قد انتفى. (الحيلة الناجزة: ص ۱۱۵، ۱۱۹، ط: دار الاشاعت، ديوبند).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (مجموع قوانین اسلامی، مسلم پرسنل لا بورڈ، از قاضی مجاہد الاسلام: ص ۱۹۸، دفعہ ۷۹۔ و کتاب الفسخ والتفریق، از مولانا عبد الصمد رحمانی، مکتبہ امارت شرعیہ: ص ۸۹)۔

کورٹ میں غیر مسلم حج کا فیصلہ معتبر نہیں۔

ملاحظہ فرمائیں "ایضاح النوادر" میں ہے:

غیر مسلم حج اگر طلاق وغیرہ کے متعلق فیصلہ دیتا ہے تو شرعی طور پر اس کا فیصلہ صحیح اور معتبر نہ ہوگا، اس فیصلہ کی وجہ سے مسئلہ طلاق میں بیوی کو آزادی حاصل نہ ہوگی۔ اس مسئلہ کو علامہ شامیؒ نے ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

"لم ينفذ حكم الكافر على المسلم، وينفذ للمسلم على الذمي". (ایضاح النوادر: ص ۱۵۲)۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

شوہر کے طویل عرصہ قید ہونے کی وجہ سے تفریق کا حکم:

سوال: قیدی کی بیوی اگر عفت کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی اور اس کے خرچے کا انتظام ہے تو کیا قاضی یا جماعۃ المسلمین تفریق کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ قیدی کی مدت لمبی ہو؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ شدید مجبوری اور زنا سے تحفظ کے لیے امام مالکؒ کے قول پر فتویٰ دیا جائے تو خلافِ صواب نہ ہوگا۔ یعنی مذہب مالکی میں ترکِ مجامعت بھی وجہ تفریق ہے، لہذا عورت اپنا مقدمہ قاضی کی عدالت میں یا جمعیت العلماء کے سامنے پیش کر دے کہ فلان میرا شوہر فلان جیل میں ہے اور اس کی سزا کافی طویل ہے، اور اتنی مدت انتظار کرنا میرے بس سے باہر ہے، مجھے نکاح کی سخت ضرورت ہے، بصورتِ دیگر گناہ میں پڑنے کا سخت اندیشہ ہے۔ قاضی یا جمعیت العلماء باقاعدہ تحقیق کریں کہ عورت کے بیان میں کس حد تک صداقت پائی جاتی ہے، اگر عورت کا بیان صحیح ثابت ہو جائے تو اس کے پاس حکم بھیجے کہ بیوی کے حقوق ادا کرو یا اس کو بلا لویا وہیں سے کوئی انتظام کرو، ورنہ اس کو طلاق دیدو، اگر کچھ منظور نہ ہو تو پھر ہم خود تفریق کر دیں گے، اس پر بھی خاوند کوئی صورت قبول نہ کرے تو قاضی عورت کو مزید ایک ماہ کے انتظار کا حکم دے، اگر اس مدت میں شوہر کی رہائی یا سزا میں تخفیف کے کچھ اسباب پیدا نہ ہوئے تو قاضی یا جمعیت العلماء عورت کو اس مرد کی زوجیت سے الگ کر دے۔ اس کے بعد عورت عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

ترکِ مجامعت اور بیوی کو معلقہ بنا کر رکھنا بھی تفریق کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، کیونکہ حقوقِ زوجیت کی ادائیگی واجب ہے، حقوقِ زوجیت ادا نہ کرنا اور بیوی کو معلقہ بنا کر رکھنا ظلم ہے، اور رفعِ ظلم قاضی کا فرض ہے، نیز صورتِ مذکورہ میں عورت کا معصیت میں مبتلا ہونا بھی ممکن ہے، قاضی کا فرض ہے کہ ایسے امکانات کو بند کر دے، اس لیے کہ اگر عورت قاضی کے یہاں مذکورہ بالا شکایت کے ساتھ مرافعہ کرے تو قاضی تحقیق حال کے بعد لازمی طور پر رفعِ ظلم کرے گا اور معصیت سے محفوظ رکھنے کے مواقع پیدا کرے گا، مذہب مالکی میں بھی ترکِ مجامعت وجہ تفریق ہے۔ (مجموعہ قوانین اسلامی: ۱۹۲، دفعہ ۷۳)۔

وإذا ثبت لها التطليق بذلك فبخشية الزنا أولى، لأن ضرر ترك الوطئ أشد من ضرر عدم النفقة، ألا ترى أن إسقاط النفقة يلزمها، وإن أسقطت حقها في الوطئ فلها الرجوع فيه، ولأن النفقة يمكن تحصيلها بنحو تسلف وسؤال بخلاف الوطئ. (من فتوى العلامة سعيد بن صديق الفلاتي، بحواله: الحيلة الناجزة: ۱۱۸، دارالاشاعت، ديوبند).

ملاحظہ فرمائیں ”الحيلة الناجزة“ میں ہے:

ہرچند کہ حنفیہ کا مذہب از روئے دلیل نہایت قوی اور غایت احتیاط پر مبنی ہے، مگر فقہائے حنفیہ میں سے بعض متاخرین نے وقت کی نزاکت اور فتنوں پر نظر فرماتے ہوئے اس مسئلہ میں امام مالک کے مذہب پر فتویٰ دیا ہے جیسا کہ علامہ شامیؒ نے ”الدر المنتقى“ سے قہستانی کا قول نقل کیا ہے: ”لو أفتى به في موضع الضرورة لا بأس به على ما أظن“۔ (فتاویٰ الشامی: ۲۹۵/۴، مطلب فی الافتاء بمذہب مالک، سعید) اور ایک عرصے سے ارباب فتویٰ اہل ہند و بیرون ہند تقریباً سب نے اسی قول پر فتویٰ دینا اختیار کر لیا ہے، اور یہ مسئلہ اس وقت ایک حیثیت سے فقہ حنفی ہی میں داخل ہو گیا، لیکن جب تک عورت صبر کر سکے اس وقت تک اصل مذہب حنفی پر عمل کرنا لازم ہے، ہاں بوقت ضرورت شدیدہ کہ خرچ کا انتظام نہ ہو سکے یا بوجہ خوف معصیت کے بیٹھنا مناسب نہ سمجھا جاوے، اس وقت مذہب مالکیہ پر عمل کرنے میں مضائقہ نہیں، اور ایسے ہی مواقع کے لئے یہ فتویٰ مرتب کیا گیا ہے۔ (الحيلة الناجزة: ۵۰، دارالاشاعت، دیوبند، من فتوى العلامة سعيد بن صديق الفلاتي المالكي).

کتاب الفسخ والتفریق میں ہے:

اگر عورت کو نفقہ نہ ملنے کی وجہ سے طلاق کے مطالبہ کا حق ثابت ہے تو زنا کے اندیشہ سے بدرجہ اولیٰ یہ حق ہوگا، اس لئے کہ ترک وطی کا ضرر عدم نفقہ کے ضرر سے زیادہ سخت ہے۔... دوسری وجہ یہ کہ قرض یا سوال کے ذریعہ نفقہ حاصل کرنا ممکن ہے، لیکن وطی میں ایسا ممکن نہیں ہے۔ (کتاب الفسخ والتفریق: ص ۷۳).

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں:

بہتر یہ ہے کہ کسی طرح طلاق حاصل کر لی جائے، اگر طلاق نہ دے تو کچھ مال دے کر خلع کر لے، ایسا بھی نہ ہو سکے تو پھر کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں اپنا معاملہ پیش کرے، وہ حاکم اس قیدی کو طلاق دینے

پر مجبور کرے، نہ دے تو پھر یہ حاکم خود طلاق کا حکم کر دے، حاکم کا یہ حکم قائم مقام طلاق کے ہو جائے گا، بشرطیکہ حاکم مسلمان ہو۔

وهذا فی الأصل مذهب الإمام مالک إلا أن علمائنا الحنفیة أفتوا علیه لمكان الضرورة الشديدة... (مختصر از امداد المفتین: جلد دوم: ۶۷۲، دارالاشاعت، کراچی).

فتاویٰ دارالعلوم کبیر میں ہے:

سوال کا ماحصل یہ ہے کہ زید کو کسی جرم میں تیس سال کی قید ہو گئی، تین سال گزر چکے، ستائیس سال باقی ہیں، زوجہ کہتی ہے کہ میں اس قدر مدت مدید بلا خاوند صبر نہیں کر سکتی، نکاح فسخ کرایا جائے۔ زید طلاق دینا یا علیحدہ کرنا نہیں چاہتا، دور کے رشتہ دار کے مکان میں رکھنا چاہتا ہے، اس پر اطمینان نہیں، آبروریزی کا ظن غالب ہے، بحالت موجودہ حکم شرعی کیا ہے، جبراً نکاح فسخ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اصل مذہب حنفیہ کا اس صورت میں یہ ہے کہ نکاح فسخ نہیں ہو سکتا، اور بدون طلاق دینے شوہر کے نکاح ثانی عورت کو کرنا درست نہیں ہے۔ لیکن بعض دیگر ائمہ ایسی صورت میں فسخ نکاح کو جائز فرماتے ہیں، اور حنفی کو بضرورت اس پر عمل کرنا درست ہے، لہذا موقع ضرورت میں حنفی کو گنجائش ہے کہ تفریق کر دے اور عدت کے بعد جواز نکاح ثانی کا فتویٰ دیدے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۰/۲۳۰).

نیز فقہاء احناف نے ظہار کے باب میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر مظاہر کفارہ ادا نہ کرے اور عورت کو معلق رکھے تو عورت قاضی کے پاس مرافعہ کر سکتی ہے اور حاکم عورت سے دفع ضرر کرے گا۔

ملاحظہ فرمائیں بدائع الصنائع میں ہے:

أن للمرأة أن تطالبه بالوطء وإذا طالبت به فعلى الحاكم أن يجبره حتى يكفر ويطأ لأنه بالتحريم بالظهار أضر بها حيث منعها حقها في الوطء مع قيام الملك فكان لها المطالبة بإيفاء حقها ودفع الضرر عنها وفي وسعه إيفاء حقها بإزالة الحرمة بالكفارة فيجب عليه ذلك ويجبر عليه لو امتنع... (بدائع الصنائع: ۳/۲۳۴، احکام الظہار، سعید). واللہ اعلم۔

شوہر کے مجنون ہونے کی وجہ سے فسخ نکاح کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص پاگل ہو تو اس کی بیوی کی تفریق کی کیا صورت ہے، جبکہ عورت کو یہ بات معلوم تھی، لیکن اب عزت کا خطرہ ہے، اور اس سے خوف زدہ بھی ہے؟

الجواب: اگر کسی عورت کا شوہر مجنون یا پاگل ہو، دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو، بیوی کے حقوق کی ادائیگی کی ان کو خبر ہی نہ ہو اگرچہ عورت کو پہلے سے جنون معلوم تھا، لیکن اب شوہر کے پاس رہنا مشکل بلکہ خطرہ بھی ہے، اور نان و نفقہ کا معاملہ بھی بیوی کے لئے مشکل ہے، نیز عفت و پاکدامنی کے ساتھ زندگی بسر کرنا بیوی کے بس سے باہر ہے، تو ان تمام صورتوں میں یہ عورت شرعی قاضی کے پاس، اور اگر شرعی قاضی نہ ہو تو علماء کی جمعیت کے پاس اپنا مقدمہ دائر کر دے، جمعیت اس کے دعویٰ کو صحیح پا کر شوہر کے علاج کے لئے ایک سال کی مہلت دیدے، اگر ایک سال میں صحیح نہیں ہوا تو دوبارہ عورت اپنا مقدمہ اسی جمعیت کے پاس دائر کر کے جمعیت والے حضرات دونوں کے مابین تفریق کر دے، اس کے بعد جب عدت گزر جائے تو بیوی دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ (مخلص از امداد المفتین از مفتی شفیع صاحب ۶۷۳/۲)۔

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

شوہر کے جس جنون سے بیوی کے جسم و جان کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے وہ جنون موجب تفریق ہے، لیکن شوہر کو قاضی علاج کے لئے ایک سال کی مہلت دے گا، اس کے بعد بھی اگر افاقہ نہ ہو اور بیوی علیحدگی چاہے تو قاضی تفریق کر دے گا۔

قال محمد: إن كان بالزوج عيب لا يمكنه الوصول إلى زوجته، فالمرأة مخيرة بعد ذلك، ينظر إن كان العيب كالجنون الحادث والبرص ونحوهما، فهو والعنة سواء فينظر حولاً، وإن كان الجنون أصلياً أو به مرض ولا يرجى براءه فهو والجب سواء، وهي بالخيار إن شاءت رضيت بالمقام معه، وإن شاءت رفعت الأمر إلى الحاكم حتى يفرق بينهما. (الفتاوى الحمادية للعلامة ركن الدين ناغوري ص ۷۶ نقلاً عن المضمرة، بحواله: الحيلة الناجزة ص ۳۹)۔

لیکن چونکہ جنون حادث کی تفسیر نہ اس جگہ لکھی ہے اور نہ کہیں دوسرے مواقع میں دستیاب ہوئی، جس کی وجہ سے اس کے مقابلہ میں مطبق کی تفسیر بھی پوری طرح واضح نہیں ہو سکتی، اور دوسرے مواقع میں جو مطبق کی تفسیر بمقابلہ غیر مطبق لکھی ہے اس کو محض قیاس سے اس جگہ جاری کرنا احتیاط کے خلاف ہے... اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ اس تفسیر سے قطع نظر کر کے ہر حال میں سال بھر کی مہلت دی جاوے، اس کے بعد حکم کیا جاوے۔ الحیلۃ الناجزۃ: ص ۶۲/۶۳ زیر عنوان: حکم زوجہ مفقود۔ (ماخوذ از مجموعہ قوانین اسلامی: ۱۹۵ دفعہ ۷۶)۔

مزید ملاحظہ فرمائیں: (کتاب الفسخ والتفریق: ص ۱۱۳-۱۱۵، از مولانا عبد الصمد رحمانی نائب امیر شریعت بھارواڑیہ۔ والحیلۃ الناجزۃ: ۴۸، ۴۱)۔

نیز نان و نفقہ اور دیگر اخراجات کے اسباب مہیا کرنا بیوی کے لئے مشکل ہو جاوے تب بھی تفریق ہو سکتی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں: (الحیلۃ الناجزۃ: ص ۶۳ حکم زوجہ مقنعت فی النفقۃ) کما مر۔ اسی طرح حقوق زوجیت ادا نہ کر سکتا ہو اور بیوی کے لیے عفت و پاکدامنی کی زندگی بسر کرنا مشکل ہو جاوے، بلکہ معصیت میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہو تب بھی عورت مقدمہ دائر کر کے قاضی یا جمعیت المسلمین سے تفریق کر سکتی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں: (کتاب الفسخ والتفریق: ص ۷۳، والحیلۃ الناجزۃ) کما مر۔ واللہ اعلم۔

مرض ایڈس (Aids) کی وجہ سے فسخ نکاح کا حکم:

سوال: ایڈس (Aids) کی بیماری کی وجہ سے فسخ نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں، جبکہ حدیث میں آیا ہے: ”لا

عدوی ولا طیرۃ“۔ (رواہ البخاری:)۔

الجواب: بصورتِ مسئلہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے مذہب کے موافق تو عورت کو کسی بیماری کی وجہ سے فسخ نکاح کا اختیار نہیں، ہاں امام محمدؒ کے نزدیک جنون، برص، جذام وغیرہ بیماریوں کی وجہ سے عورت کو فسخ کرانے کا اختیار حاصل ہے۔ چونکہ عصر حاضر میں ایڈس (Aids) ایک مہلک خطرناک بیماری ثابت ہو چکی ہے،

اور عام طور پر متعدی بھی ہوتی ہے، اس وجہ سے امام محمد کے قول پر فتویٰ دیتے ہوئے عورت کو اختیار ہوگا کہ قاضی شرعی یا جمعیت العلماء کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کرے اور جمعیت العلماء تحقیق فرما کر جب بیماری ثابت ہو جائے تو دونوں کے درمیان تفریق کرنے کی مجاز ہوگی۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

ولا يتخير أحد الزوجين بعيب الآخر ولو فاحشاً كجنون وبرص ورتق وقرن،
وخالف محمد في الثلاثة الأول وخالف الأئمة الثلاثة في الخمسة .
وفي حاشية الطحطاوي: قوله وخالف محمد في الثلاثة الأول هي الجنون والجذام
والبرص، وألحق به القهستاني كل عيب لا يمكنها المقام معه إلا بضرر، ونقله المؤلف في
شرح الملتقى . (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۲/۲۱۳، كوئته).

ہدایہ میں ہے:

وإذا كان بالزوج جنون أو برص أو جذام فلا خيار لها عند أبي حنيفة وأبي يوسف،
وقال محمد: لها الخيار دفعاً للضرر عنها كما في الجب والعنة.
وفي العناية في شرح الهداية: لها الخيار لأنه تعذر عليها الوصول إلى حقها لمعنى فيه
فكان بمنزلة الجب والعنة، فتخير دفعاً للضرر حيث لا طريق لها سواه. (العناية في شرح الهداية
مع الهداية على هامش فتح القدير: ۴/۳۰۵، ط: دار الفكر).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

قال محمد: إن كان الجنون حادثاً يؤجله سنة كالعنة، ثم يخير المرأة بعد الحول إذا
لم يبرء، وإن كان الجنون مطبقاً فهو كالجب، وبه نأخذ، كذا في الحاوي القدسي. (الفتاوى
الهندية ۱/۵۲۶).

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما خلو الزوج عما سوى هذه العيوب الخمسة من الجب والعنة والتأخذ والخصاء

والخنوثة فهل هو شرط لزوم النكاح، قال أبو حنيفة وأبو يوسف: ليس بشرط ولا يفسخ النكاح به، وقال محمد: خلوه من كل عيب لا يمكنها المقام معه إلا بضرر كالجنون والجذام والبرص شرط لزوم النكاح حتى يفسخ النكاح به... لأن هذه العيوب في إلحاق الضرر بها فوق تلك، لأنها من الأدواء المتعدية عادة، فلما ثبت الخيار بتلك فلائن يثبت بهذه أولى. (بدائع الصنائع ۲/۳۲۷، شروط لزوم النكاح).

”الموسوعة الفقهية الكويتية“ میں ہے:

جاءت هذه العيوب بصيغة التمثيل، هذا إلى جانب أن نصوص الفقهاء عامة كانت تعلق التفريق للعيوب بالضرر الفاحش وبالعدوى، وعدم القدرة على الوطء، وهو ظاهر في جواز القياس عليها.

وعلى هامشه قال: وترى اللجنة أن هذه العيوب المنصوص عليها ليست للحصر، وإنما هي للتمثيل، ولذلك فإنه يلحق كل ما كان في معناها أوزاد عليها، كالإيدز وما شابهه من الأمراض التي تفوق بعض ما ذكر. (الموسوعة الفقهية الكويتية مع التعليقات: ۲۹/۶۹، التفريق للعيوب، ط: وزارة الأوقاف بالكويت).

جدید فقہی مسائل میں ہے:

چونکہ امام محمد کا مسلک اس مسئلہ میں شریعت کی روح و مزاج سے قریب بھی ہے، اور مصلحت عامہ کے مطابق بھی، اس لئے فقہاء احناف نے امام محمد ہی کی رائے پر فتویٰ دیا ہے۔ (جدید فقہی مسائل: ۱۷۷/۳).

جدید فقہی مباحث میں ہے:

زیلعی کہتے ہیں: وقال محمد: ترد المرأة إذا كان بالرجل عيب فاحش بحيث لا تطيق المقام معه، لأنها تعذر عليها الوصول إلى حقها لمعنى فيه كالجذب والعنة. (تبیین الحقائق: ۲۵/۳، باب العنین وغیرہ، ملتان).

گویا امام محمد کے نزدیک ہر متعدی اور قابل نفرت مرض کی بناء پر عورت تفریق کا مطالبہ کر سکتی ہے، اور یہی شریعت

کے مزاج و مذاق سے ہم آہنگ اور اس کے اصول و مقاصد اور روح قواعد کے مطابق ہے۔

ان تفصیلات کی روشنی میں غور کیا جائے تو ائمہ ثلاثہ کے علاوہ حنفیہ کے نزدیک بھی ایڈز ان امراض میں سے ہے جن کی وجہ سے عورت کو حق تفریق حاصل ہوتا ہے، کیونکہ یہ برص و جذام سے زیادہ قابل نفرت بھی ہے اور متعدی بھی، اور چونکہ جنسی ربط بھی اس مرض کی منتقلی کا ایک اہم سبب ہے، اس لئے ایڈز کا مریض شوہر اس کی بیوی کے حق میں نامرد ہی کے حکم میں ہے کہ وہ مرض کی منتقلی کے خوف سے اس مرد کے ذریعہ داعیہ نفس کی تکمیل نہیں کر سکتی۔ (جدید فقہی مباحث: ۱۰/۶۶)۔

دوسری جگہ مرقوم ہے:

ایڈز کا مرض مہلک امراض میں سے ہے بشرطیکہ ٹیسٹ (Test) سے یہ ثابت ہو جائے کہ وائرس اس پر حملہ آور ہوا ہے، اور اس نے مرض کی شکل اختیار کر لی ہے، ورنہ کسی شخص کے خون میں وائرس کی محض موجودگی یہ معنی نہیں رکھتی کہ وہ ایڈز کے مرض میں مبتلا ہو گیا ہے، اگر کوئی واقعی ایڈز کے مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے تو عورت کو فسخ نکاح کا مطالبہ کرنے کا اختیار ہے۔ (جدید فقہی مباحث: ۱۰/۱۲۰)۔

طبی اخلاقیات میں ہے:

اگر کوئی مرد ایڈز کا مریض ہو، مگر اس نے اپنا مرض ظاہر کئے بغیر کسی خاتون سے نکاح کر لیا تو ایسی صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا حق ہوگا۔ اور اگر نکاح کے بعد مرد اس بیماری میں مبتلا ہو جائے او خطرناک حد تک پہنچ جائے تو خاتون کے لئے فسخ نکاح کا حق ہوگا۔ (طبی اخلاقیات: ص ۴۰۶، ترتیب از: قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاضی)۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

تعدیہ امراض اور احادیث میں تطبیق:

مرض کے متعدی ہونے کے متعلق دو قسم کی احادیث ملتی ہیں: بعض احادیث سے متعدی ہونے کی نفی اور بعض سے متعدی ہونا معلوم ہوتا ہے،

مثلاً حدیث ”لا عدوی ولا طيرة... الخ“ (رواہ البخاری: ۲/۵۴۸۸، باب الحذام) سے مفہوم ہوتا

ہے کہ مرض متعدی نہیں ہوتا، اور حدیث ”فر من المجذوم فرارک من الأسد“ (رواہ البخاری: ۲/۵۴۸۸،

باب الحذام۔ وکذا فی مسند احمد برقم ۹۳۴۵) یعنی ”جذامی سے ایسے بھاگو جیسے تم شیر سے بھاگتے ہو“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرض متعدی ہوتا ہے۔ نیز ”لا یوردن ممرض علی مصح“ (رواہ البخاری: ۵۵۴۵/۸۵۹/۲، باب لا ہامة) یعنی بیمار اونٹ کو تندرست اونٹ کے پاس نہ لایا جائے، اس سے بھی مرض کا تعدیہ معلوم ہوتا ہے، نیز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کے وقت مجذوم کو ہاتھ نہیں لگایا، بلکہ دور سے بیعت فرمائی، دوسری جگہ مجذوم شخص کی بابت منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ کھانا تناول فرمایا اور ارشاد فرمایا: ”ثقة بالله وتوکلأ علیہ“ (رواہ ابوداؤد فی الطیبرۃ۔ والترمذی فی باب ماجاء فی الاکل مع المجذوم۔ وابن ماجہ فی باب الحذام) یعنی اللہ کے بھروسہ اور توکل پر۔

محدثین نے ان روایات میں مختلف طریقوں پر تطبیق فرمائی ہے، جن میں آسان اور ذہن میں اترنے والی بات یہ ہے کہ بعض امراض متعدی ہوتے ہیں لیکن ان کا متعدی ہونا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے، زمانہ جاہلیت میں لوگ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ بعض چیزوں میں ذاتی تاثیر ہے، ان میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا کوئی دخل نہیں، جیسے ستاروں کو قسمت میں مؤثر مانتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے، لہذا حدیث ”لا عدوی“ میں اس عقیدہ کی نفی مقصود ہے کہ مرض کا متعدی ہونا بذات خود نہیں، اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے۔ اس وجہ سے جب ایک اعرابی نے ”لا عدوی“ کے بعد کہا کہ ہم تندرست اونٹ کو خارش اونٹ کے پاس لاتے ہیں اور وہ بیمار ہو جاتا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلے کو کس نے خارش بنایا، (بخاری شریف: ۸۵۲/۲) یعنی مرض تو دوسرے اونٹوں سے لگ گیا، لیکن اس کا لگنا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا، جیسے پہلے میں بھی اللہ تعالیٰ کا حکم کار فرما ہے۔ الغرض ہمارے زمانہ میں بہت سے امراض کا متعدی ہونا نظر و خیال سے بڑھ کر مشاہدہ بن چکا ہے، اس لئے صحیح یہی ہے کہ بعض امراض جراثیم کے ذریعہ متعدی ہوتے ہیں، البتہ یہ من جملہ اسباب کے ایک سبب کے درجہ میں ہے، ورنہ بیماری کا پیدا ہونا نہ کسی بیمار سے میل جول پر موقوف ہے، اور نہ یہ ضروری ہے کہ بیمار شخص سے میل جول لازماً بیماری کو لاتا ہے، ہاں ان اسباب سے متاثر ہونا اور نہ ہونا بہر حال مشیت خداوندی اور قدر الہی کے تابع ہے کہ بغیر حکم ایزدی کے درخت کا ایک پتہ بھی نہیں ہل سکتا۔

دلائل کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: فتح الباری شرح صحیح البخاری: ۱۰/۱۵۹-۱۶۲،

باب الحذام۔ وعمدة القاري شرح صحيح البخاري: ۱۴/۶۹۳، باب الحذام، دار الحديث، ملتان۔ ومراقبة المقاتيح: ۳/۹۔ شرح الطيبي: ۳۱۵/۸۔ وبذل المجهود: ۲۴۱/۱۶۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

زوجین میں شقاق کی وجہ سے فسخ و تفریق کا حکم:

سوال: سوال کا ما حاصل اور اشکالات کا خلاصہ حسب ذیل درج ہے:-

بیوی اور اس کے خاندان والوں کا بیان حقیقت پر مبنی ہو تو ان کی شکایات کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے، جن کی وجہ سے بیوی اور اس کے خاندان والے نکاح فسخ کرانا چاہتے ہیں:

(۱) شوہر بیوی سے کئی دن بات چیت نہیں کرتا، اور اس کو ذہنی اذیت میں مبتلا رکھتا ہے۔

(۲) شوہر کی اجازت سے جانے کے بعد بھی شوہر بیوی کو نفقہ نہیں دیتا۔

(۳) اولاد شرعاً اور طبعاً مرغوب ہے۔ ”تزوجوا الودود الولود“ (رواہ ابو داؤد) کی حدیث اور ”

نسائکم حرث لکم“ (سورۃ البقرة: الآیۃ: ۲۲۳) اور انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی دعائیں اور ان جیسی بے شمار نصوص اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں، جبکہ شوہر اولاد کو بوجھ سمجھتا ہے اور اولاد کو روکنے کی کوشش کرتا ہے یا ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہے۔

(۴) شوہر بیوی سے حد درجہ بیزار ہے، یہاں تک کہ بیوی کے رشتہ داروں سے بھی تعلق رکھنے کا روادار

نہیں، اور اس بیزاری کے نتیجہ میں بیوی بھی شوہر سے بیزار ہو چکی ہے، اس لئے شوہر سے الگ رہنا چاہتی ہے۔

(۵) شوہر بیوی سے بیزاری کے نتیجہ میں طلاق کا خواہاں ہے، لیکن طبعی حرص یا لالچ کی وجہ سے یا بیوی کو

تنگ کرنے کی نیت سے دولاکھ کی خطیر رقم کا مطالبہ کرتا ہے جو ایک نامعقول مطالبہ ہے۔

(۶) شوہر کے مزاج میں یہاں تک ضد ہے کہ اپنے والد کی عیادت سے بھی گریزاں رہا، یہاں تک کہ

ان کی نماز جنازہ میں بھی شرکت گوارا نہیں کی۔

الجواب: جمعیت کے ارباب بست و کشاد سے درخواست ہے کہ ان امور کی تحقیق فرمادیں، اگر واقعی یہ

الزامات درست ہوں، تو میرے خیال میں ان امور کی وجہ سے اگر شوہر طلاق پر آمادہ نہ ہو، یا جو کچھ شوہر نے مہر

میں دیا ہو اس کو واپس لے کر خلع پر بھی آمادہ نہ ہو تو جمعیت نکاح فسخ کر سکتی ہے۔ مفتیانِ عظام نے زوجہ کو برا بھلا کہنے، گالی دینے کو باعثِ تفریق قرار دیا ہے، کئی کئی دنوں تک بات نہ کرنا اس سے بھی زیادہ باعثِ اذیت ہے۔
مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

اگر شوہر زوجہ کو برا بھلا کہے، گالی دے جو عورت کے لئے انتہائی تحقیر اور اذیت کا باعث ہو، شدید زرد و کوب کرے تو اس کو حق تفریق حاصل ہوگا۔

قرآن مجید میں ﴿وَلَا تَمْسُكُوهُنَّ ضَرَارًا لِّتَعْتَدُوا، وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ﴾.
(سورۃ البقرۃ: ۲۳۱)۔ وارد ہوا ہے، ظاہر ہے کہ ضرب شدید اور گالی گلوچ سے بڑھ کر ضرر رساں بات اور کیا ہوگی۔
مجموعہ قوانین اسلامی، ص: ۱۹۹، دفعہ ۸۱)۔

اسی طرح اگر زوجین میں شقاق پایا جاتا ہو جس کی اصلاح کی صورت ممکن نہ ہو تب بھی تفریق ہو سکتی ہے۔
لفظ ”شقاق“ کی تحقیق:

”شقاق“ کے معنی عداوت، دشمنی اور مخالفت کے ہیں، اور چونکہ یہ باب مفاعلہ کا مصدر ہے اس لئے اس کے معنی یہ ہے کہ باہم شقاق میں اس حالت پر ہو جانا کہ ایک شخص ایک شق پر ہو یعنی ایک سرے پر ہو اور دوسرا دوسرے سرے پر ہو، یعنی دو آدمیوں کے درمیان شقاق (عداوت، دشمنی، مخالفت) نے انتہائی صورت اختیار کر لی ہو، اسی کی تعبیر مفرداتِ امام راغب میں ان الفاظ سے ہے:

الشقاق: المخالفة وكونك في شق غير شق صاحبك. (المفردات فی غریب القرآن، ص: ۲۶۴)۔

زن و شوہر میں جب شقاق رونما ہو جائے تو اس کے متعلق شرعی حکم قرآن مجید میں موجود ہے:

﴿وَأِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا، إِنْ يَرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا، إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا﴾. (سورۃ النساء: ۳۵)۔

یہ شقاق عام ہے چاہے شوہر کے بلا وجہ مار پیٹ سے باہم زن و شوہر میں پیدا ہوا ہو، یا بیوی کی جاسید اور پر ناجائز تصرف کی وجہ سے پیدا ہوا ہو، یا بے پردگی اور موجودہ فیشن کی عریانی اختیار کرنے پر جبر کرنے کی بنا پر پیدا ہوا ہو، یا دیگر قسم کے محرمات پر اکراہ اور جبر کرنے کے وجہ سے پیدا ہوا ہو، یا فرائض و واجبات کی ادائیگی سے

روکنے کی بنا پر پیدا ہوا ہو، یا اسی طرح کے اور امور کی وجہ سے رونما ہوا ہو، سب کے لئے قرآن کا حکم یہ ہے کہ حکمین کے ذریعہ اس شقاق کو دور کیا جائے۔ (کتاب الفسخ والتفریق: ص: ۱۵۲)۔

ڈاکٹر تنزیل الرحمن صاحب ”مجموعہ قوانین اسلام“ فرماتے ہیں:

”شقاق“ کے لفظی معنی ”اختلاف“ کے ہیں یہ لفظ شق سے ماخوذ ہے جس کے معنی ”طرف یا جانب“ کے ہیں، چونکہ باہمی اختلاف کے سبب میاں بیوی دو اطراف میں بٹ جاتے ہیں اس لیے اس صورت حال کو قرآن کریم ”شقاق“ سے تعبیر کرتا ہے، جیسے اردو زبان میں ”ناچاقی“ کہا جاتا ہے۔ (مجموعہ قوانین اسلام: ۶۳۴/۲، بحوالہ اسلامی قانون نکاح و طلاق، از مولانا یعقوب قاسمی صاحب ص: ۱۳۳)۔
علامہ نسفی فرماتے ہیں:

الشقاق: العداوة، لأن كلا منهما يفعل ما يشق على صاحبه أو يميل إلى شق أي ناحية غير شق صاحبه. (تفسير النسفي: ۱/۲۲۴۔ وكذا في التفسير المنير: ۵/۵۸۔ وأحكام القرآن للحصاص: ۲/۱۹۰)۔
علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

والشقاق: الخلاف و العداوة، و اشتقاقه من الشق، و هو الجانب، لأن كلا من المتخالفين في شق غير شق الآخر. (روح المعاني: ۵/۲۶)۔

وفيه أيضاً: واختلف في أنهما (أي الحكمين) هل يليان الجمع والتفريق إن رأيا ذلك؟ ف قيل: لهما، وهو المروي عن علي كرم الله وجهه وابن عباس رضي الله عنهما، وإحدى الروايتين عن ابن جبير، وبه قال الشعبي، فقد أخرج الشافعي في الأم والبيهقي في السنن وغيرهما عن عبيدة السلماني قال: جاء رجل وامرأة إلى علي كرم الله وجهه ومع كل واحد منهما فنام من الناس، فأمرهم علي كرم الله وجهه أن يبعثوا حكماً من أهله وحكماً من أهلها، ثم قال للحكمين: تدريان ما عليكما؟ عليكما إن رأيتما أن تجمعا أن تجمعا، وإن رأيتما أن تفرقا أن تفرقا، قالت المرأة: رضيت بكتاب الله تعالى بما علي فيه ولي، وقال الرجل: أما الفرقة فلا، فقال علي كرم الله وجهه: كذبت والله حتى تقر بمثل الذي أقرت

بہ. (روح المعانی: ۲۶/۵).

وفي التفسير المظهری: فقال مالک: يجوز لحکم الزوج أن يطلق المرأة بدون رضا الزوج، ولحکم المرأة أن يختلع بدون رضا المرأة، ويجب عليها المال إذا رأى الصلاح في ذلك حيث ملک علي الحکمین الجمع والتفريق، وكذب الزوج علي نفي الفرقة... الخ. (التفسير المظهری: ۱۰۱/۲، بلوچستان).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

اگر زوجین کے درمیان شدید نفرت پیدا ہو جائے کہ دونوں کا اللہ کے حدود کو قائم رکھتے ہوئے ازدواجی زندگی گزارنا ممکن نظر نہ آئے تو ایسی صورت میں:

(الف) قاضی حکمین مقرر کریگا، تاکہ اصلاح کی صورت نکل سکے۔

(ب) اگر تحکیم کے باوجود اصلاح حال یا باہمی رضامندی سے علیحدگی کی کوئی صورت نہیں نکل سکے تو قاضی بر بنائے شقاق، زوجہ کے مطالبہ کی صورت میں تفریق کر دیگا۔

تشریح: اگر زوجین میں اختلاف و شقاق پیدا ہو جائے یعنی کسی وجہ سے زوجین کے درمیان ایسی شدید نفرت پیدا ہو جائے کہ حسن معاشرت کی گنجائش باقی نہ رہے، اور اللہ کے حدود پر قائم رہنا مشکل ہو جائے تو ایسی صورت میں ابتداءً اصلاح کی کوشش کی جائے گی اور اس کے لئے حکمین مقرر کئے جائیں گے، حکمین کی کوشش ہوگی کہ یہ منافرت دور ہو جائے یا دونوں کی رضامندی سے علیحدگی ہو جائے، لیکن اگر اس کوشش میں بھی ناکامی ہو تو قاضی کے ذریعہ تفریق کر دی جائے گی، واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم معاشرت بالمعروف کا ہے، اس کے لئے دونوں طرف سے محبت ضروری ہے، معاشرت بالمعروف کے امکانات اس وقت ختم ہو جائیں گے جب زوجین ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگیں، یا زوجین میں سے کوئی ایک نفرت کرنے لگے تو بھی شقاق ترار دیا جائیگا کہ دونوں کی رضا معاشرت بالمعروف کے لئے ضروری ہے، اور ایک کی طرف سے بھی محبت و رضا کا فقدان معاشرت بالمعروف کو ختم کرنے کے لئے کافی ہے، پس دونوں ہی ایک دوسرے سے نفرت کریں یا کسی بھی وجہ سے عورت شدید نفرت میں مبتلا ہو تو قاضی کو چاہئے کہ حکمین مقرر کرے جو اصلاح حال کی صورت نکالیں، اور اگر

باوجود ان کی کوششوں کے اصلاح حال ممکن نہ ہو اور نکاح اپنے مقاصد سے خالی ہو جائے یعنی امساک بالمعروف سخت دشوار ہو جائے تو شوہر کی ذمہ داری تشریح بالا احسان ہے لیکن اگر شوہر اس سے گریز کرے تو قاضی نیابتاً عن الزوج تفریق کر دے گا۔ (مجموع قوانین اسلامی: ۲۰۰، ۲۰۲ دفعہ ۸۲، مسلم پرنٹ لیبورڈ)۔

مجموع قوانین اسلام میں ہے:

ظلم یا ناچاقی کے سبب عدالت (یا اس کے قائم مقام مثلاً جمعیت العلماء) میاں بیوی کے درمیان جو تفریق کر دے گی تو وہ تفریق اپنے حکم کے اعتبار سے ”ایک طلاق بائن“ ہوگی، ”والفراق فی ذلک طلاق بائن“۔ (مجموع قوانین اسلام، از ڈاکٹر تنزیل الرحمن صاحب: ۶۷۵/۲، بحوالہ اسلامی قانون نکاح و طلاق، ۱۳۳)۔

حکمین کی شرائط ملاحظہ فرمائیں:

حکمین کے تقرر میں ان قیود و شرائط کا پورا پورا لحاظ رکھے، جن کا مسلک مالکیہ میں ملحوظ رکھنا ضروری ہے، ملاحظہ فرمائیں ”الأحوال الشخصية“ میں ہے:

و يشترط في الحكمين عندهم أربعة شروط: وهي الذكورة، والعدالة، والرشد، والعلم بما هو بسبيله، فلا يجوز تحكيم النساء ولا الصبيان ولا العبيد ولا المجانين ولا الكفار ولا الفسقة ولا السفهاء، ولا من لا علم عندهم بأحكام النشوز والصلح. ثم إن وجد حکمان من أهل الزوجين وأمكن تحكيمهما وجب تحكيمهما، ولم يجز للقاضي أن يبعث أجنبيين. ويندب كون الحكمين من جيران الزوجين، ولا يشترط رضا الزوجين بما يحكمان به. (الأحوال الشخصية: ۴۰۸)۔

مالکیہ کے نزدیک حکمین میں چار شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

(۱) مرد ہونا۔

(۲) عادل ہونا۔

(۳) رشید ہونا۔

(۴) جس کام کے لئے حکم بنایا جا رہا ہے اس کے مسائل سے واقف ہونا۔

لہذا عورت، بچہ، مجنون، کافر، فاسق اور سفیہ کو حکم بنانا جائز نہیں، اسی طرح اس شخص کو بھی جس کو نشوز اور صلح کے احکام کا علم نہ ہو، حکم بنانا جائز نہیں۔

پھر اگر زوجین کے گھرانے سے دو حکم موجود ہوں اور ان دونوں کو حکم بنانا ممکن ہو تو ان دونوں کو حکم بنانا واجب ہوگا، اور قاضی کے لئے جائز نہیں ہوگا کہ دو اجنبیوں کو حکم بنا کر بھیجے، اور مستحب یہ ہے دونوں حکم زوجین کے پڑوسی ہوں اور حکمین کے فیصلہ پر زوجین کا راضی ہونا شرط نہیں ہے۔ (مخص از ”کتاب الفسخ والتفریق“ ص ۱۵۷)۔
الموسوعة الفقهية میں ہے:

ذهب الفقهاء إلى أنه يشترط في الحكمين العدالة، والفقهاء بأحكام النشوز، واختلفوا في اشتراط الذكورة والحرية، وذلك في الجملة، ولهم تفصيل:

قال المالكية: شرط الحكمين الذكورة والرشد والعدالة والفقهاء بما حكما فيه، وبطل حكم غير العدل، وهو الفاسق والصبي والمجنون بإبقاء أو بطلاق بغير مال أو بمال في خلع، وبطل حكم سفیه ”وهو المبذر في الشهوات ولو مباحة على المذهب“ وحكم امرأة، وحكم غير فقيه بأحكام النشوز ما لم يتشاور العلماء في ما يحكم به، فإن حكم بما أشاروا به عليه كان حكمه نافذاً. (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۱۱/۴۷، وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية).

واللہ اعلم۔

مارپیٹ اور زوجہ کی تحقیر پر فسخ و تفریق کا حکم:

سوال: دو عورتوں نے اپنے شوہروں کو چھوڑ دیا اور والد کے گھر چلی گئیں، پہلی بیوی کا شوہر اس کو بہت سخت مار پیٹ کرتا تھا، جس کی وجہ سے عورت کا اس کے ساتھ رہنا مشکل ترین اور دشوار ہو گیا تھا۔ دوسری عورت کا شوہر اس کو زبانی تکلیف دیتا تھا اور اس کی تنبیہ و تحقیر اور گالی گلوچ کرتا تھا، بنا بریں عورت کہتی ہے کہ اس کے ساتھ رہنا سخت مشکل اور دشوار ترین ہے۔

کیا یہ افعال نشوز میں داخل ہیں یا نہیں؟ جس مدت تک عورتوں نے شوہروں کو چھوڑ دیا اس مدت کا نفقہ شوہر پر

واجب ہے یا نہیں؟ چھوٹے بچے ساتھ ہوں تو ان کا نفقہ والد پر واجب ہے یا نہیں؟ کیا یہ ضرر اور تکلیف فسخ نکاح کے لئے ذریعہ بن سکتی ہے یا نہیں؟ یعنی عورتوں کو مطالبہ تفریق کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ شوہر کا سخت مار پیٹ کرنا اور قسم قسم کے مظالم ڈھانا، نیز زبانی تنقیح و تحقیر کرنا اور گالی گلوچ و سخت الفاظ استعمال کرنا کہ عورت کی عصمت کا تحفظ مشکل ہو جائے یہ سب نشوز میں داخل ہیں اور ان تمام صورتوں میں دونوں عورتوں کو قاضی شرعی یا جمعیت کے سامنے مقدمہ پیش کرنے اور مطالبہ فسخ نکاح کا حق ہوگا۔ جمعیت العلماء معاملہ کی تحقیق فرما کر دونوں نکاح کے فسخ کرنے کی مجاز ہوگی۔ نیز دونوں عورتیں اپنے شوہروں کے مظالم کی وجہ سے اپنے والدین کے گھر چلی گئیں، لہذا ناشزہ شمار نہ ہوں گی، اور ان دنوں کے نفقہ کی بھی مستحق ہوں گی، اسی طرح نابالغ اولاد کا نفقہ بھی والد کے ذمہ ہے، لہذا ان ایام کا نفقہ والد ادا کریگا۔

ملاحظہ فرمائیں ”کتاب الفسخ والتفریق“ میں ہے:

آئین اسلامی یہ کسی طرح جائز نہیں کہ عورت کو اس طرح مار پیٹ کی جائے، اور اگر کوئی شوہر اس طرح کی حرکتِ ناشائستہ کا ارتکاب کرے تو عورت کو یہ حق ہے کہ قاضی کی عدالت میں مقدمہ دائر کرے اور قاضی سے تعزیر کا مطالبہ کرے، یہ حنفیہ کا مسلک ہے، لیکن حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ وہ قاضی سے تطلق کا مطالبہ کر سکتی ہے۔

”الأحوال الشخصية“ میں ہے:

مذهب الحنفية أن الزوج الذي يضار زوجته بنحو الضرب الأليم المبرح يستحق التعزير، وللزوجة أن ترفع أمرها إلى القاضي طالبتة تعزيره، ومذهب المالكية أن للزوجة في هذه الحالة أن تطلب إلى القاضي أن يطلقها منه، وأخذ المشروع المصري أخير المذهب المالكية في هذه المسئلة، وسنستوفي بحث هذا الموضوع في الكلام على فرق الزوج.

(الأحوال الشخصية: ۱۵۴)

حالات کے پیش نظر اگر مار پیٹ حد ضرر تک ہو اور عورت تنگ ہو کر تفریق کا مطالبہ کرے اور حنفی قاضی کو فریقین سے تحقیق حال کے بعد شواہد و ثبوت سے یہ ظن غالب ہو جائے کہ عورت اپنے دعویٰ میں سچی ہے تو امام

مالک کے مسلک پر ان کی تصریحات کے مطابق فیصلہ دے سکتا ہے۔

مذہب مالکیہ کی تصریحات حسب ذیل ملاحظہ فرمائیں:

ومذهب المالكية أن الزوج إذا كان يضار زوجته بالضرب ونحوه كالأكره على فعل أمر حرام كان لها أن ترفع أمرها إلى القاضي، وكان لها أن تطلب من القاضي تأديبه وزجره ليكف أذاها عنها كما أن تطلب التطلاق منه، فإن طلبت من القاضي كفه عنها وعظه أول الأمر فبين له ما يجب على الزوج من حسن معاشرة زوجته وما عسى أن يترتب على سوء العشرة من التفريق الشمل وضياح الولد إن كان، فإن أجدت الموعظة فيها، وإن جائته ثانية تخبره أنه لم ينته ضربه، فإن استمر الأشكال بينهما بعث حكيمين، ويجب على حكيمين أن يسعيا في إصلاح ذات بينهما وتأليف قلوبهما على المودة وحسن المعاشرة، فإن تعذر عليهما ذلك نظرا فيمن تجبئ الإساءة من جهته إلى صاحبه، فإن كانت الإساءة تأتي من قبل الزوج طلقا الزوجة عليه بغير عوض ... (الأحوال الشخصية ص: ٤٠٧، بحواله "كتاب الفسخ والتفريق": ١٣٩، تفريق کی تیرہویں بنیاد شوہر کا تکلیف دہ مار پیٹ کرنا).

”الموسوعة الفقهية الكويتية“ میں ہے:

الشقاق هنا: هو النزاع بين الزوجين، سواء أكان بسبب من أحد الزوجين أو بسببهما معاً أو بسبب أمر خارج عنهما، فإذا وقع الشقاق بين الزوجين وتعذر عليهما الإصلاح، فقد شرع بعث حكيمين من أهلهما للعمل على الإصلاح بينهما وإزالة أسباب النزاع والشقاق بالوعظ وما إليه، قال تعالى: ﴿وإن خفتم شقاق بينهما فابعثوا حكماً من أهله وحكماً من أهلها، إن يريدوا إصلاحاً يوفق الله بينهما﴾ ومهمة الحكمين هنا الإصلاح بين الزوجين بحكمة وروية.

وقد اختلف الفقهاء في مهمة الحكمين... وذهب المالكية إلى أن واجب الحكمين

الإصلاح أولاً، فإن عجزا عنه لتحكم الشقاق كان لهما التفريق بين الزوجين دون التوكيل،

ووجب على القاضي إمضاء حكمهما بهذا التفريق إذا اتفقا عليه وإن لم يصادف ذلك

اجتهاده. (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۵۳/۲۹، التفريق للشقاق، وزارة الأوقاف، الكويت).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

اگر شوہر زوجہ کو برا بھلا کہے، گالی دے جو عورت کے لئے انتہائی تحقیر و اذیت کا باعث ہو، یا شدید زد و کوب کرے تو اس کو حق تفریق حاصل ہوگا۔

تشریح: قرآن مجید میں ہے: ﴿وَلَا تَمْسُكُوهُنَّ ضُرَارًا لِّتَعْتَدُوا، وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ﴾. (سورة البقرة: ۲۳۱). وارد ہوا ہے کہ ظاہر ہے کہ ضرب شدید اور گالی گلوچ سے بڑھ کر ضرر رساں بات اور کیا ہوگی، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرب مبرح سے منع فرمایا ہے، اور یہ مار پیٹ، گالی گلوچ "لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام" کے مسلمہ اصول کے خلاف ہے، اس لئے ایسی حالت میں اس ضرر کے تدارک کے لئے عورت کو قاضی کے یہاں درخواست دینے کا حق حاصل ہوگا۔ قاضی تحقیق حال کے بعد مناسب فیصلہ صادر کرے گا، خواہ افہام و تفہیم کر کے چھوڑ دے یا شوہر سے ضمانت و مچلکہ لے کر چھوڑ دے، یا میاں بیوی میں تفریق کر کے اس ضرر کا تدارک کرے۔ (مجموعہ قوانین اسلامی: ۱۹۹ دفعہ ۸۱۔ وکذافی فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۵۲/۱۰).

کفایت المفتی میں ہے:

اگر شوہر کے مظالم ناقابل برداشت ہوں اور وہ طلاق بھی نہ دے اور عورت کی عصمت خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو عورت کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے اپنا نکاح فسخ کر سکتی ہے، اور بعد حصول فسخ و انقضائے عدت دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ (کفایت المفتی: ۱۵۲/۶).

عورت شوہر کے ظلم و زیادتی کی وجہ سے گھر سے نکلی ہے، نافرمان اور ناشزہ نہیں ہے، اس لئے نفقہ کی مستحق ہوگی۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

لا نفقة لأحد عشر... وخارجة من بيته لغير حق وهي الناشزة. وفي الشامية: قوله "بغير حق" ذكر محترزه بقوله: بخلاف ما خرجت الخ، وكذا هو اختراز عما لو خرجت حتى يدفع لها المهر، ولها الخروج في مواضع مرت في المهر. (الدر المختار مع الشامی: ۵۷۶/۳)

باب النفقة، ط: سعید).

البحر الرائق میں ہے:

قوله (ولو مانعة نفسها للمهر) أي يجب عليه النفقة ولو كانت المرأة مانعة نفسها بحق كالمنع لقبض مهرها، والمراد منه المعجل إما نصاً أو عرفاً كما أسلفناه، لأنه منع بحق، فكان فوت الاحتباس لمعنى من قبله، فيجعل كلا فائت. (البحر الرائق: ۴/۱۷۹ باب النفقة- وكذا في مجمع الانهر: ۱/۴۸۹- والفتاوى الهندية: ۱/۵۴۵، باب في النفقة).

فتاویٰ رحیمہ میں ہے:

زمانہ پرورش میں بچہ کا نفقہ باپ کے ذمہ ہے، اگر بچہ کا باپ مالدار ہے تو بچہ کی ماں زمانہ پرورش کا معاوضہ بھی طلب کر سکتی ہے۔ (فتاویٰ رحیمہ: ۸/۴۵۱). واللہ تعالیٰ اعلم۔

شیعہ شوہر کے چھوڑ کر چلے جانے پر فسخ نکاح کا حکم:

سوال: ایک سنی عورت نے ایک شیعہ مرد سے شادی کی ایک رات گزارنے کے بعد اس شیعہ مرد نے کہا بس میں تو گیا واپس نہیں آؤنگا، اب کیا کرنا چاہئے؟

الجواب: علمائے کرام کا فتویٰ یہ ہے کہ شیعہ اپنے عقائد کی روشنی میں مسلمان نہیں، کیونکہ وہ تحریف قرآن سب صحابہ، عقیدہ امامت، وغیرہ کفریہ عقائد کے قائل ہیں، لہذا بصورتِ مسئلہ نکاح ہی منعقد نہیں ہوا، لیکن چونکہ صورتِ نکاح پائی گئی، اس وجہ سے جمعیت العلماء کے ذریعہ نکاح فسخ کرانا چاہئے، پھر عدت کے بعد لڑکی دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

مسئلہ بالا کے دلائل ”فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلد سوم کتاب النکاح“ کے تحت ص ۵۹۸ پر ملاحظہ فرمائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

شوہر کا مدتِ طویلہ تک خبر گیری نہ کرنے پر فسخ نکاح کا حکم:

سوال: ایک عورت کی شادی ہوئے تقریباً چودہ سال گزر گئے، اور اولاد بھی ہیں، لیکن تقریباً ۹ سال ہو گئے، شوہر نے بیوی بچوں کی کوئی خبر نہیں لی، اور اخراجات کا بھی کوئی انتظام نہیں کیا، نیز اس نے گھر میں آنا بھی چھوڑ دیا اس صورت میں شریعتِ مطہرہ کی جانب سے کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ جب طویل عرصہ سے شوہر نے بیوی بچوں کی خبر گیری نہیں کی، اور نیز نان و نفقہ کا انتظام بھی نہیں کیا اور گھر میں آنا بھی چھوڑ دیا تو شرعاً بیوی کو حق ہے کہ وہ شرعی قاضی یا جمعیت العلماء کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کر دے، قاضی یا جمعیت العلماء معاملہ کی تحقیق کے بعد شوہر کو نفقہ وغیرہ ادا کرنے پر مجبور کرے، ادا نہ کرنے کی صورت میں طلاق پر مجبور کرے، اور کوئی صورت قبول نہ کرے تو قاضی یا جمعیت العلماء نکاح فسخ کر دے، عورت عدت گزار کر دوسری جگہ شادی کر سکتی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ شامی میں ہے:

قال في غرر الأذكار: ثم اعلم أن مشايخنا استحسنا أن ينصب القاضي الحنفي نائباً "من مذهبه التفريق" بينهما إذا كان الزوج حاضراً وأبى عن الطلاق، لأن دفع الحاجة الدائمة لا يتيسر إلا بالاستدانة، إذ الظاهر أنها لا تجد من يقرضها وغنى الزوج مآلاً أمر متوهم، فالتفريق ضروري إذا طلبته،... والحاصل أن التفريق بالعجز عن النفقة جائز عند الشافعي حال حضرة الزوج، وكذا حال غيبته مطلقاً... نعم يصح الثاني عند أحمد كما ذكره في كتب مذهبه وعليه يحمل ما في فتاوى قارئ الهداية حيث سأل عن غاب زوجها، ولم يترك لها نفقة فأجاب: إذا قامت بينة على ذلك وطلبت فسخ النكاح من قاضٍ يراه ففسخ نفذ وهو قضاء على الغائب، وفي نفاذ القضاء على الغائب رويتان عندنا، فعلى القول بنفاذه يسوغ للحنفي أن يزوجه من الغير بعد العدة. (فتاوى الشامی: ۳/ ۵۹۰، مطلب فی فسخ النکاح، سعید).

علامہ سعید بن صدیق فلاتی مالکی کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:

أما الجواب عن المتعنت الممتنع عن الإنفاق ففي مجموع الأمير ما نصه: إن منعها نفقة الحال فلها القيام، فإن لم يثبت عسره أنفق أو طلق، وإلا طلق عليه. قال محشيہ: قوله وإلا طلق أي طلق عليه الحاكم من غير تلوم إلى أن قال: وإن تطوع بالنفقة قريب أو أجنبي... قال ابن عبد الرحمن: لا مقال لها، لأن سبب الفراق هو عدم النفقة قد انتفى. (الحيلة الناجزة: ص ۱۱۵، ۱۱۹، ط: دارالاشاعت، دیوبند).

مجموع قوانین اسلامی میں ہے:

اگر شوہر نفقہ پر قدرت کے باوجود زوجہ کا نفقہ ادا نہ کرتا ہو اور نہ عورت عزت و آبرو کی حفاظت کے ساتھ خود نفقہ کا انتظام کر سکتی ہو اور نہ کوئی دوسرا شخص اس کے نفقہ کا کفیل ہو، یا دقت و پریشانی سے نفقہ کا انتظام تو ہو سکتا ہو لیکن شوہر سے علیحدہ رہنے میں ابتلاء معصیت کا قوی اندیشہ ہو اور شوہر خلع یا طلاق پر بھی راضی نہ ہو تو ایسی سخت مجبوری کی حالت میں زوجہ قاضی کے یہاں تفریق کی درخواست دے سکتی ہے، قاضی شہادت وغیرہ کے ذریعہ معاملہ کی پوری تحقیق کرے، اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو تو قاضی شوہر کو حکم کرے کہ بیوی کے حقوق ادا کرو یا طلاق دید ورنہ ہم خود تفریق کر دیں گے، اگر شوہر کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کر دے، اور یہ تفریق طلاق رجعی قرار پائے گی۔ (مجموع قوانین اسلامی، مسلم پرسنل لا بورڈ: ص ۱۹۸، دفعہ ۷۹)۔

مزید ملاحظہ فرمائیں: (الحيلة الناجزة: ص ۶۳، حکم زوجہ متعنت فی النفقة۔ و کتاب الفسخ والتفریق، از مولانا عبدالصمد رحمانی، مکتبہ امارت شرعیہ: ص ۸۹۔ و کفایت المفتی: ۶/۱۱۷، فسخ وانفساخ)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دائم المرض کی زوجہ کے لیے فسخ نکاح کا حکم:

سوال: ایک عورت نکاح کے بعد کچھ مدت خاوند کے ساتھ رہی، اس کے بعد خاوند کو سخت مرض کا عارضہ ہو گیا، جس کی وجہ سے بدن سے خون و پیپ جاری ہو جاتا ہے، خاوند نامرد تو نہیں لیکن قلت توانائی اور مرض کے باعث ہمبستر نہیں ہو سکتا، اگر ہوتا ہے تو زیادہ تکلیف ہوتی ہے، خاوند کی طرف سے اخراجات میں کوئی کمی نہیں

ہے، مگر عورت رہنا نہیں چاہتی اور اپنی خوشی سے نکاح فسخ کرنا چاہتی ہے تو نکاح فسخ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ شوہر کے دائم المرض ہونے کی وجہ سے جو ان بیوی کے حقوق ادا کرنے سے قاصر ہے، اور عورت صبر نہیں کر سکتی ہے اور معصیت میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہو تو علماء نے اندیشہ زنا و معصیت کے پیش نظر فسخ کرنے کی اجازت دی ہے، بنا بریں عورت اپنا مقدمہ قاضی یا جمعیت العلماء کے سامنے پیش کر دے، وہ حضرات تحقیق حال کے بعد شوہر کو ایک قمری سال علاج و معالجہ کی مہلت دیدیں، پھر بھی افاقہ نہ ہو اور بیوی دوبارہ مقدمہ دائر کر کے تفریق کا مطالبہ کرے تو قاضی یا جمعیت العلماء نکاح فسخ کرنے کی مجاز ہوگی۔
ملاحظہ فرمائیں مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

شوہر کے وطی پر قادر نہ ہونے کی متعدد صورتیں ہو سکتی ہیں، مثلاً شوہر مقطوع الذکر ہے، یا آلہ تناسل اتنا چھوٹا ہے کہ اس کے باعث وہ صحبت پر قادر نہیں ہے، یا آلہ تناسل موجود ہے لیکن کسی مرض کے باعث عورت سے جماع پر قادر نہیں ہے، تو ان تمام صورتوں میں عورت کو قاضی کے ذریعہ نکاح فسخ کرانے کا اختیار ہوگا، پہلی اور دوسری صورت میں قاضی فوراً نکاح فسخ کر دے گا، اور تیسری صورت میں ایک قمری سال تک علاج کی مہلت دے گا، علاج کے بعد بھی جماع پر قادر نہ ہو سکا تو عورت کے مطالبہ پر فوراً قاضی نکاح فسخ کر دے گا۔ (مجموعہ قوانین اسلامی: ص ۱۹۳، دفعہ ۷۴)۔

نیز مذکور ہے:

اگر شوہر کسی موذی مرض میں نکاح کے بعد مبتلا ہو تو عورت کی درخواست پر قاضی تحقیق حال اور ثبوت شرعی کے بعد شوہر کو ایک قمری سال علاج کی مہلت دیگا، اس کے بعد بھی اگر افاقہ نہ ہو اور بیوی پھر تفریق کا مطالبہ کرے تو قاضی تفریق کر دیگا۔ (مجموعہ قوانین اسلامی: ص ۱۹۴، دفعہ ۷۵)۔

مزید ملاحظہ ہو: (کتاب الفسخ والتفریق: ۱۰۶۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۳۱/۱۰، مدلل مکمل)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جنگ میں مفقود الخیر کی بیوی کا حکم:

سوال: کسی ملک میں جنگ کی فضاء بننے کی وجہ سے بعض لوگ مفقود الخیر ہو گئے، یعنی چند سالوں سے

ان کا کوئی پتہ نہیں ہے، نہ ان کے مکان کی خبر ہے اور نہ حیات و ممات کی کچھ خبر ہے، ایسے آدمیوں کو مفقود الخبر کے حکم میں شمار کیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ بلاشبہ یہ لوگ مفقود الخبر کے حکم میں ہیں، اور مفقود کے بارے میں علمائے حنفیہ نے مذہب مالکیہ پر فتویٰ دیا ہے، اور مذہب مالکیہ کے مطابق چار سال کے بعد قاضی چند شرائط کے ساتھ اس پر موت کا حکم جاری کر دیگا، اور عورت کو نکاح ثانی کی اجازت دیدیگا۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ جس وقت قاضی کو قرائن و حالات سے اس کا ظن غالب ہو جائے کہ یہ لوگ جو معرکہ جنگ میں مفقود الخبر ہو گئے ہیں زندہ نہیں ہیں، اس وقت ان پر موت کا حکم کر دیا جائیگا، اور ان کی بیویوں کو نکاح ثانی کی اجازت حکم قاضی کے بعد ہو جائے گی، (اس وقت جبکہ قاضی شرعی مفقود ہے تو اس کے قائم مقام جمعیت العلماء یا جماعت المسلمین تحقیق حال کے بعد موت کا حکم لگا کر نکاح ثانی کی اجازت دیدے گی)۔ (مستفاد از امداد المفتین: ص ۵۵۶، دارالاشاعت، کراچی)

مجموعہ قوانین اسلامی ہے:

(فائدہ) زوجہ مفقود کے لئے چار سال کے مزید انتظار کا حکم اس صورت میں بالاتفاق ضروری ہے جب کہ عورت اتنی مدت صبر و تحمل اور عفت کے ساتھ گزار سکے، لیکن اگر یہ صورت ممکن نہ ہو یعنی عورت اندیشہ ابتلاء ظاہر کرے، اور اس نے ایک عرصہ دراز تک مفقود کا انتظار کرنے کے بعد مجبور ہو کر اس حالت میں درخواست دی ہو جب کہ صبر سے عاجز ہو گئی، تو اس صورت میں اس کی بھی گنجائش ہے کہ مذہب مالکیہ کے موافق چار سال کی میعاد میں تخفیف کر دی جائے، کیونکہ جب عورت کے ابتلاء کا شدید اندیشہ ہو تو ان کے نزدیک کم از کم ایک سال صبر کے بعد تفریق جائز ہے... یہ تفریق طلاق رجعی ہوگی۔ اور اس صورت میں زوجہ مفقود کو بجائے عدت وفات کے عدت طلاق گزارنی ہوگی۔ (مجموعہ قوانین اسلامی ۱۹۶ بحوالہ الحیلۃ الناجزۃ ۶۹-۸۰)۔

تفصیلی دلائل ملاحظہ فرمائیں: (الحیلۃ الناجزۃ: ۹۸-۱۱۰۔ کتاب الفسخ والتفریق: ۶۲-۷۴۔ فتاویٰ دارالعلوم

دیوبند: جلد دوم: ۵۵۶)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

شوہر کے اکثر غائب رہنے کی وجہ سے فسخ نکاح کا حکم:

سوال: ایک عورت کا شوہر شادی کے ۵ ماہ بعد اچانک غائب ہو گیا نہ بیوی کو بتلایا اور نہ کسی دوسرے کو، کافی ایام کے بعد واپس آیا چند ایام کے بعد دوبارہ بغیر کسی اطلاع کے غائب ہو گیا، کچھ مدت کے بعد واپس آیا، غائب رہنے کی کوئی معقول وجہ بیان نہیں کرتا، غائب رہنا اس کی عادت بن چکی ہے، کسی جگہ ملازمت یا اور کوئی کاروبار وغیرہ بھی نہیں کرتا، بیوی کو جو کچھ مدد ملتی تھی اس میں سے شوہر کو دیا کرتی تھی، ایک مرتبہ بہت ساری رقم کاروبار کے بہانہ سے ضائع کر دی، نیز بیوی کی اشیاء بھی چوری کر کے فروخت کر دی، بیوی کو نہ رہائش کے لیے مکان دیا اور نہ اخراجات کا انتظام کیا، سمجھانے والوں کا یہ کہنا ہے کہ شوہر اپنی حالت درست نہیں کریگا، کیا ان حالات کے پیش نظر عورت کو فسخ نکاح کا اختیار ہو گا یا نہیں؟ شریعت کا اس بارے میں کیا فیصلہ ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ عورت کا بیان حقیقتِ حال کے مطابق ہے تو عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ جمعیت العلماء کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کر دے، وہ حضرات معاملہ کی پوری تحقیق کرنے کے بعد اگر عورت کا دعویٰ صحیح ہے تو شوہر کو حقوق ادا کرنے پر مجبور کریں گے، اگر وہ تیار نہیں ہے تو طلاق دینے پر مجبور کریں گے، ظالم شوہر کوئی صورت قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہو تو جمعیت العلماء مزید ایک ماہ کی مہلت دینے کے بعد عورت کے مطالبہ پر دونوں کے درمیان تفریق کرنے کی مجاز ہوگی، تفریق کے بعد عورت عدت گزار کر دوسری جگہ رشتہ نکاح قائم کر سکتی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

وہ شخص جس کا زندہ ہونا معلوم ہو، لیکن اس کا پتہ معلوم نہ ہو، یا پتہ بھی معلوم ہو لیکن نہ بیوی کے پاس آتا ہو نہ اس کو بلاتا ہو اور نہ اس کا نفقہ ادا کرتا ہو، جس سے عورت سخت تنگی اور پریشانی میں مبتلا ہو، ایسی صورت میں عورت ظالم شوہر سے نجات کے لیے قاضی کے یہاں تفریق کی درخواست دے سکتی ہے، درخواست کی وصولی کے بعد:

(۱) (۲) بیوی کو قاضی حکم کریگا، کہ وہ دو گواہوں اور حلف کے ذریعہ غائب شوہر سے اپنا نکاح اور اس پر نفقہ کا وجوب ثابت کرے بایں طور کہ وہ مجھ کو نفقہ دے کر نہیں گیا ہے اور نہ اس نے نفقہ بھیجا ہے، نہ یہاں کوئی

انتظام کیا ہے نہ میں نے معاف کیا ہے۔

(باء) نکاح اور وجوب نفقہ کے ثبوت کے بعد قاضی اس شخص کے پاس حکم بھیجے کہ یا تو خود حاضر ہو کر اپنی بیوی کے حقوق ادا کرو یا اس کو بلالو (بشرطیکہ عورت کے وہاں جانے میں کوئی خطرہ نہ ہو) یا وہیں سے انتظام کر دو ورنہ اس کو طلاق دیدو، اگر تم نے ان باتوں میں سے کوئی بات قبول نہ کی تو پھر ہم خود تم دونوں میں تفریق کر دیں گے۔

... اب اگر شوہر قاضی کے حکم کی تعمیل کر لے تو ٹھیک ہے ورنہ قاضی مزید ایک ماہ یا اپنی صوابدید پر اس سے کچھ زیادہ دن کی مہلت دینے کے بعد عورت کے مطالبہ پر تفریق کر دے، اور یہ تفریق طلاق رجعی قرار پائے گی۔
(مجموعہ قوانین اسلامی: ۱۹۷، دفعہ ۷۸، مسلم پرسنل لا بورڈ)۔

مفتی القاباشم مالکی کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:

طریق تطليق زوجة المفقود أو الغائب الذي تعذر الإرسال إليه أو أرسل إليه فتعاند إن كان لعدم النفقة فإن الزوجة تثبت بشاهدين أن فلاناً زوجها وغاب عنها ولم يترك لها نفقة ولا وكيلاً بها ولا أسقطتها عنه وتحلف على ذلك فيقول الحاكم فسخت نكاحه أو طلقته منه أو يأمره بذلك ثم يحكم به وهذا بعد التلوم بنحو شهر أو باجتهاده عند المالكية. (الحيلة الناجزة: ۱۱۰، دارالاشاعت، ديو بند)۔

مزید ملاحظہ فرمائیں: (الحيلة الناجزة: ۱۹۲، امدادیہ۔ و کتاب الفسخ والتفريق: ۷۵-۷۸)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اجنبی عورت کے ساتھ ناجائز تعلقات کی بنا پر فسخ کا حکم:

سوال: ایک عورت کا بیان ہے کہ اس کا شوہر اجنبی شادی شدہ عورت کے ساتھ ناجائز تعلقات رکھتا ہے، اور اس کی وجہ سے گھر اور بچوں کی طرف بالکل توجہ نہیں دیتا، حتیٰ کہ اپنے فارغ اوقات کا اکثر و بیشتر حصہ اس عورت کے پاس گزارتا ہے، نیز مار پٹائی، ذہنی دباؤ اور طعن و تشنیع وغیرہ کرتا ہے، اخراجات کی پوری رقم نہیں دیتا بلکہ اکثر میرے والد صاحب خرچہ پورا کرتے ہیں، نیز بچوں کا ڈاکٹری خرچہ بھی نہیں دیا، ان تمام وجوہات کی

بنا پر عورت فسخ نکاح کا مطالبہ کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ عورت کا بیان صحیح ثابت ہو جائے تو عورت کو طلاق کا مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہوگا، اور طلاق نہ ملنے کی صورت میں جمعیت العلماء کے سامنے مقدمہ پیش کر دے وہ حضرات تحقیق حال کے بعد اگر شوہر حقوق ادا نہیں کرتا اور ناجائز تعلقات سے بھی باز نہیں آتا تو نکاح فسخ کرنے کے مجاز ہوں گے۔
ملاحظہ فرمائیں مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

اگر شوہر زوجہ کو برا بھلا کہے، گالی دے جو عورت کے لئے انتہائی تحقیر اور اذیت کا باعث ہو، شدید زد و کوب کرے تو اس کو حق تفریق حاصل ہوگا۔

قرآن مجید میں ﴿وَلَا تَمْسُكُوهُنَّ ضَرَارًا لِّتَعْتَدُوا، وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ﴾
(سورۃ البقرة: ۲۳۱)۔ وارد ہوا ہے، ظاہر ہے کہ ضرب شدید اور گالی گلوچ سے بڑھ کر ضرر رساں بات اور کیا ہوگی۔
(مجموعہ قوانین اسلامی، ص: ۱۹۹، دفعہ ۸۱)۔

نیز مذکور ہے:

اگر زوجین کے درمیان شدید نفرت پیدا ہو جائے کہ دونوں کا اللہ کے حدود کو قائم رکھتے ہوئے ازدواجی زندگی گزارنا ممکن نظر نہ آئے تو ایسی صورت میں:

(الف) قاضی حکمین مقرر کریگا، تاکہ اصلاح کی صورت نکل سکے۔

(ب) اگر تحکیم کے باوجود اصلاح حال یا باہمی رضامندی سے علیحدگی کی کوئی صورت نہیں نکل سکے تو قاضی بر بنائے شقاق، زوجہ کے مطالبہ کی صورت میں تفریق کر دیگا۔ (مجموعہ قوانین اسلامی، ص: ۲۰۰، دفعہ ۸۲)۔
مزید دلائل مسئلہ ”شقاق کی وجہ سے فسخ تفریق“ کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایک مولوی صاحب کے تفریق کرنے پر فسخ کا حکم:

سوال: ایک عورت کسی شخص کے نکاح میں تھی، دونوں میں نا اتفاقی پیدا ہو گئی، آخر کار عورت اپنے میکے میں بیٹھ گئی شوہر کا مطالبہ تھا کہ شریعت کے مطابق بچے میرے حوالہ کر دو تو میں طلاق دینے کے لیے تیار ہوں، مگر

عورت بچے شوہر کو دینا نہیں چاہتی، الغرض عورت نے شوہر کے علم کے بغیر ایک مولوی صاحب سے تفریق کرا لی، اور دوسرے مرد سے نکاح کر لیا، اب (۱) نکاح فسخ ہوا یا نہیں؟ (۲) فسخ نہیں ہوا تو دوسرے مرد سے پیدا ہونے والے بچے ثابت النسب ہے یا نہیں؟ (۳) دوسرے شوہر کے انتقال پر یہ عورت وارث ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ (۱) عورت کا نکاح فسخ نہیں ہوا اس لیے کہ فسخ نکاح کے لیے قاضی شرعی کا فیصلہ ضروری ہے اور قاضی شرعی نہ ہونے کی صورت میں جماعت المسلمین یا جمعیت العلماء یا حکمین کے ذریعہ نکاح فسخ کرایا جاسکتا ہے، اور ان کے لیے بھی شرائط و ضوابط ہیں، جن کی پابندی لازم ہے، لہذا صرف ایک عالم کے فسخ کرنے سے نکاح فسخ نہیں ہوتا، بنا بریں دوسرا نکاح صحیح نہیں ہوا یہ عورت بدستور پہلے مرد کے نکاح میں ہے۔

ملاحظہ فرمائیں ”الحیلة الناجزة“ میں ہے:

عورت کی رہائی کی سب صورتوں میں یہ بات مشترک ہے کہ عورت یا اس کے اولیاء خود مختار نہیں بلکہ قضائے قاضی شرط ہے یعنی ضروری ہے کہ عورت اپنا مقدمہ قاضی کی عدالت میں دائر کرے اور قاضی باقاعدہ شرعی تحقیق کے بعد تفریق وغیرہ کا حکم کرے، اگر کسی جگہ قاضی شرعی موجود نہ ہو تو مسلمانوں کی جماعت کا حکم بھی قضائے قاضی کے قائم مقام ہو جائیگا، اور اس کی صورت یہ ہے کہ محلہ یا بستی کے دیندار اور بااثر مسلمانوں کی ایک جماعت کے سامنے جن کا عدد کم از کم تین ہو اپنا معاملہ پیش کیا جائے اور وہ جماعت واقعہ کی تحقیق کر کے شریعت کے موافق حکم کر دے۔ (الحیلة الناجزة: ۲۳۸، امدادیہ۔ وچند اہم فقہی مسائل: ۶۰)۔

نوٹ: جماعت المسلمین و حکمین کے شرائط و ضوابط مختصر ا ذکر کیے گئے، مزید تفصیلی بحث آخر باب میں مذکور ہوگی۔

(۲) جب نکاح فسخ نہیں ہوا تو دوسرا نکاح فاسد ہے، لیکن دوسرے نکاح میں پیدا ہونے والے بچے ثابت النسب ہوں گے۔

ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ويثبت نسب الولد المولود في النكاح الفاسد وتعتبر مدة النسب من وقت الدخول

عند محمد و علیہ الفتویٰ قالہ أبو اللیث کذا فی التبیین . (الفتاویٰ الہندیۃ ۱/ ۳۳۰، باب فی النکاح الفاسد).

(۳) شوہر اول کے انتقال پر عورت مستحق میراث ہوگی، کیونکہ اس کی زوجیت میں ہے، ہاں دوسرے شوہر کے انتقال پر مستحق میراث نہ ہوگی۔
ملاحظہ فرمائیں علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

قوله و یثبت النسب (فی النکاح الفاسد) أما الأثر فلا یثبت فیہ . (فتاویٰ الشامی: ۱۳۴/۳، مطلب فی النکاح الفاسد۔ ط: سعید).

ومثله فی الطحطاوی علی الدر المختار: ۶۰/۲، باب المہر، ط: کوئٹہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مرتد ہونے سے فسخ نکاح کا حکم:

سوال: ایک عورت اپنے شوہر سے بہت تنگ آچکی ہے شوہر طلاق نہیں دیتا، اس کو کسی نے حیلہ بتلایا کہ نعوذ باللہ تم مرتد ہو جاؤ تمہارا نکاح ٹوٹ جائیگا، اس کے بعد مسلمان بن جاؤ، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، کیا اس عورت کا نکاح ٹوٹ گیا یا نہیں؟ اور مسلمان ہونے کے بعد وہ اپنے سابقہ شوہر کے علاوہ دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: ہمارے اکابر نے بڑی تفصیل سے اس مسئلہ کو اپنے فتاویٰ میں تحریر فرمایا ہے، امداد المفتین یعنی فتاویٰ دارالعلوم دیوبند قدیم میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ص ۵۷۰ سے ۵۷۵ تک اس مسئلہ کی تفصیلات اور فقہائے کرام کی عبارات تحریر فرمائی ہے، فتح القدیر: ۳/ ۲۹۷، نکاح اہل الشرک، والبحر الرائق: ۲/ ۲۳۰، وفتاویٰ ہندیہ، الباب العاشر فی نکاح الکفار: ۲/ ۳۱۷، و شامی: ۲/ ۴۰۳، سے عبارات نقل فرمائی ہیں، اس کے بعد تحریر فرمایا: عورت اگر مرتد ہو جائے اور مرد مسلمان ہو تو یہ نکاح اگرچہ فسخ ہو جائیگا، لیکن یہ عورت دوسرے شخص سے نکاح نہیں کر سکتی، بلکہ شرعاً وہ مجبور ہے کہ بعد تجدید اسلام اسی خاوند سے تجدید نکاح کر لے اور اس نکاح جدید میں مہر بھی بہت کم رکھا جائیگا، اور اس نکاح جدید میں عورت کی رضا و عدم رضا کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ

بلا رضا بھی اس کا نکاح جدید بحکم قاضی صحیح ہو جائیگا، یہ مشائخ بخاری کا فتویٰ ہے اور یہی ظاہر الروایہ ہے جو عام متون و شروح میں منقول ہے،... الخ۔

ایک دوسرے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا کہ مذہب حنفیہ میں اس مسئلہ سے متعلق تین قول ہیں:
اول یہ کہ نکاح فسخ ہو جاتا ہے، لیکن قاضی اس کو تجدید نکاح پر مجبور کریگا، اور اسی خاوند کو جبراً دلائیگا، یہ ظاہر الروایہ ہے جو عام متون میں مذکور ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ نکاح ہی فسخ نہیں ہوتا جیسا کہ بہت سے مشائخ بلخ و بخاری کا فتویٰ ہے، اور درمختار نے اس پر فتویٰ دینے کو جائز کہا ہے، نیز نہر فائق سے شامی نے بھی اس پر فتویٰ دینا نقل کیا ہے اور فتاویٰ قنہ میں بھی اس پر فتویٰ دیا گیا ہے۔

تیسرا قول نوادر کی روایت ہے کہ اس کو بجائے بیوی ہونے کے باندی بنا کر اس خاوند کے ساتھ رکھا جائیگا، صرح بہ فی الدر المختار وغیرہ یہ تینوں قول فتاویٰ قاضیخان، فتح القدیر، قنہ، درمختار، شامی میں مفصل منقول ہیں، اور یہ تینوں اتنی بات پر متفق ہیں کہ عورت مرتد ہونے کے بعد اپنے سابقہ خاوند کے قبضہ سے ہرگز نہیں نکل سکتی بلکہ قول اول کی بنا پر اسے تجدید نکاح پر بعد تجدید اسلام مجبور کیا جائیگا، اور قول ثالث کی بنا پر کنیز بنا کر رکھا جائیگا لیکن ہندوستان میں بحالت موجودہ ان دونوں صورتوں پر مسلمانوں کو قدرت نہیں اس لیے وہی دوسرا قول یعنی عدم فرقت جو مشائخ بخاری کا مفتیٰ بہ ہے، اس پر فتویٰ دیا جائے اس لیے صورت مسئلہ میں عورت کا نکاح فسخ نہیں ہوا، البتہ احتیاطاً تجدید نکاح کے بغیر اس سے وطی نہ کرنی چاہئے، لیکن اپنے قبضہ میں رکھنا بہر حال جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (امداد المفتین: ۲/۵۷۴)۔

لیکن غیر مسلم ممالک میں وہاں کی جماعتوں اور علماء کی جماعتوں کو سنجیدگی سے اس مسئلہ پر غور کرنا چاہئے اور اگر واقعی عورت مصائب میں مبتلا ہے اور وہ ابتلا نکاح فسخ کرنے کا سبب بن سکتی ہو تو حتی الوسع جلدی شریعت مطہرہ کی روشنی میں حیلہ ناجزہ وغیرہ کی تفصیلات کو سامنے رکھ کر نکاح فسخ کرنے کی تدبیر فرمالیں، تاکہ ارتداد کا دروازہ بند ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

غیر مسلم حج کے تفریق کرنے سے فسخ نکاح کا حکم:

سوال: امریکہ میں ایک عورت نے عدالت میں جا کر طلاق کا مقدمہ دائر کیا، اور عدالت کے ذریعہ طلاق کا فیصلہ چاہا، جس کے نتیجہ میں عدالت نے شوہر پر طلاق کا فیصلہ کر دیا تو کیا یہ طلاق کا فیصلہ نافذ ہوگا یا نہیں؟ جب کہ شوہر راضی نہیں ہے۔

الجواب: بصورتِ مسئلہ طلاق و تفریق زوجین کی بابت غیر مسلم حج کا فیصلہ معتبر نہیں ہے، لہذا یہ عورت بدستور اس مرد کے نکاح میں ہے۔ اگرچہ حکومت کے رجسٹر میں نکاح ختم ہو گیا، لیکن اسلامی نکاح باقی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں بدائع الصنائع میں ہے:

الصلاحية للقضاء لها شرائط منها العقل ومنها البلوغ ومنها الإسلام ومنها الحرية ومنها البصر ومنها السلامة عن حد القذف. (بدائع الصنائع: ۳/۷، کتاب ادب القضاء، ط: سعید).
الحيلة الناجزة میں ہے:

جہاں قاضی شرعی نہیں ان میں وہ حکام حج مجسٹریٹ وغیرہ جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں، اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قاعدہ کے موافق فیصلہ کریں تو ان کا حکم بھی قضائے قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے، لیکن اگر کسی جگہ فیصلہ کنندہ حاکم غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ بالکل غیر معتبر ہے، اس کے حکم سے فسخ وغیرہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ”لابن الکافر ليس باهل للقضاء على المسلم كما هو مصرح في جميع كتب الفقه۔“ (الحيلة الناجزة: ۲۳، مقدمہ، دارالاشاعت، دیوبند)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

غیر مسلم مجسٹریٹ (حج) کا فیصلہ شرعاً معتبر نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۸/۳۷۷)۔

کفایت المفتی میں ہے:

غیر مسلم حاکم کا فیصلہ کافی نہیں۔ (کفایت المفتی: ۶/۱۳۲، دارالاشاعت)۔

ایضاح النوادر میں ہے:

غیر مسلم حج اگر طلاق وغیرہ کے متعلق فیصلہ دیتا ہے تو شرعی طور پر اس کا فیصلہ صحیح اور معتبر نہ ہوگا، اس فیصلہ کی وجہ سے مسئلہ طلاق میں بیوی کو آزادی حاصل نہ ہوگی، اس مسئلہ کو علامہ شامیؒ نے ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

”لم ینفذ حکم الکافر علی المسلم وینفذ للمسلم علی الذمی“۔ (ایضاح النوادر: ۱۵۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

غیر مسلم عدالتوں میں فسخ کی متبادل صورتیں:

سوال: غیر مسلم عدالتوں کا فیصلہ طلاق اور فسخ و تفریق میں از روئے شرع نافذ ہوتا ہے یا نہیں؟ جب کہ دور حاضر میں غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کی مستقل رہائش ہے، اور اس قسم کے معاملات بھی پیش آتے ہیں، نیز بعض ممالک میں تو اس قسم کے مسائل کے لیے کورٹ میں جانا ضروری ہوتا ہے، لہذا اگر نافذ نہیں ہے تو نافذ کرنے کی کوئی متبادل صورت نکل سکتی ہے یا نہیں؟ یا اس کے علاوہ دیگر صورتیں اختیار کرنے کا کوئی راستہ ہے یا نہیں؟

الجواب: غیر مسلم حج کے فیصلہ کی چند صورتیں ہیں، شرعی حکم کے ساتھ حسب ذیل درج ہیں:

(۱) شوہر کورٹ میں اپنی بیوی سے طلاق کے لیے مقدمہ دائر کرتا ہے، اور کورٹ کا غیر مسلم حج قانونی کارروائی کے بعد دونوں کے درمیان طلاق کا فیصلہ کر دیتا ہے۔

شرعی نقطہ نظر سے اس فیصلہ میں طلاق واقع ہو جائیگی، کیونکہ اگرچہ شریعت نے طلاق کا مکمل اختیار مرد کو دیا ہے، لیکن مرد نے مقدمہ دائر کر کے کورٹ کے غیر مسلم حج کو اپنا وکیل بنا لیا کہ وہ وکیل بن کر دونوں کے درمیان نکاح ختم کر دے۔

لہذا ”The said marriage will be dissolved“

اس صورت میں نکاح ٹوٹ جائے گا، اور شرعاً ایک طلاق بائن پڑ جائے گی، کیونکہ غیر مسلم کو وکیل بنا کر اس طرح کا کام کرانا درست ہے، اور ڈگری ”decree“ (یعنی حکم جاری کرنے) کی تاریخ سے عدت شمار ہوگی۔

(۲) بیوی ملکی قانون کے مطابق کورٹ میں مقدمہ دائر کرتی ہے، اور جدائی طلب کرتی ہے، اور غیر مسلم نج دونوں کے درمیان جدائی (طلاق) کا فیصلہ کر دیتا۔ اس صورت میں کورٹ کے فیصلہ اور جدائی کی تفصیل درج ذیل ہیں:

(۱) سرکاری کارروائی شروع ہوئی اور نج کی طرف سے شوہر کو اطلاع ملی اور شوہر نے نج کو مقدمہ کی کارروائی کی باقاعدہ اجازت دیدی تو اس صورت میں طلاق واقع ہو جائیگی۔

(۲) جب کارروائی شروع ہوئی اور نج کی طرف سے شوہر کو اطلاع ملنے پر وہ وکیل کے پاس گیا، وکیل نے مشورہ دیا کہ مقدمہ کے دفاع سے سوائے تاخیر اور خرچ کے کوئی اور فائدہ نہیں ہوگا، کورٹ سے جدائی کا فیصلہ ہو جائیگا لہذا شوہر کی رضامندی سے وکیل نے لکھ دیا کہ دونوں کے درمیان جدائی کر دی جائے یا شوہر نے خود طلاق نامہ پر رضامندی سے دستخط کر دی، اس صورت میں بھی شرعی طلاق واقع ہو جائیگی۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

”إذا قال الرجل طلق امرأتي كان تو كلاً ولم يقتصر على المجلس. (الفتاویٰ الہندیۃ: ۱/ ۴۰۲)۔

یعنی جب مرد نے کسی کو کہا میری عورت کو طلاق دیدو تو یہ طلاق دینے کے لیے وکیل ہو جائیگا۔

دوسری جگہ صفحہ ۴۰۷ پر لکھا ہے کہ:

”من قال لامرأته انطلقی الى فلان حتى يطلقك، فذهبت فطلقها فلان ویصیر فلان وکیلاً

بالتطليق وإن لم يعلم بو كالتة“۔

یعنی کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم میرے ساتھ فلاں کے پاس چلو کہ وہ تجھے طلاق دے، پس وہ گئی اس فلاں نے (نج نے) اس کو طلاق دیدی تو طلاق صحیح ہو جائے گی، اور وہ فلاں آدمی (یعنی نج) طلاق دینے کے لیے وکیل قرار دیا جائے گا اگرچہ اس کو وکیل بنایا جانے کا علم نہ ہو۔

(۳) عورت نے مقدمہ دائر کیا نج نے شوہر کو اطلاع بھیجی مرد نے مقدمہ کا دفاع کیا اور طلاق پر رضامندی

ظاہر نہ کی بلکہ مخالفت کی، اس کے باوجود قانون کی وجہ سے نج نے طلاق کا فیصلہ کر دیا۔

(۴) شوہر نے اپنی غلطیوں کا اقرار کیا اور آئندہ حقوق زوجیت ادا کرنے کا پورا یقین دلایا لیکن اس کے

باوجود حج نے طلاق کا فیصلہ کر دیا۔

(۵) مرد نے کوئی کارروائی شروع نہیں کی، اور طلاق پر رضامندی ثابت ہو ایسا بھی کوئی کام نہیں کیا، اس کے باوجود حج نے طلاق کا حکم دیدیا۔

(۶) مرد نے مقدمہ کا دفاع کرنے سے انکار کر دیا لیکن طلاق دینے پر صراحۃً انکار کر دیا، اس کے باوجود حج نے طلاق کا فیصلہ کر دیا۔

ان چاروں (۳، ۴، ۵، ۶) صورتوں میں حکومت کے قانون کے اعتبار سے دونوں نکاح سے الگ شمار ہوں گے، لیکن اسلامی فقہ کے اعتبار سے دونوں کا نکاح بدستور باقی رہے گا، اور عورت ان حالات میں دوسرے مرد سے نکاح نہیں کر سکتی۔ البتہ عورت کو حق ہے کہ شرعی پنچایت سے رجوع کرے، اور شرعی پنچایت باقاعدہ تحقیق حال کے بعد اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو جائے تو تفریق کرنے کی مجاز ہوگی۔

(مستفاد از فتویٰ مفتی اسماعیل کچھولوی صاحب، اسلامی قانون طلاق نکاح و طلاق)۔

”ہاں غیر مسلم حج کو وکیل بنادے پھر وہ طلاق کا فیصلہ کر دے تو نافذ ہو جائے گا۔“

برطانوی نئے قانون ۲۰۰۴ء کے مطابق کورٹ جو سوالات خاوند کو روانہ کرتا ہے، اس میں مزید ایک سوال کا اضافہ ہے، جو حسب ذیل درج ہے:

“(5) “Do you consent to the decree being granted?”

ترجمہ: (۵) تمہاری طرف سے ڈکری نائس (طلاق) جاری (Issue) کرنے کی (کورٹ) کو اجازت ہے؟ اس کے جواب میں اگر خاوند ہاں (yes) لکھتا ہے، تو گویا خاوند نے کورٹ کے غیر مسلم حج کو اپنی طرف سے طلاق واقع کرنے کا وکیل بنایا، اور غیر مسلم حج خاوند کی طرف سے وکیل بن کر عورت پر طلاق واقع کرتا ہے، اس سے اسلامی اور شرعی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے، کیونکہ وکیل کا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے، غیر مسلم وکیل کے ذریعہ بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ (مخلص از اسلامی قانون نکاح و طلاق، بعنوان ”برطانیہ میں طلاق کا قانونی طریقہ کار“ ص ۱۴۰۔ ۱۴۳، از مولانا یعقوب قاسمی صاحب)۔

مختصر دلائل ملاحظہ فرمائیں مبسوط میں ہے:

إذا وكلت الذممة مسلماً بخلعها من الذمي على خمر أو خنزير جاز، وكذلك النكاح... ولو كان أحد الزوجين مسلماً والوكيل كافراً جاز الخلع ويطل الجعل... لأن الوكيل سفير و معبر لا يتعلق به شيء من حقوق العقد هنا. (المبسوط للإمام السرخسي: ۱۳۲/۱۹، باب توکیل الزوج بالطلاق والخلع، ط: إدارة القرآن۔ وكذا في الفتاوى الهندية: ۶/۶۱۳)۔
ہدایہ میں ہے:

إن الوكيل في النكاح معبر وسفير والتمانع في الحقوق دون التعبير ولا ترجع الحقوق إليه بخلاف البيع لأنه مباشر حتى رجعت الحقوق إليه. (الهداية: ۲/۳۲۲، فصل في الوكالة بالنكاح۔ ومثله في البحر الرائق: ۳/۱۳۶، فصل في الوكالة، كوئته)۔
شامی میں ہے:

الوكيل في النكاح وما بعده سفير محض فلا بد من إضافة هذه العقود المذكورة إلى المؤكل. (فتاوى الشامى: ۳/۸۱۷، مطلب في العقود التي لا بد من اضافتها إلى المؤكل، سعيد)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وقوع طلاق کی دوسری صورت:

سوال: آج کل قاضی شرعی نہ ہونے کی وجہ سے جو مشکلات عورتوں کو پیش آرہی ہے محتاج بیان نہیں، کبھی مرد ظلم کرتا ہے اور بیوی کے حقوق ادا نہیں کرتا، نہ نان نفقہ دیتا ہے نہ طلاق، نیز نکاح کے قدیم و جدید ذہنیت کا ٹکراؤ عام ہو رہا ہے جس کے نتیجے میں حصول طلاق کے واقعات بڑھ رہے ہیں، لہذا ان مسائل کو نمٹنے کے لیے بوقت نکاح مرد سے اقرارنامہ لکھوا لیا جائے جس کی وجہ سے عورتوں کو بوقت ضرورت اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہو جائے۔ از روئے شرع اس کی اجازت ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورت مسئلہ اس قسم کا اقرارنامہ لکھوانا جس میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں دیدیا گیا ہو اور بوقت ضرورت احتیاط کے ساتھ اس سے کام لینا جائز اور درست ہے۔

اقرار نامہ یا کابین نامہ جو عوام کے لیے آسان اور عورتوں کے لیے مفید ہو حسب ذیل درج کیا جاتا ہے:

(مستفاد از اسلامی قانون نکاح و طلاق، از مولانا یعقوب قاسمی صاحب، ناشر جامعہ علوم القرآن جمبوسر۔ و کذا فی الحیلۃ الناجزۃ: ۱۳۱، دارالاشاعت، دیوبند). واللہ تعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿اختیار نامہ﴾

میں مسمی..... موضع..... ضلع..... صوبہ.....

ملک..... پتہ.....

میں پورے ہوش و حواس اور بغیر نشہ اور کسی قسم کے دباؤ اور زبردستی کے بغیر اپنی خوشی سے یہ مذکورہ اختیار نامہ لکھتا ہوں۔

میری بیوی مسماۃ..... کو نکاح کے بعد ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ میں اپنی جانب سے کوئی ایذا رسانی کروں یا اس کے شرعی حقوق کو ادا نہ کروں یا ذہنی اعتبار سے کوئی تکلیف پہونچاؤں تو میں جناب..... کو میری طرف سے اختیار دیتا ہوں کہ میری بیوی مسماۃ..... کو میری جانب سے کسی قسم کی تکلیف پر مطلع ہوتے ہی وہ کسی مستند ماہر مفتی سے اس کے متعلق مشورہ کر کے ان کی رہنمائی میں وہ اسی وقت یا بعد میں کسی بھی وقت وہ میری مسماۃ کو طلاق بائن دے کر میرے نکاح سے الگ کر سکتا ہے۔

میں نے اختیار نامہ پڑھا، سمجھا اور منظور کرتے ہوئے دستخط کرتا ہوں۔

دستخط:.....

مذکورہ اختیار نامہ جناب..... نے ہماری موجودگی

میں پڑھا اور رضامندی سے قبول کیا اس بات پر ہم گواہ ہیں۔

(۱) گواہ:-.....

(۲) گواہ:-.....

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿اقرار نامہ﴾

میں مسمیٰ..... موضع..... ضلع..... صوبہ.....

ملک..... پتہ.....

میرا نکاح مسماۃ..... پتہ.....

کے ساتھ بعوض مہر۔ نقد/سونا..... تاریخ..... بمقام.....

طے ہوا۔ بیوی کی رخصتی ساؤتھ افریقہ/برطانیہ ہی میں ہوگی۔

ساؤتھ افریقہ/برطانیہ جا کر میں اپنے خاوند کے ساؤتھ افریقہ/برطانیہ میں داخلہ ویزا اور مستقل ویزا کے لیے مخلصانہ طور پر قانونی کارروائی کرنے کی کوشش کروں گی، تاکہ ہمارا گھر جلد آباد ہو۔

سعی و کوشش کے باوجود میرا (خاوند) ویزا نہ ہو سکے یا کسی وجہ سے ہم دونوں میاں بیوی کے درمیان ایسا اختلاف ہو جائے کہ ساتھ رہنا دشوار ہو کر نکاح کا مقصد فوت ہو جائے، ایسے حالات پیدا ہونے پر میں اپنی بیوی مسماۃ..... اور اس کے والدین کے اطمینان کے لیے اپنے پورے ہوش و حواس اور بغیر نشہ اور کسی قسم کے دباؤ اور زبردستی کے بغیر اپنی پوری رضامندی و خوشی سے مندرجہ ذیل اقرار نامہ گواہوں کی موجودگی میں لکھ دیتا ہوں کہ مجھے..... ویزا نہ ملنے یا ہمارے درمیان اختلاف کی وجہ سے نکاح کا مقصد

فوت ہو جائے اور میری بیوی مسماۃ..... کے والد مخلصانہ طور پر یہ محسوس کریں کہ اصلاح کی قرآنی تدابیر کے باوجود ہمارے درمیان رشتہ کے نباہ کی کوئی صورت باوجود ہر طرح کی سعی و کوشش کے ممکن نہیں اور علاحدگی کے سوا کوئی چارہ نہ ہو اور بیوی طلاق کا مطالبہ کرے تو میری طرف سے میرے خسر مسمیٰ.....

میری بیوی مسماۃ..... پر ایک طلاق بائن واقع کر کے میرے نکاح سے الگ کر دے۔

..... دستخط:-

..... (۱) گواہ:-

..... (۲) گواہ:-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

AGREEMENT

I, reside in : Province: , City
 , Town: My nikaah
 was performed with , daughter of
 with as my Mahr, in the presence of a number of people. It was
 agreed that would come to stay with me as my wife
 only after my reaching South Africa / U.K. Both the parties have started the procedure
 for my entry into South Africa / U.K., and I have trust in Allah that I will succeed. In
 case I fail to get an entry visa or leave to stay permanently in South Africa / U.K. , the
 said will be in a difficult situation. So for the satisfaction of
 , I am signing the following agreement in my full senses
 willingly without any pressure or coercion.

The agreement is that, if I enter into Nikaah with
 daughter of and thereafter fail to obtain an entry visa
 or leave to stay permanently in South Africa / U.K. in two years time, and if
 , father of....., thinks it proper to exercise one
 Talaaq-e-Baain and free her from my Nikaah , he will have full right to do so. I accept
 this agreement, and after going through it and understanding it I put my signature
 here

Mr. read the above agreement, willingly
 accepted and signed it, in our presence. We are witnesses thereof:

1.....

2.....

فصل دوم

فسخ و تفریق کے بنیادی اصول کا بیان

فسخ و تفریق کا مفہوم اور عورت کو رشتہ نکاح ختم کرنے کا اختیار:

سوال: شریعتِ مطہرہ نے طلاق کا مکمل اختیار مرد کو دیا ہے، عورت از خود اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کی مختار نہیں ہے، لیکن کوئی ایسی شکل ہے کہ جس میں عورت کو بھی رشتہ نکاح ختم کرنے کا کوئی اختیار ہو؟ اگر ہے تو اس کو تفصیل کے ساتھ بتلا کر اجرِ عظیم کے مستحق ہوں؟

الجواب: ازدواجی بندھن کے بعد کسی مرحلہ میں اگر زن و شوکی زندگی خوشگواہی کی حد سے نکل کر ناقابلِ برداشت ہو جائے اور باہم مل جل کر رہنا اور زندگی گزارنا ناممکن ہو جائے تو شریعتِ مطہرہ نے جس طرح مرد کو حق دیا ہے کہ دینی حدود کے اندر رہتے ہوئے طلاق کے ذریعہ رشتہ نکاح کو ختم کر دے، اسی طرح عورت کو بھی حق حاصل ہے کہ بذریعہ خلع یا بذریعہ فسخ و تفریق ازدواجی تعلق کو ختم کر دے۔

لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی تنبیہ کی ہے کہ خواہ مخواہ معمولی رنجش پر تفریق کر کر اس قانون سے غلط فائدہ نہ اٹھائے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

”ایما امرأة اختلعت من زوجها من غیر بأس لم ترح رائحة الجنة“۔ (رواہ الترمذی:

نیز ارشاد فرمایا:

”ایما امرأة سألت زوجها طلاقاً في غير ما بأس به فحرام عليها رائحة الجنة“۔ (رواہ

الترمذی: ۱/۲۲۶، باب ما جاء في المختلعات)۔

ترجمہ: ”جو عورت اپنے شوہر سے بے وجہ اور بے محل طلاق چاہے گی تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہوگی۔“
ہاں مجبوری اور نازک حالت میں جب کوئی دوسرا شرعی چارہ کار نہ رہا ہو تو عورت کو فسخ و تفریق کے مطالبہ کا حق حاصل ہوگا۔

☆ تفریق رشتہ ازدواج کو ختم کرنے کا نام ہے۔

تفریق کی دو قسمیں ہیں:۔ (۱) قضائے قاضی شرط ہے۔ (۲) قضائے قاضی شرط نہیں ہے۔

(۱) تفریق کی وہ صورتیں جن میں قضائے قاضی شرط ہے، حسب ذیل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) نکاح کا غیر کفو میں ہونا۔

(۲) مہر میں غیر معمولی کمی یعنی غبن فاحش کے ساتھ نکاح ہونا۔

(۳) نابالغہ کا اختیار بلوغ کو اختیار کرنا۔

(۴) شوہر کا حقوق زوجیت ادا نہ کرنا۔

(۵) شوہر کا وطی پر قادر نہ ہونا۔

(۶) شوہر کا جذام، برص، ایڈس یا اس جیسے کسی موذی مرض میں مبتلا ہونا۔

(۷) شوہر کا مجنون ہونا۔ (۸) شوہر کا مفقود الخبر ہونا۔ (۹) شوہر کا غائب غیر مفقود ہونا۔

(۱۰) شوہر کا استطاعت کے باوجود نفقہ نہ دینا۔ (۱۱) شوہر کا نفقہ ادا کرنے سے عاجز ہونا۔

(۱۲) شوہر کا بیوی کو تکلیف دینا، سخت مار پٹائی کرنا۔ (۱۳) زوجین میں شقاق کا پایا جانا۔

(۱۴) مرد کا اپنی حالت کے بارے میں عورت کو دھوکے میں ڈال کر نکاح کرنا۔

(۱۵) تفریق بسبب حرمت مصاہرت۔ (اگر زوجین از خود متارکت اختیار کر لے، تو قضائے قاضی شرط نہیں ہے،

ورنہ قضائے قاضی واجب ہے)۔

(۱۶) تفریق بسبب فساد نکاح۔ (اگر زوجین از خود متارکت اختیار کر لے، تو قضائے قاضی شرط نہیں ہے، ورنہ قضائے قاضی واجب ہے)۔

(۲) تفریق کی وہ صورتیں جن میں قضائے قاضی شرط نہیں ہے، حسب ذیل ملاحظہ فرمائیں:

- (۱) ثبوت مصاہرت کے بعد شوہر کا متارکت اختیار کر لینا نکاح ختم کرنے کے لیے کافی ہے۔
- (۲) نکاح فاسد میں زوجین میں سے کسی کا متارکت اختیار کرنا نکاح ختم کرنے کے لیے کافی ہے۔
- (۳) فرقت بسبب ایلاء۔ (۴) فرقت بسبب ارتداد زوج۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

(مجموعہ قوانین اسلامی: ۱۸۷-۲۰۸، قانون فسخ تفریق۔ و کتاب الفسخ والتفریق، از مولانا عبدالصمد رحمانی نائب امیر شریعت بہار۔ والحیلۃ الناجزۃ: جزو دوم، دارالاشاعت، دیوبند۔ وجدید فقہی مسائل: جلد سوم، کتب خانہ نعیمیہ۔ و طبی اخلاقیات، از قاضی مجاہد الاسلام، ادارۃ القرآن)۔

شرائط قضاء اور جماعت مسلمین یا جمعیت العلماء کے احکام۔

فسخ و تفریق کی اکثر صورتوں میں قضائے قاضی شرط ہے، لیکن اگر قاضی شرعی موجود نہ ہو تو اس کے قائم مقام جمعیت العلماء یا جماعت المسلمین کا فیصلہ بھی کافی ہو جاتا ہے، لیکن کچھ شرائط و ضوابط کی پابندی لازم ہے، نیز ہر کس و ناکس قضا کی اہلیت نہیں رکھتا ہے اس کی بھی کچھ شرائط ہیں، حسب ذیل ملاحظہ فرمائیں:

منصب قضاء سے متعلق وضاحت:-

اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق حق کے ساتھ لوگوں کے نزاعات میں فیصلہ دینا قضاء ہے۔

قاضی کے فیصلہ کے لیے ضروری ہے کہ اجماع کے خلاف نہ ہو۔

قاضی کا فیصلہ خبر نہیں بلکہ انشاء حکم کے درجہ میں ہوگا۔

اہلیت قضاء کے لیے ضروری شرطیں:

- (۱) عاقل ہونا، کسی مجنون اور مختل الحواس منصب قضاء کا اہل نہیں۔
- (۲) بالغ ہونا، کسی نابالغ کی تقرری بھی درست نہیں ہے۔
- (۳) مسلمان ہونا، غیر مسلم قاضی نہیں بنایا جاسکتا، اگر قاضی غیر مسلم ہو اور فیصلہ کرے تو نافذ نہیں ہوگا۔
- (۴) آزاد ہونا۔
- (۵) بیٹا ہونا۔ کسی نابینا کو قاضی نہیں بنایا جائے گا۔
- (۶) بولنے والا ہو آخر سنسنے والا ہو بہر اہ ہو۔
- (۷) حد قذف میں سزا یافتہ نہ ہو۔

قاضی کی کچھ صفات حسب ذیل درج ہیں:-

- ☆ صاحب علم و فضل ہو حلال و حرام اور دیگر ضروری احکام پر اس کی نگاہ ہو۔
- ☆ کتاب و سنت اور طریقہ اجتہاد سے واقف ہونا چاہئے، تاکہ واقعات و حوادث میں اچھی طرح فیصلہ کر سکے۔

- ☆ عربی زبان، اس کی مختلف تعبیرات و محاورات اور زبان و ادب کا ضروری علم ہو۔
- ☆ جس ملک و علاقہ میں ہو اس علاقہ کی زبان، معاشرت و عرف، محاورات اور لغت سے آشنا ہو۔
- ☆ مشورہ لینے میں علماء سے عار نہ کرے۔
- ☆ صفت عدل سے متصف ہو۔ اصطلاح فقہاء میں عادل وہ ہے جو گناہ کبیرہ سے اجتناب کرے، صغیرہ پر اصرار نہ کرے۔

☆ حسنات صغائر کے مقابلہ میں غالب ہوں۔

☆ محل تہمت سے بچنے والا ہو۔

☆ مزاج میں عجلت نہ ہو۔

☆ بداخلاق نہ ہو۔ ☆ کردار کا مضبوط، دانش مند، سمجھدار اور صالح ہو۔

(ملخص از اسلامی عدالت، از قاضی مجاہد الاسلام قاسمی۔ وایضاح النوادر از مفتی شبیر احمد قاسمی)۔

جماعتِ مسلمین کی شرائط:

اس جماعت کو قاضی کے قائم مقام کرنے کے لیے چند شرائط ہیں، جس جماعت میں یہ شرطیں موجود نہ ہوں وہ شرعاً معتبر نہ ہوگی۔

(۱) کم از کم تین آدمیوں کی جماعت ہو ایک یا دو آدمی فیصلہ کریں تو وہ معتبر نہیں۔

(۲) اس جماعت کے سب ارکان کا عادل ہونا شرط ہے، اور عادل وہ شخص ہے جو تمام کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو اور صغائر پر مصر نہ ہو اور اگر کبھی کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہو تو فوراً توبہ کر لیتا ہو، لہذا سود خوار اور رشوت لینے والا، ڈاڑھی منڈانے والا، جھوٹ بولنے والا، اور بے نمازی جماعت کا رکن نہیں بن سکتا۔ (اگر بد قسمتی سے کسی جگہ با اثر لوگ دیندار نہ ہوں تو یہ تدبیر کر لی جائے کہ وہ با اثر اشخاص چند دینداروں کو اختیار دیدیں تاکہ شرعاً فیصلہ کی نسبت دیندار جماعت کی طرف ہو اور ان با اثر اشخاص کو کوشش کا ثواب حاصل ہو جائے)۔

(۳) فیصلہ میں علماء کی شرکت لازم اور شرط ہے صرف عوام کی جماعت کا فیصلہ حکم قاضی کے قائم مقام نہیں ہو سکتا اس لیے اولاً تو یہ چاہئے کہ جماعت کے سب ارکان اہل علم ہوں اور اگر یہ میسر نہ ہو تو کم از کم ایک معاملہ فہم عالم کو ضرور جماعت کا رکن بنائیں اور دوسرے ارکان معاملہ کے تمام پہلوؤں کو ان عالم صاحب سے خوب سمجھ کر رائے قائم کریں، اور اگر کسی جگہ یہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر یہ لازم ہے کہ جماعت کے ارکان معاملہ کی کاروائی مکمل کر کے علمائے محققین سے ہر ہر جزئی کا حکم دریافت کریں، اور جو ان کا فتویٰ ہو اس کے موافق فیصلہ کیا جاوے، اگر ایسا نہ کیا بلکہ عوام نے محض اپنی رائے سے فیصلہ کر دیا تو وہ حکم نافذ نہ ہوگا اور فیصلہ بالکل بے کار و غیر معتبر رہے گا، اگرچہ وہ فیصلہ شریعت کے موافق بھی ہو۔

(۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ جماعتِ مسلمین کے سب ارکان متفقہ فیصلہ دیں اگر رائے مختلف رہے اور کثرت رائے کی بنا پر فیصلہ کرنا چاہیں تو وہ فیصلہ معتبر نہ ہوگا، پس اگر ارکان میں اختلاف رہے تو مقدمہ خارج کر دیا جائے۔

فائدہ: اگر اختلاف رائے کی وجہ سے کسی درخواست پر تفریق کا حکم نہ ہو سکا تھا تو وہ درخواست ہمیشہ کے

لیے مسترد نہیں ہو جائیگی، بلکہ مستغیثہ کو اختیار ہوگا کہ معاملہ کی حالت بدل جاوے یا ضرورت کی شدت بڑھ جائے

تو دوبارہ درخواست پیش کرے، اور دوبارہ درخواست دینے پر اگر ارکان کی رائے متفق ہو جائے تو تفریق کردی جاوے۔ ("الحيلة الناجزة" ص ۱۳۵، صورت قضاء قاضی در ہندوستان، دارالاشاعت، دیوبند۔ وکذا فی اسلامی فقہ: ۲/۲۶۱)۔

حکمین کی شرائط:

مالکیہ کے نزدیک حکمین کو تفریق کا اختیار ہے، البتہ جمہور علماء کے نزدیک ان کو یہ حق نہیں ہے۔ فسخ و تفریق کے باب میں چونکہ حنفیہ نے مالکیہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے، لہذا احناف کے نزدیک بھی حکمین تفریق کر سکتے ہیں، جس کی قدرے تفصیل حکمین کی شرائط کے ساتھ مسئلہ "شقاق" کے تحت گزر چکی ہے، وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

مزید ایک عبارت ملاحظہ فرمائیں:

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:

والحکمان : حران مسلمان ذکران عدلان مکلفان فقیهان عالمان بالجمع والتفریق لأن التحکیم یفتقر إلی الرأي والنظر، ویجوز أن یکونا من غیر أهلہما؛ والأولی أن یکونا من أهلہما؛ لأن القرابة لیست شرطاً فی الحکم ولا الوکالة. وینبغی لہما أن ینویا الإصلاح لقولہ تعالیٰ: ﴿إن یریدا إصلاحاً یوفق اللہ بینہما﴾ وأن یلطفوا القول، وأن ینصفا، ویرغبا ویخوفا، ولا یخصا بذلک أحد الزوجین دون الآخر، لیكون أقرب للتوفیق بینہما.

وینفذ عند المالکیة تصرف الحکمین فی أمر الزوجین بما رأیاه من تطلیق أو خلع، من غیر إذن الزوج ولا موافقة الحاکم، بعد أن یعجز عن الإصلاح بینہما، وإذا حکما بالفراق فهي طلاقہ بائنة. (الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۷/۳۴۰-۳۴۱، دارالفکر). واللہ اعلم۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى:

﴿وَالْمُطَلَّاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ﴾

(سورة البقرة: الآية: ۲۲۸)

وَقَالَ تَعَالَى:

﴿وَالَّذِينَ يَتُوفُونَ مِنْكُمْ وَيُذَرُونَ أَزْوَاجًا

يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾

(سورة البقرة: الآية: ۲۳۴)

بَاب (۱۲)

عدت کا بیان

وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى:

﴿وَالَّذِي يَتُوسُّ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنْ ارْتَبَتْ

فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَالَّذِي لَمْ يَحْضَنْ،

وَأُولَاتِ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾

(سورة الطلاق: الآية: ۴)

فصل اول

عدت گزارنے کے احکام

❖ شریعت مطہرہ میں عدت کا صحیح مفہوم:

آثارِ نکاح ختم ہو جانے کے لئے شریعت نے عورت کے واسطے جو مدت مقرر کی ہے اس کا نام عدت ہے۔
ملاحظہ فرمائیں بدائع الصنائع میں ہے:

فالعدة في عرف الشرع اسم لأجل ضرب لانقضاء ما بقي من آثار النكاح . (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع: ۳/۱۹۰، سعید).

❖ وجوب عدت کے شرائط:

نکاح صحیح کی صورت میں اگر وطی یا خلوت سے پہلے علیحدگی ہوگئی تو عدت واجب نہیں ہے، لیکن اگر شوہر کا انتقال ہو جائے تو بہر حال عدت واجب ہے، مطلق خلوت سے عدت واجب ہو جاتی ہے، خواہ خلوت صحیح ہو یا فاسدہ۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

وسبب وجوبها عقد النكاح المتأكد بالتسليم وما جرى مجراه من موت أو خلوة أي صحيحة فلا عدة بخلوة الرتقاء وشرطها الفرقة .

وفی الشامی: قوله وما جرى مجراه ... وهذا خاص بالنكاح الصحيح أما الفاسد فلا

تجب فيه العدة إلا بالوطء . قوله أي صحيحة: فيه نظر فإن الذي تقدم في باب المهر أن المذهب وجوب العدة للخلوة صحيحة أو فاسدة. (الدر المختار مع الشامى: ۳/ ۵۰۴، باب العدة، ط:

سعيد۔ وكذا في البحر الرائق: ۴/ ۱۲۸، ط: كوئته۔ وفتح القدير: ۴/ ۳۳۴، باب العدة، دارالفكر).

✽ مدتِ عدت:

(الف) عدتِ وفاتِ قمری چار مہینے دس دن ہیں، اور اگر زوجہ حاملہ ہو تو وضع حمل ہے۔
(باء) مطلقہ کی عدت اگر اسے حیض آتا ہو تو مکمل تین حیض ہے، اور اگر کم عمری یا زیادہ عمر کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو قمری تین مہینے ہیں، اگر مطلقہ حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔

✽ عدت کی ابتداء:

تفریق، طلاق، خلع،، متارکت یا موت کے بعد سے عدت شروع ہو جاتی ہے، خواہ عورت کو ان باتوں کا علم ہو یا نہ ہو۔

(الف) فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

عدة الحرة في الوفات أربعة أشهر وعشرة أيام سواء كانت مدخولاً بها أو لا مسلمة أو كتابية تحت مسلم صغيرة أو كبيرة أو آتية وزوجها حر أو عبد حاضت في هذه المدة أو لم تحض ولم يظهر حملها كذا في فتح القدير هذه العدة لا تجب إلا في نكاح صحيح كذا في السراج الوهاج . (الفتاوى الهندية: الباب الثالث عشر في العدة: ۱/ ۵۲۹۔ وكذا في البحر ۴/ ۱۳۱، كوئته).

(باء) البحر الرائق میں ہے:

قوله عدة الحرة للطلاق أو الفسخ ثلاثة أقراء أي حيض ... أطلق الطلاق فشمّل البائن والرجعي ولم يقيد بالدخول بناء على أن الأصل في النكاح الدخول ولا بد منه حقيقة أو حكماً حتى تجب على مطلقه بعد الخلوة ولو فاسدة... وشمّل جميع أسبابه من الفسخ ... قوله وثلاثة أشهر إن لم تحض أي عدة الحرة إن لم تكن من ذوات الحيض لصغر أو

کبر مدۃ ثلاثة أشهر لقوله تعالى: ﴿واللآئی ینسن من المحیض من نسائکم إن ارتبتم فعدتھن ثلاثة أشهر﴾ فی حق الآیسة، وقوله تعالى: ﴿واللآئی لم یحضن﴾ فی حق الصغیرة ومن بلغت بالسن ولم تحض، وشمل قوله إن لم تحض أيضاً البالغة إذا لم تردماً أو رأت وانقطع قبل التمام . (البحر الرائق مع کنز الدقائق: ۴/ ۱۲۸-۱۳۰، باب العدة، کوئٹہ) .

وأيضاً فیہ : وعدۃ الحامل وضع الحمل لقوله تعالى: ﴿وأولات الأحمال أجلھن أن یضعن حملھن﴾ أطلقھا فشمّل الحرۃ والأمة المسلمة والکتابیة مطلقة أو متارکة فی النکاح الفاسد أو وطء بشبهة والمتوفی عنها زوجها لإطلاق الآیة . (البحر الرائق: ۴/ ۱۳۳) بدائع الصنائع میں ہے:

وقت وجوب العدة أنها تجب من وقت وجود سبب الوجوب من الطلاق والوفاة وغير ذلك حتى لو بلغ المرأة طلاق زوجها أو موته فعليها العدة من يوم طلق أو مات عند عامة العلماء وعامة الصحابة رضي الله عنهم . (بدائع الصنائع: ۳/ ۱۹۰، ط: سعید۔ وكذا فی الدر المختار ۳/ ۵۲۰، ط: سعید)

✽ اگر عدت کا آغاز قمری مہینہ کی پہلی تاریخ سے نہیں ہو رہا ہے تو ہر مہینہ تیس دن کا شمار ہوگا۔ اس صورت میں عدت وفات کے کل ایام ایک سو تیس ہوں گے، اور طلاق، تفریق، متارکت میں عدت کے کل ایام صغیرہ و آئسہ کے لیے نوے ہوں گے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

إن سبب وجوب هذه العدة من الوفاة والطلاق ونحو ذلك إذا اتفق في غرة الشهر اعتبرت الأشهر بالأهلة وإن نقضت عن العدد في قول أصحابنا جميعاً لأن الله تعالى أمر بالعدة بالأشهر بقوله عز وجل: ﴿فعدتھن ثلاثة أشهر﴾ وقوله عز وجل: ﴿أربعة أشهر وعشراً﴾ فلزم اعتبار الأشهر والشهر قد يكون ثلاثين يوماً وقد يكون تسعة وعشرين يوماً بدليل ما روي عن النبي ﷺ أنه قال: "الشهر هكذا وهكذا وأشار بأصابع يديه كلها

ثم قال الشهر هكذا وهكذا وحبس إبهامه في المرة الثالثة وإن كانت الفرقة في بعض الشهر اختلفوا فيه قال أبو حنيفة: يعتبر بالأيام فتعتد من الطلاق وأخواته تسعين يوماً ومن الوفاة مائة وثلاثين يوماً. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع: ۱۹۵/۳ - ط: سعيد - وكذا في فتح القدير: ۳۳۵/۴، ط: دار الفکر). واللہ تعالیٰ اعلم۔

نابالغ شوہر کی خلوت سے عدت کا حکم:

سوال: نابالغ اور نابالغہ کا نکاح ہوا خلوت بھی ہوئی پھر بلوغ کے بعد طلاق دیدی، کیا عدت واجب ہے یا نہیں؟ جبکہ بلوغ کے بعد کوئی خلوت نہیں ہوئی؟

الجواب: نکاح کے بعد زوجین کا ایسی خلوت میں ملاقات کرنا جہاں کسی اور کے جانے کا اندیشہ نہ ہو، لڑکی پر عدت کو واجب کر دیتا ہے، اگرچہ یہ ملاقات بلوغ سے پہلے ہوئی ہو، لہذا بصورتِ مسئلہ عدت واجب ہے۔

ملاحظہ فرمائیں شامی میں ہے:

لا فرق بین أن يكون الزوج أو الزوجة أو كل منهما صغيراً، قال في البحر: وفي خلوة الصغير الذي لا يقدر على الجماع قولان، وجزم قاضیخان بعدم الصحة فكان هو المعتمد ولذا قيد في الذخيرة بالمراهق، وتجب العدة بخلوته وإن كانت فاسدة؛ لأن تصریحهم بوجوبها بالخلوة الفاسدة شامل لخلوة الصبي. (فتاویٰ الشامی: ۱۱۴/۳، باب المهر، احکام الخلوة، ط: سعيد). واللہ تعالیٰ اعلم۔

نامرد کی خلوت سے وجوبِ عدت کا حکم:

سوال: ایک شخص نے شادی کی لیکن وہ نامرد ہونے کی وجہ سے صحبت پر قادر نہیں ہو سکتا ہے، اس نے

اپنی بیوی کو طلاق دیدی تو اس کی زوجہ پر عدت لازم ہے یا نہیں؟ جب کہ کچھ ایام ساتھ گزارے ہیں۔

الجواب: بصورتِ مسئلہ جب کچھ ایام ساتھ رہے ہیں یعنی خلوت ہو چکی ہے، لہذا عدت واجب ہے اگرچہ صحبت پر قادر نہیں تھا، خلوت چاہے صحیح ہو یا فاسدہ، عدت واجب ہو جاتی ہے۔
ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ولها كمال مهرها إن كان خلا بها فإن خلوة العنين صحيحة ويجب العدة وفي شرح
العناية: قوله ويجب العدة لتوهم الشغل احتياطاً استحساناً. (شرح العناية مع الهداية على هامش فتح
القدير ۴/۳۰۰، باب العنين، دار الفكر).

درمختار میں ہے:

ولو كان الزوج مجبواً أو عنيماً أو خصياً... عن شرح الوهبانية أن العنة قد تكون
لمرض أو ضعف خلقة أو كبر سن في ثبوت النسب ولو من المجهوب وفي تأكيد المهر
المسمى ومهر المثل بلا تسمية والنفقة والسكنى والعدة وفي الشامي: قوله والعدة.
وجوبها من أحكام الخلوة سواء كانت صحيحة أم لا، أي إذا كانت في نكاح صحيح، أما
الفاسد فتجب فيه العدة بالوطء. (الدر المختار مع الشامي: باب المهر، أحكام الخلوة ۳/۱۱۸، سعيد).
واللہ تعالیٰ اعلم۔

حائضہ کے ساتھ ایک شب گزار کر طلاق دینے سے عدت کا حکم:

سوال: ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور رات ساتھ رہے لیکن بیوی حالت حیض میں تھی
اس لئے ہم بستری نہ ہو سکی، بعد ازاں طلاق کی نوبت آئی اور شوہر نے مہر ادا کر دیا ہے، کیا عدت واجب ہوگی یا
نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ عورت پر عدت واجب ہوگی، اگرچہ خلوت صحیحہ متحقق نہیں ہوئی لیکن خلوت

فاسدہ سے بھی عدت واجب ہو جاتی ہے۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

(قوله عدة الحرة للطلاق أو الفسخ ثلاثة أقراء ولم يقيد بالدخول بناء على أن الأصل في النكاح الدخول ولا بد منه حقيقة أو حكماً حتى تجب على مطلقة بعد الخلوة ولو فاسدة. (البحر الرائق ۴/ ۱۲۸، ط: كوئٹہ).

ہدایہ میں ہے:

وإن كان أحدهما مريضاً أو كان صائماً في رمضان أو محرماً بحج فرض أو نفل أو بعمره أو كانت حائضاً فليست الخلوة صحيحة... إلى قوله وعليها العدة في جميع هذه المسائل احتياطاً واستحساناً لتوهم الشغل والعدة حق الشرع. (الهداية: ۲/ ۳۲۶، باب المهر).
مزید ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی: ۳/ ۱۱۴، باب المهر، احکام الخلوة، ط: سعید۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عورت کے ناقابل جماع ہونے سے عدت کا حکم:

سوال: نکاح کے بعد معلوم ہوا کہ عورت کسی مرض یا کسی عارض کی وجہ سے ناقابل جماع ہے، اس پر طلاق کی نوبت آگئی تو عدت واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ میاں بیوی نکاح کے بعد خلوت میں یکجا جمع ہوئے پھر طلاق واقع ہوئی، لہذا عدت واجب ہوگئی، اگرچہ عورت ناقابل جماع تھی اس سے وجوبِ عدت کا حکم ساقط نہ ہوگا۔
ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

والخلوة ... بلا مانع حسي كمرض لأحدهما يمنع الوطء ومن الحسي رتق ...
التلاحم وقرن عظم وعفل غدة. وفي الشامي: قوله عظم في البحر عن المغرب: القرن في
الفرج مانع يمنع من سلول الذكر فيه إما غدة غليظة أو لحم أو عظم وامرأة رتقاء بها ذلك
ومقتضاه ترادف القرن والرتق. قوله عفل وغدة، أي في خارج الفرج، ففي القاموس: أنه

شيء يخرج من قبل المرأة شبيه بالأدرة للرجال... وتجب العدة... وإن كانت فاسدة؛ فإن تصریحهم بوجوبها بالخلوة الفاسدة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱۱۴/۳، باب المهر، أحكام الخلوة).
واللہ تعالیٰ اعلم۔

شوہر کے مرتد ہونے سے وجوبِ عدت کا حکم:

سوال: شوہر کے مرتد ہو جانے کی وجہ سے عورت خود بخود اس کے نکاح سے نکل جاتی ہے، لیکن دوسری جگہ شادی کر سکتی ہے یا عدت لازم ہے؟

الجواب: شوہر کے مرتد ہو جانے کی وجہ سے اس کی بیوی خود بخود اس شخص کے نکاح سے نکل گئی، مگر دوسرے مسلمان کے ساتھ شادی کرنے کے لئے اس پر بھی عدت لازم اور ضروری ہے، بغیر عدت گزارے دوسری جگہ نکاح صحیح نہیں ہوگا، اور زمانہ عدت شوہر کے مرتد ہوتے ہی شروع ہو جائے گا۔
ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

وارتداد أحدهما فسخ عاجل... وعليه نفقة العدة الخ. وفي الشامي: قوله وعليه نفقة العدة، أي لو مدخولاً بها إذ غيرها لا عدة عليها، وأفاد وجوب العدة سواء ارتد أو ارتدت بالحيض أو بالأشهر لو صغيرة أو آيسة أو بوضع الحمل كما في البحر. (الدر المختار مع الشامي: ۱۹۳/۳، ۱۹۴، باب نكاح الكافر، ط: سعيد).

وفيه أيضا وهي في حق حرة ولو كتابية تحت مسلم تحيض لطلاق ولو رجعيًا أو فسخ بجميع أسبابه... ثلاث حيض كوامل. وفي الشامية: قوله بجميع أسباب مثل الانفساخ بخيار البلوغ والعق وعدم الكفائة وملك أحد الزوجين الآخر والردة في بعض الصور. (الدر المختار مع رد المحتار: ۵۰۴/۳، ط: سعيد).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

اگر شوہر مرتد ہو جائے تو نکاح خود بخود ختم ہو جائیگا۔ (مجموعہ قوانین اسلامی، ص ۲۰۸)۔

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

صورتِ مسئلہ (شوہر کے مرتد ہونے) میں ہندہ زید کے نکاح سے خارج ہوگئی اور عدت ہندہ پر لازم ہے بعد عدت وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے، اور زمانہ عدت وقت ارتداد شوہر سے شمار ہوگا۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۳۳/۱۰، مدلل مکمل)۔

مزید ملاحظہ ہو: (الفتاویٰ التاتاریخانیہ: ۵۳/۵۳۶، و کتاب الفتاویٰ: ۱۸۹/۵) واللہ تعالیٰ اعلم۔

غلط فہمی میں صحبت کرنے سے وجوبِ عدت کا حکم:

سوال: کسی دوسرے کی بیوی کو اپنی بیوی سمجھ کر اس سے صحبت کر لی، پھر معلوم ہوا کہ اس کی بیوی نہ تھی تو اس عورت پر عدت لازم ہوگی یا نہیں؟ اسی طرح نکاح فاسد میں عدت کا کیا حکم ہے؟ نیز بچہ پیدا ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ وطی بالشبہ اور نکاح فاسد بعد الدخول دونوں صورتوں میں عدت لازم اور ضروری ہے، اور عدت مکمل تین حیض ہے، اور اگر کم عمری یا زیادہ عمر کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو عدت تین ماہ قمری ہے اور حاملہ ہونے کی صورت میں عدت وضع حمل ہے۔ اور یہ بچہ حرامی نہیں اس کا نسب ٹھیک ہے جس نے غلط فہمی سے صحبت کی ہے اس کا بچہ ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

إذا دخل الرجل بالمرأة على وجه شبهة أو نكاح فاسد فعليه المهر وعليها العدة ثلاث حيض إن كانت حرة... فإن كانت لا تحيض من صغر أو كبر فعدة الحرة ثلاثة أشهر.

(الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۵۲۷، و کذا فی بدائع الصنائع: ۳/۱۹۲، سعید۔ و الدر المختار: ۳/۵۰۱، سعید)۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

نابالغہ پر وجوبِ عدت کا حکم:

سوال: ایک بالغ شخص نے نابالغہ کے ساتھ نکاح کیا پھر خلوت کے بعد طلاق واقع ہوگئی تو عدت لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ بالغ شوہر نے خلوت صحیحہ کے بعد نابالغہ کو طلاق دی ہے لہذا عدت لازم ہے اگرچہ صحبت نہ ہوئی ہو، وجوبِ عدت کے لئے خلوت کا پایا جانا کافی ہے۔
ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

قال في النهر : وتعريف البدائع شامل لعدة الصغيرة، بخلاف تعريف المصنف، وأكثر المشايخ لا يطلقون لفظ الوجوب عليها بل يقولون تعتد، والوجوب إنما هو على الولي بأن لا يزوجها حتى تنقضي العدة. قال شمس الأئمة : إنها مجرد مضي المدة، فثبتها في حقها لا يؤدي إلى توجيه خطاب الشرع عليها، فإن قلت : كون مسماها المدة لا يستلزم انتفاء خطاب الولي أن لا يزوجها. قلت : إذا كان كذلك فالثابت فيها عدم صحة التزوج لا خطاب أحد بل وضع الشارع عدم صحة التزوج لو فعل، وهو ملخص من الفتح . والحاصل أن الصغير أهل لخطاب الوضع وهذا منه كما خوطب بضمان المتلفات . (فتاوى الشامی: ۵۰۲/۳، باب العدة - وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ۵۸/۴، إدارة القرآن). واللہ تعالیٰ اعلم۔

معتدہ کے ساتھ وطی بالشبہ سے نئی عدت کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائن یا تین طلاق دی تھی، پھر عدت کے اندر غلطی سے صحبت کر لی تو از سر نو عدت لازم ہے یا اسی کو پوری کرے؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ دورانِ عدت غلط فہمی میں صحبت کرنے سے از سر نو عدت واجب ہوگی،

اور دونوں عدتوں میں مداخل ہوگا، یعنی پہلی عدت ختم ہونے کے بعد دوسری عدت کے بقیہ ایام گزار لے، دونوں مستقل علیحدہ گزارنا لازم نہیں ہے، لیکن نئی طلاق اور نفقہ کے حق میں پہلی عدت کا اعتبار ہے۔
ملاحظہ فرمائیں بدائع الصنائع میں ہے:

العدتان إذا وجبتا أنهما يتداخلاں سواء كانتا من جنس واحد أو من جنسين وصورة الجنس الواحد المطلقة إذا تزوجت في عدتها فوطئها الزوج ثم تاركا حتى وجبت عليها عدة أخرى فإن العدتين يتداخلاں عندنا وصورة الجنسين المختلفين المتوفى عنها زوجها إذا وطئت بشبهة تداخلت أيضا وتعد بما رآته من الحيض في الأشهر من عدة الوطء عندنا. (بدائع الصنائع: ۳/۱۹۰، باب العدة، ط: سعيد).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

لو طلقها بتطليقة بائنة أو بتطليقتين بائنتين ثم وطئها في العدة مع الإقرار بالحرمة كان عليها أن تستقبل العدة استقبالا بكل وطأة وتداخل مع الأولى إلا أن تنقضي الأول فإذا انقضت الأولى وبقيت الثانية والثالثة كان الثانية والثالثة عدة الوطء حتى لو طلقها في هذه الحالة لا يقع طلاق آخر فالأصل أن المعتدة بعدة الطلاق يلحقها الطلاق والمعتدة بعدة الوطء لا يلحقها الطلاق وأما المطلقة ثلاثا إذا جامعها زوجها في العدة.. وادعى الشبهة بأن قال ظننت أنها تحل لي تستأنف العدة بكل وطء وتداخل مع الأولى إلا أن تنقضي الأولى فإذا انقضت الأولى وبقيت الثانية والثالثة كان هذه عدة الوطء لا تستحق النفقة في هذه الحالة. (الفتاوى الهندية: ۱/۵۳۳، باب العدة - وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ۴/۶۳). واللہ اعلم۔

رخصتی سے پہلے طلاق ہونے پر عدت کا حکم:

سوال: ایک شخص نے شادی کی ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ طلاق ہوگئی تو زوجہ پر عدت لازم ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ اگر شادی کے بعد کسی قسم کی کوئی خلوت یعنی تنہائی میں ملاقات نہیں ہوئی تھی تو

عدت واجب نہیں ہے، لیکن اگر خلوت ہوئی تھی اگرچہ فاسدہ ہو، عدت واجب ہوگئی۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿ثم طلقتموهن من قبل أن تمسوهن فما لكم عليهن من عدة﴾. (سورة

الاحزاب: الآية: ۴۹).

فتح القدیر میں ہے:

أن الطلاق قبل الدخول لا تجب فيه العدة، قال اللہ تعالیٰ: ﴿إذا نكحتم المؤمنات ثم

طلقتموهن من قبل أن تمسوهن فما لكم عليهن من عدة تعتدونها﴾. (فتح القدیر: ۴/۳۰۸، باب

العدة، دارالفکر).

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

وإن كان الفساد بعجزه عن الوطء حقيقة لا يجب عليها العدة وكذا لو طلقها قبل

الخلوة: (فتاویٰ قاضیخان علی هامش الہندیۃ: ۱/۵۴۹).

البحر الرائق میں ہے:

وأما سبب وجوبها فلكل نوع منها سبب فعدة الأقراء لوجوبها أسباب منها الفرقة في

النكاح الصحيح سواء كانت بطلاق أو بغير طلاق بعد و طء أو خلوة. (البحر الرائق: ۴/۱۲۸).

وفی الدر المختار: وسبب وجوبها عقد النکاح المتأكد بالتسليم أى بالوطء وما

جرى مجراه من موت أو خلوة أى صحيحة، قال الشامی: فيه نظر، فإن الذى تقدم فى باب

المهر أن المذهب وجوب العدة للخلوة صحيحة أو فاسدة. (الدر المختار مع فتاوى الشامی: ۳/

۵۰۴، باب العدة، ط: سعید).

معلوم ہوا کہ عدت واجب ہونے کا سبب خلوت یا صحبت ہے اگر خلوت یا صحبت کے بغیر طلاق ہوئی تو

عدت واجب اور لازم نہیں ہوگی۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

اگر شوہر نے اس عورت سے نہ جماع کیا، نہ تنہائی کی ہے اور بغیر ان دونوں باتوں کے طلاق دی ہے تو اس عورت

پر شرعاً عدت واجب نہیں، جب چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۳/۳۸۱، باب و مرتب) واللہ اعلم۔

صغیرہ قابل جماع نہ ہو تو عدت کا حکم:

سوال: ایک شخص نے صغیرہ سے شادی کی جو جماع کی متحمل نہیں ہے پھر چند ایام کے بعد طلاق واقع ہو گئی تو عدت واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورت مسئلہ ایسی صغیرہ جو قابل جماع اور متحمل جماع نہ ہو اور خلوت کے بعد طلاق مل گئی اس پر بھی عدت لازم ہے۔
ملاحظہ ہو:

وفی الدر المختار: والخلوة ... كالوطء ... وفي تأكد المهر المسمى ... والنفقة والسكنى والعدة. و فی الشامیة: قوله و العدة وجوبها من أحكام الخلوة سواء كانت صحيحة أم لا أي إذا كانت في نكاح صحيح. (الدر المختار مع الشامی: ۱۱۸/۳، باب المهر أحكام الخلوة).

وفی البحر الرائق: والحاصل أن الصغيرة أهل لخطاب الوضع وهذا منه كما خوطب الصغير والصغيرة بضمان المتلفات ولو حاضت الصغيرة في الأشهر الثلاثة تسنأنف العدة بالحیض. (البحر الرائق: ۱۳۱/۴، ط: کوئٹہ۔ و کذا فی فتح القدیر: ۳۱۲/۴، ۳۱۳، باب العدة، ط: دار الفکر).

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

سوال: اگر ہندہ نابالغہ شوہر کے ساتھ رہی ہو لیکن ہندہ قابل صحبت نہ ہو تو اس صورت میں عدت طلاق کی ہوگی یا نہیں؟

الجواب: خلوت ہو جانے سے عدت لازم ہو جاتی ہے اگرچہ صحبت نہ ہوئی۔ کذا صرح بہ فی الشامی.
(فتاویٰ دارالعلوم ۱۰/۳۲۷). واللہ تعالیٰ اعلم۔

غیر مسلمہ پر عدت و فوات کا حکم:

سوال: کافرہ نصرانی عورت کی شادی کسی کافر کے ساتھ ہوئی تھی پھر کافر مرد کا انتقال ہو گیا، اب وہ عورت بغیر عدت گزارے کسی مسلمان مرد کے ساتھ شادی کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ غیر مسلمہ پر کافر شوہر کے مرنے کی وجہ سے عدت لازم نہیں ہے، اس کا نکاح کسی مسلمان مرد کے ساتھ فی الفور ہو سکتا ہے، ہاں نکاح کے بعد مسلمان شخص فوراً صحبت نہیں کریگا بلکہ ایک حیض آنے کے بعد صحبت کر سکتا ہے، لیکن اگر حاملہ ہے تو وضع حمل کی عدت گزارنا لازم ہے۔
ملاحظہ فرمائیں شامی میں:

ذمیۃ غیر حاملہ طلقہا ذمیۃ او مات عنها لم تعتد عند أبي حنيفة إذا اعتقدوا ذلك
لأننا أمرنا بتركهم وما يعتقدون، ولو كانت الذمیۃ حاملًا تعتد بوضعها اتفاقاً، وفي الشامية:
قوله طلقها ذمیۃ احتراز به عن المسلم. قوله لم تعتد عند أبي حنيفة فلو تزوجها مسلم أو
ذمیۃ في فور طلاقها جاز كما في فتح القدير بحر... نعم ذكر في الخانية هناك الذمیۃ إذا
أبان امرأته الذمیۃ فتزوجها مسلم أو ذمیۃ من ساعته ذكر بعض المشايخ أنه يجوز نكاحها
ولا يباح له وطؤها حتى يستبرئها بحيضة في قول أبي حنيفة. (الدر المختار مع رد المحتار:
۵۲۶/۳، باب العدة، سعيد و كذا في فتح القدير مع الهداية: ۳۳۳/۴، باب العدة، دار الفكر).

وفي البدائع: وإن كانت (الكتابية) تحت ذمیۃ فلا عدة عليها في الفرقة ولا في
الموت في قول أبي حنيفة إذا كان كذلك في دينهم حتى لو تزوجت في الحال جاز...
وذكر الكرخي في جامعہ فی الذمیۃ تحت ذمیۃ إذا مات عنها أو طلقها فتزوجت في الحال
جاز إلا أن تكون حاملًا فلا يجوز نكاحها. (بدائع ۱۹۱/۳، شرط وجوب العدة). واللہ تعالیٰ اعلم۔

نومسلمہ پر عدتِ وفات کا حکم:

سوال: ایک کافرہ عورت کا نکاح کافر مرد سے ہوا تھا پھر اس کافر مرد کا انتقال ہو گیا اس کے بعد کافرہ عورت اسلام لے آئی، تو عدت لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ اگر ایامِ عدت باقی ہیں تو عدت گزارنا لازم ہے، اس لئے کہ اسلام لانے کے بعد اسلامی احکام کی مکلف ہو گئی اور عدت بھی اسلامی احکام میں سے ایک حکم ہے۔
ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

لو أسلمت الكافرة في العدة لزمها الإحداذ فيما بقي من العدة كذا في الجوهرة النيرة. (الفتاوى الهندية: ۱/۵۳۴).
بدائع الصنائع میں ہے:

فإن أسلمت الكتابية في العدة لزمها فيما بقي من العدة ما يلزم المسلمة بأن المانع من اللزوم هو الكفر وقد زال بالإسلام. (بدائع الصنائع: ۳/۲۰۸، أحكام العدة، ط: سعيد).
فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله مسلمة شمل من أسلمت في العدة، فتحد فيما بقي منها. (فتاوى الشامى: ۳/۵۳۰، باب الحداد، ط: سعيد).

و فيه أيضا: لأن المرأة إن كانت مسلمة فقد التزمت أحكام الإسلام ومن حكمه وجوب العدة. (فتاوى الشامى: ۳/۱۸۹، باب نكاح الكافر، ط: سعيد).

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (۳۰۸/۱۰) پر یہ مرقوم ہے کہ نومسلمہ سے فوراً نکاح درست ہے۔ لیکن مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

طلاق سنت میں عدت گزارنے کا طریقہ:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طہر میں ایک طلاق دی، دوسرے طہر میں دوسری طلاق دی، پھر تیسرے طہر میں تیسری طلاق دی، اب عدت گزارنے کا کیا طریقہ ہوگا، یعنی تیسری طلاق کے بعد تین حیض گزارے گی یا صرف ایک حیض؟

الجواب: صورت مسئلہ میں دو طلاقوں کے بعد عدت کے دو حیض گزار چکے ہیں، لہذا تیسری طلاق کے بعد صرف ایک حیض گزارنا لازم ہے، ایک حیض گزارنے سے عدت ختم ہو جائے گی، تین طلاق کے بعد مستقل تین حیض گزارنا لازم نہیں ہے۔
ملاحظہ فرمائیں ابن ماجہ شریف میں روایت مذکور ہے:

عن عبد الله بن مسعود رضى الله تعالى عنه قال فى طلاق السنة: يطلقها عند كل طهر تطليقة، فإذا طهرت الثالثة طلقها وعليها بعد ذلك حيضة. (رواه ابن ماجه: ۱/۱۴۵).

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن إبراهيم، قال: عليها حيضة أخرى بعد آخر تطليقة. (مصنف ابن ابی شيبه: ۵۱۵/۹، المجلس العلمی).

محقق ابن ہمام فرماتے ہیں:

إذا وقع الثلاثة في ثلاثة أطهار فقد مضت من عدتها حيضان إن كانت حرة، فإذا حاضت حيضة انقضت. (فتح القدير: ۳/۴۶۸، باب طلاق السنة، ط: دار الفکر۔ وکذا فی بدائع الصنائع: ۳/۸۹، طلاق السنة، ط: سعید). واللہ اعلم۔

مطلقاً مہینوں سے تعین عدت کا حکم:

سوال: پاکستان کے عائلی قوانین (Family Laws Ordinance) دفعہ ۷ طلاق و عدت

کے مسائل ضمن (۳) میں یہ قانون مقرر ہوا ہے کہ عورت طلاق دینے کے بعد نوے دن عدت گزارے، اس کے بعد کسی اور جگہ نکاح کر سکتی ہے، آپ شریعت کی روشنی میں بتلا دیں کہ عدت تین حیض ہیں، یا تین طہریاتین ماہ؟

الجواب: کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں ذوات الاقراء (ماہواری آتا ہو)

عورتوں کی عدت مذہب احناف کے مطابق تین حیض ہیں، مطلقاً تین ماہ عدت گزارنا کافی نہیں ہے، مکمل تین حیض گزرنے کے بعد از روئے شرع عورت دوسری جگہ نکاح کرنے کی مجاز ہوگی۔

❖ قرآن و حدیث سے چند دلائل حسب ذیل درج ہیں:

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ (سورة البقرة: الآية:

(۲۲۸)

مفتی اعظم پاک و ہند حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اور طلاق دی ہوئی عورتیں (جن میں اتنی صفتیں ہوں، خاوند نے ان سے صحبت یا خلوت صحیحہ کی ہو، ان کو حیض آتا ہو، آزاد ہوں، یعنی شرعی قاعدہ سے لونڈی نہ ہوں) اپنے آپ کو (نکاح سے) روک رکھیں، تین حیض (ختم ہونے) تک (اور اس کو عدت کہتے ہیں)۔ (معارف القرآن: ۱/۵۳۵، از حضرت مفتی محمد شفیع صاحب)۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں لفظ ”قروء“ سے مراد حیض ہے، جس کے دلائل حسب ذیل درج ہیں:

(۱) سنن ابن ماجہ میں روایت ہے:

عن عروة بن الزبير أن فاطمة بنت أبي حبيش حدثته أنها أتت رسول الله صلى الله عليه وسلم، فشكت إليه الدم، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنما ذلك عرق، فانظري إذا أتى قراءك فلا تصلي فإذا مر القراء فتطهري... الخ. (زواه ابن

ماجہ: ۴۵۔ و ابوداؤد ۳۷/۱۔ و البيهقي في سننه الكبرى: ۳۳۲/۱۔ والنسائي في سننه الكبرى: ۴۰۱/۳)۔

یعنی ”جب حیض آجائے تو نماز چھوڑ دو“ اس حدیث میں قراء صراحۃً حیض کے معنی میں ہے۔

(۲) ابوداؤد شریف میں ہے:

عن عدي بن ثابت... عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: المستحاضة تدع الصلاة

أیام أقرأها، ثم تغتسل وتتوضأ لكل صلاة ثم تصلي... (رواه ابو داود: ۱/۳۷، ۴۱، ۴۳-وابن ماجه: ۴۶-والترمذی: ۱/۳۳-والبیہقی فی سننه الکبری: ۱/۳۴۵، ۳۴۶).

یعنی مستحاضہ حیض کے ایام میں نماز چھوڑ دے گی، یہاں بھی اقراء حیض کے معنی میں ہے۔

(۳) طبرانی میں روایت ہے:

عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن للحائض دفعات، ولدم الحيض ريح ليس لغيره، فإذا ذهب قرء الحيض فلتغتسل إحداكن ثم لتغسل عنها الدم. (رواه الطبرانی فی الكبير: ۱۱/۲۰۸/۱۱۵۱۴-وذكره الهيثمي فی المجمع: ۱/۲۸۰، فی الحيض والاستحاضة، ط: دار الفکر).

(۴) سنن نسائی میں روایت ہے:

عن عائشة رضي الله تعالى عنها أن أم حبيبة رضي الله تعالى عنها... استحیضت... قال: لتنظر قدر قرءها التي كانت تحيض لها.... (سنن النسائی: ۱/۶۵-ومسند الامام احمد بن حنبل: ۶/۱۲۸/۲۵۰۱۶).

اس روایت میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو استحاضہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حیض کے ایام کے بقدر انتظار کرے۔ اور لفظ حیض کی جگہ قرء کا لفظ استعمال فرمایا۔

علاوہ ازیں روایات کثیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عدت حیض کے ساتھ ہے۔

❁ احادیث سے دلائل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ترمذی شریف میں ہے:

عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما، أن امرأة ثابت بن قيس اختلعت من زوجها على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأمرها النبي صلى الله عليه وسلم أن تعتد بحيضة. (رواه الترمذی: ۱/۲۲۵-وابو داود: ۱/۳۰۳-والحاكم وصححه ووافقه الذهبي: ۲/۲۵۷، ۲۸۲۵، ۲۸۲۶).

(۲) ابن ماجہ شریف میں ہے:

عن ابن عمر رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: طلاق

الأمة اثنتان، وعدتها حیضتان. وفيه عطية وهو ضعيف۔ (رواه ابن ماجه: ۱/۱۵۰).

وله شاهد من حديث عائشة رضي الله تعالى عنها، انظر: ابو داود: ۱/۲۹۸، سنة طلاق العبد۔
والترمذی: ۱/۲۲۴، طلاق الامة تطليقتان۔ والسنن الكبرى للبيهقي: ۷/۳۶۹۔ والمستدرک علی الحاكم وقال
الحاكم: الحديث صحيح، ووافقه الذهبي: ۲/۲۵۶، ۲۸۲۲، ط: دار ابن حزم).
(۳) سنن ابن ماجه میں ہے:

عن عبد الله رضي الله تعالى عنه قال في طلاق السنة: يطلقها عند كل طهر تطليقة،
فإذا طهرت الثالثة، طلقها، وعليها بعد ذلك حيضة. (سنن ابن ماجه: ۱/۱۴۵).
(۴) عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: أمرت بريرة أن تعتد بثلاث حيض. (سنن ابن
ماجه: ۱/۱۵۰۔ مصنف عبدالرزاق: ۷/۲۵۰).
(۵) سنن کبریٰ میں ہے:

عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما في الأمة تكون تحت الحر: تبين بتطليقتين وتعتد
حيضتين، وإذا كانت الحرة تحت العبد بانت بتطليقتين وتعتد ثلاث حيض. (السنن الكبرى
للبیهقي: ۷/۳۶۹۔ و سنن الدارقطني: ۴/۳۹).
(نوٹ: اس روایت میں طلاق کے بارے میں شوہر یعنی عبد کا اعتبار کیا گیا ہے شاید یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا مسلک ہوگا).
(۶) عن عطاء بن أبي رباح أن مارية اعتدت بثلاث حيض بعد النبي صلى الله عليه وسلم
يعني أم إبراهيم. (السنن الكبرى: ۷/۴۴۸).

(۷) سئل عمر رضی اللہ عنہ عن رجل غاب عن امرأته، فبلغها أنه مات فتزوجت، ثم جاء الزوج الأول،
فقال عمر رضي الله تعالى عنه: يخير الزوج الأول بين الصداق وامرأته، فإن اختار الصداق
تركها مع الزوج الآخر، وإن شاء اختار امرأته، وقال علي رضي الله تعالى عنه: لها الصداق
بما استحل الآخر من فرجها، ويفرق بينه وبينها، ثم تعتد ثلاث حيض ثم ترد على الأول.
(مصنف ابن أبي شيبة: ۹/۲۱۱، المجلس العلمي).

(۸) عن معمر عن الزهري في امرأة بكر طلقت لم تكن حاضت، فاعتدت شهراً أو شهرين ثم

حاضت ، قال : تعتد ثلاث حیض . (مصنف عبدالرزاق: ۶/۳۴۳).

علاوہ ازیں مصنف ابن ابی شیبہ و مصنف عبدالرزاق اور شرح معانی الآثار میں متعدد روایات و آثار موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عدت حیض کے ذریعہ گزارنی ہوگی۔
مفتی بغداد علامہ آلوسی روح المعانی میں فرماتے ہیں:

وذهب ساداتنا الحنفية إلى أن المراد بالقرء الحيض ، وهو المروي عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما ، ومجاهد ، وقتادة ، والحسن ، وعكرمة ، وعمرو بن دينار ، وجم غفير... (روح المعاني: ۲/۱۳۲). والله تعالى اعلم۔

ممتدة الطهر کی عدت کا طریقہ:

سوال: اگر مطلقہ مرضعہ ممتدة الطهر ہو تو اس کی عدت گزارنے کا کیا طریقہ ہے؟ نیز جس عورت کو طویل مدت تک حیض نہ آئے تو عدت کس طریقہ پر گزارے، کیا حیض کا انتظار کرے یا مہینوں سے عدت گزارے گی؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ مرضعہ عورت بظاہر ممتدة الطهر نہیں ہوتی، بلکہ اکثر و بیشتر چند ماہ کے بعد ماہواری جاری ہو جاتی ہے، لہذا حیض کے ساتھ عدت گزارنا لازم ہے، ہاں اگر کوئی عورت واقعی ممتدة الطهر ہو کہ اس قدر انتظار کرنا عدت گزارنے کے لئے ناقابل برداشت ہے تو اجرائے حیض کے لئے علاج کرائے اگر ناکامی ہو اور گناہ میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہو تو مالکی مفتی سے عدت بالاشہر ۹ ماہ یا ایک سال کی مدت کا فتویٰ حاصل کرے یا شرعی پنچایت سے فیصلہ کرائے اور اس کے مطابق عمل کرے۔
البحر الرائق میں ہے:

عدة الحرة للطلاق أو الفسخ ثلاثة قروء وثلاثة أشهر إن لم تحض أى عدة الحرة إن لم تكن من ذوات الحيض لصغير أو كبير... وخرج بقوله إن لم تحض الشابة الممتدة طهرها فلا تعتد بالأشهر، وصورتها إذا رأت ثلاثة أيام وانقطع ومضى سنة أو أكثر ثم طلقت فعتدها بالحيض إلى أن تبلغ إلى حد الإياس وهو خمس وخمسون سنة في المختار، كذا

فی البزازیة ومن الغریب ما فی البزازیة: قال العلامة والفتوی فی زماننا علی قول مالکؒ فی عدة الآیسة، و لو قضی قاضٍ بانقضاء عدة الممتدة طهرها بعد مضي تسعة أشهر نفذ كما فی جامع الفصولین ونقل فی المجمع إن مالکاً يقول إن عدتها تنقضي بمضي حول وفي شرح المنظومة إن عدة الممتد طهرها تنقضي بتسعة أشهر كما فی الذخيرة معزياً إلى حیض منهاج الشريعة ونقل مثله عن ابن عمرؓ قال وهذه المسئلة يجب حفظها لأنها كثيرة الوقوع وذكر الزاهدي وقد كان بعض أصحابنا يفتون بقول مالکؒ فی هذه المسئلة للضرورة خصوصاً الإمام والدي . (البحر الرائق: ۴/ ۳۱۰، باب العدة، كوئته و فتاوى الشامى: ۳/ ۵۰۹).

وفی الفتاوی البزازیة: بلغت فرأت يوماً دماً ثم انقطع ومضى حول ثم طلقت فعدتها بالأشهر وإن رأت ثلاثة أيام وانقطع ومضى سنة أو أكثر ثم طلقت فعدتها بالحیض إلى أن تبلغ حد الإیاس وهو خمس وخمسون سنة فی المختار، وعند مالکؒ للآیسة تسعة أشهر بستة أشهر لاستبراء الرحم وثلاثة أشهر للعدة، قال العلامة والفتوی فی زماننا علی قول مالکؒ فی عدة الآیسة. (الفتاوی البزازیة علی هامش الهندية: ۴/ ۲۵۶، الثامن فی العدة).

فتاوی شامی میں ہے:

قلت: ونظیر هذه المسئلة عدة ممتدة الطهر الذي بلغت برؤية الدم ثلاثة أيام ثم امتد طهرها فإنها تبقى فی العدة إلى أن تحيض ثلاث حیض، وعند مالکؒ تنقضي عدتها بتسعة أشهر، وقد قال فی البزازیة: الفتوی فی زماننا علی قول مالکؒ وقال الزاهدي: كان بعض أصحابنا يفتون به للضرورة . (رد المحتار: ۴/ ۲۹۶، کتاب المفقود، سعيد).

کفایت المفتی میں ہے:

حنفیہ کے نزدیک ممتدة الطهر کی عدت حیض سے ہی پوری ہوگی تا آنکہ سن ایاس تک پہنچے لیکن امام مالکؒ کے نزدیک ایک روایت میں نو مہینے، دوسری روایت میں سال بھر تک حیض نہ آنے کی صورت میں انقضائے عدت کا حکم دے دیا جاتا ہے، تو اگر کوئی سخت ضرورت لاحق ہو اور نکاح ثانی نہ ہونے کی صورت میں قوی خطرہ

وقوع فی الحرام یا کسی ایسے مفسدہ کا ہو تو کسی مالکی سے فتویٰ لے کر اس پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ (کفایت المفتی: ۶/۴۰۱)۔
احسن الفتاویٰ میں ہے:

جس عورت کو شروع ہی سے حیض بالکل نہ آیا ہو اس کی عمر تیس سال ہو جانے پر وہ آیسہ شمار ہوگی، اور اگر حیض آنے کے بعد بالکل بند ہو گیا یا بہت مدت کے بعد آتا ہو تو یہ پچپن سال کی عمر ہونے پر آیسہ ہوگی، دونوں قسم کی آیسہ کی عدت تین مہینے ہے، مگر صورتِ ثانیہ میں یہ شرط ہے کہ کم از کم چھ ماہ سے حیض بند ہو، یہ چھ ماہ کی مدت پچپن سال کی عمر پوری ہونے سے قبل گزر چکی ہو تو وہ بھی معتبر ہے، یعنی اس صورت میں پچپن سال پورے ہونے کے بعد تین ماہ گزرنے پر عدت پوری ہو جائے گی، دونوں قسم کے ایاس میں اگر عدت کے تین ماہ پورے ہونے سے قبل حیض جاری ہو گیا تو از سر نو عدت تین حیض پوری کرے، اگر سن ایاس سے قبل عدت کی نوبت آجائے تو بذریعہ علاج حیض جاری کر کے تین حیض عدت پوری کرے، اگر کسی علاج سے بھی حیض جاری نہ ہو تو بوقتِ ضرورت کسی مالکی قاضی سے ایک سال کی عدت کا فیصلہ کرایا جائے اگر مالکی قاضی میسر نہ ہو اور ضرورتِ شدیدہ ہو تو بدون قضاء بھی ایک سال کی عدت کا فتویٰ دیا جاسکتا ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۵/۴۳۵)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (امداد الفتاویٰ: ۲/۴۹۰۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۰/۳۰۷۔ کفایت المفتی: ۶/۴۱۷۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

رخصتی سے قبل شوہر کی وفات پر عدت کا حکم:

سوال: ایک لڑکی کا نکاح ہو گیا اب تک رخصتی نہیں ہوئی، اور نہ کوئی خلوت پیش آئی تھی کہ شوہر کا انتقال ہو گیا تو عورت پر عدت گزارنا لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ متوفیٰ عنہا زوجہا پر ہر حال میں عدت لازم اور ضروری ہے، چاہے رخصتی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، نیز خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ چار ماہ دس دن عدت گزارنا ضروری ہے اور اگر حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔

ملاحظہ فرمائیں بدائع میں ہے:

وأما الذي يجب أصلاً بنفسه فهو عدة الوفاة وسبب وجوبها الوفاة، قال الله تعالى: ﴿وَالَّذِينَ يَتُوفُونَ مِنْكُمْ وَيُذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾. وإنها تجب لإظهار الحزن بفوت نعمة النكاح إذ النكاح كان نعمة عظيمة في حقها فإن الزوج كان سبب صيانتها وعفافها وإيفائها بالنفقة والكسوة والمسكن فوجبت عليها العدة إظهاراً للحزن بفوت النعمة تعريفاً لقدرها وشرط وجوبها النكاح الصحيح فقط فتجب هذه العدة على المتوفى عنها زوجها سواء كانت مدخولاً بها أو غير مدخولاً بها وسواء كانت ممن حيض أو ممن لا حيض لعموم قوله عز وجل: (بدائع الصنائع: ۱۹۲/۳، سعيد، والفتاوى الهندية: ۵۲۹/۱-و الدر المختار مع الشامى: ۵۱۰/۳، باب العدة، سعيد). والله تعالى أعلم.

مدتِ عدت ختم ہونے کے بعد وفات کی خبر ملنے پر عدت کا حکم:

سوال: ایک شخص کا انتقال ہو گیا لیکن بیوی کو اطلاع نہ مل سکی عرصہ دراز گزر جانے کے بعد خبر ملی تو اب عدت گزارنا لازم ہے یا نہیں؟ جبکہ چار ماہ دس دن پورے ہو چکے ہیں بلکہ اس سے زائد عرصہ گزر گیا۔ یا جس وقت اطلاع ملی اس وقت سے عدت شروع ہوگی۔ برائے مہربانی حکم شرعی سے مطلع فرما کر اجر عظیم کے مستحق ہوں۔

الجواب: بصورتِ مسئلہ جس دن شوہر کی وفات ہوئی اسی دن سے عدت شروع ہو چکی تھی اور چاہ ماہ دس دن گزرتے ہی عدت ختم ہوگئی، اب عرصہ دراز کے بعد خبر و اطلاع ملنے پر دوسری عدت کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ عدت کا تعلق وفات سے ہے۔ خبر و اطلاع سے نہیں ہے، لہذا بغیر اطلاع کے بھی عدت شروع ہو جاتی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں بدائع میں ہے:

وتنقضى العدة بدون العلم به ... وعلى هذا يبنى وقت وجوب العدة أنها تجب من وقت وجود سبب الوجوب من الطلاق والوفاة وغير ذلك حتى لو بلغ المرأة طلاق زوجها أو موته فعليها العدة من يوم طلق أو مات عند عامة العلماء وعامة الصحابة رضى الله عنهم .

(بدائع الصنائع: ۳/۱۹۰، احکام العدة، ط: سعید۔ وکذا فی الہدایۃ: ۲/۴۲۵)۔

البحر الرائق میں ہے:

ومبدأ العدة بعد الطلاق والموت یعنی ابتداء عدة الطلاق من وقته وابتداء عدة الوفاة من وقتها سواء علمت بالطلاق والموت أو لم تعلم حتى لو لم تعلم ومضت العدة فقد انقضت. (البحر الرائق: ۴/۱۴۴، کوئٹہ). واللہ تعالیٰ اعلم۔

عدت طلاق کے دوران عدت وفات کا حکم:

سوال: ایک شخص نے عورت کو طلاق دیدی، عورت عدت طلاق میں تھی کہ شوہر کا انتقال ہو گیا، تو اب عورت طلاق کی عدت ختم کر لے یا وفات کی شروع کر لے یا علیحدہ گزارے کس طرح عدت گزارے گی؟

الجواب: دوران عدت طلاق شوہر کے انتقال ہونے پر تین صورتیں ہیں، اور ہر ایک کا حکم علیحدہ ہے۔
(۱) اگر عورت حاملہ ہے، تو اس کی عدت وضع حمل ہی رہے گی، اور بچے کی پیدائش سے دونوں عدتیں ختم ہو جائیں گی اگرچہ پیدائش چند لمحوں میں ہو جائے۔

(۲) عورت حاملہ نہ ہو اور عدت طلاق رجعی کی ہو تو پہلی کا عدم ہو کر صرف عدت وفات گزارے گی۔
(۳) عدت طلاق بائن کی ہو تو بعد الاجلین گزارے گی یعنی جو زیادہ لمبی ہو وہ اختیار کرے گی۔ ان میں سے ایک جلد پوری ہو جائے تو دوسری کے بقیہ ایام بھی گزار لے اس طرح دونوں پوری ہوں گی۔ (آپ کے مسائل: ۵/۴۱۳)۔
فتح القدیر میں ہے:

وإذا ورثت المطلقة في المرض فعدتها أبعد الأجلين أي الأبعد من أربعة أشهر وعشر وثلاث حيض، فلو تربصت حتى مضت أربعة أشهر وعشر ولم تحض لها ثلاث حيض بأن امتد طهرها لم تنقض عدتها حتى تمضي وأن مكثت سنين ما لم تدخل سن الإياس فتعتد بالأشهر. ثم المراد بذلك الطلاق الطلاق البائن واحدة أو ثلاثاً أما إذا طلقها رجعياً فعدتها عدة الوفاة سواء طلقها في مرضه أو في صحته ودخلت في عدة الطلاق ثم

مات الزوج فإنها ينتقل عدتها إلى عدة الوفاة وتورث. (فتح القدير مع الهداية: ۴/۳۱۵، دار الفکر۔ والبحر الرائق: ۴/۱۳۶، کوئٹہ۔ وبدائع الصنائع: ۳/۲۰۰۔ فصل فی بیان انتقال العدة، سعید)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حاملہ کے پیٹ میں بچہ مرجانے سے عدت کا حکم:

سوال: ایک عورت وضع حمل کی عدت گزار رہی تھی کہ اچانک بچہ پیٹ میں مر گیا تو اب عدت کیسے ختم کرے گی؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ دوا یا آپریشن کے ذریعہ رحم کی صفائی کرائی جائے اور حمل چار ماہ یا زیادہ مدت کا ہو تو عدت ختم ہوگئی، اور اگر حمل چار ماہ سے کم کا تھا تو تین حیض گزارنے پر عدت ختم ہوگی۔ ملاحظہ فرمائیں البحر الرائق میں ہے:

وإذا أسقطت سقطاً استبان بعض خلقه انقضت به العدة لأنه ولد وإن لم يستبن بعض خلقه لم تنقض لأن الحمل اسم لنطفة متغيرة بدليل أن الساقط إذا كان علقه أو مضغة لم تنقض به العدة لأنها لم تتغير فلا يعرف كونها متغيرة بيقين إلا باستبان بعض الخلق كذا في المحيط. (البحر الرائق: ۴/۱۳۵، باب العدة، کوئٹہ)۔

وفی الدر المختار: وفي حق الحامل مطلقاً... وضع جميع حملها. وفي الشامي: قوله وضع حملها والمراد به الحمل الذي استبان بعض خلقه أو كله، فإن لم يستبن بعضه لم تنقض العدة لأن الحمل اسم لنطفة متغيرة فإذا كان مضغة أو علقه لم تتغير فلا يعرف كونها متغيرة بيقين إلا باستبان بعض الخلق بحر عن المحيط، وفيه عنه أيضاً أنه لا يستبين إلا في مائة وعشرين يوماً وفيه عن المجتبى أن المستبين بعض خلقه يعتبر فيه أربعة أشهر وتام الخلق ستة أشهر، وقد منا في الحيض استشكل صاحب البحر لهذا بأن المشاهد ظهور الخلق قبل أربعة أشهر، فالظاهر أن المراد نفخ الروح لأنه لا يكون قبلها. (الدر المختار مع الشامي: ۳/۵۱۱، سعید۔ وفتاویٰ قاضیخان: ۱/۵۴۹، باب العدة علی هامش الهندیة۔ وبدائع الصنائع: ۳/۱۹۶، سعید)

مزید ملاحظہ ہو: (احسن الفتاویٰ: ۵/۴۲۹)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حمل خشک ہونے سے عدت کا حکم:

سوال: متوفی عنہا زوجہا حاملہ تھی کہ اچانک اس کا حمل خشک ہو گیا، تو اب عدت کس طرح گزارے گی؟

الجواب: متوفی عنہا زوجہا کا حمل یقینی طور پر متحقق ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے، لیکن اگر حمل متحقق نہیں ہے یا تھا مگر خشک ہو گیا تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہوگی۔
ملاحظہ فرمائیں:

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَأُولَاتِ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (سورة الطلاق: الآية: ۴)۔
اگر حمل متحقق نہیں تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے:

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَالَّذِي يَتُوفُونَ مِنْكُمْ وَيُذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ (سورة البقرة: الآية: ۲۳۴)۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

عدة الحرة في الوفاة أربعة أشهر وعشرة أيام سواء كانت مدخولاً بها أو لا مسلمة أو كتابية تحت مسلم صغيرة أو كبيرة أو آيسة وزوجها حر أو عبد حاضت في هذه المدة أو لم تحض ولم يظهر حملها كذا في فتح القدير . (الفتاوى الهندية: ۱/۵۲۹)۔
بدائع الصنائع میں ہے:

وأما عدة الحبل فمقدارها بقية مدة الحمل قلت أو كثرت حتى لو ولدت بعد وجوب العدة بيوم أو أقل أو أكثر انقضت العدة ... وشرط انقضاء هذه العدة أن يكون ما وضعت قد استبان خلقه أو بعض خلقه ... لأنه إذا استبان خلقه أو بعض خلقه فهو ولد فقد وجد وضع الحمل فنقض به العدة وإذا لم يستبين لم يعلم كونه ولداً بل يحتمل أن يكون

ويحتمل أن لا يكون فيقع الشك في وضع الحمل فلا تنقضي العدة بالشك. (بدائع الصنائع: ۱۹۶/۳، سعید).

فتاویٰ دارالعلوم میں ہے:

جب کہ حمل پیٹ میں خشک ہو گیا، تو شریعت میں وہ حاملہ متصور نہ ہوگی، اور عدت اس کی چار ماہ دس ہوگی مثل غیر حاملہ کے... پس مراد حاملہ سے وہ ہے کہ حمل اس کا متحقق ہو، اور جب کہ خشک ہو گیا تو حاملہ ہونا اس کا متحقق نہ رہا۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۱۰/۳۵۲، مدلل مکمل). واللہ تعالیٰ اعلم۔

استقاطِ حمل سے عدت ختم ہونے کا حکم:

سوال: اگر کسی عورت نے حمل ساقط کر دیا، تو اس کی عدت کا کیا حکم ہوگا، حمل ساقط کروانے سے عدت ختم ہوگئی یا تین حیض گزارنے لازم ہوں گے؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ اگر حمل پر چار ماہ گزر چکے تھے اور حمل ساقط کروایا تو عدت ختم ہوگئی، اب کسی نئی عدت کی ضرورت نہیں ہے، ہاں حمل اگر چار ماہ سے کم کا تھا تو تین حیض گزارنے سے عدت ختم ہوگی محض استقاط سے عدت ختم نہیں ہوگی۔ لیکن چار ماہ کے بعد بلا کسی قوی عذر شرعی حمل ساقط کروانا ناجائز اور گناہ ہے۔
ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله وضع حملها والمراد به الحمل الذي استبان بعض خلقه أو كله ، فإن لم يستبين بعضه لم تنقض العدة لأن الحمل اسم لنطفة متغيرة فإذا كان مضغة أو علقة لم تتغير فلا يعرف كونها متغيرة بيقين إلا باستبان بعض الخلق بحر عن المحيط ، وفيه عنه أيضاً أنه لا يستبين إلا في مائة وعشرين يوماً وفيه عن المجتبی أن المستبين بعض خلقه يعتبر فيه أربعة أشهر وتام الخلق ستة أشهر ، وقد منا في الحيض استشكل صاحب البحر لهذا بلن المشاهد ظهور الخلق قبل أربعة أشهر ، فالظاهر أن المراد نفخ الروح لأنه لا يكون قبلها.

(الدر المختار مع الشامی: ۵۱۱/۳، سعید۔ وبدائع الصنائع: ۱۹۶/۳، سعید۔ وكذا في (فتاویٰ قاضیخان علی هامش

الہندیہ: ۱/ ۵۴۹، باب العدة).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

اگر حمل چار ماہ یا اس سے زائد مدت کا ہو تو اس کے اسقاط سے عدت ختم ہو جائے گی، ورنہ اس کے بعد تین حیض گزارنے سے عدت ختم ہوگی۔ حمل پر چار ماہ گزرنے کے بعد اس کا اسقاط جائز نہیں، اس سے قبل جواز میں اختلاف ہے رائج یہ ہے کہ بدون سخت مجبوری کے یہ بھی جائز نہیں، ولادت تک عدت میں کوئی ضرر نہیں۔ (احسن الفتاویٰ: ۵/ ۴۳۲، ۴۳۳۔ فتاویٰ رحیمیہ: ۸/ ۴۰۴)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دو سال کی جدائی کے بعد طلاق ہونے پر عدت کا حکم:

سوال: ایک شخص کے بیوی سے دو بچے ہیں، لیکن اختلاف کی وجہ سے دو سال سے شوہر سے الگ ہے، ملاپ نہیں ہوا اور اب طلاق دیدی بعض لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ عدت کا مقصد رحم کے خالی ہونے کا یقین کرنا ہے اور وہ یقین پہلے سے موجود ہے، لہذا اب عورت پر عدت نہیں، شریعت کا کیا حکم ہے۔ اور عدت کی کیا حکمتیں ہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ دو سال کی جدائی کے بعد طلاق ملنے پر عدت طلاق گزارنا لازم اور ضروری ہے، اس لیے کہ عدت کا مقصد رحم کے خالی ہونے کے ساتھ ساتھ پہلا نکاح ختم ہونے اور رشتہ منقطع ہونے پر ملال و افسوس اور حزن کا اظہار بھی مقصود ہے، گویا رشتہ نکاح کے احترام کی رعایت ہے، یہی وجہ ہے کہ عدت ان عورتوں پر بھی لازم قرار دی گئی ہے جو نابالغہ ہوں یا سن ایسا کو پہنچ چکی ہوں، حالانکہ بلوغ سے قبل اور سن ایسا کو پہنچنے کے بعد عورتیں حاملہ نہیں ہو سکتیں، اور نسب کے اختلاط کا کوئی شبہ نہیں، اس کے باوجود شریعتِ مطہرہ نے ان پر بھی عدت واجب قرار دی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

ثلاث حیض کوامل ... فالأولی لتعرف براءة الرحم، والثانية لحرمة النکاح. وفي الشامية: قوله فالأولی الخ بیان لحکمة كونها ثلاثاً مع أن مشروعیة العدة لتعرف براءة

الرحم أى خلوه عن الحمل وذلك يحصل بمرّة فبين أن حکمة الثانية لحرمة النکاح أى لإظهار حرمتہ . (الدر المختار مع فتاوی الشامی: ۳/ ۵۰۵، باب العدة، ط: سعید).

ہدایہ میں ہے:

لأن العدة وجبت للتعرف عن براءة في الفرقة الطارئة على النکاح. وفي فتح القدير: ثم كونها تجب للتعرف لا ينفي أن تجب لغيره أيضاً، وقد أفاد المصنف فيما سيأتي أنها أيضاً تجب لقضاء حق النکاح بإظهار الأسف عليه، فقد يجتمعان كما في مواضع وجوب الأقراء وقد ينفرد الثاني كما في صور الأشهر . (الهداية مع فتح القدير: ۴/ ۳۰۸، باب العدة، ط: دار الفکر).

فتاویٰ دارالعلوم میں مذکور ہے کہ پانچ سال علیحدہ رہنے کے باوجود عدت واجب ہے، اگر شوہر نے اس سے وطی یا خلوت کی ہے۔ ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۰/ ۳۲۰، مدلل مکمل).

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ رحیمیہ: ۸/ ۴۱۳، شوہر سے دو برس کی جدائیگی کے بعد عدت کا وجوب)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وجوبِ عدت کی حکمت:

تفصیل بالا سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ عدت کی دو حکمتیں ہیں:

(۱) استبراء رحم یعنی بچہ دانی کے خالی اور فارغ ہونے کا یقین ہونا۔ اس میں نسب کی حفاظت ہے۔

(۲) رشتہ نکاح منقطع ہونے پر ملال و حزن کا اظہار۔

ملاحظہ فرمائیں ”اسلامی قانون نکاح و طلاق“ میں مرقوم ہے:

عدت کی حکمت شوہر کی جدائی پر رنج و غم کرنا اور اس کی وفات پر سوگ منانا ہے، عدت میں دوسری حکمت استبراء رحم ہے، یعنی اس بات کا اطمینان کر لینا ہے کہ اب اس عورت کے رحم میں شوہر کا مادہ (semen) بالکل نہیں رہا ہے، اب اگر دوسری شادی کرے تو اس کا اندیشہ نہیں ہے کہ نسب میں اختلاط پیدا ہو اور اشتباہ ہو جائے کہ نہ معلوم بچہ کس مرد کا ہے۔ (اسلامی قانون نکاح و طلاق، از مولانا یعقوب قاسمی صاحب، ص ۱۶۷).

مزید ملاحظہ ہو: (کتاب الفتاویٰ: ۵/ ۱۴۰، ط: زمزم۔ واسلامی فقہ: ۲/ ۱۸۸، عدت کا مقصد).

اشکال: لیکن یہاں پر ایک اشکال ذہن میں آتا ہے کہ نعمتِ نکاح کے فوت ہونے پر عدت لازم ہوتی ہے، تو دخول اور خلوت سے پہلے طلاق ہونے پر بھی عدت لازم ہونی چاہئے، حالانکہ فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ دخول اور خلوت سے پہلے طلاق ہونے پر عدت نہیں ہے، اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ دخول اور خلوت سے پہلے نعمتِ نکاح مؤکد نہیں ہوئی، یعنی عورت نے ابھی الفت و محبت کا مزہ نہیں چکھا، لہذا نعمت تام و مکمل نہیں ہوئی، اس وجہ سے عدت بھی لازم نہیں ہے۔
ملاحظہ فرمائیں محقق ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:

وقد أفاد المصنف فيما سيأتي أنها أيضاً تجب لقضاء حق النكاح بإظهار الأسف عليه... بخلاف غير المتأكد وهو ما قبل الدخول لا يؤسف عليه إذ لا ألف ولا مودة فيه.
(الهداية مع فتح القدير: ۴/ ۳۰۸، باب العدة، ط: دار الفکر). واللہ تعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

”لا یحل لامرأة تؤمن باللہ والیوم الآخر أن تحد علی میت فوق ثلاثة أيام إلا علی زوجها أربعة أشهر وعشراً“.

(متفق علیہ).

فصل دوم

سوگ منانے کا بیان

دوران عدت سردھونے، نہانے اور تیل لگانے کا حکم:

سوال: عدت کے دوران سردھونا، نہانا، اور تیل لگانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ دوران عدت سردھونا، نہانا اور تیل لگانا جائز اور درست ہے، لیکن بقصد

زینت استعمال نہ کرے، عادت کے طور پر یا عذر کی وجہ سے یعنی اگر استعمال نہ کرنے کی صورت میں دروسر یا سخت تکلیف کا اندیشہ ہو تو درست ہے۔

ملاحظہ فرمائیں ہدایہ میں ہے:

وعلى المبتوتة والمتوفى عنها زوجها إذا كانت بالغة مسلمة الحداد والحداد أن

تترك الطيب والزينة والكحل والدهن المطيب وغير المطيب إلا من عذر وفي الجامع

الصغير إلا من وجع... والدهن لا يعرى عن نوع طيب وفيه زينة الشعر ولهذا يمنع المحرم

عنه قال إلا من عذر لأن فيه ضرورة والمراد الدواء لا الزينة ولو اعتادت الدهن فخافت وجعاً فإن كان ذلك أمراً ظاهراً يباح لها لأن الغالب كالواقع. (الهداية: ۲/۴۲۷، فصل في الحداد). فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

على المبتوتة والمتوفى عنها زوجها إذا كانت بالغة مسلمة الحداد في عدتها كذا في الكافي والحداد الاجتناب عن الطيب والدهن والكحل والحناء والخضاب... وإنما يلزمها الاجتناب في حالة الاختيار أما في حالة الاضطرار فلا بأس بها إن اشتكت رأسها أو عينها فصبت عليها أو اكتحلت لأجل المعالجة فلا بأس به ولكن لا تقصد به الزينة كذا في المحيط، لو اعتادت الدهن فخافت وجعاً يحل بها لو لم تفعل فلا بأس به إذا كانت الغالب هو الحلول كذا في الكافي. (الفتاوى الهندية: ۱/۵۳۳، باب في الحداد - وكذا في بدائع الصنائع: ۳/۲۰۸، سعيد).

اسلامی فقہ میں ہے:

نہانے دھونے، بدن اور کپڑوں کو صاف ستھرا رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (اسلامی فقہ: ۲/۱۸۷)۔
واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوران عدت جائز امور کا بیان:

- (۱) نہانا، سر دھونا، بدن اور کپڑوں کو صاف ستھرا رکھنا جائز اور درست ہے۔ (آپ کے مسائل ۵/۴۱۰)۔
- (۲) بوقت ضرورت سر میں تیل ڈالنا، سر میں کنگھی کرنا بھی جائز ہے، مثلاً سر میں جوئیں پڑنے کا اندیشہ ہو۔ (احسن الفتاویٰ ۵/۴۴۲)۔
- (۳) گھر میں کسی مخصوص کمرہ میں بیٹھنا ضروری نہیں ہے، بلکہ گھر میں جہاں چاہے رہے، نیز گھر ہی کے اندر چلنا پھرنا بھی جائز ہے۔

(۴) گھریلو کام کاج وغیرہ کی بھی اجازت ہے اس میں کوئی ممانعت نہیں۔

(۵) بوقت ضرورت ہسپتال میں جا کر ڈاکٹر کو دکھانے کی بھی گنجائش ہے، حتی الامکان گھر بلا کر علاج

کرا لے، نیز ہسپتال میں رہنے کی ضرورت ہو تو اس کی بھی اجازت ہے۔ (آپ کے مسائل: ۴۱۰/۵، واحسن الفتاویٰ: ۴۴۳/۵)

(۶) خاوند کے انتقال کے بعد کوئی معاش نہ ہو، اور اس کے پاس بھی کچھ موجود نہیں ہے جس سے اخراجات کا انتظام کر سکے تو پردے کے ساتھ محنت مزدوری اور ملازمت کے لئے جاسکتی ہے، لیکن رات گھر آ کر گزارے اور دن میں بھی کام سے فارغ ہو کر فوراً گھر آ جائے، بلا ضرورت گھر سے باہر رہنا جائز نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل: ۴۱۰/۵)

(۷) اگر عورت کو عدالت میں حاکم کے سامنے گواہی دینا ہو یا ضروری دستاویز پر دستخط کرنے ہوں، نیز عدالت میں حاضری سے اس کا اور اس کے بچوں کا مالی مفاد وابستہ ہو تو ایسی ضرورت کے لئے عورت عدالت میں جاسکتی ہے، کام ختم ہوتے ہی گھر آ جانا ضروری ہے۔ (آپ کے مسائل: ۴۱۰/۵)

(۸) پنشن وغیرہ کی وصولیابی کی دفتری کارروائی کے لئے بھی جانے کی اجازت ہے، جبکہ اس کا جانا ضروری ہو۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۶۴/۱۹، غیر مرتب)

(۹) عورت کو سودا وغیرہ ضروری چیزوں کی ضرورت ہو اور کوئی لانے والا نہ ہو تو اس صورت میں بقدر ضرورت گھر سے نکلنے کی اجازت ہے، اور ضرورت پوری ہوتے ہی گھر واپس آ جائے۔ (عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل: ۱۳۵/۲)

(۱۰) مکان کے منہدم ہونے کا خطرہ ہو یا مکان میں عورت کو اپنے اسباب و متاع یا جان کے نقصان کا اندیشہ ہو یا رہائشی مکان کرایہ کا ہو اور عورت کرایہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو یا یہ مکان ترکہ بن کر تقسیم ہو رہا ہو اور عورت کے حصہ میں آنے والا رہائش کے لئے ناکافی یا عورت کو اس مکان میں سخت وحشت محسوس ہوتی ہو۔

ان مذکورہ بالا صورتوں میں عورت کو قریب تر دوسرے مکان میں منتقل ہونے کی اجازت ہے۔ عدت طلاق کی صورت میں شوہر کے پسند کردہ قریبی مکان میں چلی جائے گی اور عدت وفات میں اپنی پسند کے قریبی مکان میں منتقل ہوگی۔ (عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل، جلد دوم، ۱۳۴، واحسن الفتاویٰ: ۴۴۰/۵)

(۱۱) عدت طلاق رجعی میں پان کھانا جائز ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۴۴۶/۵، آپ کے مسائل: ۴۱۰/۵)

دورانِ عدت ناجائز امور کا بیان:

- (۱) بطور زینت ریشمی یا عمدہ یا رنگا ہوا کپڑا پہننا۔
 - (۲) زمانہ عدت میں زیورات کا استعمال کرنا۔
 - (۳) چوڑیاں پہننا۔
 - (۴) خوشبو، سینٹ، کریم، پاؤڈر وغیرہ استعمال کرنا۔
 - (۵) بقصد زینت سرمہ لگانا، اگر کسی تکلیف کی وجہ سے رات کے وقت لگائے تو گنجائش ہے۔
 - (۶) پان کھا کر منہ لال کرنا، میک اپ کرنا۔
 - (۷) مہندی لگانا۔
 - (۸) بقصد زینت سر میں تیل ڈالنا۔
 - (۹) بقصد زینت کنگھی کرنا۔
 - (۱۰) عدت کے دوران سفر کرنا۔
 - (۱۱) عدت کے دوران غمی خوشی میں شرکت کرنا، تقریب عیادت، نکاح کی تقریب وغیرہ میں شرکت کرنا۔
 - (۱۲) عدت میں نکاح کرنا۔
 - (۱۳) باہر رات گزارنا۔
 - (۱۴) والدین یا شوہر کا منہ دیکھنے کے لئے گھر سے باہر نکلنا۔ (بضرورت جائز ہے، جس کی تفصیل آنے والے مسئلہ ”معتدہ کا والدین کے انتقال پر گھر سے نکلنے کا حکم“ کے تحت موجود ہے)۔
 - (۱۵) ٹیلی فون وغیرہ پر نامحرموں سے غیر ضروری بات چیت کرنا۔ ہاں ضروری بات چیت کی گنجائش ہے، اور یہ حکم صرف زمانہ عدت کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ عام حالات میں بھی یہی حکم ہے۔
- ملاحظہ فرمائیں درمختار مع الشامی میں ہے:

تحد مکلفة مسلمة ولو أمة منكوحة نكاح صحيح ودخل بها بدليل قوله إذا كانت

معتدة بت أو موت وإن أمرها المطلق أو الميت بتركه لأنه حق الشرع، إظهاراً للتأسف على فوات النكاح بترك الزينة بحلي أي بجميع أنواعه من فضة وذهب وجواهر، بحر . قال القهستاني : والزينة ما تتزين به المرأة من حلي أو كحل كما في الكشاف، (أو حرير) أي بجميع أنواعه وألوانه ولو أسود ، بحر، (أو امتشاط بضيق الأسنان) فلها الامتشاط بأسنان المشط الوسعة ذكره في المبسوط، وبحث فيه في الفتح ، لكن يأتي عن الجوهرة تقييده بالعدر والطيب وإن لم يكن لها كسب إلا فيه والدهن ولو بلا طيب كزيت خالص . قوله والطيب أي استعماله في البدن أو الثوب قهستاني، وأعم منه قوله في البحر والفتح: فلا تحضر عمله ولا تتجر فيه، قوله كزيت خالص أي من الطيب كالشيرج والسمن وغير ذلك، لأنه يلين الشعر فيكون زينة زيلعي، وبه ظهر أن الممنوع استعماله على وجه يكون فيه زينة، فلا تمنع من مسه بيد لعصر أو بيع أو أكل كما أفاده الرحمتي. (والكحل) والظاهر أن المراد به ما تحصل به الزينة كالأسود ونحوه، بخلاف الأبيض مالم يكن مطيباً (الحناء ولبس المعصفر والمزعفر) أي لبس الثوب المصبوغ بالعصفر والزعفران، والمراد بالثوب ما كان جديداً تقع به الزينة وإلا فلا بأس به ، لأنه لا يقصد به إلا ستر العورة والأحكام تبنى على المقاصد كما في المحيط وقهستاني.

إلا بعذر راجع للجميع، إذ الضرورات تبيح المحظورات فإن كان وجع بالعين فتكتحل أو حكة فتلبس الحرير أو تشتكي رأسها فتدهن وتمشط بالأسنان الغليظة المتباعدة من غير إرادة الزينة لأن هذا تداو لا زينة... قلت: وقيد بعض الشافعية الاكتحال للعدر بكونه ليلاً ثم نزع نهاراً كما ورد في الحديث، وأخرج الحديث في الفتح أيضاً، ولم أر من قيد بذلك من علمائنا ، وكأنه معلوم من قاعدة أن الضرورة تقتيد بقدرها، لكن إن كفاها الليل أو النهار اقتصرت على الليل ولا تعكس لأن الليل أخفى لزينة الكحل وهو محمل الحديث، والله سبحانه أعلم. (الدر المختار مع رد المحتار: ۵۳۰-۵۳۲، فصل في الحداد، سعيد).

وأيضا فيه : ولا تخرج معتدة رجعي وبائن بأي فرقة كانت على ما في الظهيرية ولو مختلعة على نفقة عدتها في الأصح... مكلفة من بيتها أصلاً لا ليلاً ولا نهاراً ولا إلى صحن دار فيها منازل لغيره ولو بإذنه لأنه حق الله تعالى. وفي الشامية: قوله في الأصح: لأنها هي التي اختارت إبطال حقها فلا يبطل به حق عليها ومقابلته ما قيل أنها تخرج نهاراً لأنها قد تحتاج كالمتوفى عنها.

قال في الفتح : والحق أن على المفتي أن ينظر في خصوص الوقائع ، فإن علم في واقعة عجز هذه المختلعة عن المعيشة إن لم تخرج أفتاها بالحل ، وإن علم قدرتها أفتاها بالحرمة ، وأقره في النهر والشرنبلالية . قوله من بيتها متعلق بقوله ولا تخرج والمراد به ما يضاف إليها بالسكنى حال وقوع الفرقة والموت ، هداية ، سواء كان مملوكاً للزوج أو غيره ، حتى لو كان غائباً وهي في دار بأجرة قادرة على دفعها فليس لها أن تخرج بل تدفع وترجع إن كان بإذن الحاكم ، بحر وزيلعي ، قوله فيها منازل بغيره أي غير الزوج بخلاف ما إذا كانت له فإن لها أن تخرج إليها وتبيت في أي منزل شاءت لأنها تضاف إليها بالسكنى . (الدر المختار مع الشامي : ٥٣٥ / ٣ ، فصل الحداد ، ط : سعيد) .

مزید ملاحظہ فرمائیں : الہدایۃ : ٤٢٧ / ٢ - والفتاویٰ الہندیۃ : ٥٣٣ / ١ ، الباب الرابع عشر فی الحداد وبدائع الصنائع : ٢٠٨ / ٣ ، سعید - وعصر حاضر کے پیچیدہ مسائل اور ان کا حل : ١٣٢ / ٢ - ١٣٤ - وآپ کے مسائل اور ان کا حل : ٣١٠ / ٥ - واحسن الفتاویٰ : ٣٣٠ - ٣٣٣ - ومجموع قوانین اسلامی : ص ٢١٢ - ورسالہ عدت کے شرعی احکام : ص ٣٩ - ٥٣ - واللہ تعالیٰ اعلم -

معتدہ کا والدین کے انتقال پر گھر سے نکلنے کا حکم :

سوال : ایک عورت عدتِ وفات یا عدتِ طلاق میں ہے ، دورانِ عدت اس کی والدہ یا والد کا انتقال ہو گیا ، اگر وہ اپنے والد یا والدہ کو دیکھنے نہ جائے تو پوری زندگی غم اور افسوس رہے گا اور طعنے سننے پڑیں گے - کیا

تھوڑی دیر کے لئے اپنی والدہ کے دیکھنے کے لئے جاسکتی ہے یا نہیں؟ یاد رہے کہ میت کا اس کے پاس لانا بہت مشکل اور مشقت طلب ہے۔

الجواب: بصورتِ مسئلہ والدین میں سے کسی کا انتقال ہو گیا اور وہ عدت میں ہے، اگر نہ جائے گی تو پوری زندگی غم اور افسوس اور پریشانی سوار رہے گی، نیز خاندان والوں کی طرف سے طعنہ و تشنیع کا بھی قوی اندیشہ ہے، تو ان دونوں صورتوں میں ضرورت و حاجت کی وجہ سے نکلنے کی گنجائش ہوگی، فقہاء نے متوفی عنہا زوجہا کو بوقتِ ضرورت نکلنے کی اجازت دی ہے۔ نیز سنن ابن ماجہ کی روایت ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی خالہ کو طلاق ہوئی، وہ اپنے کھجوروں کو توڑنے کے لئے نکلنا چاہتی تھی تو کسی نے ان کو منع کیا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: توڑ لو، شاید آپ صدقہ یا کارِ خیر کرو گی۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ ضرورت کے لئے نکل سکتی ہے، حالانکہ یہ کوئی ایسی ضرورت نہیں جس میں بدل نہ ملتا ہو، لیکن عورت کو پریشانی لاحق ہوتی ہے، اس لئے اجازت مل گئی، لیکن اس اجازت کا یہ مطلب نہیں کہ عورت حالتِ عدت میں عیادت اور بیمار پرسی کے نام پر گھوم پھر کر اپنی عدت خراب کرتی رہے۔

ملاحظہ فرمائیں ابن ماجہ میں ہے:

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال: طلقت خالتي فأرادت أن تجد نخلها، فزجرها رجل أن تخرج إليه، فأنت النبي صلى الله عليه وسلم فقال: بلى، فجدتي فإنك عسى أن تصدقي أو تفعلي معروفاً. (ابن ماجة: ص ۴۶، باب هل تخرج المرأة في عدتها).

ضرورت کے وقت نکلنے میں متوفی عنہا زوجہا اور مطلقہ دونوں کا حکم یکساں ہے۔

وأما الخروج للضرورة فلا فرق فيه بينهما كما نصوا عليه فيما يأتي ... ولا يخرج من منزله إلا أن تخرج أو يتهدم المنزل ... ونحو ذلك من الضرورات الخ. (الدر المختار مع الشامی: ۵۳۶/۳، سعید).

عالمگیری میں ہے:

إن اضطرت إلى الخروج من بيتها ... فلا بأس عند ذلك أن تنتقل. (الفتاویٰ الہندیہ: ۵۳۵/۱).

فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

الحرۃ المسلمۃ فی عدۃ طلاق أو فرقة سوی الموت لا تخرج لیلاً ولا نهاراً إلا
لضرورة... والمتوفی عنها زوجها تخرج بالنهار لحاجتها إلى النفقة ولا یبیت إلا فی بیت
زوجها... (فتاویٰ قاضیخان علی هامش الہندیۃ: ۱/۵۵۳، فصل فیما یحرم علی المعتدۃ).

مذکورہ بالا عبارات سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ ضرورت کی وجہ سے نکلنے کی گنجائش ہے۔ لیکن یہ بھی جاننا چاہئے کہ
ضرورت کی کیا حدود ہیں، چنانچہ جدید فقہی مباحث میں مذکور ہے:

اس لفظ کا مادہ ”ضر“ ہے، یہ لفظ ض کے زبر اور پیش دونوں کے ساتھ منقول ہے۔ بعض اہل لغت نے ان دونوں
میں کوئی فرق نہیں کیا ہے، بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ پیش کے ساتھ اسم ہے اور زبر کے ساتھ مصدر۔ یہ لفظ
نقصان کے معنی میں ہے اور نفع کی ضد ہے، اس مادہ سے نکلنے والے تمام ہی الفاظ میں یہ معنی ملحوظ ہے۔ (خالد
سیف اللہ رحمانی) سخت پریشانی، سخت نقصان اور سخت تنگی کا مفہوم اس لفظ میں شامل ہے۔

اصطلاحی تعریف ”الموافقات“ میں امام شاطبیؒ نے تحریر فرمائی ہے:

فأما الضرورة فمعناها أنه لا بد منها في قيام مصالح الدين والدنيا بحيث إذا فقدت لم
تجر مصالح الدنيا على استقامته، بل على فساد وتهارج وفوت حياة، وفي الآخرة فوت
النجاة والنعيم والرجوع بالخسران المبين. (الموافقات: ۲/۴).

بعض حضرات کے یہاں ضرورت کی تعریف میں کسی قدر توسع ہے، اور وہ تمام باتیں جو نظام حیات کو مختل
کر دیں اور ان کی وجہ سے مفاسد پیدا ہو جائیں، یہ سب ضرورت کے زمرہ میں داخل ہیں۔ شاطبیؒ کی مذکورہ بالا
تعریف اسی رجحان کی حامل ہے، اور شیخ ابوزہرۃ اور شیخ عبدالوہاب خلاف وغیرہ کی تعریفات میں بھی ابواسحاق
شاطبی کی پیروی کی گئی ہے۔

اور حضرت مولانا خالد سیف اللہ کی رائے میں... ضرورت محض کیفیت اضطراب کا نام نہیں، بلکہ زندگی کے مختلف
شعبوں سے متعلق اساسیات اور ان کے تحفظ کے لئے دئے گئے مستقل اور عارضی احکام بھی ضرورت میں داخل
ہوں گے۔ (جدید فقہی مباحث: ۱۴/۷، تلخیص مقالات ضرورت و حاجت).

قاموس الفقہ میں ہے:

شریعت کے بنیادی مقاصد پانچ ہیں: حفظ دین، حفظ نفس (جس میں جان، عزت و آبرو، حیثیت عرفی اور عزت نفس بھی شامل ہے) حفظ نسل، حفظ مال اور حفظ عقل۔ ان پانچوں مقاصد کا حصول اور بقاء جن امور پر موقوف ہو، وہ ضرورت ہے۔ اسی طرح ضرورت صرف جان بچانے ہی کا نام نہیں، بلکہ زندگی کے تمام شعبوں کی اساسات ضرورت میں داخل ہے۔ (قاموس الفقہ: ۴/۳۱۳)۔

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت صرف جان بچانے کا نام نہیں ہے، لہذا معتدہ طلاق اور وفات والدین میں سے کسی کے انتقال کی وجہ سے چہرہ دیکھنے کے لئے نکلے تو گنجائش ہونی چاہئے۔ اگر نہیں نکلے گی تو بعد والی زندگی کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بوڑھی عورت کے لیے بیٹے کے گھر عدت گزارنے کا حکم:

سوال: معتدہ وفات نے کچھ عرصہ عدت کا اپنے گھر گزارا مگر تنہائی اور بوڑھاپے کی وجہ سے باقی عدت اپنے بیٹے کے گھر گزارنا چاہتی ہے، کیا اس کی اجازت ہے یا نہیں؟ اور کیا دوبارہ عدت شروع کرنی ہوگی؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ تنہائی اور بوڑھاپے کی وجہ سے بیٹے کے گھر عدت گزارنے کی گنجائش ہے۔ اور از سر نو عدت شروع کرنے کی ضرورت نہیں بقیہ ایام کی تکمیل کافی ہے۔
ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

وتعتدان أي معتدة طلاق وموت في بيت وجبت فيه ولا يخرجان منه إلا أن تخرج أو يتهدم المنزل أو تخاف انهدامه أو تلف مالها أو لا تجد كراء البيت ونحو ذلك من الضرورات فتخرج لأقرب موضع إليه . قوله نحو ذلك، منه ما في الظهيرية: لو خافت بالليل من أمر الميت والموت ولا أحد معها لها التحول والخوف شديد وإلا فلا .
(الدر المختار مع الشامی: ۳/۵۳۶، فصل فی الحداد)۔

وفی الطحطاوی علی الدر: قوله ونحو ذلك من الضرورات كما إذا لم يكن معها

أحد فی البیت وقلبها یخاف لیلاً من أمر المیت و الموت خوفاً شديداً فلها التحول وإن لم یکن شديداً فلیس لها التحول ظهیریة . (حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار: ۲/۲۳۱، باب العدة).
احسن الفتاویٰ میں ہے:

اگر تنہائی کی وجہ سے جان یا عزت یا مال پر خطرہ ہو یا اکیلی ہونے کی وجہ سے سخت وحشت ہوتی ہو تو دوسرے کسی قریبی مکان میں عدت گزار سکتی ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۵/۴۴۰). واللہ تعالیٰ اعلم۔

عدت میں میاں بیوی کے ساتھ رہنے کا حکم:

سوال: عدت کے زمانہ میں شوہر اور بیوی اگر ایک ہی گھر میں رہیں تو کیا حکم ہوگا؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ مطلقہ مغلظہ کو عدت کے زمانہ میں ایسی جگہ عدت گزارنا چاہئے جہاں شوہر سے اختلاط اور اس کی آمد و رفت نہ ہو، ایک مکان میں رہنے سے اگر ملاقات اور گناہ میں پڑنے کا قوی اندیشہ نہ ہو نیز گھر کے بڑے حضرات روکنے پر قدرت رکھتے ہوں تو ایک گھر میں عدت گزارنا ممنوع نہیں ہے۔
البحر الرائق میں ہے:

ولم یبین المصنف حکم إقامته معها فی منزل الطلاق قال فی المجتبى: وإذا وجب الاعتداد فی منزل الزوج فلا بأس بأن یسکنا فی بیت واحد إذا کان عدلاً سواء کان الطلاق رجعیاً أو بائناً أو ثلاثاً والأفضل أن یحال بینهما فی البیتوتة بستر إلا أن یكون الزوج فاسقاً فیحال بامرأة ثقة تقدر علی الحیلولة بینهما وإن تعذر فلتخرج هی وتعتد فی منزل آخر ... فی الهدایة: بأن خروجہ أولى من خروجها عند العذر. (البحر الرائق: ۴/۱۵۴، باب العدة، کوئٹہ).

وفی الدر المختار: ولا بد من سترۃ بینهما فی البائن لئلا یختلی بالأجنبية ومفاده أن الحائل یمنع الخلوة المحرمة وإن ضاق المنزل علیهما أو کان الزوج فاسقاً فخرجہ أولى لأن مکثها واجب لا مکثہ ومفاده وجوب الحکم بہ ذکرہ الکمال وحسن أن یجعل القاضی بینهما امرأة ثقة قادرة علی الحیلولة بینهما وفی المجتبى الأفضل الحیلولة بستر ولو فاسقاً

فبامرأة . و فی الشامی : فإن السترة لا بد منها كما عبر المصنف تبعاً للهداية و هو الظاهر لحرمة الخلوة بالأجنبية . (الدر المختار مع رد المحتار: ۵۳۷/۳، فصل فی الحداد، سعید).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

عورت اسی مکان میں عدت گزارے مگر میاں بیوی کے درمیان کوئی حائل یعنی پردہ وغیرہ کرنا ضروری ہے تاکہ خلوت میں دونوں کا اجتماع نہ ہو، اگر ایک مکان میں رہنے سے گناہ میں ابتلاء کا اندیشہ ہو تو کوئی ایسی عورت ساتھ رہے جو دونوں کو الگ رکھنے پر قادر ہو اگر ایسا نہ ہو سکے تو شوہر پر واجب ہے کہ عدت ختم ہونے تک اس مکان کو چھوڑ دے، کسی دوسرے مکان میں رہے اگر اس کو اس پر مجبور نہ کیا جاسکتا ہو تو بیوی یہ مکان چھوڑ کر کسی دوسرے مکان میں عدت گزارے۔ (احسن الفتاویٰ: ۵/۴۴۷). واللہ تعالیٰ اعلم۔

طلاق ثلاثہ کے بعد ساتھ رہنے کا حکم:

سوال: تین طلاق کے بعد میاں بیوی ایک دوسرے کے تعاون وغیرہ کے لئے بڑھاپے کی وجہ سے ساتھ رہ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ میں بڑھاپے میں ایک دوسرے کے تعاون اور خدمت کے لئے فقہاء نے ساتھ رہنے کی اجازت دی ہے، اسی طرح عورت کا کوئی پرسان حال نہ ہو اور نفقہ، سکنی وغیرہ کا انتظام بھی مشکل ہو اور فتنہ وغیرہ کا کوئی اندیشہ بھی نہ ہو تو آپس میں ساتھ رہنے اور ایک دوسرے کے تعاون کی اجازت ہے لیکن میاں بیوی جیسا معاملہ نہ ہو۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے

قال : ولهما أن يسكنا بعد الثلاث في بيت واحد إذا لم يلتقيا التقاء الأزواج، ولم

يكن فيه خوف فتنة انتهى. وسئل شيخ الإسلام عن زوجين افترقا ولكل منهما ستون سنة

وبينهما أولاد تتعذر عليهما مفارقتهم فيسكنان في بيتهم ولا يجتمعان في فراش ولا

يلتقيان التقاء الأزواج هل لهما ذلك؟ قال: نعم، وأقره المصنف. وفي الشامية: قوله

وسئل شيخ الإسلام حيث أطلقوه ينصرف إلى بكر المشهور بخواهر زاده، وكأنه أراد بنقل هذا تخصيص ما نقله عن المجتبى بما إذا كانت السكنى معها لحاجة، كوجود أولاد يخشى ضياعهم لو سكنوا معه أو معها أو كونهما كبيرين لا يجد هو من يعوله ولا هي من يشتري لها أو نحو ذلك، والظاهر أن التقييد يكون سنهما ستين سنة وبوجود الأولاد مبني على كونه كان كذلك في حادثة السؤال. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۵۳۸، فصل في الحداد).

(ومثله في البحر الرائق: ۴/۱۵۴، فصل في الحداد، ط: كوئته).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

بڑھاپے اور مرض کی پیش نظر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور خدمت جائز ہے، بشرطیکہ میاں بیوی جیسا معاملہ نہ ہونے پائے اگر کسی ناجائز معاملہ میں ابتلاء کا ادنیٰ سا خطرہ بھی ہو تو بالکل علیحدگی اختیار کرنا فرض ہے، اور ایک مکان میں رہنا جائز نہیں ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۵/۱۶۳). واللہ تعالیٰ اعلم۔

دورانِ عدت نکاح کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاقِ بائن دی ایک حیض گزرنے پر اس نے تجدیدِ نکاح کیا، پھر دوسری طلاقِ بائن دی، اس کے بعد عدت کا پہلا حیض یکم مارچ سے ۱۱ مارچ تک آیا، پھر عورت بتلاتی ہے کہ ۱۷، مارچ سے ۲۶، مارچ تک دوسرا حیض آیا اس کے بعد کسی اور شخص سے اس نے نکاح کیا پھر ۱۲، اپریل سے ۲۱، اپریل تک تیسرا حیض آنے پر دوبارہ تجدیدِ نکاح کیا نکاح کے بعد اسی دن خون کے چند قطرے نظر آئے تو اب یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ نکاحِ ثانی دورانِ عدت واقع ہوا اس لیے کہ جو خون دیکھا، ۱۷، مارچ

سے ۲۶، مارچ تک وہ حیض کا خون نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس سے پہلے والے حیض کے ختم ہونے کے بعد ۱۵، دن کا وقفہ جو کہ اقل مدتِ طہر ہے نہیں پایا گیا، اور معتدۃ الغیر سے نکاح باطل ہے، لہذا شوہر پر لازم ہے کہ بیوی کو چھوڑ دے اور اگر وہ چھوڑنے پر آمادہ نہ ہو تو بیوی جمعیت کے ذریعہ اپنا نکاح فسخ کرادے، اس کے بعد احتیاطاً

عدت گزارے پھر عورت آزاد ہو جائیگی، اور کسی اور جگہ اگر چاہے تو نکاح کر سکتی ہے۔
ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

أقل الطهر بين الحيضتين أو النفاس والحيض خمسة عشر يوماً ولياليها إجماعاً .

(الدر المختار: ۱/۲۸۵، سعید).

حضرت تھانوی علیہ الرحمہ امداد الفتاویٰ میں عربی عبارات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:
ازیں روایات معلوم شد کہ ایں نکاح (یعنی عدت میں نکاح) باطل است... نیز واضح گشت کہ وجوب
عدت دریں صورت مسئول عنہا مختلف فیہ است واحوط وجوب ست۔ (امداد الفتاویٰ: ۲/۵۰۵).
مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

نکاح فاسد کی صورت میں زوجین پر متارکت لازم ہے، اگر دونوں باہم جدا نہ ہوں تو قاضی دونوں کے
درمیان تفریق کرویگا۔ (مجموعہ قوانین اسلامی، ص ۲۰۶).

یہاں چونکہ قاضی مفقود ہے اس لیے جمعیت قاضی کی قائم مقام ہے، وہ ایسے نکاح کو فسخ کرنے کی
مجاز ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی:

﴿وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾

(سورة البقرة: الآية: ۲۳۳)

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

”الْوَلَدُ لِلْفَرَّاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ“.

(رواه البخاری).

بَاب..... (۱۳)

ثبوت نسب کا بیان

باب ﴿۱۳﴾

ثبوت نسب کا بیان

زانیہ سے نکاح کے بعد ثبوت نسب کا حکم:

سوال: ایک لڑکے نے کسی لڑکی کے ساتھ زنا کیا اور حمل ظاہر ہونے کے بعد اس لڑکی سے نکاح کیا تو اب وہ بچہ ثابت النسب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ نکاح کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوا تو ثابت النسب ہوگا، اور اگر چھ ماہ سے قبل پیدا ہوا تو ثابت النسب نہ ہوگا، ہاں اگر شوہر اس کو اپنا ہی بچہ سمجھے تو وہ اسی کا بچہ سمجھا جائیگا، چونکہ اس ملک میں قانون لعان نہیں ہے، اس لیے نسب کی نفی بذریعہ لعان بھی نہیں ہو سکتی، لیکن شوہر کے لیے ازراہ دیانت جائز نہیں ہے کہ اس بچے کے نسب کا دعویٰ کرے جو نکاح کے بعد چھ ماہ سے قبل پیدا ہوا ہو، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے خفیہ نکاح کر لیا ہو۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

لو نکحها الزانی حل له وطؤها اتفاقاً والولد له أى إن جاءت بعد النکاح لستة أشهر مختارات النوازل، فلو لأقل من ستة أشهر من وقت النکاح، لایشب النسب، ولا يرث منه إلا أن يقول: هذا الولد مني، ولا يقول من الزنى خانية، والظاهر أن هذا من حيث القضاء،

أما من حيث الديانة فلا يجوز له أن يدعيه لأن الشرع قطع نسبه منه، فلا يحل له استلحاقه به ولذا لو صرح بأنه من الزنى لايثبت قضاءً أيضاً وإنما يثبت لو لم يصرح لاحتمال كونه بعقد سابق أو بشبهة حملاً لحال المسلم على الصلاح، وكذا ثبوته مطلقاً إذا جاءت به لسته أشهر من النكاح لاحتمال علوقه بعد العقد وأن ما قبل العقد كان انتفاخاً لاحملاً ويحتاج في إثبات النسب ما أمكن. (الدر المختار مع فتاوى الشامى: ۳/ ۹، فصل فى المحرمات، سعيد).

وفى الطحطاوى على الدر المختار: قوله والولد له أى يثبت نسبه منه ولا يحرم عليه إلحاقه به هذا ما يعطيه ظاهره ولم ينظروا فيه إلى وقت العلوق وإلا انعكست الأحكام وإنما نظروا إلى النكاح فكأنه صدر من نكاح فى ابتداءه وحرره ثم رأيت فى أبى السعود نقلاً عن الوقائع الحسامية: رجل زنى بامرأة حملت منه فلما استبان حملها تزوجها الذى زنى بها فالنكاح جائز فإن جاءت بولد بعد النكاح بستة أشهر فصاعداً يثبت النسب منه ويرث منه لأنها جاءت بالولد فى مدة حمل تامة عقيب نكاح صحيح وإن جاءت لأقل من ستة أشهر لايثبت النسب ولا يرث منه لأنها لم تجئ به لمدة حمل تامة. (حاشية الطحطاوى على الدر المختار: ۲/ ۲۳، كتاب النكاح، ط: كوئته). واللهم اعلم.

ہندو عورت سے نکاح کرنے پر بچے کے نسب کا حکم:

سوال: اگر کسی نے ہندو عورت سے نکاح کیا تو بچے ثابت النسب ہیں یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ ہندو عورت سے نکاح صحیح نہ ہونے کی بنا پر اولاد ثابت النسب نہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

قلت: وفى مجمع الفتاوى: نكح كافر مسلمة فولدت منه لايثبت النسب منه ولا تجب العدة، لأنه نكاح باطل. وفى الشامية: قوله لأنه نكاح باطل أى فالوطئ فيه زنا لايثبت به النسب، بخلاف الفاسد فإنه وطئ بشبهة فيثبت به النسب، ولذا تكون بالفاسد

فراشاً لا بالباطل. (الدر المختار مع رد المحتار: ۵۵۵/۳، فصل فی ثبوت النسب، ط: سعید).

امداد الفتاویٰ میں ہے:

نکاح باطل میں نسب ثابت نہیں ہوتا۔ (امداد الفتاویٰ: ۵۱۳/۲).

نوٹ:- نکاح باطل و فاسد کی ضروری وضاحت فتاویٰ کی تیسری جلد میں کتاب النکاح ص ۶۰۳ پر گزر چکی ہے، وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

ثبوت نسب کے بارے چند اصول کی وضاحت:

ثبوت نسب کے بارے چند اصولی باتیں حسب ذیل درج ہیں:

(۱) نکاح صحیح کے بعد اگر منکوحہ کو چھ مہینے سے کم میں بچہ ہوگا تو وہ بچہ شوہر سے ثابت النسب نہیں ہوگا، اور پورے چھ ماہ یا اس سے زائد پر جو بچہ پیدا ہوگا وہ ثابت النسب ہوگا، اس کے ثابت النسب ہونے کے لیے شوہر کا دعویٰ ضروری نہیں ہے، اگر شوہر بچہ کا باپ ہونے سے انکار کرے تو لعان کے بغیر بچہ کا نسب اس سے منقطع نہیں ہوگا، حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے اور زیادہ سے زیادہ دو سال۔

ملاحظہ فرمائیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

”الولد لا یبقی فی بطن أمه أكثر من سنتین ولو بقدر فلکة مغزل“۔ قال العلامة

الکنوی: ومثله لا یقال إلا سماعاً. (التعلیق الممجد علی موطا محمد: ۶۰۸/۲، باب الرضاع، دار القلم دمشق).

ہدایہ میں ہے:

وإذا تزوج الرجل امرأة فجاءت بولد لأقل من ستة أشهر منذ يوم تزوجها لم یثبت

نسبه لأن العلوق سابق علی النکاح فلا یكون منه وإن جاءت به ستة أشهر فصاعداً یثبت

نسبه منه اعترف به الزوج أو سکت لأن الفراش قائم والمدة تامة. (الهدایة: ۴۳۲/۲، باب ثبوت

النسب).

(۲) جس عورت سے وطی بالشبہ ہوگئی ہو اور اس وطی کے چھ مہینے یا زائد پر بچہ پیدا ہوا ہو تو جب تک وطی

کرنے والا یہ دعویٰ نہ کرے کہ یہ میرا بچہ ہے اس وقت تک اس سے نسب ثابت نہیں ہوگا۔
البحر الرائق میں ہے:

أن من وطئ امرأة أجنبية زفت إليه وقيل له إنها امرأتك فهي شبهة في الفعل وأن النسب يثبت إذا ادعاه. (البحر الرائق: ۴/ ۱۵۸، باب ثبوت النسب، کوئٹہ).

(۳) اگر معتدہ رجعیہ کو عدت گزر جانے کے اقرار سے پہلے بچہ پیدا ہو تو وہ بچہ ثابت النسب قرار پائیگا، اگرچہ دو سال کے بعد ہی پیدا ہوا ہو، اور اگر عورت نے عدت گزر جانے کا اقرار کر لیا اور اس کے بعد چھ مہینہ سے کم میں بچہ پیدا ہو تو یہ بھی ثابت النسب ہوگا، ورنہ نہیں۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

ويثبت نسب ولد معتدة الرجعي وإن ولدته لأكثر من سنتين ما لم تقر بمضي العدة وكانت رجعة في الأكثر منهما لا في الأقل منهما أي من السنتين لاحتمال العلوق في حالة العدة لجواز أنها تكون ممتدة الطهر، فإن جاءت به لأقل من سنتين بانت من زوجها لانقضاء العدة وثبت نسبه لوجود العلوق في النكاح أوفى العدة... وإن جاءت به لأكثر من سنتين كانت رجعة لأن العلوق بعد الطلاق والظاهر أنه منه لانتفاء الزنا... ويكون العلوق مستنداً إلى أبعد الأوقات للحاجة إلى إثبات النسب وأمره مبني على الاحتياط كذا في غاية البيان... وقيد بعدم إقرارها لأنها لو أقرت بانقضائها والمدة محتملة بأن تكون سنتين يوماً على قول أبي حنيفة وتسعة وثلاثين على قولهما ثم جاءت بولد لا يثبت نسبه إلا إذا جاءت به لأقل من ستة أشهر من وقت الإقرار فإنه يثبت نسبه لليقن بقيام الحمل وقت الإقرار. (البحر الرائق: ۴/ ۱۵۶، باب ثبوت النسب، ط: کوئٹہ).

(۴) مطلقہ بانہ یا مغلطہ کو اگر بعد طلاق چھ مہینے سے کم میں بچہ پیدا ہو تو وہ بھی ثابت النسب ہوگا، چھ مہینہ سے زائد مگر دو سال کے اندر بچہ پیدا ہوا اور عورت نے عدت گزر جانے کا اقرار نہ کیا ہو تو یہ بھی ثابت النسب ہوگا، بلکہ اگر دو سال پر یا دو سال کے بعد بچہ پیدا ہوا اور عورت نے عدت گزر جانے کا اقرار نہ کیا ہو اور شوہر دعویٰ کرے

تویہ بھی ثابت النسب ہوگا، ورنہ نہیں۔

ہدایہ میں ہے:

والمبتوتۃ یثبت نسب ولدھا إذا جاءت بہ لأقل من سنتین... وإذا جاءت بہ لتمام سنتین من وقت الفرقة لم یثبت لأن الحمل حادث بعد الطلاق فلا یكون منه لأن وطیھا حرام إلا أن یدعیہ لأنه التزمہ وله وجه بأن وطیھا بشبهة فی العدة. (الهدایہ: ۲/۴۳۰، باب ثبوت النسب).

(۵) اگر شوہر کی وفات کے بعد چھ مہینے کے اندر بچہ پیدا ہو تو وہ ثابت النسب ہوگا، اور اگر دو سال کے اندر پیدا ہو اور اس نے عدت گزر جانے کا اقرار نہ کیا ہو، یا اقرار کر لیا ہو مگر وقت اقرار کے بعد چھ مہینے سے کم میں بچہ پیدا ہوا ہو تو یہ بچہ بھی ثابت النسب ہوگا، ورنہ نہیں۔
ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ویثبت نسب ولد المتوفی عنها زوجها ما بین الوفاة و بین السنتین... وإذا اعترفت المعتدة بانقضاء عدتها ثم جاءت بالولد لأقل من ستة أشهر یثبت نسبه لأنه ظهر کذبھا بیقین فبطل الإقرار وإن جاءت بہ لستة أشهر لم یثبت لأننا لم نعلم ببطلان الإقرار لاحتمال الحدوث بعده. (الهدایہ: ۲/۴۳۱، باب ثبوت النسب).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (مجموع قوانین اسلامی: ۲۲۳-۲۲۱). واللہ تعالیٰ اعلم۔

طویل عرصہ جدائی کے بعد بچہ پیدا ہونے پر ثبوت نسب کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص پچھلے چند سالوں سے سفر پر ہو، اور اس کی عدم موجودگی میں اس کی بیوی کے یہاں بچہ پیدا ہو جائے تو بچہ کا نسب اس آدمی سے ثابت ہوگا یا نہیں؟

الجواب: رشتہ نکاح کا وجود ثبوت نسب کے لیے کافی ہے، پس نکاح کی موجودگی میں جو بچہ بھی پیدا ہو وہ ثابت النسب ہوگا، لہذا صورت مسئلہ میں بھی جب نکاح موجود ہے تو جدائی کا اعتبار نہیں بچہ کا نسب اس آدمی

سے ثابت ہوگا، ہاں شوہر بذریعہ لعان نسب کی نفی کر سکتا ہے، لیکن چونکہ اس ملک میں قانون لعان نافذ نہ ہونے کی بنا پر بذریعہ لعان بھی نفی ممکن نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الولد للفراش وللعاهر الحجر". (رواه

البخاری: ۲/۹۹۹، باب الولد للفراش وللعاهر الحجر).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

قال أصحابنا: لثبوت النسب ثلاث مراتب (الأولى) النكاح الصحيح وما هو في معناه والحكم فيه أنه يثبت النسب من غير دعوة ولا ينتفي بمجرد النفي وإنما ينتفي باللعان فإن كانا ممن لا لعان بينهما لا ينتفي نسب الولد كذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۱/۵۳۶، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب).

فتح القدیر میں ہے:

وحاصله أن الثبوت يتوقف على الفراش وهو يثبت مقارناً للنكاح المقارن للعلوق فتعلق وهي فراش فيثبت نسبه... قال بعض المشايخ... قيام الفراش كافٍ، ولا يعتبر إمكان الدخول بل النكاح قائم مقامه كما في تزوج المشرقي بمغربية. (فتح القدیر: ۴/۳۴۹، ۳۵۰، باب ثبوت النسب، ط: دار الفکر).

در مختار میں ہے:

أن الفراش على أربع مراتب وقد اکتفوا بقيام الفراش بلا دخول كتزوج المغربي بمشرقية بينهما سنة فولدت لستة أشهر منذ تزوجها لتصوره كرامة أو استخدماً... وفي الشامية: قوله على أربع مراتب... وقوي وهو فراش المنكوحه ومعتدة الرجعي فإنه فيه لا ينتفي إلا باللعان. (الدر المختار مع فتاوى الشامی: ۳/۵۵۰، فصل في ثبوت النسب، ط: سعید۔ وكذا في

الدر المختار: ۳/۶۹۴، باب الاستیلاء، ط: سعید). واللہ اعلم۔

گم شدہ عورت کی اولاد کے نسب کا حکم:

سوال: ایک شخص کسی کی عورت اغوا کر کے لے گیا اور طویل عرصہ سے اپنے پاس رکھا ہوا ہے، اور اس درمیان میں بچے بھی ہوئے ہیں، لیکن اب تک خاوند نے طلاق نہیں دی ہے، ایسی صورت میں بچے کا نسب کس سے ثابت ہوگا؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ شخص مذکور کا اغوا کر کے غیر کی زوجہ سے منافع حاصل کرنا زنا ہے، اور زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا، لہذا بچوں کا نسب تو اصل شوہر ہی سے ثابت ہوگا۔
ملاحظہ فرمائیں حدیث شریف میں ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "الولد للفراش وللعاهر الحجر". (رواہ البخاری: ۹۹۹/۲، باب الولد للفراش وللعاهر الحجر).
در مختار میں ہے:

أن الفراش على أربع مراتب وقد اکتفوا بقيام الفراش بلا دخول... وفي الشامية: قوله على أربع مراتب... وقوي وهو فراش المنكوحه ومعتدة الرجعي فإنه فيه لا ينتفي إلا باللعان. (الدر المختار مع الشامی: ۵۵۰/۳، فصل فی ثبوت النسب، ط: سعید۔ و ۶۹۴/۳، باب الاستیلاء، سعید).
فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

أما أن قال: إنه مني من الزنا فلا يثبت نسبه ولا يرث منه كذا في الينابيع. (الفتاویٰ الہندیہ: ۵۴۰/۱، باب ثبوت النسب).

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۲/۱۱، مدلل مکمل۔ و فتاویٰ حقانیہ: ۵۶۳/۴). واللہ تعالیٰ اعلم۔

ٹسٹ ٹیوب بیبی کے نسب کا حکم:

سوال: ہم پچھلے چھ سال سے شادی شدہ ہیں، مگر اولاد سے محروم ہیں، آج کل کے طریقہ علاج میں

سے ایک طریقہ مصنوعی طریق حمل و تولید ہے، جس کی بہت ساری شکلیں ہیں، ان میں سے تین شکلوں سے متعلق مجھے فتویٰ درکار ہے، کہ ان تین طریقوں سے علاج کرنا اور اولاد حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اولاد ثابت النسب ہوگی یا نہیں؟ وہ شکلیں حسب ذیل درج ہیں:

(۱) (Artificial Insemination) شوہر کا مادہ تولید انجکشن کے ذریعہ اپنی بیوی کے رحم میں پہنچانا یہ اس لیے ہوتا ہے کہ کوئی مرد کمزوری یا کسی بیماری کے سبب اپنے مادہ تولید کو اس مقام تک پہنچانے پر قادر نہیں ہوتا۔

(۲) (In Vitro Fertilisation [IVF]) شوہر اور بیوی دونوں کا مادہ تولید حاصل کرنے کے بعد رحم سے باہر ٹیوب میں مخصوص مدت تک ان کی پرورش کی جائے پھر بیوی کے رحم میں منتقل کر دیا جائے، یہ صورت ایسی عورت کے لیے اختیار کی جاتی ہے جس کی بچہ دانی تک مادہ پہنچنے کا راستہ بند ہو گیا ہو جس کی وجہ سے استقرار حمل نہ ہوتا ہو۔ اسی کو ٹیوب بے بی (Test Tube Baby) کہتے ہیں۔

(۳) (Gamete Intrafallopian Transfer [GIFT]) میاں بیوی کے مادہ تولید کو باہم خلط ملط کر کے بجائے باہر ٹیوب میں رکھنے کے سیدھا بیوی کی رحم دانی میں داخل کر دیا جاتا ہے، یہ صورت صرف اس عورت کے ساتھ اختیار کی جاسکتی ہے جس کی دو بیض نالیوں (Fallopian Tube) (وہ نالیاں جو بیضۃ المنی کو رحم میں پہنچانے کا کام کرتی ہیں) میں کم از کم ایک صحیح سالم ہو۔

الجواب: مذکورہ بالا تین صورتوں میں میاں بیوی کے مادہ تولید کا اختلاط ہے کسی اجنبی کا نہیں ہے، لہذا اس طرح اولاد حاصل کرنا اور علاج کرنا ضرورت کے وقت جائز اور درست ہوگا، ہاں بلا ضرورت اس پر عمل کرنے سے گریز کرنا چاہئے، نیز بوقت ضرورت بھی صرف میاں بیوی کے مادہ کے اختلاط کی گنجائش ہوگی، اجنبی کا مادہ لے کر رحم میں داخل کرنے کی ہرگز اجازت نہیں، اور یہ عمل مکمل ہو جائے اور بچہ پیدا ہو تو میاں بیوی سے اس بچہ کا نسب ثابت ہوگا۔

ملاحظہ فرمائیں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی جدید فقہی مسائل میں تحریر فرماتے ہیں:

شوہر بیوی کے مادہ حیات کو خلط ملط کر کے تولید عمل میں آئے، اس کی تین شکلیں ہو سکتی ہیں:

- (۱) شوہر کا مادہ انجکشن وغیرہ کے ذریعہ عورت کے رحم تک پہنچا دیا جائے۔
- (۲) شوہر و بیوی کے مادے حاصل کیے جائیں اور ٹیوب میں مخصوص مدت تک ان کی پرورش کی جائے، پھر اسی عورت کے رحم میں منتقل کر دیا جائے۔
- (۳) زن و شو کا مادہ حاصل کیا جائے اور اس آمیزش کو اسی شوہر کی دوسری بیوی کے رحم میں منتقل کر دیا جائے، اس لیے کہ پہلی بیوی زچگی کی متحمل نہ ہو، یا طبی اسباب کی بنا پر تولید کی اہل نہ ہو۔
- پہلے غور کرنا چاہئے کہ کیا ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟
- جن فقہاء نے اس کو نا درست قرار دیا ہے ان کے سامنے تین باتیں ہیں:
- (۱) مرد کو جلق کے ذریعہ مادہ نکالنا ہوگا اور جلق کرنا درست نہیں ہے۔
- (۲) مرد و عورت یا کم از کم عورت کی بے ستری ہوگی، اور شدید مجبوری کے بغیر بے ستری اطباء کے سامنے بھی درست اور جائز نہیں ہے۔
- (۳) یہ طریقہ خلاف فطرت ہے، اور شریعت کا عام مزاج یہ ہے کہ وہ خلاف فطرت امور سے منع کرتی ہے۔

ان اشکالات کے جوابات حسب ذیل ملاحظہ فرمائیں:

- (۱) عام حالات میں فقہاء نے جلق کرنے سے منع کیا ہے، لیکن جہاں ضرورت دامن گیر ہو وہاں اس کی اجازت دی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں عبدالرشید طاہر بخاری لکھتے ہیں:

”إذا عالج ذكره حتى أمني... ولا يحل هذا الفعل خارج رمضان إن قصد قضاء

الشهوة وإن قصد تسكين شهوة أرجو أن لا يكون عليه وبال“ . (خلاصة الفتاوى: ۱/ ۲۶۰، الفصل

الثالث فيما يفسد الصوم، المكتبة الرشيدية).

جلق کی ممانعت کی اصل حکمت:

جلق میں مادہ حیات کو ضائع کر دیا جاتا ہے، لیکن جلق کا عمل مصنوعی تولید کے لیے کیا جائے تو اس میں

جو ہر حیات کو کارگر و ثمر آور بنانا ہے، اس لیے یہ صورت جلق کی ممنوع صورتوں میں داخل نہیں۔

(۲) شدید مجبوری کے بغیر اس میں بے پردگی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فقہاء نے بعض ایسی صورتوں میں بھی بے ستری کو گوارا کیا ہے جو خود تو کوئی شدید مرض نہیں، لیکن امکانی طور پر شدید امراض کا باعث بن سکتا ہے، جیسا کہ اولاد سے محرومی بعض شدید امراض کا سبب بن جاتی ہے، ملاحظہ ہو علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

”وقد روى عن أبي يوسف أنه إذا كان به هزال فاحش وقيل له إن الحقنة تزيل ما بك من الهزال فلا بأس بأن يبدئ ذلك الموضع للمحتقن وهذا صحيح فإن الهزال الفاحش نوع مرض تكون آخره الدق والسل“۔ (المبسوط للإمام السرخسي: ۱۵۶/۱۰، کتاب الاستحسان، النظر إلى العورة)۔

ضرورت تو کجا بعض مرتبہ سنت یا مباح کی ادائیگی کے لیے بھی بے ستری جو کہ حرام ہے شریعت نے اجازت مرحمت فرمائی ہے، جیسے مرد کی ختنہ محض سنت ہے، اور عورت کی مباح ہے پھر بھی فقہاء نے ضرورت اور عذر کے دائرہ میں شمار فرما کر بے ستری کی اجازت دی ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ علاء الدین سمرقندیؒ فرماتے ہیں:

”ولا يباح النظر والمس إلى ما بين السرة والركبة إلا في حالة الضرورة بأن كانت المرأة ختانة تختن النساء“۔ (تحفة الفقهاء: ۳۳۴/۳، کتاب الاستحسان)۔

نیز موٹا پانہ حاجت ہے ضرورت، لیکن فقہاء نے یہاں بھی حقنہ لگانے کی اجازت دی ہے۔

ملاحظہ ہو خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

”لا بأس بالحقنة لأجل السمن هكذا روي عن أبي يوسف“۔ (خلاصۃ الفتاویٰ: ۳۶۳/۴)۔

کتاب الکراہیۃ، الفصل الخامس فی الاکل، ط: المكتبة الرشيدية)۔

ٹسٹ ٹیوب کی مدد لا ولد کے لیے دراصل ایک ذریعہ علاج ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ فقہاء نے انسانی مسائل کو تین خانوں۔ ضرورت، حاجت، اور تحسین۔ میں تقسیم کیا ہے، اور ممنوعات کو صرف اس وقت جائز رکھا ہے جب کہ ضرورت یا حاجت اس کی اجازت کا تقاضہ کرے، لیکن فقہی جزئیات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علاج و

معالجہ کے باب میں فقہاء نے ایک گونہ زیادہ وسعت سے کام لیا ہے، اس لیے اولاد سے محروم شوہر و بیوی کے لیے اولاد کا حصول ایک فطری جذبہ اور طبعی داعیہ جس کے لیے شوہر کا مرد طبیب اور عورت کی عورت طبیبہ کے سامنے بے ستری گوارا کی جاسکتی ہے۔

(۳) خلاف فطرت طریقہ ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ فطری ضرورت اور تقاضہ کی تکمیل (اولاد کا حصول) کے لیے ایسی غیر فطری صورت اختیار کرنا جس کی ممانعت پر نص وارد نہ ہو جائز ہوگا، مثلاً بچہ کی ولادت کی اصل راہ عورت کی شرمگاہ ہے، لیکن ضرورت ہو تو آپریشن کی اجازت ہے، اس لیے یہاں بھی مجبوری کے درجہ میں اس غیر فطری عمل کی اجازت ہونی چاہئے۔

ثبوت نسب کا حکم:

ثبوت نسب کے لیے شوہر کے نطفہ سے بیوی کا حاملہ ہو جانا کافی ہے، یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ جسمانی طور پر اس کے ساتھ مباشرت کرے، لہذا بغیر وطی کے بھی استقرار حمل سے بچہ کا نسب میاں بیوی سے ثابت ہو جائے گا۔ جس کی نظیر حسب ذیل درج ہے:

”رجل وطی جاریۃ فی مادون الفرج فأنزل فأخذت الجاریۃ ماء ہ فی شیء فاستدخلته فی فرجها فعلق، عند أبي حنیفۃ أن الولد ولدہ وتصیر الجاریۃ أم ولدہ کذا فی فتاویٰ قاضیخان“۔ (الفتاویٰ الہندیۃ: ۴/ ۱۱۴، الباب الرابع عشر فی دعوی النسب)۔

تیسری صورت کا حکم:

اگر میاں بیوی کا مادہ منویہ شوہر کی دوسری بیوی یعنی سوکن کے رحم میں داخل کیا جائے تو بچہ کی حقیقی ماں کون ہوگی؟ اس بارے میں اہل علم کی رائیں مختلف ہیں۔ لیکن معقول بات یہ ہے کہ حرمت نکاح وغیرہ میں دونوں کو اس مولود کے لیے حقیقی ماں کے حکم میں رکھا جائے، اور نفقہ و میراث وغیرہ کے احکام میں اس عورت کو ماں کا حکم دیا جائے جس نے حمل کی مشقت برداشت کی ہے اور مولود کو جنما ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿إِنْ أُمَهَا تَهُمْ إِلَّا اللَّائِي وَلَدْنَهُمْ﴾۔ (سورة المحادلة: الآية: ۲)۔

فقہاء کے یہاں بعض ایسی نظیریں بھی موجود ہیں کہ ایک ہی بچہ کا نسب دو مردوں سے ثابت کیا گیا ہے۔
ملاحظہ ہو شرح قدوری میں ہے:

”وإذا كانت جارية بين اثنين جاءت بولد فادعياه حتى ثبت النسب منهما“۔ (الجوہرۃ

النيرة: ۸۴/۲، کتاب النکاح، ط: امدادیہ، ملتان۔ و کذا فی البحر الرائق: ۱۱۹/۳، کوئٹہ)۔

پہلی عورت سے نسب کا ثبوت تو اس وجہ سے کہ بیضۃ المنیٰ اسی سے حاصل کیا گیا ہے اور بچہ کی حیثیت اس کے جزو کی ہوگی اور نسب اور اس کی حرمت کی بنا اصل میں اسی رشتہ جزئیت پر ہے، صاحب ہدایہ نے زنا کی وجہ سے حرمت مصاہرت ثابت ہونے پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

”إن الوطی سبب الجزئية بواسطة الولد حتى يضاف إلى كل واحد منهما كملاً“۔

(الهدایۃ: ۳۰۹/۲، فصل فی المحرمات)۔

اور شوہر کی دوسری بیوی جس کے رحم میں پرورش پائی اس سے ثبوت نسب کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جو زحمت ولادت برداشت کرے اور جس کے رحم میں بچہ پرورش پائے ان کے لیے سب سے بڑی شہادت قرآن کریم کی یہ تعبیر ہے کہ وہ ماں کو والدہ ”بچہ جننے والی“ کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے پھر رحم میں بچہ اسی عورت کا جزو قرار پاتا ہے۔
(مختص از جدید فقہی مسائل ۵/۱۵۱-۱۶۳، سٹڈیوب سے تولید اور اس سے متعلق احکام)۔

مزید ملاحظہ ہو: (عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل: ۵۴۷-۵۴۸۔ و جدید مسائل کا شرعی حل: ۲۰۹-۲۱۳)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اجنبی کے مادہ سے تولید عمل میں آنے پر بچے کے نسب کا حکم:

سوال: ایک طریقہ رائج ہے کہ اگر خاوند سے کسی وجہ سے اولاد نہیں ہوتی ہو تو دوسرے اجنبی کا مادہ منویہ رحم میں پہنچانے سے بچہ پیدا ہوتا ہے، اس بچہ کا نسب کس سے ثابت ہوگا، شوہر سے یا اس غیر سے جس کا مادہ منویہ ڈالا گیا؟

الجواب: بصورت مسئلہ یہ طریقہ کار یعنی بذریعہ انجکشن غیر شوہر سے اولاد حاصل کرنا حرام اور اسلامی اصول کے بالکل خلاف ہے، تاہم تولید کا عمل مکمل ہو جائے تو اس عورت کے شوہر ہی سے نسب ثابت ہوگا، غیر

سے نسب ثابت نہ ہوگا۔

ملاحظہ فرمائیں حدیث شریف میں ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "الولد للفراش وللعاهر الحجر". (رواہ

البخاری: ۲/۹۹۹، باب الولد للفراش وللعاهر الحجر).

جدید فقہی مسائل میں ہے:

اجنبی مرد و عورت کے مادے کے اختلاط کی تمام صورتیں گناہ ہیں اور حکم کے اعتبار سے زنا ہے... اگر وہ عورت کسی مرد کی زوجیت میں رہتے ہوئے کسی اجنبی کے مادہ سے حاملہ ہو یا صاحب اولاد بنے تو مولود کا نسب اس کے حقیقی شوہر سے ثابت ہوگا۔ (جدید فقہی مسائل: ۵/۱۵۲، ٹسٹ ٹیوب سے تولید اور اس سے متعلق احکام).

نیز دوسری جگہ مذکور ہے:

اگر اس طرح تولید کا عمل مکمل کر ہی لیا جائے تو نسب ثابت ہوگا، اور وراثت اور رضاعت وغیرہ کے احکام ثابت ہوں گے، ثبوت نسب کے لیے وطی کی فطری صورت ضروری نہیں، اس کے بغیر بھی اگر کسی طرح مادہ منویہ عورت کے رحم میں پہنچ جائے تو نسب ثابت ہو جائے گا، فقہاء کی بعض عبارتوں سے اس کا اشارہ ملتا ہے۔ خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

البکر إذا جومعت في ما دون الفرج فحبلت بأن دخل الماء في فرجها فلما قرب

أوان ولادتها تزال عذرها بيضة أو بحرف درهم. (الفتاویٰ الہندیہ: ۵/۳۶۰، کتاب الکراہیۃ، باب

۲۱۔ وکذا فی المحيط البرہانی: ۶/۱۲۷، کتاب الاستحسان والکراہیۃ).

کنواری لڑکی سے شرمگاہ کے باہر ہمبستری کی جائے، پھر وہ حاملہ ہو جائے بایں طور کہ مادہ منویہ شرمگاہ میں داخل ہو جائے پس جب ولادت کا وقت قریب آئے تو انڈے یا ذرہم کے کونوں کے ذریعہ اس کا پردہ کنواریں چاک کر دیا جائے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ صورت عملاً زنا ہوگی، البتہ اس پر اسلامی ممالک میں زنا کی شرعی سزا نافذ نہیں کی جاسکتی، اس لیے کہ وہ سزا صرف ناجائز حمل پر ہی نہیں ہے، بلکہ باہم ایک دوسرے سے لطف اندوز ہونے

پر ہے۔ (جدید فقہی مسائل: جلد اول، ص: ۱۵۱) واللہ اعلم۔

زوجین کا مادہ منویہ کا اجنبیہ کے رحم میں نشوونما پانے سے نسب کا حکم:

سوال: جدید طریقہ تولید میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میاں بیوی کے مادہ منویہ کو ملا کر ٹیوپ کے ذریعہ کسی اجنبیہ (شادی شدہ یا غیر شادی شدہ) کے رحم میں رکھا جاتا ہے اور یہ مادہ اس کے رحم میں نشوونما پا کر بچہ بن کر پیدا ہو جاتا ہے، اور اب سوال یہ ہے کہ اس بچے کا نسب کس سے ثابت ہوگا؟ اور اس اجنبیہ کی کیا حیثیت ہوگی؟

الجواب: بصورت مسئلہ یہ عمل حرام اور ناجائز ہے، البتہ تکمیل عمل کے بعد بچہ کی حقیقی ماں وہ ہی ہے جس نے مشقت حمل برداشت کی اور بچہ کو جنم دیا، ثبوت نسب کی مزید تفصیل حسب ذیل درج ہے۔
ملاحظہ ہو عصر حاضر کے فقہی مسائل میں ہے:

اس سلسلہ میں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ بچہ کی ماں شرعی طور پہ وہی ہوگی جس نے بچہ کو جنم دیا ہو چاہے مادہ کسی دوسری عورت ہی کا استعمال کیوں نہ ہوا ہو، خداوند قدوس کا کھلا ہوا ارشاد ہے:

﴿إِنْ أُمَهَا تَهُمْ إِلَّا اللَّائِي وَلَدَتْهُمْ﴾ (سورة المجادلة: الآية: ۲)۔

ترجمہ: ان کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے۔

اگر کسی دوسرے مرد کا نطفہ استعمال ہوا ہو تو بچہ کی پیدائش اگر کسی باخاوند عورت کے پیٹ سے ہوئی ہو تو اس صورت میں بچہ کا نسب اس عورت کے حقیقی شوہر سے ہی قائم ہوگا، اور جس کا مادہ استعمال ہوا ہے وہ زانی کے حکم میں تصور کیا جائیگا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”الولد للفراش وللعاهر الحجر“ (رواہ البخاری: ۲/۹۹۹، باب الولد للفراش وللعاهر الحجر)۔

یعنی: بچہ تو صاحب فراش (جائز شوہر) کا ہوگا اور زنا کار کے لیے پتھر (سنگساری کی سزا) ہے۔

اگر کسی غیر شادی شدہ عورت کے پیٹ سے اس طریقہ کے مطابق بچہ کی پیدائش عمل میں آئے تو اس صورت میں اگرچہ وہ آدمی معروف ہی کیوں نہ ہو جس کا مادہ استعمال کیا گیا ہے لیکن نسب اس سے ثابت نہیں ہوگا، اور بچہ کی نسبت ماں کی طرف کی جائیگی، کیونکہ شرعی طور پہ بدکاری سے نسب کا شرف انسان کو حاصل نہیں ہوتا ہے۔

حاشیہ میں مذکور ہے:

اس سلسلہ میں عجیب و غریب رائے وہ ہے جس کا اظہار ڈاکٹر مصطفیٰ احمد الزرقاء نے کیا ہے کہ بچہ کی حقیقی ماں وہ قرار پائے گی، جس کا مادہ منویہ مرد کے مادہ منویہ کے ساتھ استعمال ہوا ہو اور جننے والی کی حیثیت رضاعی ماں کے مشابہ ہوگی، وراثت وغیرہ کا تعلق پہلی ہی عورت سے قائم ہوگا، ظاہر ہے کہ قرآنی آیت میں جس حصر اور تاکید کے ساتھ یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ ماں ہونے کا حق تولید (بچے کو جننے) سے مربوط ہے اس کے بعد اس کی گنجائش نہیں رہی۔

ڈاکٹر مصطفیٰ کی تحقیق پہ ہی سعودی عرب کی الجمع الفقہی نے اپنے فتویٰ کی بنیاد رکھی ہے اور اس میں شک نہیں کہ ڈاکٹر مصطفیٰ الزرقاء اس وقت کے نامور عالم اور بالغ نظر فقیہ ہیں لیکن ان کی یہ تحقیق صحیح نہیں معلوم ہوتی، اور اس سلسلہ میں خود ان کے ہم وطن اور ہم سبق مشہور ادیب شیخ علی الطنطاوی کی تنقید صحیح معلوم ہوتی ہے، جنہوں نے ان کی رائے سے شد و مد کے ساتھ اختلاف کیا ہے اور ہماری نظر میں وہی صحیح بھی ہے۔

(عصر حاضر کے فقہی مسائل از مولانا بدر الحسن القاسمی، ص ۶۶-۶۷، مرکز دعوت و تحقیق اسلامی حیدر آباد)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (جدید فقہی مسائل از مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، ۱۵۲/۵-۱۵۴)۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 أن امرأة، قالت: یا رسول اللہ!
 إن ابني هذا كان بطني له وعاء وثديي له سقاء
 وحجري له حواء وأن أباه طلقني وأراد أن ينزعني مني،
 فقال لها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:
 "أنت أحق به ما لم تنكحي".

(رواہ ابو داود)

باب..... ﴿۱۷﴾

حضانت کا بیان

باب ﴿۱۴﴾

پرورش کا بیان

پرورش کی پہلی حقدار ماں ہے:

سوال: اگر کسی عورت کو طلاق ہو جائے یا زوجین میں تفریق ہو جائے تو بچے کی پرورش کا حقدار کون ہے؟ نیز نفقہ وغیرہ کس کے ذمے لازم ہے؟ اور پرورش کے حقداروں کی ترتیب کیا ہے؟

الجواب: بچے کی پرورش کی نگرانی ماں کے ذمہ ہے، اگر ماں کو طلاق مل چکی ہے تب بھی بچے کو سات سال تک اور بچی کو ۹ سال تک اپنے پاس رکھ سکتی ہے، اور اخراجات بچہ کے باپ کے ذمہ ہوں گے، اس درمیان والد اس بچے کو نہیں لے سکتا ہے، البتہ طلاق کے بعد ماں خود اپنی خوشی سے بچے کو حوالہ کر دے، یا وہ اجنبی جگہ نکاح کر لے تو پھر باپ کو اس کی پرورش کرنی ہوگی، اور وہ اس کی مطلقہ ماں کو پرورش کے لیے مجبور نہیں کر سکتا۔

اگر عورت خدانہ خواستہ مرتد ہو جائے تو بچہ اس کی پرورش اور نگرانی میں نہیں دیا جائے گا، اسی طرح اگر وہ بد اخلاق و بد کردار ہو یعنی اس میں ایسے عیوب ہوں مثلاً زنا، چوری، گانا بجانا وغیرہ جن کی موجودگی میں بچے کے دین و اخلاق کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ایسی عورت کی نگرانی میں بچے کو نہیں دیا جائے گا۔

☆ ماں کے بعد پرورش کی حقدار کی ترتیب:

ماں اگر پرورش کرنے کی اہل نہ ہو یعنی فاسقہ فاجرہ ہو یا اس نے انکار کر دیا ہو یا اس نے کسی اجنبی سے نکاح کر لیا ہو تو اس کے بعد اس کی ماں یعنی بچے کی نانی کو پرورش کا حق ہے، اگر نانی نہ ہو تو پر نانی، اور یہ بھی نہ ہوں تو دادی کو، پھر پردادی، پھر حقیقی بہن کو، پھر ماں شریک بہن کو، پھر باپ شریک بہن کو، پھر خالہ کو، پھر پھوپھی

کو پرورش کرنی ہوگی۔

☆ پرورش کی شرائط:

ان میں سے جس کی پرورش میں بچہ دیا جائے گا، انہیں شرائط کے ساتھ دیا جائیگا، جن کا ذکر اوپر ہوا، یعنی جس کے اخلاق اچھے ہوں گے، اسی کو پرورش کے لیے دیا جائیگا، مثلاً اگر بچے کی دو خالائیں ہوں یا دو پھوپھیاں ہوں تو جو خالہ یا پھوپھی زیادہ پرہیزگار ہوگی اسی کو پرورش کے لیے بچہ دیا جائیگا۔

☆ بچے کی پرورش کی مدت:

لڑکے کی پرورش کی مدت سات سال ہے، اور لڑکی کی پرورش کی مدت نو سال ہے، اور بعض کے نزدیک حیض آنے تک، اور اس مدت تک پرورش کی نگرانی ماں کے ذمہ ہوگی، اور ماں اور بچہ دونوں کا خرچ باپ کو برداشت کرنا ہوگا۔

☆ پرورش کے ساتھ تعلیم و تربیت کی اہمیت:

بچے کی پرورش کی ذمہ داری کا مطلب صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ ماں باپ اس کی جسمانی پرورش اور نشوونما کا سامان فراہم کر دیں، بلکہ اس کی جسمانی نشوونما کے ساتھ ساتھ اس کی ذہنی اور اخلاقی اصلاح اور اس کی تعلیم و تربیت بھی ان کے اوپر واجب ہے، دونوں طرح کی تربیتوں کی شریعت میں تاکید آئی ہے، خاص طور پر ان کی دینی اصلاح اور تعلیم و تربیت پر قرآن پاک اور حدیث نبوی میں بہت زور دیا گیا ہے۔
دلائل ملاحظہ فرمائیں:

وَإِذَا وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ فَلَا مَ أْحَقُّ بِالْوَلَدِ لِمَا رَوَى أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ ابْنِي هَذَا كَانَ بَطْنِي لَهُ وَعَاءٌ وَحَجْرِي لَهُ حَوَاءٌ وَثَدْيِي لَهُ سَقَاءٌ وَزَعَمَ أَبُوهُ أَنَّهُ يَنْزِعُهُ مِنِّي فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: ”أَنْتِ أَحَقُّ بِهِ مَالِمِ تَتَزَوَّجِي، وَلَئِنْ الْأُمُّ أَشْفَقَ وَأَقْدَرَ عَلَى الْحِضَانَةِ فَكَانَ الدَّفْعُ إِلَيْهَا أَنْظَرَ وَإِلَيْهِ أَشَارَ الصَّدِيقُ رِيقَهَا خَيْرٌ لَهُ مِنْ شَهْدٍ وَعَسَلٍ عِنْدَكَ يَا عَمْرُو، قَالَ حِينَ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَأَتِهِ وَالصَّحَابَةُ حَاضِرُونَ مُتَوَفِّرُونَ، وَالنَّفَقَةُ عَلَى الْأَبِ عَلَى مَا

نذکرہ ولا تجبر الأم علیہ لأنها عست تعجز عن الحضانة فإن لم تكن له أم فأم الأم أولى من أم الأب وإن بعدت لأن هذه الولاية تستفاد من قبل الأمهات، فإن لم تكن أم الأم فأم الأب أولى من الأخوات لأنها من الأمهات فإن لم تكن له جدة فالأخوات أولى من العمات والخالات . (الهداية: ۲/۴۳۴، باب حضانة الولد ومن احق به).

فتاویٰ شامی میں ہے:

الحضانة تربية الولد تثبت للأم النسبية بعد الفرقة إلا أن تكون مرتدة فحتى تسلم لأنها تحبس أو فاجرة فجوراً يضيع الولد به كزنا وغناء وسرقة ونياحة كما في البحر والنهر بحثاً. قال المصنف: والذي يظهر العمل بإطلاقهم كما هو مذهب الشافعي أن الفاسقة بترك الصلاة لا حضانة لها... أو غير مأمونة ذكره في المجتبى بأن تخرج كل وقت وتترك الولد ضائعاً. وفي الشامي: قال الرملي: ويشترط في الحاضنة أن تكون حرة بالغة عاقلة أمينة قادرة، وأن تخلو من زوج أجنبي وكذا في الحاضن الذكر سوى الشرط الأخير... والمراد بكونها أمينة أن لا يضيع الولد عندها باشتغالها عنه بالخروج من منزلها كل وقت... قوله النسبية احتراز به عن الأم الرضاعية فلا تثبت لها. (الدر المختار مع فتاوى الشامی: ۳/۵۵۵، باب الحضانة، سعيد).

مزید ملاحظہ ہو: (البحر الرائق: ۴/۱۶۷، باب الحضانة، کوئٹہ۔ والفتاویٰ الہندیہ: ۱/۵۴۱، باب فی الحضانة۔ وفتاویٰ رحیمیہ: ۸/۴۵۲۔ واسلامی فقہ: ۲/۱۴۶)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

لڑکاسات سال کے بعد والد کے پاس رہیگا:

سوال: لڑکاسات سال تک والدہ کے پاس رہے گا، تو اس درمیان میں اگر والد ملنا چاہے تو مل سکتا ہے یا نہیں؟ نیز سات سال کے بعد کس کے پاس رہے گا، والد اس کو لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: لڑکاسات سال تک والدہ کے پاس رہے گا، یہ والدہ کا حق ہے، اور اس درمیان والد اور

اس کے خاندان والے بچے سے مل سکتے ہیں، اور آسانی کے لئے دونوں خاندان والوں کو مل کر اوقات وایام آپس میں طے کر لینا چاہئے تاکہ اختلافی شکل رونما نہ ہو۔ اور سات سال کے بعد والد کا حق ثابت ہو جاتا ہے، ہاں والد کا رویہ ٹھیک نہ ہو اور پہلے سے لاپرواہی کرتا ہو، نیز دوسری شادی کر لی ہو اور اس کی بھی اولاد ہو تو پھر بظاہر دوسری بیوی سے اذیت کا اندیشہ ہوگا، اور اس بچے کی تربیت اور شفقت مشکوک ہوگی، اسوجہ سے والد بچہ کو چھین نہیں سکتا، لیکن اگر وہ بچے کی صحیح اسلامی تربیت کرنے پر راضی ہے اور وہ چاہتا بھی ہے تو پھر اس صورت میں سات سال کے بعد بچہ والد کو دیا جائے گا، اور لڑکی ہو تو نو سال کے بعد والد اس کو لے سکتا ہے۔ اور بعض علماء نے بلوغ تک والدہ کا حق بتلایا ہے۔

در مختار میں ہے:

والحاضنة أحق به أي بالغلام حتى يستغني عن النساء وقدر سبع، وبه يفتى، لأنه الغالب. ولو اختلفا في سنه فإن أكل وشرب ولبس واستنجى وحده دفع إليه ولو جبراً وإلا لا. وفي الشامية: (قوله حتى يستغني عن النساء) بأن يأكل ويشرب ويستنجى وحده والمرد بالاستنجاء تمام الطهارة بأن يتطهر بالماء بلا معين. (قوله وقدر سبع) هو قريب من الأول بل عينه، لأنه حينئذ يستنجى وحده، ألا ترى إلى ما يروى عنه صلى الله عليه وسلم أنه قال: "مروا صبيانكم بالصلاة إذا بلغوا سبعاً". (قوله ولو جبراً) أي بأن لم يأخذه بعد الاستغناء أجبر عليه كما في الملتقى. وفي الفتح: ويجبر الأب على أخذ الولد بعد استغنائه عن الأم، لأن نفقته وصيانتَه عليه بالإجماع. وفي شرح المجمع: وإذا استغنى الغلام عن الخدمة أجبر الأب أو الوصي أو الولي على أخذه، لأنه أقدر على تأديبه وتعليمه. (الدر المختار مع الشامي ۵۶۶/۳، سعيد).

عالمگیری میں ہے:

وبعد ما استغنى الغلام وبلغت الجارية فالعصبة أولى، يقدم الأقرب فالأقرب. كذا في

فتاویٰ قاضی خان. (الفتاویٰ الہندیہ: ۵۴۲/۱۔ وکذا فی فتاویٰ الشامی: ۵۶۶/۳، باب الحضانه، سعید).

تبیین الحقائق میں ہے:

وإنما كان للأب أن يأخذه إذا بلغ هذا الحد، لأنه يحتاج إلى التأديب والتخلق بأخلاق الرجال وآدابهم، والأب أقدر على التأديب والتثقيف. (تبیین الحقائق: ۳/۴۸، امدادیہ).
شامی میں ہے:

ينبغي للمفتي أن يكون ذا بصيرة ليراعي الأصلح للولد، فإنه قد يكون له قريب مبغض يتمنى موته ويكون زوج أمه مشفقاً عليه يعز عليه فراقه، فيريد قريبه أخذه منها ليؤذيه ويؤذيها أو ليأكل من نفقته أو نحو ذلك، وقد يكون له زوجة تؤذيه أضعاف ما يؤذيه زوج أمه الأجنبي، وقد يكون له أولاد يخشى على البنت منهم الفتنة لسكناها معهم، فإذا علم المفتي أو القاضي شيئاً من ذلك لا يحل له نزع من أمه، لأن مدار أمر الحضانة على نفع الولد. (فتاوى الشامى: ۳/۵۶۵، باب الحضانة، سعيد۔ وكذا فى مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ۱/۴۸۰۔ والبحر الرائق: ۴/۱۶۷)۔

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

وفى الحاوي: الولد متى كان عند أحد الأبوين لا يمنع الآخر عن النظر إليه وعن تعاوده. (الفتاوى التاتارخانية: ۴/۹۰، حكم الولد عند افتراق الزوجين۔ و مثله فى الفتاوى الهندية: ۱/۵۴۳، باب الحضانة)۔

فتاویٰ رجیمیہ میں ہے:

پرورش کے زمانے میں باپ اگر اپنی اولاد سے ملنا چاہے تو ملنے کا موقع دینا چاہئے، اسی کی اولاد ہے، ملاقات کا موقع نہ دینا ظلم ہے۔ (فتاویٰ رجیمیہ مرتب، ۸/۳۵۸ باب الحضانة)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

والد کے روزانہ ملاقات کرنے اور ملاقات کا موقع نہ دینے کا حکم:

سوال: زوجین کی تفریق کے بعد بچہ حکم شرع والدہ کے پاس پرورش پاتا ہے، اس درمیان میں والد کو

دیکھنے کا اختیار ہے یا نہیں، اگر والدہ روکنا چاہے تو اس کو حق ہے یا نہیں، نیز روزانہ ملنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ پرورش کے دوران بچہ اگر چہ والدہ کے پاس ہو، والد صاحب کو دیکھنے اور ملاقات سے روکنا ظلم ہے، لہذا ملاقات کے لئے وقت دینا چاہئے، اور ایام و اوقات آپس میں طے کر لیں۔ بلکہ والد اگر روزانہ ملنا چاہے تو روزانہ بھی مل سکتا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

الولد متى كان عند أحد الأبوين لا يمنع الآخر عن النظر إليه وعن تعاہده كذا في التتارخانية ناقلاً عن الحاوي. (الفتاوى الهندية: ۵۴۳/۱۔ والفتاوى التتارخانية ۹۰/۴، حكم الولد عند افتراق الزوجين).

فقیہ ابواللیث ”خزانة الفقه“ میں فرماتے ہیں کہ جب باپ کے لئے ممکن ہو تو روزانہ اپنے بچے سے ملاقات کر سکتا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں ”خزانة الفقه“ میں ہے:

والمطلقة البائنة خرجت بولدها إلى موضع يقدر الزوج أن يزور ولده في يومه لها ذلك، وإن خرجت إلى موضع لم يقدر الزوج أن يزوره في يومه لم يجز. (خزانة الفقه، باب المقادير، ما زاد على يوم واحد، ص ۳۲۴، المكتبة الغفورية العاصمية۔ و البحر الرائق مع الحاشية: ۱۷۳/۴).

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ باپ بچے سے روزانہ مل سکتا ہے، اور عرفاً کچھ وقت اس کے ساتھ گزار سکتا ہے۔

جامع احکام الصغار میں ہے:

إذا كان الغلام والجارية عند الأم فليس لها أن تمنع الأب من تعاہدهما، وإن صار إلى الأب فليس له أن يمنع الأم من تعاہدهما والنظر إليهما. (جامع أحكام الصغار: ۱۰۱/۱).

آپ کے مسائل میں ہے:

باپ اپنے بچے سے جب بھی چاہے ملاقات کر سکتا ہے، اور اس سے نہ ملنے دینا ظلم ہے جبکہ ان کو یہ خطرہ نہ ہو کہ باپ بچے کو لے جائیگا اور ماں سے جدا کر دیگا، اور اگر ایسا اندیشہ ہو تو اس کا تدارک کرنا چاہئے۔ (آپ کے

مسائل اور ان کا حل: ۴۲۳/۵۔

فتاویٰ رحیمہ میں ہے:

پرورش کے زمانے میں باپ اگر اپنی اولاد سے ملنا چاہے تو ملنے کا موقع دینا چاہیے، اسی کی اولاد ہے، ملاقات کا موقع نہ دینا ظلم ہے۔ (فتاویٰ رحیمہ مرتب: ۸/۴۵۸، باب الحضانة). واللہ تعالیٰ اعلم۔

سات سال کے بعد اختیار دینے کا حکم:

سوال: زوجین کی تفریق کے بعد جب بچہ سات سال کی عمر کو پہنچ جائے تو والد کے حوالہ کیا جاتا ہے، لیکن کیا بچے کو یہ حق حاصل ہے کہ از خود اختیار کرے کہ کس کے پاس رہنا ہے، یا ضروری ہے کہ والد کے پاس ہی رہے؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ سات سال کے بعد حق حضانت میں بچہ کو اختیار نہیں ہے، بلکہ والد صاحب اس کے زیادہ حقدار ہے تعلیم و تربیت کے لحاظ سے، ہاں اگر مفتی یا قاضی ماں کے پاس رکھنے میں کوئی مصلحت دیکھے تو ان کی صوابدید پر بچہ ماں کے پاس رہ سکتا ہے۔
فتاویٰ شامی میں ہے:

(ولا خيار للولد عندنا مطلقاً، ذكراً كان أو أنثى) أي إذا بلغ السن الذي ينزع من الأم يأخذه الأب، ولا خيار للصغير، لأنه لقصور عقله يختار من عنده اللعب، وقد صح أن الصحابة رضي الله تعالى عنهم لم يخيروا. وأما حديث أنه صلى الله عليه وسلم خير فلكونه قال: ”اللهم اهده، فوفق لاختيار الأنظر بدعائه عليه الصلاة والسلام. (الدر المختار مع فتاوى الشامي: ۵۶۷/۳، باب الحضانة، سعيد).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (البحر الرائق: ۴/۱۷۱، کوئٹہ۔ وفتح القدیر: ۴/۳۷۳، باب الولد من أحق به،

دارالفکر۔ وشرح العناية على الهداية على هامش فتح القدیر: ۴/۳۷۳). واللہ تعالیٰ اعلم۔

حق حضانت میں نانی پھوپھی پر مقدم ہے:

سوال: ایکسڈنٹ میں میاں بیوی کا انتقال ہو گیا، ان کا ایک چھ سالہ لڑکا ہے اور دو لڑکیاں ہیں، ایک کی عمر نو سال ہے اور دوسری بہت چھوٹی ہے، اور اس شخص کی ماں اور بہن ہے لیکن ماں نے بچوں کی پرورش سے انکار کر دیا، اور اس عورت کی ماں ہے، اب اس مرد کی بہن اور عورت کی ماں دونوں بچوں کی پرورش کی خواہاں ہیں، اور دونوں میں نانی زیادہ نیک اور عزت دار ہے، لہذا دونوں میں از روئے شرع بچوں کی پرورش کی حقدار کون ہوگی؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ بچوں کی نانی پرورش کی زیادہ حقدار ہوگی، لہذا حکم شرع اولاد کو نانی کی پرورش اور زیر تربیت دیا جائے گا، اور پھوپھی نانی کی موجودگی میں حقدار نہیں ہے۔
ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

وإن لم يكن له أم تستحق الحضانة بأن كانت غير أهل للحضانة أو متزوجة بغير محرم أو ماتت فأم الأم أولى من كل واحدة وإن علت. (الفتاوى الهندية: ۱/۵۴۱، باب الحضانة).
فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

فإن ماتت الأم فأم الأم أولى بحضانة الولد وتعهده... وفي الخلاصة والخانية: وإذا بطل حق الأم كانت الحضانة للجدة من قبل الأم وإن علت. (الفتاوى التاتارخانية: ۴/۹۱، حکم الولد عند افتراق الزوجين۔ والدر المختار: ۳/۵۶۳، سعید۔ والهداية: ۲/۴۳۶). واللہ تعالیٰ اعلم۔

نانی کی موجودگی میں دادا، دادی حقدار نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں:

میری بیٹی بیوہ ہوئی، اس کے شوہر کے انتقال کے بعد اپنے دونوں بچوں کو لے کر یہاں رہی ہے، اب اگر یہ نکاح ثانی کرے تو کیا بچوں کے دادا، دادی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ بچوں کو زبردستی اس کی ماں سے لے لے، جبکہ بچوں کے

نانا، نانی اپنے پاس رکھنے کے لئے تیار ہیں۔ اور اگر وہ نکاح نہ کرے تو بچے کب تک اپنی ماں کے پاس رہ سکتے ہیں، اور اولاد میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہیں۔

الجواب: بصورتِ مسئلہ اگر یہ عورت نکاحِ ثانی بچے کے غیر محرم کے ساتھ کر لے تو ان بچوں کی تربیت کی مستحق ان کی نانی ہے، لہذا نانی کی موجودگی میں دادا، دادی کو حق پرورش حاصل نہیں۔
ملاحظہ ہو ”البحر الرائق“ میں ہے:

قوله ”أحق بالولد أمه قبل الفرقة وبعدها، أي في التربية والإمساك لما قدمناه ... ولا (حضانة) للمتزوجة بغير محرم ... قوله ”ثم أم الأم،، يعني بعد الأم الأحق أمها، وهو شامل لما إذا كانت الأم ميتة أو ليست أهلاً للحضانة، ففي كل منهما ينتقل الحق إلى أم الأم، لأن هذه الولاية مستفادة من قبل الأمهات، فكانت التي هي من قبلها أولى وإن علت، فالجدة من قبل الأم أولى من أم الأب ومن الخالة، وصححه الولوالجي. (البحر الرائق: ۴/۱۶۷، باب الحضانة، كوئته).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وإن لم يكن له أم تستحق الحضانة بأن كانت غير أهل للحضانة أو متزوجة بغير محرم أو ماتت فأم الأم أولى من كل واحدة وإن علت. (الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۵۴۱، باب الحضانة).
فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

بچہ کے غیر محرم کے ساتھ نکاح کرنے سے ماں کا بچہ کی پرورش کا حق ساقط ہو جاتا ہے، اور یہ حق بچہ کی نانی وغیرہ کو علی الترتیب حاصل ہو جاتا ہے، اس کے بعد ماں زبردستی بچہ کو اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتی۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۸/۴۵۸).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (امداد الاحکام ۲/۸۷۴، فتاویٰ حقانیہ ۴/۴۲۶). واللہ تعالیٰ اعلم۔

مدتِ حضانت کے بعد ماں کے پاس رکھنے کا حکم:

سوال: اگر کسی کی بیوی کو طلاق ہوئی اور اس کے بچے جو سات اور نو سال کے اوپر ہیں، مفتی یا قاضی ان کو ماں کے پاس رکھنا بہتر سمجھتا ہے، تو یہ فتویٰ دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ پرورش و تربیت کا مدار بچے کے نفع پر موقوف ہے۔ اگر والد میں صفات و اخلاق اس درجہ کے نہ ہوں کہ بچہ کی صحیح تربیت کر سکے، نیز بچہ کے اخلاق خراب ہونے کا قوی اندیشہ ہو، اور مفتی اور قاضی ماں کے پاس رکھنا مصالحت سمجھے تو ماں کے پاس رکھنے کا فیصلہ کیا جائے گا، اگر چہ لڑکے کے سات سال اور لڑکی کے نو سال بعد والد کا حق ثابت ہو چکا ہے۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

قلت: الأصوب التفصيل، وهو أن الحاضنة إذا كانت تأكل وحدها وابنها معها فلها حق، لأن الأجنبي لا سبيل له عليها ولا على ولدها، بخلاف ما إذا كانت في عيال ذلك الأجنبي أو كانت زوجة له، وأنت علمت أن سقوط الحضانة بذلك لدفع الضرر عن الصغير، فينبغي للمفتي أن يكون ذا بصيرة ليراعي الأصلح للولد، فإنه قد يكون له قريب مبغض له يتمنى موته، ويكون زوج أمه مشفقاً عليه يعز عليه فراقه، فيريد قريبه أخذه منها ليؤذيه ويؤذيها أو ليأكل من نفقته أو نحو ذلك، وقد يكون له زوجة تؤذيه أضعاف ما يؤذيه زوج أمه الأجنبي، وقد يكون له أولاد يخشى على البنت منهم الفتنة لسكناها معهم، فإذا علم المفتي أو القاضي شيئاً من ذلك لا يحل له نزعها من أمه، لأن مدار أمر الحضانة على نفع الولد... وقد منّا في العدة عن الفتح عند قوله "إن المختلعة لا تخرج من بيتها في الأصح، أن الحق أن على المفتي أن ينظر في خصوص الوقائع. (فتاوى الشامى ۵۶۵/۳، باب الحضانة، سعيد). والله أعلم.

بچہ ماں کی پرورش میں ہو تو مناسب جگہ نکاح کرانے کا حکم:

سوال: ایک لڑکی جو نابالغ ہے، اس کی ماں کو طلاق مل چکی ہے، بچی ماں کی پرورش میں ہے، ماں بچی کا کسی مناسب جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں جبکہ بچی کا باپ بظاہر اس نکاح سے خوش نہیں ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ نابالغ بچی کی پرورش کا حق اولاً ماں کو ہے، اور جب بچی نو سال کی ہو جائے تو از روئے شریعت باپ کا حق ثابت ہو جاتا ہے، اس لیے کہ باپ بچی کی تعلیم و تربیت اچھی طرح کر سکتا ہے، نیز ولایتِ نکاح بھی باپ کو حاصل ہے۔ لیکن اگر کسی وجہ سے باپ قابلِ اعتماد نہ رہا ہو، اور بالغ ہونے کے بعد بھی بچی ماں کی پرورش و زیرِ تعلیم و تربیت ہے، اور باپ کو ذمہ داری کا کوئی احساس نہیں ہے، اور باپ کے پاس رہنے سے ضائع ہونے یا اخلاق خراب ہونے کا اندیشہ ہے تو ماں اپنے پاس رکھ کر بالغ ہونے کے بعد کسی مناسب جگہ لڑکی کا عقدِ نکاح کر سکتی ہے۔

ملاحظہ ہو ”البحر الرائق“ میں ہے:

قوله ”والأم والجدة أحق بالغلام حتى يستغني، وقدر بسبع،، لأنه اذا استغنى يحتاج إلى تأديب والتخلق بآداب الرجال وأخلاقهم، والأب أقدر على التأديب والتثقيف... قوله ”وبها حتى تحيض“ أي الأم والجدة أحق بالصغيرة حتى تحيض، لأن بعد الاستغناء تحتاج إلى معرفة آداب النساء، والمرأة على ذلك أقدر، وبعد البلوغ تحتاج إلى التحصين والحفظ، والأب على ذلك أقوى وأهدى... وأشار المصنف إلى أنها لو زوجت قبل أن تبلغ لا تسقط حضانتها. وقال في القنية: الصغيرة إذا لم تكن مشتهاة ولها زوج لا يسقط حق الأم في حضانتها ما دامت لا تصلح للرجال. (البحر الرائق: ۴/ ۱۷۰، باب الحضانة، كوثته).

عالمگیری میں ہے:

لا حق لغير المحرم في حضانة الجارية، ولا للعصبة الفاسق على الصغيرة. كذا في

ہدایہ میں ہے:

والترتيب في العصابات في ولاية النكاح كالترتيب في الإرث، والأبعد محجوب بالأقرب. (الهداية: ۳۱۶/۲).

عالمگیری میں ہے:

وأجمعوا أن الأقرب إذا عضل تنتقل الولاية إلى الأبعد، كذا في الخلاصة. غاب الولي أو عضل أو كان الأب أو الجد فاسقاً فللقاضي أن يزوجه من كفاء. كذا في الوجيز للكردي. (الفتاوى الهندية: ۲۸۵/۱).

فتاویٰ شامی میں ہے:

ينبغي للمفتي أن يكون ذا بصيرة ليراعي الأصلح للولد، فإنه قد يكون له قريب مبغض له يتمنى موته... فإذا علم المفتي أو القاضي شيئاً من ذلك لا يحل له نزع من أمه، لأن مدار أمر الحضانة على نفع الولد... وقد منّا في العدة عن الفتح عند قوله "إن المختلعة لا تخرج من بيتها في الأصح، أن الحق أن على المفتي أن ينظر في خصوص الوقائع. (فتاوى الشامي ۵۶۵/۳، باب الحضانة، سعيد). والله تعالى أعلم.

لڑکے کو فون کرنے اور چھٹی میں لے جانے کا حکم:

سوال: بچہ ماں کی پرورش میں ہے، اور سات سال تک ماں کا حق ہے، اس دوران بچہ کا باپ بچہ کے ساتھ فون پر بات چیت کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ جب بچہ ماں کے پاس ہے، اور باپ ٹیلیفون کے ذریعہ بات چیت کرنا چاہے یا دیکھنا چاہے تو فون بھی کر سکتا ہے اور دیکھ بھی سکتا ہے، نیز شہر کے اندر لے جاسکتا ہے، لیکن شہر کے باہر لے جانے کی اجازت نہیں۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

لا یجبر أن یرسلہ، وکذا یقال فی جانبہا وقت حضانتہا.

وفیہ: کما یمنع الأب من إخراجہ من بلد أمہ بلا رضاہا ما بقیت حضانتہا. (فتاویٰ الشامی: ۵۷۱/۳، سعید).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

الولد متى كان عند أحد الأبوين لا يمنع الآخر عن النظر إليه. (الفتاویٰ الہندیہ: ۵۴۳/۱).

مزید ملاحظہ ہو: (جامع أحكام الصغار: ۱۰۱/۱۔ والفتاویٰ التاتاریخانیہ: ۹۰/۴، حکم الولد عند

افتراق الزوجین۔ والبحر الرائق مع الحاشیہ: ۱۷۳/۴۔ وفتاویٰ رحیمیہ مرتب: ۵۸/۸ باب الحضانت۔ وخزانة

الفقہ، باب المقادیر، ما زاد علی یوم واحد، ص ۳۲۴، المكتبة الغفورية العاصمية). واللہ تعالیٰ اعلم۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى:

﴿وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾

(سورة البقرة: ۲۳۳).

وَقَالَ: ﴿لَيَنْفَقَ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ، وَمَنْ قَدَرُ عَلَيْهِ رِزْقُهُ

فَلَيَنْفَقَ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ، سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا﴾

(سورة الطلاق: ۶).

بَاب..... (۱۵)

نفقہ اور سکنی

کا بیان

وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حُجَّةِ الْوَدَاعِ:

”...وَلَهُنَّ عَلَيْكَ نَفَقَتُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ“.

(مسند أبي عوانة و مسند أبي حنيفة).

باب ﴿۱۵﴾

نفقہ اور سکنی کا بیان

مطلقہ بائنہ کے میکے میں عدت گزارنے پر نفقہ کا حکم:

سوال: ایک شخص نے بیوی کو طلاق بائن یا مغلظ دی، مگر بیوی عدت میں شوہر کے گھر پر رہنے کے لئے تیار نہیں ہے، کیا وہ نفقہ عدت کی مستحق ہے یا نہیں؟ نیز نفقہ کی وضاحت فرمادیں؟

الجواب: بصورت مسئلہ بلا کسی عذر شرعی کے شوہر کے گھر عدت نہ گزارنے سے ناشزہ شمار ہوگی، اور ناشزہ کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہے، لیکن اگر شوہر بطور احسان کچھ خرچ کر دے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

وفی الدر المختار: لا نفقة لأحد عشر... وخارجة من بيته بغير حق وهي الناشزة حتى تعود، ولو بعد سفره. وفي الشامية: (قوله بغير حق) احتراز عما لو خرجت حتى يدفع لها المهر. ولها الخروج في مواضع مرت في المهر. (قوله وهي الناشزة) أي بالمعنى الشرعي، أما في اللغة فهي العاصية على الزوج المبغضة له. (الدر المختار مع رد المحتار: ۵۷۶/۳، باب النفقة، ط: سعيد).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولو وجبت العدة على المرأة، ثم حبست بحق عليها تسقط النفقة، والمعتدة إذا

كانت لا تلزم بيت العدة ، بل تسكن زماناً وتبرز زماناً لا تستحق النفقة ، كذا في الظهيرية.
(الفتاوى الهندية: ۱/۵۵۸، فصل في نفقة المعتدة).

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

والناشزة التي لا تستحق النفقة هي الخارجة عن منزله بلا إذن بلا حق . (الفتاوى البزازية
على هامش الهندية: ۴/۱۵۹، التاسع عشر في النفقات، وكذا في البحر الرائق: ۴/۱۹۹، كوئته).
احسن الفتاویٰ میں ہے:

زینب پر واجب تھا کہ طلاق کے بعد فوراً زید کے مکان میں چلی جائے اور وہاں عدت گزارے، چونکہ وہ
زوج کے مکان میں عدت نہیں گزار رہی، اس لئے اس کو نفقہ و سکنی کا حق نہیں رہا، نہ دینے سے زید گنہگار
نہیں۔ (احسن الفتاویٰ: ۵/۴۶۳)

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

اگر عورت بلا عذر اور بلا وجہ شرعی شوہر کی ناشزہ ہو کر، شوہر کی مرضی کے خلاف چلی جائے تو خرچ وغیرہ کی
حقدار نہیں... فتاویٰ اسعدیہ میں ہے:

اعلم أن المرأة إذا طلقت فإنها تعتد في البيت الذي كانت فيه ساكنة من قبل، ويجب
عليه النفقة والسكنى، وإن خرجت باختيارها فهي ناشزة لا تجب لها نفقة. (۱/۱۱۵).
اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں:

آرے نان و نفقہ مقابل احتباس درخانہ است، اگر از خانہ برآید بلا اذن زوج نفقہ و کسوة واجب نہ ماند۔
قاعدہ فقہ است کہ نفقہ جزائے احتباس است۔ مجموعہ فتاویٰ عزیزی ۱/۱۳۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۸/۴۳۲).

نفقہ سے متعلق ضروری وضاحت:

نفقہ کی حقیقت:

شریعت نے کسی کی زندگی کے بقاء کے لیے جو خرچ ضروری قرار دیا ہے وہ نفقہ ہے، اور انسان کے لئے
کھانے پینے کا سامان، کپڑا اور مکان نفقہ ہے۔

فتح القدیر میں ہے:

فی الشرع: الادرار علی الشیء بما ہو بقاء ہ. (فتح القدیر ۴/۳۷۸، باب النفقة، ط:

دارالفکر۔ وکذا فی العنایۃ شرح الہدایۃ علی ہامش فتح القدیر: ۴/۳۷۸، ط: دارالفکر).

وفی البحر الرائق: النفقة: ہی فی اللغة ما ینفق الإنسان علی عیالہ ونحو ذلک ...

وأما فی الشریعة: فذكر فی الخلاصة: قال هشام: سألت محمداً عن النفقة، قال: النفقة:

ہی الطعام والكسوة والسكنی. (البحر الرائق: ۴/۱۷۳، باب النفقة، کوئٹہ۔ وکذا فی الفقہ الاسلامی وأدلته:

۷/۷۶۵، ط: دارالفکر).

وجوب نفقہ کے اسباب:

وجوب نفقہ کے اسباب تین ہیں: (۱) زوجیت۔ (۲) قرابت۔ (۳) ملک۔

یعنی بیوی کا نفقہ شوہر پر بیوی ہونے کی وجہ سے واجب ہے، اسی طرح ذی رحم اہل قرابت کا نفقہ اس کے متوقع وارثوں پر، نیز والدین کا نفقہ اولاد پر اور اولاد کا نفقہ والدین پر واجب ہے۔

اور ہر وہ شئی جو کسی کی ملک میں ہو چاہے وہ مکان ہو، سواری ہو، یا اور کوئی چیز، اس کو کارآمد رکھنے پر حسب موقع اس پر خرچ کرنا مالک پر واجب ہے۔

بیوی کا نفقہ نکاح کے نتیجہ میں واجب ہو جاتا ہے، چاہے بیوی مسلمان ہو یا کتابیہ، امیر ہو یا غریب، تندرست ہو یا بیمار، اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے۔

نفقہ نکاح صحیح سے واجب ہوتا ہے، اس لئے نکاح فاسد کی صورت میں نفقہ واجب نہیں ہوگا۔

جو عورت عدت گزار رہی ہو وہ نفقہ پانے کی مستحق ہے، عدت کے بعد وہ اجنبیہ ہے، اس لئے عدت کے بعد سے طلاق دینے والے کے ذمہ نفقہ واجب نہیں ہے۔

ملاحظہ فرمائیں فتح القدیر میں ہے:

ثم نفقة الغير تجب علی الغير بأسباب: الزوجية، والقربة، والملک. (فتح القدیر:

۴/۳۷۸، ط: دارالفکر۔ وکذا فی البحر الرائق: ۴/۱۷۳، ط: کوئٹہ).

وفی الدر المختار: ونفقة الغير تجب على الغير بأسباب ثلاثة: زوجية، وقرابة، وملك. وفي الشامية: (قوله وملك) شامل لنفقة المملوك من بني آدم والحيوانات والعقار كما في الدر المنتقى، لكن في الأخير لا يجبر قضاءً وفي الثاني خلاف. (الدر المختار مع رد المحتار: ۵۷۲/۳، باب النفقة، ط: سعيد).

عالمگیری میں ہے:

تجب على الرجل نفقة امرأته المسلمة والذمية والفقيرة والغنية، دخل بها أو لم يدخل، كبيرة كانت المرأة أو صغيرة يجامع مثلها، كذا في فتاوى قاضيخان. سواء كانت حرة أو مكاتبه، كذا في الجوهرية النيرة... كل من وطئت بشبهة فلا نفقة لها، كذا في الخلاصة. قال: ولا نفقة في النكاح الفاسد ولا في العدة منه. (الفتاوى الهندية: ۱/۵۴۴، ۵۴۷). ہدایہ میں ہے:

وإذا طلق الرجل امرأته فلها النفقة والسكنى في عدتها رجعيًا كان أو بائنًا... لأن النفقة جزاء احتباس على ما ذكرنا، والاحتباس قائم في حق حكم مقصود بالنكاح وهو الولد، إذا العدة واجبة لصيانة الولد فتجب النفقة، ولهذا كان لها السكنى بالإجماع، وصار كما إذا كانت حاملاً. وحديث فاطمة بنت قيس رده عمر رضي الله تعالى عنه فإنه قال: "لا ندع كتاب ربنا وسنة نبينا بقول امرأة لا ندري أصدقت أم كذبت، حفظت أم نسيت، سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: للمطلقة الثلاث النفقة والسكنى ما دامت في العدة، ورده أيضاً زيد بن ثابت وأسامة بن زيد وجابر وعائشة رضي الله تعالى عنهم أجمعين. (الهداية: ۲/۴۴۳). واللہ تعالیٰ اعلم۔

چھ سالہ بچہ کا نفقہ والد پر واجب ہونے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی، دونوں کا ایک لڑکا ہے جس کی عمر چھ سال ہے، اور فی

الحال ماں کی پرورش میں ہے، تو بچہ کا نفقہ کس کے ذمہ واجب ہوگا؟ نیز نفقہ میں کیا چیزیں ضروری ہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ چھ سالہ بچے کی پرورش و حضانت کی ماں ذمہ دار ہے، اور نفقہ وغیرہ والد کے ذمہ ہے۔ اور نفقہ میں کھانا، پینا، کپڑے، رہنا، سہنا، دوا، علاج و معالجہ، اسکول کی فیس وغیرہ تمام ضروری اخراجات شامل ہیں۔

ملاحظہ ہوا البحر الرائق میں ہے:

(قوله ولطفله الفقير) أي تجب النفقة والسكنى والكسوة لولده الصغير الفقير لقوله تعالى: ﴿وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾، فهي عبارة في إيجاب نفقة المنكوحات إشارة إلى أن نفقة الأولاد على الأب، وأن النسب له، وأنه لا يعاقب بسببه... وأن الأب ينفرد بتحمل نفقة الولد ولا يشاركه فيها أحد، وأن الولد إذا كان غنياً والأب محتاجاً لم يشارك الولد أحد في نفقة الوالد، وقيد بالطفل وهو الصبي حين يسقط من البطن إلى أن يحتلم. (البحر الرائق: ٤/٢٠١، باب النفقة، ط: كوئته).

درمختار میں ہے:

(وتجب) النفقة بأنواعها على الحر (لطفله) يعم الأنثى والجمع (الفقير) الحر. وفي الشامية: (قوله بأنواعها) من الطعام والكسوة والسكنى، ولم أر من ذكر هنا أجره الطبيب وثمان الأدوية، وإنما ذكروا عدم الوجوب للزوجة، نعم صرحوا بأن الأب إذا كان مريضاً أو به زمانة يحتاج إلى الخدمة فعلى ابنه خادمه وكذلك الابن. (الدر المختار مع الشامي ٦١٢/٣، باب النفقة، سعيد).

وفي الطحطاوي على الدر: (قوله بأنواعها) الثلاثة، الملبوس، والمأكل، والسكنى، لكن في إيجاب السكنى نظر، فإن الطفل لا يحتاج إليها، اللهم إلا أن يقال: إن وجوبها إذا كان محضوناً وطلبت الحاضنة السكنى. (حاشية الطحطاوي على الدر: ٢/٢٧٢، باب النفقة، ط: كوئته).

وفي "الفقه الحنفي في ثوبه الجديد":

النفقة: وهي ما ينفقه الإنسان على عياله، وتشمل الطعام والكسوة والسكنى وغيرها من ضروريات الحياة. (الفقه الحنفی فی ثوبہ الحدید: ۲/۲۳۶، باب النفقة، دمشق۔ وکذا فی الفقه الإسلامی وأدلته: ۷/۷۹۴، ط: دار الفکر). واللہ تعالیٰ اعلم۔

مطلقہ حاملہ ناشزہ کے نفقہ و سکنی کا حکم:

سوال: ایک حاملہ عورت اپنے گھر سے مئی سے بھاگ گئی، اگست میں شوہر نے ایک طلاق دیدی، اب مئی سے اگست تک اور اگست سے وضع حمل تک نفقہ، سکنی کی مستحق ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ عورت بلا وجہ شوہر کے گھر سے بھاگنے کی وجہ سے ناشزہ کہلائیگی، اور ناشزہ نفقہ کی مستحق نہیں رہتی، لہذا اس عورت کا نفقہ مئی سے وضع حمل تک یعنی شوہر کے گھر سے نکلتے ہی ساقط ہو گیا۔ ہاں اگست میں عدت شروع ہوئی تو ایامِ عدت میں صرف سکنی کی مستحق ہوگی، یعنی اگست سے وضع حمل تک سکنی کی مستحق ہوگی۔

درمختار میں ہے:

لا نفقة لأحد عشر ... وخارجة من بيته بغير حق، وهي الناشزة حتى تعود ...

فتاویٰ شامی میں ہے:

(قوله بغير حق) ذكر محترزه بقوله بخلاف ما لو خرجت الخ، وكذا هو احتراز عما لو خرجت حتى يدفع لها المهر. ولها الخروج في مواضع مرت في المهر. (قوله وهي الناشزة) أي بالمعنى الشرعي، أما في اللغة فهي العاصية على الزوج المبغضة له. (فتاویٰ الشامی: ۳/۵۷۶، باب النفقة، ط: سعید).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وإن نشزت فلا نفقة لها حتى تعود إلى منزله، والناشزة هي الخارجة عن منزل زوجها، المانعة نفسها منه، بخلاف ما لو امتنعت عن التمکن في بيت الزوج، لأن الاحتباس

قائم۔ (الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۵۴۵، فصل فی نفقۃ الزوجۃ)۔

شامی میں ہے:

(قوله وتجب لمطلقة الرجعي والبائن) كان عليه إبدال المطلقة بالمعتدة، لأن النفقة تابعة للعدة... وفي المجتبى: نفقة العدة كنفقة النكاح. وفي الذخيرة: وتسقط بالنشوز وتعود بالعود، وأطلق فشمّل الحامل وغيرها، والبائن بثلاث أو أقل، كما في الخانية... قال في البحر: فالحاصل أن الفرقة إما من قبله أو من قبلها، فلو من قبله فلها النفقة مطلقاً، سواء كانت بمعصية أولاً، طلاقاً أو فسخاً، وإن كانت من قبلها فإن كانت بمعصية فلا نفقة لها، ولها السكنى في جميع الصور. (رد المحتار: ۳/۶۰۹، باب النفقة، ط: سعيد).

حاشیۃ الطحطاوی علی الدر میں ہے:

الأصل أن الفرقة متى كانت من جهة الزوج فلها النفقة، وإن كانت من جهة المرأة إن كانت بحق لها النفقة، وإن كانت بمعصية لا نفقة لها. (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار: ۲/۲۷۱، ط: کوئٹہ).

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

شوہر کے مکان میں عدت گزارنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، پھر بھی عورت اپنے باپ کے یہاں عدت گزارنا چاہتی ہے تو عدت کے خرچہ کا مطالبہ نہیں کر سکتی، لیکن شوہر تبرعاً دیدے تو بہتر ہوگا۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۸/۴۳۴).

مزید ملاحظہ ہو: (احسن الفتاویٰ: ۵/۴۶۴، ۴۶۵۔ وامداد الاحکام: ۲/۸۸۳). واللہ تعالیٰ اعلم۔

میڈیکل وغیرہ شوہر کے ذمہ ہونے کا حکم:

سوال: کیا عورت کے میڈیکل اخراجات شوہر پر لازم ہیں یا نہیں؟ نیز اگر حاملہ ہے تو ہسپتال کے

اخراجات کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ دوا وغیرہ کا خرچہ، نیز علاج و معالجہ کے اخراجات وغیرہ دیانۃ شوہر کے ذمہ لازم اور واجب ہیں، اگرچہ قضاء واجب نہیں۔ نیز اس میں عرف کا اعتبار ہے، اور عام طور پر عرف میں بخوشی شوہر اس قسم کے اخراجات برداشت کرتا ہے، لہذا میڈیکل وغیرہ اخراجات بھی دینا چاہئے۔
فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولا يجب الدواء للمرض، ولا أجره الطبيب، ولا الفصد، ولا الحجامۃ، كذا في السراج الوهاج. (الفتاویٰ الہندیۃ: ۱/۵۴۹، فصل فی نفقۃ الزوجۃ).

علامہ ابن نجیم مصریؒ نے مجتبیٰ کے حوالے سے ذکر فرمایا ہے کہ نفقہ میں عرف و عادت کا بڑا دخل ہے، یعنی عرف پر اس کا مدار ہے، عرفاً جو چیزیں دی جاتی ہیں، ان چیزوں کا دینا ضروری اور لازم ہے۔ اور علاج و معالجہ عرف میں شوہر برداشت کرتا ہے۔
ملاحظہ ہوا البحر الرائق میں ہے:

وفي المجتبى: أن ذلك يختلف باختلاف الأماكن والعادات، فيجب على القاضي اعتبار الكفاية بالمعروف في كل وقت ومكان. (البحر الرائق: ۴/۱۷۷، باب النفقة۔ ط: کوئٹہ).
اسلامی فقہ میں ہے:

بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ دوا، علاج کا خرچ شوہر کے ذمہ واجب نہیں ہے، بلکہ اس کے اوپر صرف نان و نفقہ واجب ہے، اگر وہ دوا علاج کرتا ہے تو یہ اس کا احسان ہے۔ اس مسئلہ میں راقم کی رائے یہ ہے کہ دوا علاج وغیرہ خاص طور پر اس زمانے میں انسان کی اس سے کم بنیادی ضرورت نہیں ہے جیسے کہ تیل، کنگھی اور صابن وغیرہ ہے۔ جب عورت کے جسم کی صحت و صفائی کے لئے ان چیزوں کے فراہم کرنے کو فقہاء نے واجب لکھا ہے، تو پھر دوا علاج کیوں نہ واجب ہو؟ پھر فقہاء یہ بھی لکھتے ہیں کہ بالغ لڑکوں کا نفقہ باپ پر واجب نہیں ہے، لیکن اگر کوئی بالغ لڑکا بیمار پڑ جائے تو اس کا نان نفقہ باپ پر ضروری ہو جاتا ہے، اور پھر یہ تو لڑکا ہے۔ فقہاء نے مضارب کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کو علاج کا خرچ بھی ملیگا، کیونکہ بغیر اس کے مضارب کا کام وہ نہیں کر سکتا، تو عورت

سے جو فوائد متعلق ہیں، ان کا لحاظ کر کے اس کے دوا علاج کا خرچ مرد پر ضروری کیوں نہ قرار دیا جائے۔ اگر عورت اس کا بار خود شوہر پر نہ ڈالے تو یہ عورت کا احسان کیوں نہ سمجھا جائے۔ اس کے علاوہ مرض کی اور اس کے دوا علاج کی اہمیت خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشاد سے معلوم ہوتی ہے، اس کی روشنی میں بھی یہ عورت کا ضروری حق قرار دیا جانا چاہئے۔

ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ويجب لها ما تنظف به وتزيل الوسخ كالمشط والدهن، وما تغسل به الرأس من السدر والخمطي، وما تزيل به الدرن كالأشنان والصابون على عادة أهل البلد. (الفتاوى الهندية: ۵۴۹/۱).

ولا يجب على الأب نفقة الذكور الكبار إلا أن يكون الولد عاجزاً عن الكسب لزمانة أو مرض، ومن يقدر على العمل لكنه لا يحسن العمل فإنه بمنزلة العاجز. كذا في فتاوى قاضیخان. (الفتاوى الهندية: ۵۶۳/۱، فصل في نفقة الأولاد).

اسی طرح بچہ جننے کے وقت دائی وغیرہ کی فیس کے بارے میں فقہاء نے لکھا ہے کہ اس کو وہ برداشت کریگا جو اس کو بلائے گا، یعنی بیوی خود بلائے گی تو وہی برداشت کرے گی، اور اگر شوہر بلائے گا تو وہی برداشت کرے گا۔ راقم کے ناقص خیال میں وہ بھی ہر حال میں مردہی کی ذمہ داری ہونی چاہئے، کیونکہ جب بچہ اس کا ہے، جب اسی پر اس کے دودھ پلوانے کی اجرت اور اس کا نفقہ واجب ہے، تو پھر ولادت کے وقت کے تمام اخراجات اس پر کیوں نہ واجب ہوں، جبکہ یہ ایسا نازک موقع ہوتا ہے کہ اس وقت کی ذرا سی بے احتیاطی سے زچہ اور بچہ دونوں کی جان خطرے میں پڑ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے، درمختار کے اس جزئیہ پر ابن عابدین نے جو لکھا ہے، اوپر لکھی گئی تمام صورتوں پر اس کا اطلاق کرنا چاہئے۔ ”ویظهر لي ترجیح الأول، لأن نفع القابلة معظمه يعود إلى الولد، فيكون على أبيه.“ (رد المحتار: ۸۹۳/۳۔ ط: سعید).

اس لئے کہ بیوی کے دوا علاج کا سارا فائدہ شوہر کو پہونچے گا۔

پھر یہ کتنی تکلیف دہ بات ہوگی کہ ہم اس کی صحت کی حالت میں اس سے فائدہ اٹھائیں، اور دوا علاج کے

لئے اسے بے سہارا چھوڑ دیں، یا اس کے والدین کے سر ذمہ داری ڈال دیں۔ فقہاء نے جس زمانے میں یہ رائے دی تھی، اس زمانے میں نہ تو اتنے پیچیدہ امراض پیدا ہوئے تھے، اور نہ دوا علاج ضروریات زندگی میں داخل ہوا تھا، اس لئے شرعی مسئلہ کا تعلق عرف و حالات سے ہے، ظاہر ہے کہ اس وقت حالات بدل چکے ہیں۔ (اسلامی فقہ: ۲/۱۱۸، ۱۱۹)۔

وفی الدر المختار: وفيه أجره القابلة على من استأجرها من زوجة وزوج. ولو جانت بلا استئجار قيل: عليه، وقيل: عليها. وفي الشامية: (قوله: قيل عليه) عبارة البحر عن الخلاصة: فلقائل أن يقول: عليه لأنه مؤنة الجماع... ويظهر لي ترجيح الأول، لأن نفع القابلة معظمه يعود إلى الولد، فيكون على أبيه. تأمل. (الدر المختار مع رد المحتار ۳/۵۷۹، باب النفقة، ط: سعيد).

قال الدكتور وهبة الزحيلي في كتابه "الفقه الإسلامي وأدلته": ويظهر لدي أن مداواة لم تكن في الماضي حاجة أساسية، فلا يحتاج الإنسان غالباً إلى العلاج، لأنه يلتزم قواعد الصحة والوقاية، فاجتهاد الفقهاء مبني على عرف قائم في عصرهم. أما الآن فقد أصبحت الحاجة إلى العلاج كالحاجة إلى الطعام والغذاء، بل أهم، لأن المريض يفضل غالباً ما يتداوى به على كل شيء، وهل يمكنه تناول الطعام وهو يشكو ويتوجع من الآلام والأوجاع التي تبرح به وتجهده وتهده بالموت؟ لذا فإننا نرى وجوب نفقة الدواء على الزوج كغيرها من النفقات الضرورية، وكما تجب على الوالد نفقة الدواء اللازم للولد بالإجماع، وهل من حسن العشرة أن يستمتع الزوج بزوجته حال الصحة، ثم يردّها إلى أهلها لمعالجتها حال المرض؟! (الفقه الإسلامي وأدلته ۷/۷۹۴، نفقات العلاج، ط: دار الفكر). واللهم اعلم.

تفریق کے بعد چھ سات سالہ بچہ کا حکم:

سوال: زوجین کے درمیان میں تفریق ہوگئی، اور بچہ سات سال سے کم ہے، اور باپ کے بچہ کے

ساتھ تعلقات نہیں رکھے، تو کیا والد پر اس کا نفقہ واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ سات سال سے کم کے بچہ کا نفقہ ہر صورت میں والد پر لازم ہے، چاہے

تعلقات ہوں یا نہ ہوں۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

(وتجب) النفقة بأنواعها على الحر (لطفله) يعم الأنثى والجمع (الفقير) الحر. وفي الشامية: (قوله بأنواعها) من الطعام والكسوة والسكنى... (قوله لطفله) هو الولد حين يسقط من بطن أمه إلى أن يحتلم. (قوله الفقير) أي إن لم يبلغ حد الكسب... (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۶۱۲، باب النفقة، ط: سعيد).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

نفقة الأولاد الصغار على الأب لا يشار كه فيها أحد، كذا في الجوهرة النيرة... وبعد الفطام يفرض القاضي نفقة الصغار على قدر طاقة الأب، وتدفع إلى الأم حتى تنفق على الأولاد، فإن لم تكن الأم ثقة تدفع إلى غيرها لينفق على الولد... (الفتاوى الهندية: ۱/۵۶۱).

واللہ تعالیٰ اعلم۔

بچہ ملنے کا امکان نہ ہو تو نفقہ کا حکم:

سوال: اگر والدہ کا خاندان والد کو بچے کے دیکھنے کی اجازت بھی نہیں دیتا، اور سات سال پورے ہونے کے بعد ایک فیصد بھی والد کو بچے کے ملنے کا امکان نہیں، تو کیا پھر بھی اس کا نفقہ باپ پر لازم ہوگا، مثلاً والد مطالبہ کرتا ہے کہ بچہ ہفتہ میں ایک مرتبہ ہمارے گھر رہیگا، اور وہ لوگ اجازت نہیں دیتے تو کیا کم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ بچہ کھانے، پینے اور استنجاء کرنے کی قدرت نہیں رکھتا، وہاں تک یعنی سات

سال ماں کا حق حضانت ہے، اور اس درمیان نفقہ والد کے ذمہ ہے، ہاں سات سال کے بعد بچہ خود کھانے پینے

اور استنجا کی قدرت رکھتا ہے تو ماں کا حق ختم ہو چکا، اب بچہ والد کے پاس رہیگا۔ اگر والدہ اور اس کے گھر والے بلا کسی شرعی وجہ کے بچہ باپ کو سپرد نہ کریں تو بچہ کا نفقہ ساقط ہو جائے گا، یعنی باپ اس کا ذمہ دار نہیں ہوگا، نیز مدت حضانت کے درمیان والد کو ملاقات کی اجازت دینا چاہئے، ملاقات اور دیکھنے کی اجازت نہ دینا ظلم ہے۔

ملاحظہ فرمائیں البحر الرائق میں ہے:

والأم و الجدة أحق بالغلام حتى يستغني ، وقدر بسبع ، لأنه اذا استغنى يحتاج إلى تأديب والتخلق بآداب الرجال وأخلاقهم ، والأب أقدر على التأديب والتثقيف . وما ذكره المصنف من التقدير بسبع قول الخصاف اعتباراً للغالب ، لأن الظاهر أن الصغير إذا بلغ السبع يهتدي بنفسه إلى الأكل والشرب واللبس والاستنجاء وحده ، فلا حاجة إلى الحضانة ... لأن الأب مأمور أن يأمره بالصلاة إذا بلغها ، وإنما يكون ذلك إذا كان الولد عنده . (البحر الرائق: ۴/۱۶۹، ط: کوئٹہ).

در مختار میں ہے:

(وتجب) النفقة بأنواعها على الحر (لطفله) يعم الأنثى والجمع (الفقير) الحر . وفي الشامية: (قوله بأنواعها) من الطعام والكسوة والسكنى ... (قوله لطفله) هو الولد حين يسقط من بطن أمه إلى أن يحتلم . (قوله الفقير) أي إن لم يبلغ حد الكسب ... (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۶۱۲، باب النفقة، سعيد).

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

وفي الحاوي: الولد إذا كان عند أحد الأبوين لا يمنع الآخر عن النظر وعن تعاوده.

(الفتاوى التاتارخانية ۴/۹۰، حکم الولد عند افتراق الزوجين).

”خزانة الفقه“ میں ہے:

والمطلقة البائنة خرجت بولدها إلى موضع يقدر الزوج أن يزور ولده في يومه لها

ذلك، وإن خرجت إلى موضع لم يقدر الزوج أن يزوره في يومه لم يجز . (خزانة الفقه، باب

المقادی، ما زاد علی یوم واحد، ص ۳۲۴، المكتبة الغفورية العاصمية).

جامع احکام الصغار میں ہے:

إذا كان الغلام والجارية عند الأم فليس لها أن تمنع الأب من تعاھدھما، وإن صار
إلى الأب فليس له أن يمنع الأم من تعاھدھما والنظر إليھما. (جامع احکام الصغار: ۱/۱۰۱۔ وكذا
فی البحر الرائق مع الحاشیة: ۴/۱۷۳). واللہ تعالیٰ اعلم۔

بالغہ لڑکی ماں کے ساتھ رہنے پر مصر ہو تو نفقہ کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دیدے، اور اس کی بالغہ لڑکی ہو، اور وہ اپنی والدہ کے ساتھ رہنا
چاہتی ہے، والد کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی تو کیا اس کا نفقہ والد کے ذمہ ہوگا جبکہ لڑکی از خود نفقہ کا انتظام نہیں
کر سکتی؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ بالغہ لڑکی کا نفقہ والد کے ذمہ ہے، کیونکہ لڑکیوں کا نفقہ شادی ہونے تک
مطلقاً والد کے ذمہ ہوتا ہے، ہاں اگر لڑکی کے پاس مال ہو تو اپنے مال میں سے اپنے اوپر خرچ کرے گی۔
ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

ونفقة الإناث واجبة على الآباء ما لم يتزوجن إذا لم يكن لهن مال. كذا في الخلاصة.
(الفتاویٰ الہندیة: ۱/۵۶۳).

فتح القدیر میں ہے:

والأولاد إما صغار وإما كبار، فالأقسام أربعة: الأول أن يكون الأب غنياً والأولاد
كباراً، فإما إناث أو ذكور، فالإناث عليه نفقتهن إلى أن يتزوجن إذا لم يكن لهن مال، وليس
له أن يؤاجرهن في عمل ولا خدمة وإن كان لهن قدرة، وإذا طلقت وانقضت عدتها عادت
نفقتها على الأب. (فتح القدیر: ۴/۴۱۰، فصل في نفقة الأولاد الصغار۔ وكذا في الفتاویٰ التاتاریخانیة: ۴/۲۴۰،

نفقة ذوی الأرحام).

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

ونفقة البنت البالغة في ظاهر الرواية تكون على الأب خاصة. (فتاویٰ قاضی خان: ۱/۴۴۷).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

لڑکی کا نفقہ شادی تک والد پر ہے، البتہ اگر لڑکی خود مالدار ہو، یا کوئی ذریعہ معاش رکھتی ہو تو اس کا نفقہ والد پر نہیں۔ بالغ لڑکے کا نفقہ والد پر نہیں، البتہ وہ اگر کسی مرض وغیرہ کی وجہ سے کسب پر قادر نہ ہو، یا طالب علم ہو اور اس کا اپنا مال نہ ہو تو اس کا نفقہ والد پر ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۵/۴۶۳). واللہ اعلم۔

لڑکے کی شادی کے بعد گھر دینے کا حکم:

سوال: لڑکے کی شادی کے اخراجات اور شادی کے بعد گھر کا انتظام والد کے ذمہ لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: بالغ لڑکے کا نفقہ وغیرہ باپ پر لازم نہیں ہے، ہاں اگر وہ کسی مرض وغیرہ کی وجہ سے کسب پر قادر نہ ہو تو اس کا نفقہ والد پر لازم ہے۔ اور نفقہ میں کھانا کپڑا وغیرہ لازم ہے، لیکن شادی کے بعد الگ مکان باپ کے ذمہ لازم نہیں ہے، نیز شادی کے اخراجات مثلاً مہر، زوجہ کا نفقہ وغیرہ باپ کے ذمہ واجب نہیں ہے، ہاں اگر والد صاحب استطاعت ہے تو بیٹے کے لئے مکان کا انتظام کرنا کار خیر اور باعث ثواب ہے، اگرچہ واجب اور لازم نہیں۔

ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

ولا يجب عليه نفقة الذكور الكبار إلا أن يكون الولد عاجزاً عن الكسب لزمانة أو

مرض، فتكون نفقته على والده. (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الہندیہ: ۱/۴۴۵، فصل فی نفقة الأولاد).

فتح القدیر میں ہے:

أما الكبار فعلى الظاهر وإن لم يكونوا عاجزين لا نفقة لهم. (فتح القدیر: ۴/۴۱۰، دار الفکر).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

بالغ لڑکے کا نفقہ والد پر نہیں، البتہ اگر وہ کسی مرض وغیرہ کی وجہ سے کسب پر قادر نہ ہو، یا طالب علم دین ہو،

اور اس کا اپنا مال نہ ہو تو اس کا نفقہ والد پر ہے۔ اولاد کی شادی کے مصارف والد پر نہیں، لڑکی کی شادی پر تو کوئی خرچ ہے ہی نہیں، اس پر شادی کی وجہ سے کوئی چیز واجب نہیں ہوتی، بلکہ اس کے مصارف بھی شوہر کے ذمہ ہو جاتے ہیں، البتہ لڑکے کی شادی کے مصارف ہیں، جن میں سے مہر اور بیوی کا نفقہ واجب ہے، اور ولیمہ سنت ہے، ان میں سے کوئی خرچ بھی والد کے ذمہ نہیں۔ (احسن الفتاویٰ: ۵/۲۶۳)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بیوی کی تمام ضروریات پورا کرنے کا حکم:

سوال: کیا مرد کے لئے اپنی بیوی کی تمام ضروریات پورا کرنا لازم ہے؟ اور نفقہ کا کیا معیار ہے؟

الجواب: اگر مرد مالدار ہو یا اس کی آمدنی اچھی خاصی ہو، اور عورت بھی مالدار گھرانے کی ہو تو مرد کو اس کی حیثیت اور اس کے معیار زندگی کے بارے میں خیال کر کے نفقہ یعنی کھانا، کپڑا اور مکان دینا پڑے گا۔ اگر مرد خوش حال ہو، یا اس کی آمدنی خوش حال جیسی ہو، مگر عورت غریب گھرانے کی ہو تو مرد کو عورت کی حیثیت کے مطابق نہیں، اپنی حیثیت کے مطابق نان و نفقہ دینا چاہئے۔

ہاں اگر مرد غریب اور تنگ حال ہے، اور عورت بھی غریب گھر کی ہے، تو پھر مرد کو اپنی حیثیت کے مطابق ہی روٹی کپڑا دینا چاہئے۔ اور اگر کوئی مرد غریب ہو مگر عورت مالدار اور خوش حال گھرانے کی ہو تو مرد کو اپنی حیثیت کے ساتھ اس کی حیثیت کا لحاظ کر کے نفقہ دینا چاہئے، مگر خود عورت کا اخلاقی فرض یہ ہے کہ وہ مرد سے اس کی حیثیت سے زیادہ نفقہ طلب نہ کرے۔

آرائش و زیبائش کی وہ چیزیں جو عورتوں کی صحت و صفائی کے لئے ضروری ہے، وہ بھی نفقہ میں داخل ہیں، اور ان کا فراہم کرنا بھی مرد کے لئے ضروری ہے، مثلاً تیل، کنگھی، صابون، غسل اور وضو کا پانی وغیرہ، البتہ جو چیزیں محض آرائش و زیبائش کی ہوں اور ان سے کوئی ضرورت پوری نہ ہوتی ہو، مثلاً پان، تمباکو، کریم، پاؤڈر، لپسٹک وغیرہ، ان کا فراہم کرنا مرد پر ضروری نہیں ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (اسلامی فقہ: ۲/۱۱۵)۔

گھر کیسا ہونا چاہئے؟ اس کی تفصیل فقہاء نے اس طرح بیان کی ہے:

بیوی کو حتی الامکان شوہر کے گھر کے لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا چاہئے، تاکہ خواہ مخواہ مرد کو اس کی وجہ

سے دوسرے مول لینا پڑے، مگر اس کے باوجود مناسب یہ ہے کہ شوہر خود یا اس کے گھر والے عورت کے لئے گھر کا ایک گوشہ یا ایک کمرہ مخصوص کر دیں، تاکہ وہ اپنی چیزیں ایک جگہ حفاظت سے رکھ سکے، اور میاں بیوی وہاں بے تکلفی سے رہ سکے، اور گھر کے دوسرے لوگوں سے اس سلسلہ میں کوئی اختلاف کی نوبت نہ آئے۔

اگر عورت سب کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی ہے اور اپنے لئے ایک علاحدہ گھر کا مطالبہ کرتی ہے تو مرد کے لئے اس کو ایک علاحدہ کمرہ یا کم سے کم گھر کا کوئی گوشہ اس کے لئے مخصوص کر دینا ضروری ہے، جس کو وہ بند کر سکے۔ جو جگہ یا کمرہ اس نے اس کے لئے مخصوص کر دیا ہے، اس میں عورت جسے چاہے آنے دے اور جسے چاہے نہ آنے دے۔ اس کے علاوہ دوسری چیزیں مثلاً غسل خانہ، بیت الخلاء اور باورچی خانہ الگ دینا ضروری نہیں ہے۔ لیکن یہ اس صورت کا حکم ہے جب شوہر معمولی حیثیت کا ہو، لیکن اگر شوہر مالدار ہے تو اس کو ایسا گھر دینا چاہئے جس میں اس کی ضرورت کی تمام چیزیں ہوں، مثلاً غسل خانہ، بیت الخلاء، باورچی خانہ وغیرہ۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (اسلامی فقہ: ۱۲۱/۲)۔

در حقیقت نفقہ، سکنی کا مدار عرف پر ہے، اگر کسی ملک میں بیوی کو الگ مکان دینے کا عرف و رواج ہو تو شوہر بیوی کو الگ مکان دیدے۔ ہمارے خیال میں جنوبی افریقہ میں الگ مکان دینے کا رواج ہے، لہذا اس ملک میں بیوی کے مطالبہ پر شوہر کو الگ مکان دینا چاہئے، جس میں ضروری چیزیں ہوں، مثلاً غسل خانہ، بیت الخلاء، باورچی خانہ وغیرہ۔

ملاحظہ ہوشامی میں ہے:

وينبغي اعتماده في زماننا هذا، فقد مر أن الطعام والكسوة يختلفان باختلاف الزمان والمكان. وأهل بلادنا الشامية لا يسكنون في بيت من دار مشتملة على أجنب، وهذا في أوساطهم فضلاً عن أشرافهم إلا أن تكون داراً موروثه بين إخوة مثلاً، فيسكن كل منهم في جهة منها مع الاشتراك في مرافقها، فإذا تضررت زوجة أحدهم من أحمائها أو ضررتها، وأراد زوجها إسكانها في بيت منفرد من دار لجماعة أجنب وفي البيت مطبخ وخلاء يعدون ذلك من أعظم العار عليهم، فينبغي الإفتاء بلزوم دار من بابها. نعم ينبغي أن لا يلزمه

إسكانها في دار واسعة كدار أبيها أو كداره التي هو ساكن فيها، لأن كثيراً من الأوساط والأشراف يسكنون الدار الصغيرة . وهذا موافق لما قدمناه عن الملتقط من قوله اعتباراً في السكنى بالمعروف، إذ لا شك أن المعروف يختلف باختلاف الزمان والمكان، فعلى المفتي أن ينظر إلى حال أهل زمانه وبلده، إذ بدون ذلك لا يحصل المعاشرة بالمعروف. وقد قال الله تعالى: ﴿ولا تضاروهن لتضيقوا عليهن﴾. (فتاوى الشامى: ۳/۶۰۱-۶۰۲، ط: سعيد).

وفي البحر الرائق: واتفقوا على وجوب نفقة الموسرين إذا كانا موسرين، وعلى نفقة المعسرین إذا كانا معسرین، وإنما الاختلاف فيما إذا كان أحدهما موسراً والآخر معسراً... أما على المفتي به فتجب نفقة الوسط في المسنتين، وهي فوق نفقة المعسرة ودون نفقة الموسرة. (البحر الرائق: ۴/۱۷۵).

وفي المجتبى أن ذلك يختلف باختلاف الأماكن والعادات فيجب على القاضي اعتبار الكفاية بالمعروف في كل وقت ومكان. (البحر الرائق: ۴/۱۷۷).
احسن الفتاوی میں ہے:

اگر بیوی مالدار ہو تو اسے الگ مکان دینا واجب ہے، متوسط درجہ کی ہو تو اسی مکان میں ایک مستقل کمرہ کے علاوہ باورچی خانہ، غسلخانہ، اور بیت الخلاء بھی مستقل ہونا ضروری ہے۔ مسکین ہو تو صرف ایک کمرہ کافی ہے۔ باورچی خانہ، غسلخانہ، اور بیت الخلاء مشترک ہوں تو مضائقہ نہیں۔ (احسن الفتاوی: ۵/۵۷۶)۔
لیکن جھگڑے کی صورت میں، یا شوہر کے رشتہ داروں کے ہر وقت آنے کی صورت میں بیوی الگ مکان کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

متاع البیت کا حکم:

سوال: جس گھر میں میاں بیوی رہتے تھے بعد الطلاق اس گھر کے سامان کے بارے میں کیا حکم ہے؟
شوہر بیوی میں سے کون زیادہ حقدار ہے؟ مثلاً گھڑی، بیڈشیٹ وغیرہ کیا بیوی رکھے گی یا شوہر کو واپس کر دے گی؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ جن اشیاء کے متعلق معلوم ہے کہ شوہر کی ملکیت ہے، وہ شوہر کی ہیں، اور جن اشیاء کے متعلق معلوم ہے کہ بیوی کی ملکیت ہے، وہ بیوی کی ہیں، مثلاً بیوی کو والدین کی جانب سے ملی ہوئی چیزیں بیوی کی ہیں، یا بیوی کے رشتہ داروں نے شادی کے وقت بیوی کے نام سے دی ہیں، وہ سب بیوی کی ہیں، نیز جو سامان بیوی نے اپنی رقم سے خریدا وہ بھی بیوی کا ہے، یا شوہر نے کوئی چیز ہبہ کی ہے، وہ بھی بیوی کی ہیں، اور جس سامان کے متعلق معلوم نہ ہو یا اس کے بارے میں اختلاف ہو اور کسی کے پاس گواہ نہ ہو اس میں تفصیل یہ ہے کہ جو سامان مرد کے استعمال کے قبیل سے ہے تو وہ سامان قسم کے ساتھ مرد کو ملے گا، اور جو عورتوں کے استعمال کی چیزیں ہیں وہ قسم کے ساتھ بیوی کو ملیں گی، اور جو دونوں کے استعمال کی چیز ہے وہ قسم کے ساتھ شوہر لیگا، جب گھڑی وغیرہ کے بارے میں معلوم ہے کہ شوہر کے ہیں تو شوہر کو دینا لازم ہے۔

ملاحظہ فرمائیں البحر الرائق میں ہے:

قوله "وله فيما يصلح لهما" أي القول له في متاع يصلح للرجل والمرأة، لأن المرأة وما في يدها في يد الزوج، والقول في الدعاوى لصاحب اليد، بخلاف ما يختص بها لأنه يعارضه ظاهر أقوى منه، ولا فرق بين ما إذا كان الاختلاف حال قيام النكاح أو بعد ما وقعت الفارقة، وما يصلح لهما: الفرش والأمتعة والأواني والرقيق والمنزل والعقار والمواشي والنقود كما في الكافي، وبه علم أن البيت للزوج إلا أن يكون لها بينة، وعزاه في خزنة الأكمل إلى الإمام الأعظم، وفي الخانية: ولو أقاما البينة يقضى ببينتها، لأنها خارجة معني.

(البحر الرائق: ۷/۲۲۶، باب التحالف، كونه).

وفيه أيضاً: (وإن اختلف الزوجان في متاع البيت فالقول لكل واحد منهما فيما يصلح له) لأن الظاهر شاهد له، والمتاع لغة: كل ما ينتفع به كالطعام والبر وأثاث البيت، وأصله ما ينتفع به من الزاد... قالوا: والصالح له العمامة والقباء والقلنسوة والطيلسان والسلاح والمنطقة والكتب والفرس والدرع الحديد، فالقول في ذلك له مع يمينه، وما يصلح لها: الخمار والدرع والأساور وخواتم النساء والحلي والخلخال ونحوها، فالقول

لہا فیہا مع الیمین، قالوا: إلا إذا کان الزوج یبیع ما یصلح لہا فالقول لہ لتعارض الظاہرین،
وکذا إذا كانت تبیع ما یصلح لہ لا یقبل قوله لما ذکرنا. (البحر الرائق: ۲۲۵/۷، باب التحالف)

(وکذا فی الدر المختار: ۲۹/۸۔ وفتح القدیر: ۲۳۶/۸، دار الفکر۔ ومجمع الأنهر فی شرح ملتقى الأبحر

۲/۲۶۸)۔ واللہ اعلم۔

عصری تعلیم کے لئے مفقود کے مال سے نفقہ کا حکم:

سوال: زید مفقود الخبر ہے، اس کی ایک بیوی اور بچے ہیں، بعض بالغ اور بعض نابالغ ہیں، خاندان من
ابناء الکرام ہیں، ایک بچہ جو کہ بالغ ہے باپ کے مال سے انگریزی تعلیم کا خرچہ ادا کرنا چاہتا ہے، کیا وہ بالغ بچہ
انگریزی تعلیم کا خرچہ باپ کے مال سے ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورت مسئلہ مفقود غائب کی طرح ہے، اور غائب کے بالغ بچوں کو نفقہ دیا جاسکتا ہے،
بشرطیکہ کمانے سے عاجز ہوں، یا کمانے سے عار لاحق ہوتی ہو، یا طلب علم دین میں مصروف ہوں اور کمانے کی
فرصت نہیں۔ لیکن عصری اور انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے لئے مفقود کے مال سے نہیں دیا جائے گا۔ اولاً اس
لئے کہ طلب علم سے دین کا علم مراد ہے۔ ثانیاً اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ ہمارے بچوں کی اس طرح تعلیم پوری
ہو جائیگی یا ان کی تمنائیں پوری کی جائیں گی۔ ثالثاً تعلیم حاصل کرنے والا اس زمانہ میں باسانی اعلیٰ تعلیم کے لئے
اپنے رشتہ داروں یا دوست و احباب سے قرض وغیرہ لے سکتا ہے، لہذا ایسی تعلیم پر مفقود کا مال خرچ نہ کیا جائے۔
ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

وکذا تجب لولده الكبير العاجز عن الکسب کأنشی مطلقاً، وزمن، ومن یلحقه العار
بالتکسب، وطالب علم لا یتفرغ لذلك، کذا فی الزیلعی والعینی. وأفتی أبو حامد بعدمہا
لطلبة زماننا کما بسطہ فی القنیة. وفي الشامية: (قوله ومن یلحقه العار بالتکسب) کذا فی
البحر والزیلعی... الأولى ما فی المنح عن الخلاصة: إذا کان من أبناء الکرام ولا یستأجره
الناس فهو عاجز. ومثله فی الفتح... (قوله کما بسطہ فی القنیة) حاصله أن السلف قالوا

بوجوب نفقته علی الأب، لکن أفتی أبو حامد بعدمه لفساد أحوال أكثرهم، ومن كان بخلافهم نادر في هذا الزمان، فلا يفرد بالحكم دفعاً لخرج التمييز بين المصلح والمفسد. قال صاحب القنية: لکن بعد الفتنة العامة يعني فتنة التاتار التي ذهب بها أكثر العلماء والمتعلمين نرى المشتغلين بالفقه والأدب اللذين هما قواعد الدين وأصول كلام العرب، يمنعهم الاشتغال بالكسب عن التحصيل، ويؤدي إلى ضياع العلم والتعطيل، فكان المختار الآن قول السلف، وهفوات البعض لا تمنع الوجوب كالأولاد والأقارب. ملخصاً. وأقره في البحر. وقال ح: وأقول: الحق الذي تقبله الطباع المستقيمة ولا تنفر منه الأذواق السليمة: القول بوجوبها لدى الرشد لا غيره، ولا حرج في التمييز بين المصلح والمفسد لظهور مسالك الاستقامة وتمييزه عن غيره. وبالله التوفيق. (الدر المختار مع الشامی: ۶۱۴/۳، باب النفقة، ط: سعيد).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وقال الإمام الحلواني: إذا كان الابن من أبناء الكرام ولا يستأجره الناس فهو عاجز، وكذا طلبة العلم إذا كانوا عاجزين عن الكسب لا يهتدون إليه لا تسقط نفقتهم عن آبائهم إذا كانوا مشغولين بالعلوم الشرعية، لا بالخلافات الركيكة وهذيان الفلاسفة ولهم رشد، وإلا لا تجب، كذا في الوجيز للكردي. (الفتاویٰ الہندیہ: ۵۶۳/۱، باب النفقة).

(و كذا في الفتاویٰ البرازیة: ۱۶۴/۴، التاسع عشر فی النفقات). واللہ تعالیٰ اعلم۔

بوڑھے محتاج والد کا نفقہ اولاد کے ذمہ ہونے کا حکم:

سوال: ایک شخص بوڑھا محتاج ہے، اس کا ایک بیٹا ہے اور ایک بیٹی ہے، اور دونوں صاحب حیثیت مالدار ہیں، تو اس بوڑھے شخص کا نفقہ اور خدمت دونوں پر برابر ہے یا صرف بیٹے پر ہے؟ اور اگر یہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک خود محتاج ہے تو پھر کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ اولاد کے مالدار اور صاحبِ حیثیت ہونے کی وجہ سے بوڑھے والد کا نفقہ اور خدمت دونوں پر یکساں ہیں، ہاں اولاد خود محتاج ہوں تو ان پر نفقہ لازم نہیں ہے، اور مالدار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس نصاب کا مالک ہو جس سے صدقہ لینا حرام ہوتا ہے، نیز اگر دونوں کے درمیان مالداری کا تفاوت فاحش ہو تو پھر تفاوت کے موافق نفقہ لازم ہوگا۔

عالمگیری میں ہے:

قال: ويجبر الولد الموسر على نفقة الوالدين المعسرين، مسلمين كانا أو ذميين قدرا على الكسب أو لم يقدر... اليسار مقدر بالنصاب فيما روي عن أبي يوسف رحمه الله تعالى، وعليه الفتوى. والنصاب نصاب حرمان الصدقة، هكذا في الهداية. وإذا اختلقت الذكور والإناث فنفقة الأبوين عليهما على السوية في ظاهر الرواية، وبه أخذ الفقيه أبو الليث، وبه يفتى. كذا في الوجيز للكردي... قال الشيخ الإمام شمس الأئمة: قال مشايخنا رحمهم الله تعالى: إنما تكون النفقة عليهما على السواء إذا تفاوتتا في اليسار تفاوتاً يسيراً، وأما إذا تفاوتتا تفاوتاً فاحشاً فيجب أن يتفاوتتا في قدر النفقة، كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية ۱/ ۵۶۴، ۵۶۵، فصل في نفقة ذوى الأرحام).

وفي فتاوى الشامية: (قوله يسار الفطرة على الأرجح) أي بأن يملك ما يحرم به أخذ الزكاة، وهو نصاب ولو غير نام، فاضل عن حوائجه الأصلية، وهذا قول أبي يوسف. وفي الهداية: وعليه الفتوى. صححه في الذخيرة، ومشى عليه في متن الملتقى، وفي البحر: أنه الأرجح، وفي الخلاصة: أنه نصاب الزكاة، وبه يفتى. واختاره الولوالجي... ثم اعلم أن ما ذكره المصنف من اشتراط اليسار في نفقة الأصول صرح به في كافي الحاكم والدرر والنقاية والفتح والملتقى والمواهب والبحر والنهر. وفي كافي الحاكم أيضاً: ولا يجبر المعسر على نفقة أحد إلا على نفقة الزوجة والولد. ومثله في الاختيار، ونحوه في الهداية. وفي الخانية: لا يجب على الابن الفقير نفقة والده الفقير حكماً إلا أن كان والده

زمناً لا يقدر على العمل وللابن عيال فعليه أن يضمه إلى عياله وينفق على الكل. وفي الذخيرة أنه ظاهر الرواية عن أصحابنا. (فتاویٰ الشامی: ۳/۶۲۱، باب النفقة).

الفقه الاسلامی وادلتہ میں ہے:

تجب النفقة على الموسر لقربه، واليسار عند الحنفية على الأرجح المفتى به: هو يسار الفطرة: وهو أن يملك ما يحرم عليه به أخذ الزكاة وهو نصاب ولو غير نام، فاضل عن حوائجه الأصلية. (الفقه الاسلامی وادلتہ: ۷/۷۷۲، حد اليسار).

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

وإذا اختلط الذكور والإناث فنفقة الأبوين عليهما على السواء في ظاهر الرواية، وبه أخذ الفقيه أبو الليث، وبه يفتى. (الفتاویٰ البزازیہ: ۴/۱۶۴). واللہ تعالیٰ اعلم۔

معذور فقیر بھائی کا نفقہ بہنوں کے ذمہ ہونے کا حکم:

سوال: ایک شخص فقیر و معذور ہے، اسکی والدہ ہے اور ایک حقیقی بہن، ایک ماں شریک بہن اور ایک باپ شریک بہن ہے، تو اس شخص کا نفقہ کس کے ذمہ ہوگا؟ جب کہ یہ سب اغنیاء اور مالدار ہیں۔

الجواب: بصورت مسئلہ معذور فقیر شخص کا نفقہ مذکورہ بالا تمام حضرات پر بقدر میراث لازم ہوگا۔ یعنی اس شخص کے انتقال پر مذکورہ ورثاء میں سے ہر ایک کو جتنا حصہ شرعی طور پر مل سکتا ہے، اسی حصہ کے بقدر نفقہ لازم ہوگا۔ ﴿وعلی الوارث مثل ذلک﴾ اور ”الغرم بالغنم“ کے قاعدہ کے تحت۔ شرعی میراث کے حصے ملاحظہ فرمائیں:

(۱) والدہ: ۱۶.۶۷۔

(۲) حقیقی بہن: ۵۰۔

(۳) ماں شریک بہن: ۱۶.۶۷۔

(۴) باپ شریک بہن: ۱۶.۶۷۔

الغرض مذکورہ بالا حصوں کے مطابق ہر ایک پر نفقہ لازم ہوگا۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وتجب أيضاً لكل ذي رحم محرم صغير أو أنثى مطلقاً ولو كانت الأنثى بالغة صحيحة، أو كان الذكر بالغاً لكن عاجزاً عن الكسب بنحو زمانة كعمى وعته وفلج. زاد في الملتقى والمختار: أو لا يحسن الكسب لحرفة أو لكونه من ذوى البيوتات أو طالب علم فقيراً، حال من المجموع بحيث تحل له الصدقة، ولو له منزل وخادم على الصواب، بدائع. بقدر الإرث لقوله تعالى: ﴿وعلى الوارث مثل ذلك﴾، ولذا يجبر عليه. وفي الشامية: (قوله بقدر الإرث) أي تجب نفقة المحرم الفقير على من يرثونه إذا مات بقدر إرثهم منه. (قوله وعلى الوارث مثل ذلك) أي مثل الرزق والكسوة التي وجبت على المولود له، فأناط الله تعالى النفقة باسم الوارث، فوجب التقدير بالإرث. (الدر المختار مع الشامي: ۳/۶۲۷، ۶۲۹، باب النفقة، ط: سعيد).

و کذا فی (فتح القدير: ۴/۴۲۰ مع الهدایة، وشرح العناية علی هامش فتح القدير: ۴/۴۲۰).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: والنفقة لكل ذي رحم محرم إذا كان صغيراً فقيراً أو كانت امرأة بالغة فقيرة، أو كان ذكراً فقيراً زمنياً أو أعمى، ويجب ذلك على قدر الميراث، ويجبر عليه كذا في الهداية. وتعتبر أهلية الإرث، لا حقيقته كذا في النقاية. (الفتاویٰ الہندیة: ۱/۵۶۵، فصل فی نفقة ذوی الأرحام۔ و کذا فی البحر الرائق: ۴/۲۰۹، کوئٹہ)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

والد اور اولاد کی موجودگی میں نفقہ کا حکم:

سوال: ایک آدمی کمزور اور بیمار ہے، اس کا بیٹا اور بیٹی اور والد موجود ہیں، تو اس کا نفقہ کس پر لازم

ہوگا؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ کمزور اور ناتواں شخص کا نفقہ اس کے بیٹے اور بیٹی پر برابر لازم ہوگا، اور والد

پر کچھ لازم نہیں ہے، اس لئے کہ ولد اقرب ہے، اور اصول وفروع کے اجتماع کے وقت جزئیت اور اقرب کا اعتبار ہوتا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

النفقة لأصوله ولو أب أمه، ذخيرة. الفقراء ولو قادرين على الكسب... بالسوية بين الإبن والبنت، وقيل: كالإرث... والمعتبر فيه القرب والجزئية. وفي الشامية: (قوله بالسوية بين الإبن والبنت) هو ظاهر الرواية، وهو الصحيح، هداية. وبه يفتى، خلاصة. وهو الحق، فتح. وكذا لو كان للفقير ابنان أحدهما فائق في الغنى والآخر يملك نصاباً فهي عليهما سوية، خانية. وعزاه في الذخيرة إلى مبسوط محمد، ثم نقل عن الحلواني: قال مشايخنا: هذا لو تفاوتتا في اليسار تفاوتاً يسيراً، فلو فاحشاً يجب التفاوت فيها، بحر.

(قوله والمعتبر فيه القرب والجزئية لا الإرث) أي الأصل في نفقة الوالدين والمولودين القرب بعد الجزئية دون الميراث، كذا في الفتح. أي تعتبر أولاً الجزئية: أي جهة الولاد أصولاً أو فروعاً، وتقدم على غيرها من الرحم، ثم يقدم فيها الأقرب فالأقرب، ولا ينظر إلى الإرث... إلى قوله: القسم الثالث: الفروع مع الأصول، والمعتبر فيه الأقرب جزئية، فإن لم يوجد اعتبر الترجيح، فإن لم يوجد اعتبر الإرث، ففي أب وابن تجب على الإبن لترجيحه بـ "أنت ومالك لأبيك" ذخيرة وبدائع. (الدر المختار مع فتاوى الشامى: ۳/۶۲۳، ۶۲۴، باب النفقة، ط: سعيد۔ وكذا في فتح القدير مع الهداية: ۴/۴۱۷، دار الفکر).

وفي الهندية: وإذا اختلطت الذكور والإناث فنفقة الأبوين عليهما على السوية في ظاهر الرواية، وبه أخذ الفقيه أبو الليث، وبه يفتى. كذا في الوجيز للكردي. (الفتاوى الهندية: ۵۶۴/۱، فصل في نفقة ذوى الأرحام).

البحر الرائق میں ہے:

وإن الولد إذا كان غنياً والأب محتاجاً لم يشارك الولد أحد في نفقة الوالد، ذكره

المصنف فی شرح المنار . (البحر الرائق: ۴/۲۰۱، باب النفقة، ط: کوئٹہ). واللہ تعالیٰ اعلم۔

بالغ اولاد کا نفقہ والد کے ذمہ ہونے کا حکم:

سوال: اگر بالغ اولاد معذور ہو اور ان کے والدین دونوں متمول اور مالدار ہوں تو اس کا نفقہ دونوں پر ہے یا صرف والد پر؟ اگر دونوں پر ہو تو کس حساب سے ہوگا؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ ظاہر الروایہ کے مطابق معذور اولاد کا نفقہ صرف والد صاحب پر لازم ہے والدہ پر کچھ لازم نہیں ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔
ملاحظہ فرمائیں ہدایہ میں ہے:

قال (الإمام القدوری): وتجب نفقة الابنة البالغة والابن الزمن على أبويه أثلاثاً على الأب الشلثان وعلى الأم الثلث... قال العبد الضعيف هذا الذي ذكره رواية الخصاص والحسن وفي ظاهر الرواية كل النفقة على الأب. (الهداية: ۲/۴۴۷).
علامہ سرحسّی نے ظاہر الروایہ کو ترجیح دی ہے ملاحظہ ہو:

وإن كانوا ذكوراً بالغين لم يجبر الأب على الإنفاق عليهم لقدرتهم على الكسب إلا من كان منهم زماً أو أعمى أو مقعداً أو شلّ اليدين... فحينئذٍ تجب النفقة على الوالد. (المبسوط للسرْحَسِيِّ: ۵/۲۲۲).

درمختار میں ہے:

وكذا تجب لولده الكبير العاجز عن الكسب كأنشى مطلقاً وزمن... لا يشاركه أى الأب ولو فقيراً أحد في ذلك... به يفتى مالم يكن معسراً قال الشامي: قوله وبه يفتى راجع إلى مسألة الفروع ومقابله ماروي عن الإمام أن نفقة الولد على الأب والأم أثلاثاً يعني الكبير أما الصغير فعلى أبيه خاصة بلا خلاف... وصرح العلامة قاسم بأن عدم الفرق بينهما هو ظاهر الرواية وبأن عليه الفتوى فلذا تبعه الشارع. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۶۱۵).

مزید ملاحظہ ہو: (الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۵۶۳، وکنز الدقائق، ص ۱۵۵، ومنحة الخالق: ۴/۲۰۸، واحسن الفتاویٰ: ۵/۴۶۳). واللہ تعالیٰ اعلم۔

غیر مسلم والدین کے نفقہ کا حکم:

سوال: اگر کسی کے والدین غیر مسلم ہیں تو ان کا نفقہ لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ غیر مسلم والدین کا نفقہ بیٹے کے ذمہ واجب اور لازم ہے، بشرطیکہ والدین حربی نہ ہوں۔

ملاحظہ فرمائیں ہدایہ میں ہے:

وعلى الرجل أن ينفق على أبويه وأجداده وجداته إذا كانوا فقراء وإن خالفوه في دينه. أما الأبوان فلقوله تعالى: ﴿وصاحبهما في الدنيا معروفا﴾ نزلت في الأبوين الكافرين، وليس من المعروف أن يعيش في نعم الله تعالى ويتركهما يموتان جوعاً... ولا تجب النفقة مع اختلاف الدين إلا للزوجة والأبوين والأجداد والجندات والولد وولد الولد... إلا أنهم إذا كانوا حربيين لا تجب نفقتهم على المسلم وإن كانوا مستأمنين، لأننا نهينا عن البر في حق من يقاتلنا في الدين.

وفي فتح القدير: فأما الآباء الحربيون فإن كانوا مستأمنين في دارنا لا يجبر الابن على النفقة عليهم لقوله تعالى: ﴿لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم﴾ (إلى قوله) إنما ينهاكم الله عن الذين قاتلوكم في الدين. (الهداية مع فتح القدير: ۴/۴۱۵، باب النفقة، ط: دار الفکر).

وفي شرح العناية: فقد فسر النبي صلى الله عليه وسلم حسن المصاحبة بأن يطعمهما إذا جاعا، ويكسوهما إذا عريا، وكلامه واضح. (شرح العناية: ۴/۴۱۶، دار الفکر).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (فتاویٰ الشامی: ۳/۶۳۱۔ و الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۵۶۴۔ والبحر الرائق: ۴/۲۰۵). واللہ تعالیٰ اعلم۔

والدین کا مرتد لڑکے سے نفقہ قبول کرنے کا حکم:

سوال: مسلمان والدین مرتد لڑکے سے نفقہ قبول کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ اس کے علاوہ ان کے لیے اور کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔

الجواب: مرتد اگر اسلام میں واپس نہ آئے تو اس کی سزا شرعاً قتل ہے، لیکن غیر مسلم ممالک میں سزا کا قانون نہیں ہے اس لیے مرتد کافر کے حکم میں ہوگا اور کافر سے تو ہدیہ قبول کرنا جائز ہے، لیکن مرتد کے ساتھ بائیکاٹ کرنا چاہئے، اور اس سے نفقہ قبول نہیں کرنا چاہئے، اور مسلمانوں کو چاہئے کہ اس کے والدین کے لیے نفقہ کا انتظام کر لیں۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله مع الاختلاف دیناً ای کالکفر والإسلام ، فلا يجب علی أحدهما الإنفاق علی الآخر ، وفيه إشعار بأن نفقة السکنی علی المسر الشیعی كما یشیر إلیه فی التکمیل قهستانی، والمراد الشیعی المفضل ، بخلاف الساب القاذف فإنه مرتد یقتل إن ثبت علیه ذلك ، فإن لم یقتل تساهلاً فی إقامة الحدود فالظاهر عدم الوجوب ، لأن مدار نفقة الرحم المحرم علی أهلیة الإرث ، ولاتوارث بین مسلم ومرتد ، نعم لو کان یجحد ذلك ولا بینة یعامل بالظاهر وإن اشتهر حاله بخلافه ، واللہ سبحانہ أعلم . (فتاویٰ الشامی: ۳/۶۳۱).

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحبؒ فرماتے ہیں:

غیر مسلم کے ساتھ کھانا پینا جائز ہے مگر مرتد کے ساتھ جائز نہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱/۶۹)۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں: غیر مسلم کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے، بشرطیکہ ناپاک نہ ہو۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱/۶۷)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی:

﴿وَالْوَالِدَاتُ یَرْضَعْنَ اَوْلَآئَهُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ
لَمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّتِمَّ الرِّضَاعَةُ﴾

(سورة البقرة: الآیة: ۲۳۳)

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ:

”یَحْرَمُ مِنَ الرِّضَاعِ مَا یَحْرَمُ مِنَ النِّسْبِ“

(رواه البخاری)

بَابُ الرِّضَاعِ

رضاعت کا بیان

مطلق رضاعت سے حرمت کا ثبوت اور خمس رضاعات کی تحقیق:

سوال: بعض آزاد خیال لوگ یہ اشکال کرتے ہیں کہ مسلم شریف کی روایت میں مذکور ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو اس وقت پانچ رضاعات یعنی پانچ دفعہ دودھ پلانے کی تلاوت ہوتی رہی، حالانکہ قرآن کریم میں پانچ رضاعات کا نام و نشان نہیں۔
مسلم شریف کی روایت حسب ذیل ہے:

كان فيما أنزل من القرآن عشر رضاعات معلومات يحرم من، ثم نسخن بخمس معلومات، فتوفي رسول الله صلى الله عليه وسلم وهي فيما يقرأ من القرآن. (رواه مسلم: ٤٦٩/١)

اس روایت سے بظاہر قرآن پر زد پڑتی ہے کہ آپ کی وفات کے بعد پانچ رضاعات کہاں گئے، حالانکہ قرآن کریم قطعاً محفوظ ہے۔

قال الله تعالى: ﴿إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون﴾. (سورة الحجر: ٩).

وقال: ﴿لا يأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه، تنزيل من حكيم

حميد﴾. (فصلت: ٤٢).

وقال: ﴿بل هو آيات بينات في صدور الذين أوتوا العلم﴾. (العنكبوت: ٤٩).

اس اشکال کا کیا جواب ہے؟

الجواب: (۱) اس اشکال کا مختصر حل یہ ہے کہ اس میں یہ الفاظ کہ ”دس رضاعات پانچ رضاعات سے منسوخ ہوئیں“ سب روایات میں موجود ہیں، اور یہ الفاظ ”فتوفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہی فیما یقرأ من القرآن“ عمرہ کے شاگردوں میں سے صرف عبد اللہ بن ابی بکر بیان کرتے ہیں۔ عمرہ کے دوسرے شاگرد تکیہ بن سعید انصاری جن کی روایت مسلم شریف (۱/۶۹۷) میں اور قاسم بن محمد جن کی روایت ”المختصر من المختصر“ (۱/۳۲۱) میں موجود ہے، ان دونوں میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ صحیح اور رائج روایت صرف یہ ہے: کہ دس رضعات کو پانچ رضعات نے منسوخ کر دیا۔ باقی یہ الفاظ ”رسول اللہ صلی اللہ کی وفات کے بعد یہ الفاظ پڑھے جاتے تھے“ شاذ ہیں، کیونکہ محمد بن قاسم اور تکیہ بن سعید قطان کا مرتبہ عبد اللہ بن ابی بکر سے بڑھا ہوا ہے، اور وہ یہ الفاظ بیان نہیں کرتے۔

(۲) ممکن ہے کہ پانچ رضاعت والی آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری زندگی میں منسوخ ہوئی ہو اور بعض صحابہ کونسخ کا علم نہ ہوا ہو، اور وہ تلاوت کرتے رہے ہوں، ورنہ یہ آیت اگر منسوخ نہ ہوتی تو قرآن کریم میں شامل ہوتی، حالانکہ قرآن میں اس کا وجود نہیں۔
ملاحظہ فرمائیں علامہ طحاویؒ فرماتے ہیں:

حدثنا یونس بن عبد الأعلى قال انا ابن وهب أن مالکاً حدثه عن عبد الله بن أبي بکر عن عمرة ابنة عبد الرحمن عن عائشة أم المؤمنين رضي الله عنها أنها قالت: كان فيما أنزل من القرآن ”عشر رضاعاتٍ معلوماتٍ يحرم من“ ثم نسخن بخمس معلومات، فتوفي رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو فيما يقرأ من القرآن.

قال أبو جعفر: وهذا ممن لا نعلم أحداً رواه كما ذكرنا غير عبد الله بن أبي بکر، وهو عندنا وهم منه، أعني ما فيه مما حكاہ عن عائشة رضي الله عنها ”أن رسول الله صلى الله عليه وسلم توفي وهو فيما يقرأ من القرآن“ لأن ذلك لو كان كذلك لكان كسائر القرآن ولجاز أن يقرأ به في الصلوات، وحاشا لله أن يكون كذلك، أو يكون قد بقي من

القرآن ما ليس فى المصاحف التى قامت بها الحجة علينا، وكان من كفر بحرف مما فيها كافراً، ولكان لو بقي من القرآن غير ما فيها لجاز أن يكون ما فيها منسوخاً لا يجب العمل به، وما ليس فيها ناسخ يجب العمل به، وفى ذلك ارتفاع وجوب العمل بما فى أيدينا مما هو القرآن عندنا، ونعوذ بالله من هذا القول وممن يقوله.

ولكن حقيقة هذا الحديث عندنا - والله أعلم - ما قد رواه من أهل العلم عن عمرة عن عائشة رضى الله تعالى عنها من مقدارها فى العلم وضبطه له فوق مقدار عبد الله بن أبي بكر، وهو القاسم بن محمد بن أبي بكر الصديق رضى الله عنه. كما حدثنا محمد بن خزيمة قال ثنا حجاج بن منهال قال ثنا حماد بن سلمة عن عبد الرحمن بن القاسم عن القاسم بن محمد عن عمرة عن عائشة رضى الله عنها قالت: كان مما نزل من القرآن ثم سقط أن "لا يحرم من الرضاع إلا عشر رضعات" ثم نزل بعد "أو خمس رضعات". فهذا الحديث أولى من الحديث الذى ذكرناه قبله، وفيه أنه أنزل من القرآن ثم سقط، فدل ذلك أنه مما أخرج من القرآن نسخاً له منه، كما أخرج من سواه من القرآن مما تقدم ذكرنا له وأعيد إلى السنة.

وقد تابع القاسم بن محمد على إسقاط ما فى حديث عبد الله بن أبي بكر "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم توفي وأن ذلك مما يقرأ من القرآن" إمام من أئمة زمنه وهو يحيى بن سعيد الأنصاري كما قد حدثنا محمد بن خزيمة قال ثنا حجاج بن منهال قال ثنا حماد بن سلمة عن يحيى بن سعيد عن عمرة عن عائشة رضى الله عنها قالت: نزل من القرآن "لا يحرم إلا عشر رضعات" ثم نزل بعد "أو خمس رضعات". وكما حدثنا روح بن الفرغ قال ثنا يحيى بن عبد الله بن بكير قال ثنى الليث بن سعيد عن يحيى بن سعيد عن عمرة عن عائشة رضى الله عنها قالت: أنزل فى القرآن "لا يحرم إلا عشر رضعات معلومات" ثم أنزل "خمس رضعات".

قال أبو جعفر: فهذا أولى مما رواه عبد الله بن أبي بكر، لأن محالاً أن تكون عائشة

تعلم أنه قد بقي من القرآن شيء لم يكتب في المصاحف، ثم لا تنبه على ذلك من أغفله. لكن حقيقة الأمر كان في ذلك - والله أعلم - أن ذلك كان مما قد كان نزل قرآناً، ثم نسخ فأخرج من القرآن وأعيد سنة، كما سواه من هذا الجنس مما تقدم ذكرنا له في كتابنا هذا. ومما يدل على فساد ما قد زاده عبد الله بن أبي بكر على القاسم بن محمد ويحيى بن سعيد في هذا الحديث أنا لا نعلم أن أحداً من أئمة أهل العلم روى هذا الحديث عن عبد الله بن أبي بكر غير مالك بن أنس، ثم تركه مالك فلم يقل به وقال بضده وذهب إلى أن قليل الرضاع وكثيره يحرم. ولو كان ما في هذا الحديث صحيحاً أن ذلك في كتاب الله عز وجل لكان مما لا يخالفه ولا يقول بغيره. والله عز وجل نسأله التوفيق. (شرح مشكل الآثار للإمام الطحاوي بتحقيق شعيب الأرناؤوط، ۵/ ۳۱۱-۳۱۵، ط: مؤسسة الرسالة، بيروت - وكذا في تحفة الأختار بترتيب مشكل الآثار: ۴/ ۱۰۶-۱۰۸).

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم تکملتہ فتح الملہم میں امام طحاویؒ کی مذکورہ بالا عبارت کا خلاصہ ذکر فرمانے کے بعد مزید تحریر فرماتے ہیں:

قال العبد الضعيف: وممن حكم على هذه الزيادة بالوهم: القاضي أبو بكر بن العربي في عارضة الأحوذی (۹۲/۵) حيث يقول: "وقد قيل: إن هذه وهم منه، وإن الحديث الصحيح ما رواه القاسم دون ذكر هذا، فيكون مما نزل ثم نسخ" ومما يؤيده أن عبد الرزاق أخرج عن عائشة ما يدل على نسخ تلاوة خمس رضاعات أيضاً، فقال: أنا ابن جريج قال: سمعت نافعاً يحدث أن سالم بن عبد الله حدثه أن عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم أرسلت به إلى أختها أم كلثوم ابنة أبي بكر لترضعه عشر رضاعات ليلج عليها إذا كبر، فأرضعته ثلاث مرات، ثم مرضت، فلم يكن سالم يلج عليها. قال: زعموا أن عائشة رضي الله عنها قالت: لقد كان في كتاب الله عز وجل عشر رضاعات ثم رد ذلك إلى خمس، ولكن من كتاب الله ما قبض مع النبي صلى الله عليه وسلم. (أى قبل وفاته بقليل).

(مصنف عبد الرزاق: ۷/۴۷۰)۔

فہذہ الروایۃ من عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تکاد تكون صریحۃ فی أن خمس رضعات قد نسخ تلاوتہا قبل أن یقبض النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (تکملة فتح الملہم: ۱/۴۵-۴۶)۔
علامہ نوویؒ کی عبارت سے بھی واضح ہوتا ہے کہ بعض صحابہ کو نسخ کا علم نہیں ہوا تھا، ملاحظہ فرمائیں:

”وہن فیما یقرء من القرآن“ ومعناہ أن النسخ بخمس رضعات تأخر إنزالہ جداً، حتی أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم توفي وبعض الناس یقرء ”خمس رضعات“ ویجعلہ قرآناً متلوّاً لکونہ لم یبلغہ النسخ لقرب عہدہ، فلما بلغہ النسخ بعد ذلک رجعوا عن ذلک، واجمعوا علی أن هذا لا یتلى۔ (شرح الامام النووی علی مسلم: ۱/۴۶۸)۔

اشکال: اگر کوئی اشکال کرے کہ صرف الفاظ منسوخ ہیں حکم باقی ہے لہذا پانچ رضعات موجب حرمت ہیں، اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: ابن ماجہ شریف کی روایت میں دس رضعات کے ساتھ پانچ کے منسوخ ہونے کی صراحت ہے، نیز مذکورہ بالا مصنف عبد الرزاق کی روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دس کے ساتھ پانچ بھی منسوخ ہیں۔
ابن ماجہ شریف کی روایت ملاحظہ فرمائیں:

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا أنها قالت: کان فیما أنزل اللہ من القرآن ثم سقط ”لا یحرم إلا عشر رضعات أو خمس معلومات“۔ (رواہ ابن ماجہ: ۱/۱۳۹)۔

اس روایت میں اگر ”او“ ”بل“ کے معنی میں ہو تو پھر روایت کا مطلب یہ ہوگا کہ دس بلکہ پانچ رضعات کی تحریم دونوں ساقط یعنی منسوخ ہیں۔

نیز قرآن کریم سے بلا کسی قید کے مطلق حرمت ثابت ہوتی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

﴿وَأَمْهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ﴾۔ (سورة النساء: ۲۳)۔

حدیث شریف میں صراحت ہے کہ قلیل کثیر سب حرام ہے، ملاحظہ ہو جامع المسانید میں ہے:

أبو حنیفۃ عن الحکم بن عتیبۃ عن القاسم بن مخیمرة عن شریح بن ہانی عن علی بن

أبي طالب رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: "يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب، قليله وكثيره". (جامع المسانيد للإمام محمد بن محمود الخوارزمي، ۹۷/۲، دارالباز، مكة المكرمة).

آثار سے بھی قلیل و کثیر سے حرمت کا ثبوت ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

(۱) کتبنا إلى إبراهيم بن يزيد النخعي نسأله عن الرضاع، فكتب أن شريحاً حدثنا أن علياً رضي الله تعالى عنه وابن مسعود رضي الله تعالى عنه كانا يقولان: "يحرم من الرضاع قليله وكثيره". (سنن النسائي: ۸۲/۲- وكذا في السنن الكبرى للبيهقي: ۴۵۸/۷- والمعجم الكبير للطبراني: ۹/۳۴۱- ومصنف عبد الرزاق: ۴۶۹/۷).

(۲) أنا جريج، قال عطاء: "يحرم منها ما قل وما كثر" قال: وقال ابن عمر رضي الله تعالى عنه لما بلغه عن ابن الزبير أنه يأثر عن عائشة رضي الله تعالى عنها في الرضاع أنها قالت: "لا يحرم منها دون سبع رضعات" قال: الله خير من عائشة رضي الله تعالى عنها، قال الله تعالى: ﴿وَأَخَوَاتِكُمْ مِنَ الرضاعة﴾ ولم يقل رضعة ولا رضعتين. (مصنف عبد الرزاق: ۴۶۶/۷).

(۳) عبد الرزاق عن الثوري وابن عيينة عن عبد الكريم أبي أمية عن طاووس قال: "يحرم من الرضاعة المرة الواحدة". (مصنف عبد الرزاق: ۴۶۷/۷- وكذا في مصنف ابن أبي شيبة: ۲۹۰/۹، المجلس العلمي).

(۴) نا ابن فضيل عن ليث، عن مجاهد، قال ابن مسعود رضي الله تعالى عنه: "يحرم قليل الرضاع كما يحرم كثيره". وقال مجاهد: قول ابن مسعود رضي الله تعالى عنه أحب إلي. (مصنف ابن أبي شيبة: ۲۸۹/۹).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (مصنف عبد الرزاق: ۴۶۶/۴- ۴۷۱- ومصنف ابن أبي شيبة:

۲۸۸/۹- ۲۹۰- والسنن الكبرى للبيهقي: ۴۵۸/۷).

صحیح بخاری شریف کی ایک روایت سے بھی مطلق رضاعت ثابت ہوتی ہے، ملاحظہ ہو:

عن ابن أبي مليكة عن عقبة بن الحارث أنه تزوج أم يحيى بنت أبي اهاب ، قال : فجاءت أمة سوداء ، فقالت : قد أرضعتكما ، فذكرت ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم فأعرض عني ، قال : فتنحيت ، فذكرت ذلك له ، قال : وكيف وقد زعمت أن قد أرضعتكما ، فنهاه عنه . (رواه البخاری: ۱/۳۶۳، شهادة المرضعة).

مزید دلائل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (تکملة فتح الملهم: ۱/۳۵-۴۱۔ والمبسوط للامام السرخسي: ۱۲۱/۵، دارالفکر۔ وبدائع الصنائع: ۴/۷-۸، سعيد۔ وفتح القدير: ۳/۴۳۹-۴۴۱، دارالفکر). واللہ تعالیٰ اعلم۔

نانی کا دودھ پینے سے خالہ کی لڑکی سے ثبوت رضاعت کا حکم:

سوال: ایک بچہ نے اپنی نانی کا دودھ پیا، اب وہ اپنی خالہ کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ خالہ کی لڑکی سے نکاح نہیں ہو سکتا، کیونکہ نانی اس کی رضاعی ماں بن گئی، اور خالہ اس کی رضاعی بہن بن گئی، اور خالہ کی لڑکی اس کی رضاعی بھانجی بن گئی۔ حدیث شریف میں ہے:

قال النبي صلى الله عليه وسلم: "يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب". (رواه البخاري).

ان اصول کے لئے ایک شعر مشہور ہے:

از جانب شیردہ ہمہ خویش شوند ☆ از جانب شیرخوار زو جان و فروع

یعنی دودھ پلانے والی کی طرف سے سب رشتہ دار اور محارم بن گئے، یعنی مرضعہ ماں بن گئی، اس کا شوہر باپ بن گیا، مرضعہ کی بہن خالہ بن گئی، مرضعہ کے بیٹے بیٹیاں بھائی بہن بن گئے۔ اور دودھ پینے والے کی طرف سے قرابت زوجین اور اولاد تک محدود ہوگی یعنی اگر بچہ مذکر ہے تو اس کی بیوی مرضعہ کے شوہر پر حرام ہے، اور اگر دودھ پینے والی بچی ہے تو اس کا شوہر مرضعہ پر حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قبل النکاح دودھ پلانے سے ثبوت رضاعت کا حکم:

سوال: ایک عورت نے جس کا شوہر نہیں ہے، کسی اور کی بچی کو دودھ پلایا، پھر اس نے کسی مرد سے شادی کر لی تو یہ مرد اس بچی کا رضاعی باپ بنایا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ اس مرد نے بیوی کے ساتھ جماع یا خلوتِ صحیحہ کی ہو تو بچی ربیبہ ہونے کی وجہ سے محرم ہے اور نکاح ناجائز ہے۔ اور اگر دخول یا خلوتِ صحیحہ سے پہلے طلاق واقع ہو گئی ہو تو پھر اس کے لئے اس بچی سے نکاح کرنا جائز ہوگا۔

ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

بکر لم تتزوج قط نزل بها لبن فأرضعت صبيّاً صارت أمّاً للصبي وثبت جميع أحكام الرضاع بينهما حتى لو تزوجت البكر رجلاً ثم طلقها قبل الدخول بها كان لهذا الزوج أن يتزوج الصبية، وإن طلقها بعد الدخول لا يكون له أن يتزوجها، لأنها صارت من الربائب التي دخل بأمها. (فتاویٰ قاضی خان: ۱/۴۱۷).

شامی میں ہے:

قوله "ولبن بكر" المراد بها التي لم تجامع قط... والحرمة لا تتعدى إلى زوجها، حتى لو طلقها قبل الدخول له الزوج برضيعتها، لأن اللبن ليس منه، قهستاني. أما لو طلقها بعد الدخول فليس له الزوج بالرضيعة، لأنها صارت من الربائب التي دخل بأمها. (فتاویٰ الشامي: ۲۱۸/۳، باب الرضاع، سعيد۔ وكذا في الفتاوى الهندية: ۱/۳۴۴). واللہ تعالیٰ اعلم۔

رضاعی بیٹے کی بہن سے جواز نکاح کا حکم:

سوال: ایک شخص کی بیوی نے ایک لڑکے کو دودھ پلایا، اور اس لڑکے کی باپ شریک دوسری بڑی بہن

ہے، اب بیوی کے انتقال کے بعد یہ شخص اس لڑکی سے نکاح کرنا چاہے تو کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ رضاعی بیٹے کی بڑی بہن سے جو کہ اس کی بیوی کی بیٹی نہیں ہے، نکاح جائز

ہے۔

ملاحظہ ہوا بحر الرائق میں ہے:

لا يحل للرضيع إلا أم أخته من الرضاع وأخت ابنه من الرضاع فإنه يجوز له أن

يتزوجها. (خزانة الفقه، ص: ۱۳۹).

ہدایہ میں ہے:

ويجوز تزويج أخت ابنه من الرضاع ولا يجوز ذلك من النسب، لأنه لما وطئ أمها

حرمت عليه، ولم يوجد هذا المعنى في الرضاع. (الهداية: ۲/۳۵۱، كتاب الرضاع).

وهذا مما استشتي من "يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب". والله تعالى اعلم۔

دو سال سے ماہ بعد شیر خوردنی سے ثبوتِ نسب کا حکم:

سوال: ایک بچے کی عمر ۲ سال ۳ ماہ تھی، اس نے ایک عورت آمنہ کا دودھ پیا، اب اس کی شادی اس

عورت کی لڑکی سے طے ہونے والی تھی کہ اختلاف ہوا، بعض کہتے ہیں کہ نکاح نہیں ہو سکتا کیونکہ مدت رضاعت

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ڈھائی سال ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ نکاح ہو سکتا ہے، کیونکہ صاحبین کے نزدیک مدت

رضاعت دو سال ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کا فتویٰ درکار ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ یہ نکاح جائز اور درست ہے، اس لئے کہ اس مسئلہ میں فتویٰ صاحبین کے

قول پر ہے۔

قال الله تعالى: ﴿والوالدات يرضعن أولادهن حولين كاملين لمن أراد أن يتم

الرضاعة﴾. (سورة البقرة: ۲۳۳).

وقال ابن عباس رضي الله تعالى عنهما: "لا رضاع بعد الحولين". (رواه الدارقطني:

۱۷۴/۴، وقال: لم يسنده عن ابن عيينة غير الهيثم بن جميل، وهو ثقة، حافظ).

ملاحظہ فرمائیں "البحر الرائق" میں ہے:

والأصح أن العبرة لقوة الدليل، ولا يخفى قوة دليلهما، فإن قوله تعالى: ﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلِينَ كَامِلِينَ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ يدل على أنه لا رضاع بعد التمام. وأما قوله تعالى: ﴿فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا﴾ فإنما هو قبل الحولين بدليل تقييده بالتراضي والتشاور، وبعدهما لا يحتاج إليهما، وبه يضعف ما في معراج الدراية معزياً إلى المبسوط والمحيط من "أنه بعد الحولين فيكون دليلاً له" لما علمت من ضياع القيدتين حينئذ.

وأما استدلال صاحب الهداية للإمام بقوله تعالى: ﴿وَحَمْلُهُ وَفِصْلُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾ بناءً على أن المدة لكل منهما، وقد قام المنقص في الحمل فبقي الفصال على حاله. فقد رجع إلى الحق في باب ثبوت النسب من أن الثلاثين لهما، للحمل ستة أشهر والعامان للفصال. (البحر الرائق: ۳/۲۲۳، كوئته).

محقق ابن ہمام فتح القدير میں تحریر فرماتے ہیں:

فكان الأصح قولهما، وهو مختار الطحاوي. (فتح القدير: ۳/۴۴۴، دارالفکر).

مجمع الانهر میں ہے:

وعندهما حولان، وهو قول الشافعي، وعليه الفتوى كما في المواهب، وبه أخذ

الطحاوي. (مجمع الانهر: ۱/۳۷۵).

علامہ قاسم بن قطلوبغا "التصحيح والترجيح" میں فرماتے ہیں:

وقال في العون على الدراية: "وبقولهما نأخذ في الفتوى" وهذا أولى، لأنه أجيب

في شرح الهداية عما يستدل له به على الزيادة على سنتين، وبعد الجواب قال: فكان

الأصح قولهما وهو مختار الطحاوی، وقد روي فيه عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما "لا رضاع بعد الحولين" وعن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه: "لا رضاع بعد الحولين" وروي رجوع أبي موسى الأشعري رضي الله تعالى عنه إلى قول ابن مسعود رضي الله تعالى عنه، وعن سعيد بن المسيب: "لا رضاع بعد الحولين" وغير ذلك. (التصحيح والترجيح على مختصر القدوري: ۳۳۵، كتاب الرضاع، ط: بيروت).

لیکن چونکہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ڈھائی سال کا ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں: ﴿وَحَمْلُهُ وَفُصْلُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾ (سورة الاحقاف: ۱۵)۔ اور حمل سے مراد بچے کو اٹھا کر پھرنا ہے۔
ملاحظہ ہو مدارک التنزیل میں ہے:

قال أبو حنيفة: والمراد به الحمل بالألف. (مدارك التنزيل: ۴/۱۴۳).

اور بچے کو اٹھا کر چلنا کبھی کبھار ڈھائی سال تک ہوتا ہے، اور دودھ چھڑانے کے لیے ڈھائی سال فرمایا گیا یعنی دو سال کے بعد دودھ چھڑالے، اور چھ ماہ میں کھانے کا عادی بن جائیگا، مگر رضاعت بھی ضرورتاً جاری رہ سکتی ہے، اس لیے احتیاط نکاح نہ کرنے میں ہے۔

تاہم فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے، اور یہ واضح اور بے غبار ہے۔
حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بیان القرآن میں فرمایا:

اکثر کافتویٰ اس پر ہے کہ مدت رضاعت دو سال ہے۔ (بیان القرآن: ۱/۱۳۹)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

رضاعی بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کا حکم:

سوال: کیا کوئی شخص اپنے رضاعی بیٹے کی بیوی کے ساتھ رضاعی بیٹے کی طلاق کے بعد نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ اپنے رضاعی بیٹے کی مطلقہ عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز اور درست نہیں۔
ملاحظہ ہو مفتی بغداد علامہ آلوسی روح المعانی میں فرماتے ہیں:

”وحلائل ابنائکم الذین من أصلابکم“... و ذکر لإسقاط حلیلة المتبنی. وعن عطاء: أنها نزلت حين تزوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم امرأة زید بن ثابت رضي اللہ عنه فقال المشرکون في ذلك. وليس المقصود من ذلك إسقاط حلیلة الابن من الرضاع، فإنها حرام أيضاً كحلیلة الابن من النسب. (تفسير روح المعاني: ۴/۴۶۰).

وفي تفسير النسفي: ﴿الذين من أصلابکم﴾ دون من تبنيتم، فقد تزوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم زينب حين فارقها زید... وليس هذا لنفي حلیلة الابن من الرضاع. (تفسير النسفي: ۱/۲۱۸).

وفي التفسير المظهری: وأما الابن بالرضاع وفروعه فإنهم وإن خرجوا بهذا القيد، لكن حرمة حلائلهم تثبت بنص الحديث، أعني قوله صلی اللہ علیہ وسلم: ”يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب“ وعليه انعقد الإجماع. (التفسير المظهری: ۲/۶۲).

مبسوط میں ہے:

وكما تحرم حلیلة الابن نسباً، فكذلك حلیلة الابن من الرضاع عندنا... ولكننا نستدل بقوله صلی اللہ علیہ وسلم: ”يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب“. (المبسوط ۱۸۵/۴، دار الفکر).

شامی میں ہے:

قوله تعالى: ﴿وحلائل ابنائکم الذین من أصلابکم﴾ والحلیلة: الزوجة... و ذکر الأصلاب لإسقاط حلیلة الابن المتبنی، لا لإحلال حلیلة الابن رضاعاً، فإنها تحرم كالنسب. بحر وغيره. (فتاوی الشامی: ۳/۳۱، فصل فی المحرمات، ط: سعید). واللہ اعلم۔

زوجہ کا دودھ چوسنے سے ثبوت رضاعت کا حکم:

سوال: اگر کسی شوہر نے اپنی بیوی کے پستان کو چوس کر دودھ پی لیا تو کیا حرمت رضاعت ثابت

ہو جائے گی یا نہیں؟ اور اگر ثابت نہیں ہوگی تو کیوں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ میاں بیوی کے درمیان رضاعت ثابت نہیں ہوگی، اس وجہ سے کہ ثبوتِ رضاعت کے لئے مدتِ رضاعت میں دودھ پینا ضروری ہے، اور مدتِ رضاعت مفتی بہ قول کے مطابق دو سال ہیں، اور عام طور پر شوہر دو سال کی عمر سے متجاوز ہوتا ہے، لہذا دو سال کے بعد پینے سے رضاعت ثابت نہ ہوگی، ہاں اگر کسی کا شوہر دو سال کے اندر اس کا دودھ پی لے تو رضاعت ثابت ہو جائیگی اور بیوی اس پر حرام ہو جائیگی، بایں ہمہ شوہر کے لئے اپنی بیوی کے پستانوں سے دودھ پینا ناجائز ہے، اس سے قطعاً اجتناب کرنا چاہئے۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَالْوَالِدَاتُ يَرْضَعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلِينَ كَامِلِينَ﴾ اس آیت کریمہ کے تحت ملاحظہ فرمائیں، مفتی بغداد علامہ آلوسی حنفی فرماتے ہیں:

واستدل بالآية على أن أقصى مدة الإرضاع حولان، ولا يعتد به بعدهما فلا يعطى حكمه. (روح المعاني: ۲/۱۴۶).

فتح القدیر میں ہے:

وما في الترمذي من حديث أم سلمة أنه صلى الله عليه وسلم قال "لا يحرم من الرضاع إلا ما فتق الأمعاء في الثدي وكان قبل الفطام" وقال الترمذي: حديث حسن صحيح. وفي سنن أبي داود من حديث ابن مسعود يرفعه "لا يحرم من الرضاع إلا ما أنبت اللحم وأنشز العظم" وما ذكره المصنف رحمه الله تعالى من قوله عليه الصلاة والسلام "لا رضاع بعد الفصال" والمراد نفي الحكم... وفي المؤطا وسنن أبي داود عن يحيى بن سعيد أن رجلاً سأل أبا موسى الأشعري رضي الله تعالى عنه فقال: إني مصصت عن امرأتي من ثديها لبناً فذهب في بطني، فقال أبو موسى رضي الله تعالى عنه: لا أراها إلا قد حرمت عليك، فقال عبد الله بن مسعود رضي الله عنه: أنظر ما تفتي به الرجل، فقال أبو موسى: ما تقول أنت؟ فقال عبد الله: لا رضاعة إلا ما كان في الحولين. فقال أبو موسى: لا تسألوني عن شيء ما دام هذا الخبر بين أظهركم. وفي المؤطا عن ابن عمر: جاء رجل إلى عمر بن

الخطاب رضي الله عنه فقال: كانت لي وليدة فكنت أصيبها، فعمدت امرأتي إليها فأرضعتها فدخلت عليها فقالت: "دونك والله قد أرضعتها، قال عمر: أوجعها وأت جاريته، وإنما الرضاعة رضاعة الصغير. (فتح القدير ۳/ ۴۴۵، دار الفكر).

وفي شرح العناية: قال: وقد اتفقت الصحابة على هذا. (شرح العناية على هامش فتح القدير

۳/ ۴۴۶).

وفي الهداية: قال: وإذا مضت مدة الرضاع لم يتعلق بالرضاع تحريم، لقوله عليه الصلاة والسلام "لا رضاع بعد الفصال" ولأن الحرمة باعتبار النشوء، وذلك في المدة إذ الكبير لا يتربى به. (الهداية: ۲/ ۳۵۰، كتاب الرضاع).

وفي الدر المختار: مص رجل ثدي زوجته لم تحرم. وفي رد المحتار: "مص رجل" قيد به احترازاً عما إذا كان الزوج صغيراً في مدة الرضاع فإنها تحرم عليه. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/ ۲۲۵، باب الرضاع، ط: سعيد).

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

وإذا مص الرجل ثدي امرأته وشرب لبنها لم تحرم عليه امرأته لما قلنا أنه لا رضاع بعد الفصال. (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الہندیۃ: ۱/ ۴۱۷، باب الرضاع). واللہ تعالیٰ اعلم۔

باجھ پن میں دودھ اترنے سے ثبوت رضاعت کا حکم:

سوال: ایک شخص کی بیوی بانجھ ہے، سالہا سال سے ان کے یہاں کوئی اولاد نہیں ہے، اس عورت نے ایک بچی کو تربیت کے لئے لیا، اور اس کے منہ میں اپنے پستان دیتی رہی، کچھ دنوں کے بعد اس عورت کے سینے میں دودھ پیدا ہو گیا، اب اس عورت کا شوہر اس لڑکی کا رضاعی باپ بن گیا یا نہیں؟ اور اگر عورت کے شوہر کا دوسری بیوی سے بیٹا ہو تو اس کے ساتھ اس لڑکی کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ اس عورت کے شوہر سے اس لڑکی کا نکاح جائز نہیں، کیونکہ وہ اس کی ربیبہ

کہلاتی ہے، اور ربیہ کے ساتھ نکاح نہیں ہو سکتا ﴿وَرَبَائِبُكُمُ الَّتِي فِي حُجُورِكُمْ﴾ کے تحت نکاح حرام ہے۔ الا یہ کہ ربیہ کی ماں سے خلوت اور جماع ہی نہیں ہوا ہو تو پھر نکاح جائز ہے۔

اور اس کے لڑکے کے نکاح کا مسئلہ: تو اس میں کوئی وجہ حرمت نہیں، کیونکہ یہ لڑکا ربیہ کی ماں سے نہیں بلکہ اگلی عورت کا ہے، اور ربیہ کی ماں کو شوہر کی وجہ سے دودھ نہیں اترتا۔

ملاحظہ ہوشامی میں ہے:

قوله "طلق ذات لبن" أي منه بأن ولدت منه، لأنه لو تزوج امرأة ولم تلد منه قط ونزل لها لبن وأرضعت ولداً لا يكون الزوج أباً للولد، لأن نسبته إليه بسبب الولادة منه، وإذا انتفت انتفت النسبة فكان كلبن البكر، ولهذا لو ولدت للزوج فنزل لها لبن فأرضعت به ثم جف لبنها ثم درّ فأرضعته صبية فإن لابن زوج المرضعة الزوج بهذه الصبية، ولو كان صبياً كان له الزوج بأولاد هذا الرجل من غير المرضعة. بحر عن الخانية. (فتاویٰ الشامی: ۳/۲۲۱، باب الرضاع، ط: سعید).

فتح القدیر میں ہے:

وبخلاف ما لو ولدت للزوج فنزل لها لبن فأرضعت به، ثم جف لبنها ثم درّ لها فأرضعت به صبية، فإن لولد زوج المرضعة من غيرها الزوج بهذه الصبية، لأن هذا ليس لبن الفحل ليكون هو أبها كما لو لم تلد من الزوج أصلاً ونزل بها لبن فإنه لا يثبت بإرضاعها تحريم بين ابن زوجها ومن أرضعته، لأنها ليست بنته، لأن نسبته إليه بسبب الولادة منه، وإذا انتفت انتفت النسبة فكان كلبن البكر. (فتح القدیر: ۳/۴۴۹، ط: دار الفکر۔ وکذا فی فتاویٰ قاضیخان علی هامش الہندیة: ۱/۴۱۷، باب الرضاع). واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوا اور انجکشن کے ذریعہ دودھ پیدا ہو تو ثبوت رضاعت کا حکم:

سوال: ایک عورت چھوٹی بچی کی پرورش کر رہی ہے، اس کو دودھ نہیں اترتا، لیکن اگر دوا یا انجکشن کے

ذریعہ دودھ آنے لگے اور بچی کو پلا دے تو رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟ نیز اس عورت کا شوہر بچی کا رضاعی باپ بنے گا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ اگر دوا اور انجکشن کے ذریعہ دودھ اترے اور بچی کو پلا دے تو بچی سے رضاعت ثابت ہو جائیگی، یعنی دودھ پلانے والی عورت بچی کی رضاعی ماں کہلائے گی، لیکن اس کا شوہر بچی کا رضاعی باپ نہیں بنے گا، کیونکہ وہ دودھ اترنے کا سبب نہیں بنا، ہاں وہ عورت اس کی مدخلہ ہو تو وہ بچی اس کی ربیبہ بننے کی وجہ سے نکاح اس بچی کے ساتھ حرام ہوگا، لیکن اگر قبل الدخول و خلوة صحیحہ طلاق واقع ہوگئی ہو تو پھر اس بچی کے ساتھ نکاح جائز ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

بكر لم تتزوج لو نزل لها لبن فأرضعت صبياً صار أما للصبی وثبت جميع أحكام الرضاع بينهما، حتى لو تزوجت البكر رجلاً ثم طلقها قبل الدخول بها كان لهذا الزوج أن يتزوج الصبية، وإن طلقها بعد الدخول لا يكون له أن يتزوجها. كذا في خزنة المفتين.

(الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۳۴۴۔ و کذا فی فتاویٰ قاضیخان علی ہامش الہندیہ: ۱/۴۱۷، باب الرضاع).

درمختار میں ہے:

ويثبت أبوة زوج مرضعة إذا كان لبنها منه وإلا لا. وفي الشامي: قوله "وأبوة زوج مرضعة لبنها منه" المراد به اللبن الذي نزل منها بسبب ولادتها من رجل زوج. (الدر المختار مع الشامی: ۳/۲۱۳، سعید).

وفي الشامية: قوله "ولبن بكر" المراد بها التي لم تجامع قط بنكاح أو سفاح... والحرمة لا تتعدى إلى زوجها، حتى لو طلقها قبل الدخول له الزوج برضيعتها، لأن اللبن ليس منه. قهستاني. أما لو طلقها بعد الدخول فليس له الزوج بالرضيعة لأنها صارت من الربائب التي دخل بأمها. (فتاویٰ الشامی: ۳/۲۱۸، سعید). واللہ تعالیٰ اعلم۔

مخلوط دودھ سے ثبوت رضاعت کا حکم:

سوال: ایک عورت نے اپنا دودھ پانی میں ملا کر ڈیڑھ سال کے بچے کو پلایا، کیا اس سے رضاعت ثابت ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ دودھ پانی کے ساتھ مخلوط ہونے کی وجہ سے غالب کا اعتبار ہوگا، اگر پانی دودھ پر غالب ہے اور دودھ مغلوب ہے تو رضاعت ثابت نہ ہوگی، لیکن اگر دودھ غالب ہے اور پانی مغلوب ہے یا دونوں برابر ہیں تو دونوں صورتوں میں رضاعت ثابت ہو جائے گی۔
اور مائعات میں غلبہ کا مطلب یہ ہے کہ دو صفوں میں سے ایک یعنی رنگ یا ذائقہ بدل جائے یا ظاہر ہو جائے۔
ہاں اگر عورت کے دودھ کو کھانے میں ملا دیا تو حرمت ثابت نہ ہوگی۔
ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

وإذا اختلط اللبن بالماء واللبن هو الغالب تعلق به التحريم، وإن غلب الماء لم يتعلق به التحريم... ونحن نقول: المغلوب غير موجود حكماً حتى لا يظهر بمقابلة الغالب.
(الهداية: ۲/۳۵۲، کتاب الرضاع).
الاختیار میں ہے:

وإذا اختلط اللبن بخلاف جنسه كالماء والدهن والنبذ والدواء ولبن البهائم فالحكم للغالب. (الاختیار لتعلیل المختار: ۳/۱۳۴، بیروت).
البحر الرائق میں ہے:

”ويعتبر الغالب لو بماء... أي لو اختلط اللبن بما ذكر يعتبر الغالب، فإن كان الغالب الماء لا يثبت التحريم كما إذا حلف لا يشرب لبناً لا يحنث بشرب الماء الذي فيه أجزاء اللبن. (البحر الرائق: ۳/۲۲۸، کوئٹہ).

و کذا فی ”بدائع الصنائع: ۴/۹. سعید۔ وخزانة الفقه ص ۱۴۰، المكتبة الغفورية۔ والفقه الإسلامي

وأدلتہ: ۷۰۷/۷۔ وشرح النقاۃ: ۶۰۵/۱۔ والبنایۃ للعینی: ۷۰/۴، مکتبۃ رشیدیۃ۔

درمختار میں ہے:

ومخلوط بماء أو دواء أولبن أخرى أو لبن شاة إذا غلب لبن المرأة، وكذا إذا استويا
إجماعاً لعدم الأولوية. وفي الشامية: قوله "إذا غلب لبن المرأة" أي على أحد المذكورات،
وفسر الغلبة في أيمن الخانية من حيث الأجزاء. وقال هنا: فسرهما محمد في الدواء بأن
يغيره عن كونه لبناً، وقال الثاني: إن غير الطعم واللون، لا إن غير أحدهما، نهر. ونحوه في
البحر. ووفق في الدر المنتقى فقال: تعتبر الغلبة بالأجزاء في الجنس، وفي غيره بتغير طعم
أو لون أو ريح كما روي عن أبي يوسف إلا أنه اعتبر التغير في غير الجنس بوصف واحد،
والمذكور آنفاً أنه لا يعتبر إلا إذا غير الطعم واللون، نعم يوافق ما في الهندية من اعتبار أحد
الأوصاف إلا أنه لم يعزه لأبي يوسف. (الدر المختار مع الشامی: ۲۱۸/۳، باب الرضاع).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولو خلط بالماء ... فالعبرة للغالب كذا في الظهيرية ... ولو استويا وجب ثبوت
الحرمة، لأنه غير مغلوب، كذا في البحر الرائق. (الفتاویٰ الہندیۃ: ۳۴۴/۱۔ وكذا في الخانية على
هامش الہندیۃ: ۴۱۸/۱).

نورالایضاح میں ہے:

والغلبة في المائعات بظهور وصف واحد من مائع له وصفان فقط، كاللبن لها اللون
والطعم ولا رائحة له. (نورالایضاح، ص: ۲۴، ط: میر محمد کتب خانہ).
علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

الأولى أن نقول إن الحرمة لا تتعلق بصورة الإرضاع ووجود اللبن كما في الكبير
بالإجماع، بل يتعلق باعتبار إنشاز العظم وإنبات اللحم، والمغلوب لا يحصل الإنشاز
والإنبات، لأنه لا يحصل التغذي به. (البنایۃ: ۸۲۱/۴۔ وبدائع الصنائع: ۹/۴، سعید۔ دررالحکام فی شرح

غرر الاحکام: ۱/۳۵۷. واللہ تعالیٰ اعلم۔

خون دینے سے حرمت رضاعت کا حکم:

سوال: بہت سی مرتبہ علاج و معالجہ کے طور پر ایک شخص کا خون دوسرے آدمی کے جسم میں چڑھایا جاتا ہے، کیا ایسی صورت میں ایک دوسرے کے نسب اور حرمت پر کچھ فرق پڑے گا یا نہیں؟ جب کہ فقہاء دودھ کی وجہ سے حرمت اور ثبوت نسب کے قائل ہیں۔

الجواب: بصورتِ مسئلہ علاج و معالجہ کے طور پر خون چڑھانے سے حرمت ثابت نہ ہوگی، اس لیے کہ دودھ کی وجہ سے حرمت کا پیدا ہونا خلاف قیاس نص سے ثابت ہے، اس لیے اس پر دوسری چیزوں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا، نیز شیر خوار بچے کو دودھ دینا بطورِ غذا اور نشوونما کے ہے نہ کہ بطورِ دوا و علاج کے، جب کہ خون چڑھانا دوا و علاج کے طور پر ہے، اسی وجہ سے مدت رضاعت یعنی دو سال گزرنے کے بعد حرمت ثابت نہیں ہوتی، اور مدت رضاعت کے بعد اگر دوا کے طور پر عورت کا دودھ استعمال کرے تب بھی حرمت پیدا نہیں ہوتی۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أم سلمة أنه صلى الله عليه وسلم قال "لا يحرم من الرضاع إلا ما فتق الأمعاء في الشدي وكان قبل الفطام" وقال الترمذي: حديث حسن صحيح. وفي سنن أبي داود من حديث ابن مسعود يرفعه "لا يحرم من الرضاع إلا ما أنبت اللحم وأنشز العظم" يروى بالراء المهملة: أي أحياء، ومنه قوله تعالى: ﴿ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنْشَرَهُ﴾. (فتح القدیر: ۳/۴۴۵، کتاب الرضاع، دار الفکر).

وفي الدر المختار: ويثبت التحريم في المدة فقط. وفي الشامية: أما بعدها فإنه لا يوجب التحريم، بحر. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۲۱۱، سعيد).

علامہ عینی بنایہ میں فرماتے ہیں:

إن الحرمة لا تتعلق بصورة الإرضاع ووجود اللبن كما في الكبير بالإجماع بل يتعلق

باعتبار إنشاز العظم وإنبات اللحم. (النبایة فی شرح الهدایة: ۴/۸۲۱).

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ فریدیہ: ۵/۱۳۸، جدید فقہی مسائل، جلد اول: ۱۵۱). واللہ تعالیٰ اعلم۔

غیر فطری طریقہ پر دودھ دینے سے ثبوت حرمت کا حکم:

سوال: فطری طریقہ یہ ہے کہ بچہ ماں کے پستان سے دودھ پیئے لیکن اگر کسی وجہ سے دودھ نکال کر بچہ کے منہ میں ڈالا جائے یا ناک کے ذریعہ چڑھایا جائے یا کوئی اور غیر فطری طریقہ اختیار کرے تو حرمت ثابت ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ ماں کا دودھ نکال کر غیر فطری طریقہ سے بچہ کو مدت کے اندر پلایا یا چڑھایا جائے تب بھی حرمت ثابت ہو جائیگی یہاں تک کہ امام محمدؒ کے نزدیک حقنہ کے ذریعہ بھی حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

كما يحصل الرضاع بالمص من الثدي يحصل بالصب والسعوط والوجور... وعند محمد يثبت بالحقنة كما في التهذيب. (الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۳۴۴، کتاب الرضاع۔ وکذا فی فتاویٰ قاضیخان علی ہامش الہندیہ: ۱/۴۱۷، باب الرضاع).

مزید ملاحظہ ہو: (جدید فقہی مسائل، جلد اول: ۱۵۳). واللہ تعالیٰ اعلم۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قَالَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى:

﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ﴾. (سورة النساء: الآية: ۳۴).

وَقَالَ تَعَالَى:

﴿وَلَمَنْ مِثْلَ الَّذِي عَلَيْهِنَ بِالْمَعْرُوفِ، وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾

(سورة البقرة آیت ۲۲۸).

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾. (سورة النساء، آیت ۱۹).

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

”وَإِنْ لَزَوْجَكَ عَلَيْكَ حَقًّا“

(صحیح بخاری، کتاب النکاح).

باب حقوق الزوجین

”وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا“

(صحیح بخاری، کتاب النکاح).

وَعَنْ مَعَاوِيَةَ الْقَشِيرِيِّ ”أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، سَأَلَهُ

رَجُلٌ مَا حَقُّ الْمَرْأَةِ عَلَى الزَّوْجِ؟ قَالَ: تُطْعَمُهَا إِذَا طَعِمْتَ،

وَتَكْسُوهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ، وَلَا تَضْرِبُ وَجْهَهُ، وَلَا تَقْبِحَ، وَلَا تَجْهَرُ

إِلَّا فِي الْبَيْتِ.

(رواه أحمد و أبو داود، وابن ماجه)

باب حقوق الزوجین

زوجین کے آپس میں ایک دوسرے کے حقوق کی تفصیل:

سوال: زوجین کے ایک دوسرے پر کیا حقوق ہیں؟ کیا عورت محکومہ باندی کی طرح ہے؟

الجواب: شریعتِ مطہرہ نے جس طرح رشتہٴ نکاح کو قائم کرنے کی قانونی اور اخلاقی ہدایات بیان کی ہیں، اسی طرح رشتہٴ نکاح کو خوشگوار و استوار رکھنے کے لئے بھی اصولی طور پر شوہر، بیوی دونوں کے حقوق و فرائض کی نشاندہی کر دی ہے، بایں ہمہ شوہر کو قوام یعنی محافظ، نگران اور خبر گیری کرنے والا قرار دیا ہے، اور ایک درجہ عورت پر تفوق دیا ہے، لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ مرد کی حیثیت آقا اور عورت کی حیثیت لونڈی کی نہیں، بلکہ بنیادی حقوق میں دونوں برابر ہیں۔ ﴿ولهن مثل الذي عليهن بالمعروف وللرجال عليهن درجة﴾ (سورة البقرة، الآية: ۲۲۸)۔

چنانچہ جو حقوق عورتوں کے ہیں وہی مردوں کے فرائض ہیں اور جو حقوق مردوں کے ہیں وہی عورتوں کے فرائض ہیں:

مختصراً مردوں کے حقوق حسب ذیل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) مہر ادا کرنا۔ (۲) نفقہ، سکنی فراہم کرنا۔ (نفقہ، سکنی کی تفصیلات باب النفقات میں گزر چکی)۔ (۳) حسن سلوک کرنا۔ (۴) ظلم و زیادتی اور ایذا رسانی سے بچنا۔ (۵) دینی کاموں کی وجہ سے بھی عورت کی حق تلفی نہ کرنا۔

(۶) ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے درمیان عدل و مساوات سے کام لینا۔ (۷) بیوی بچوں کی علمی و دینی تربیت کرنا۔ (۸) غیرت میں اعتدال کرنا یعنی نہ بدگمانی کرے اور نہ بالکل غافل رہے۔ (۹) نہ خرچ میں تنگی کرے اور نہ ہی فضول خرچی کی اجازت دے۔ (۱۰) بدون ضرورت طلاق نہ دینا۔ (۱۱) اس کے محارم و اقارب سے ملنے کی اجازت دینا۔

عورتوں کے حقوق مختصراً حسب ذیل درج ہیں:

(۱) عصمت و عفت کی حفاظت کرنا۔ (۲) شوہر کے مال کی حفاظت کرنا۔ (۳) ہر نیک کام اور حق بات میں شوہر کی اطاعت کرنا۔ (۴) ضروریات زندگی کی طلب میں اعتدال برتنا۔ (۵) ہمیشہ شوہر کی احسان شناس ہونا۔ (۶) بچوں کو دودھ پلانا۔ (۷) بدون شوہر کی اجازت کسی کو گھر میں نہ آنے دینا۔ (۸) بلا اجازت گھر سے نہ نکلنا۔ (۹) بلا اجازت اس کے مال میں سے کسی کو نہ دینا۔ (۱۰) خاوند کو بوجہ افلاس یا بد صورتی کے حقیر نہ سمجھنا۔ (۱۱) خلاف شرع کوئی امر خاوند سے دیکھے تو ادب سے منع کرنا۔ (۱۲) شوہر کا نام لے کر نہ پکارنا۔ (۱۳) کسی کے سامنے خاوند کی شکایت نہ کرنا۔ (۱۴) زبان درازی نہ کرنا۔ (۱۵) شوہر کے اقارب سے تکرار نہ کرنا۔

دونوں کے درمیان مشترکہ حقوق ملاحظہ ہوں:

(۱) حسن اخلاق کا مظاہرہ۔ (۲) جانبین سے ایذا رسانی اعتدال کے ساتھ برداشت کرنا۔ (۳) ایک دوسرے کے ساتھ نرمی سے پیش آنا۔ (۴) محض خواہش نفسانی کی تکمیل مقصد نہ ہو بلکہ رشتہ نکاح محبت و الفت کی ایک مضبوط بنیاد ثابت ہو، جس کے ذریعہ دونوں کو سکون و راحت میسر ہو۔ (۵) حدود اللہ کے قیام کو مقصد بنانا۔ (۶) نیک صالح اولاد کی خواہش ہونا۔ (۷) بچوں کی پرورش میں دونوں کامل کر حصہ لینا۔ (۸) بچوں کی جسمانی پرورش کے ساتھ دینی تعلیم و تربیت میں دونوں کامل کر حصہ لینا۔

دلائل ملاحظہ فرمائیں:

قال اللہ سبحانہ و تعالیٰ: ﴿الرجال قوامون على النساء﴾. (سورة النساء، الآية: ۳۴).

وقال: ﴿ولهن مثل الذي عليهن بالمعروف، وللرجال عليهن درجة﴾. (سورة البقرة، الآية: ۲۲۸).

وقال: ﴿وعاشروهن بالمعروف﴾. (سورة النساء، الآية: ۱۹).

وقال النبي صلى الله عليه وسلم: " وإن لزوجك عليك حقاً ". (صحيح بخاری:

۷۸۳/۲، باب لزوجك عليك حق، كتاب النکاح، قدیمی).

وعن معاوية القشیری: أن النبي صلى الله عليه وسلم سأل رجل ما حق المرأة على

الزوج؟ قال: " تطعمها إذا طعمت، وتكسوها إذا اكتسيت، ولا تضرب الوجه، ولا تقبح،

ولا تجهر إلا في البيت. (رواه أحمد: ۴۴۷/۴، ۲۷۰۲۷، ط: القاهرة۔ وابو دائود: ۲: ۱۰۲۱۰/۲، ط: بیروت).

ترجمہ: حضرت معاویہ القشیری بیان کرتے ہیں کہ: ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

دریافت کیا کہ عورت کا شوہر پر کیا حق ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم جب کھاؤ تو اس کو کھلاؤ

جب پہنو تو اس کو بھی پہناؤ اور چہرے پر پٹائی مت کرو، اور برا بھلا مت کہو اور علیحدہ مت رہو مگر گھر میں یعنی اس کو

چھوڑ کر دوسرے مکان میں منتقل مت ہو جاؤ، ہاں گھر میں بستر الگ کر سکتے ہیں۔

وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " ألا واستوصوا بالنساء خيراً، فإنما هن

عندكم عوان ليس تملكون منهن شيئاً غير ذلك، إلا أن يأتين بفاحشة مبينة، فإن فعلن

فاهجروهن في المضاجع، واضربوهن ضرباً غير مبرح، فإن أطعنكم فلا تبغوا عليهن سبيلاً

ألا وإن لكم على نسائكم حقاً، ولنسائكم عليكم حقاً، فأما حقكم على نسائكم، فلا يوطئن

فرشكم من تكرهون، ولا يأذن في بيوتكم لمن تكرهون، ألا وحقهن عليكم أن تحسنوا

إليهن في كسوتهن وطعامهن ". (رواه الترمذی: ۱/۲۲۰، باب ما جاء في حق المرأة على زوجها۔ وابن ماجه:

ص: ۱۳۳، باب حق المرأة على الزوج).

وقال عليه الصلاة والسلام: " خيركم خيركم لأهله، وأنا خيركم لأهلي ". (رواه

الترمذی: ۲/۲۲۸، باب فضل ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم).

وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " إن المرأة خلقت من ضلع لن تستقيم لك

على طريقة فإن استمتعت بها استمتعت بها وبها عوج، وإن ذهبت تقيمها كسرتها

وكسرها طلاقها ". (رواه مسلم: ۱/۴۷۵، باب الوصية بالنساء).

وقال عليه الصلاة والسلام: " لا يجلد أحدكم امرأته جلد العبد ثم يجمعها في آخر

اليوم“ . (رواه البخاری: ۷۸۴/۲، باب ما يكره من ضرب النساء) .

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ” لو كنت آمراً أحداً أن يسجد لأحد، لأمرت

المرأة أن تسجد لزوجها“ . (رواه الترمذی: ۲۱۹/۱، باب ماجاء فی حق الزوج - وابن ماجه: ۱۳۳) .

درمختار میں ہے:

و حقه عليها أن تطيعه في كل مباح يأمرها به، وله منعها من الغزل، ومن أكل ما يتأذى من رائحته، بل ومن الحناء والنقش إن تأذى برائحته، نهر. وفي الشامي: قوله في كل مباح، ظاهره أنه عند الأمر به منه يكون واجباً عليها كأمر السلطان الرعية به، قوله ومن أكل ما يتأذى به أي برائحته كشوم وبصل، يؤخذ منه أنه لو تأذى من رائحة الدخان المشهور له منعها من شربه . (الدرالمختار مع فتاوى الشامی: ۲۰۸/۳، باب القسم، ط: سعيد) .

وفي البحر الرائق: وذكر البقاعي في المناسبات حديثاً لا يسأل الرجل فيم ضرب زوجته وحديثاً آخر أنه نهى المرأة أن تشكو زوجها . (البحر الرائق: ۲۲۰/۳، تنمة في حقوق الزوجين) . بدائع الصنائع میں ہے:

أما النكاح الصحيح فله أحكام... منها حل الوطى إلا في حالة الحيض والنفاس والإحرام... ومنها حل النظر والمس من رأسها إلى قدميها في حالة الحياة، ومنها ملك المتعة وهو اختصاص الزوج بمنافع بضعها وسائر أعضائها استمتاعاً... ومنها ملك الحبس والقيد وهو صيرورتها ممنوعة عن الخروج والبروز... ومنها وجوب المهر على الزوج... ومنها ثبوت النسب... ومنها وجوب النفقة والسكنى... ومنها حرمة المصاهرة... ومنها الإرث من الجانبين جميعاً... ومنها وجوب العدل بين النساء في حقوقهن... ومنها وجوب طاعة الزوج على الزوجة... ومنها ولاية التأديب للزوج إذا لم تطعه فيما يلزم طاعته بأن كانت ناشرة فله أن يؤدبها لكن على الترتيب فيعظها أولاً على الرفق واللين... ومنها المعاشرة بالمعروف وإنه مندوب إليه ومستحب، قال الله تعالى: ﴿وعاشروهن

بالمعروف ﴿قيل هي المعاشرة بالفضل والإحسان قولاً وفعلاً وخلقاً... وكذلك من جانبها هي مندوبة إلى المعاشرة الجميلة مع زوجها بالإحسان باللسان واللفظ في الكلام والقول المعروف الذي يطيب به نفس الزوج. (بدائع الصنائع: ۳۳۱/۲-۳۳۴، أحكام النكاح، ط: سعيد- وكذا في البحر الرائق: ۳/۲۲۰، تنمة في حقوق الزوجين، كوئته).

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: ”الفقه الإسلامی وأدلته: ۳۲۷/۷-۳۴۲، حقوق الزواج وواجباته، دار الفكر- واسلامی فقه: ۱۰۷/۲-۱۵۵- و امداد الفتاوی: ۱۸۵/۲). واللہ اعلم۔

عورت کے ذمہ گھریلو کام کاج کا حکم:

سوال: کیا عورت کے ذمہ گھر کا کام کاج لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر عورت کا تعلق ایسے خاندان سے ہے جس میں گھر کا کام کاج عورتیں خود نہیں کرتی ہیں یا کسی عذر مثلاً بیماری وغیرہ کی وجہ سے گھر کا کام کاج کرنا مشکل ہے تو عورت پر کام کرنا لازم اور ضروری نہیں ہے، لیکن اگر خاندان کی عورتیں گھر کا کام کرتی ہیں یا شوہر کی آمدنی میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ ملازم رکھے تو عورت پر گھریلو کام کاج دینا لازم ہے، ہمارے معاشرے (جنوبی افریقہ) میں عورتیں صفائی کے علاوہ عموماً گھر کا کام کاج کھانا وغیرہ پکاتی ہیں، لہذا یہاں کی عورتوں پر شرعاً شوہر اور بچوں کی خدمت اور کھانا وغیرہ پکانا لازم ہے، والا یہ کہ آپس کی رضامندی سے نہ پکائے۔

ملاحظہ فرمائیں اسلامی فقہ میں ہے:

اگر عورت ایسے گھر کی ہے جہاں لوگ اپنے ہاتھ سے کام کاج نہیں کرتے بلکہ نوکر چاکر کرتے ہیں، یا عورت اتنی کمزور یا مریض ہے جس کی وجہ سے اس سے گھر کا کام کاج نہیں ہوتا تو شوہر ایسی عورت کو کام کاج پر مجبور نہیں کر سکتا، بلکہ اس کو بغیر کام کئے ہوئے بٹھا کر روٹی کپڑا دینا پڑے گا، اگر ایسی عورت اپنے ذاتی کام کے لئے یا گھر کے کام کاج کے لئے ملازم کا مطالبہ کرے تو شوہر اگر خوش حال ہے تو اس کو ملازم رکھنا پڑے گا، اور ایک ملازم کا خرچ اس کو دینا پڑے گا، لیکن اگر شوہر کی آمدنی میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ وہ ملازم رکھ سکے، یا وہ عورت جو

اپنے میکے میں اپنے ہاتھ سے کام کاج کرتی تھی تو پھر عورت کو شوہر کے گھر کے اندر بھی کام کاج خود اپنے ہاتھ سے کرنا پڑے گا، اور مرد کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ باہر کا کام خود کرے۔ مثلاً سودا سلف، جنس، لکڑی، اور پانی وغیرہ گھر میں لادے، اگر مرد یہ چیزیں فراہم نہیں کرے تو عورت پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

بعض علمائے فقہ نے لکھا ہے کہ کپڑے کی دھلائی مرد کے اوپر واجب نہیں ہے بلکہ اس کو صرف پانی اور صابون فراہم کر دینا ضروری ہے، عورت اپنے ہاتھ سے اپنا کپڑا دھو لے اگر مرد دھلائی دیتا ہے تو یہ اس کا احسان ہے، یعنی یہ عورت کا قانونی حق نہیں ہے، لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ عورت اپنے گھر اس کی عادی ہو یا مرد صاحب استطاعت نہ ہونے کے باوجود دیتا ہو، ورنہ جب مرد میں استطاعت ہو یا عورت اس کام کی عادی نہ ہو تو کپڑے کی دھلائی بطور حق ملنا چاہئے، جب خادم مل سکتا ہے تو صحت و صفائی کی دوسری چیزیں بطور استحقاق کیوں نہیں مل سکتیں۔

البتہ اگر عورت اس کا بار مرد پر نہ ڈالے تو یہ اس کا احسان ہے، اور اس تعلق کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے صرف قانونی تعلق نہ رکھیں، بلکہ اخلاقی تعلق بھی رکھیں یعنی ایک دوسرے کی تکلیف و آرام کا خیال رکھیں۔ (اسلامی فقہ: ۲/۱۱۷)۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وإن قالت: لا أطبخ ولا أخبز قال في الكتاب لا تجبر على الطبخ والخبز وعلى الزوج أن يأتيها بطعام مهياً أو يأتيها بمن يكفيها عمل الطبخ والخبز، قال الفقيه أبو الليث رحمه الله تعالى: إن امتنعت المرأة عن الطبخ والخبز إنما يجب على الزوج أن يأتيها بطعام مهياً إذا كانت من بنات الأشراف لا تخدم بنفسها في أهلها أو لم تكن من بنات الأشراف لكن بها علة تمنعها من الطبخ والخبز، أما إذا لم تكن كذلك فلا يجب على الزوج أن يأتيها بطعام مهياً كذا في الظهيرية. قالوا إن هذه الأعمال واجبة عليها ديانة وإن كانت لا يجبرها

القاضي كذا في البحر الرائق. (الفتاوى الهندية: ۱/۵۴۸، باب النفقة).

درمختار میں ہے:

أنه عليه الصلاة والسلام قسم الأعمال بين علي رضي الله تعالى عنه وفاطمة رضي الله تعالى عنها، فجعل أعمال الخارج على علي رضي الله تعالى عنه والداخل على فاطمة رضي الله تعالى عنها مع أنها سيدة نساء العالمين بحر. (الدر المختار: ۵۷۹/۳، باب النفقة، ط: سعيد).

وفی الطحطاوی: قوله قسم الأعمال أي أعمال المعيشة، قوله فجعل أعمال الخارج أي خارج البيت كاتيان الحطب والماء وتحصيل النفقة، قوله الداخل على فاطمة رضي الله تعالى عنها أي داخل البيت كالطحن والخبز والعجن. (حاشية الطحطاوی على الدر المختار: ۲۵۵/۲، كوئته، نفقه۔ وكذا فی البحر الرائق: ۱۸۳/۴، باب النفقة، كوئته). واللہ تعالیٰ اعلم۔

وضع حمل کے اخراجات شوہر کے ذمہ ہونے کا حکم:

سوال: فقہاء نے لکھا ہے کہ بیوی کا علاج شوہر کے ذمہ نہیں ہے، لیکن وضع حمل کے وقت کے اخراجات جو عورت کا صرف ذاتی فعل نہیں ہے بلکہ شوہر بھی اس میں شریک ہے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورت مسئلہ یہ بات محقق نہیں ہے کہ بیوی کا علاج شوہر کے ذمہ نہیں ہے، فقہاء نے اپنے عرف و عادت کی بنا پر تحریر فرمایا تھا، چونکہ ان کے زمانہ میں یہ اساسی ضرورت نہیں سمجھی جاتی تھی، لیکن موجودہ حالات و عرف کو دیکھتے ہوئے علاج و معالجہ اساسی ضرورت بن چکا ہے، لہذا شوہر کے ذمہ ہونا چاہئے جس کی کچھ تفصیل ”باب النفقات“ کے تحت گزر چکی ہے۔

رہی یہ بات کہ حمل اور وضع حمل کے اخراجات تو اس کے بارے میں بھی فقہاء نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر شوہر دایہ کو بلائے تو شوہر برداشت کرے، اور عورت بلائے تو عورت برداشت کرے، اور اگر دایہ از خود آئی ہو تو بعض کے نزدیک شوہر، اور بعض کے نزدیک عورت برداشت کرے، لیکن علامہ شامیؒ نے ترجیح اس بات کو دی ہے کہ شوہر ہی برداشت کرے، کیونکہ اکثر فائدہ بچہ کا ہے اور بچہ کا نفقہ وغیرہ باپ کے ذمہ ہے۔

لیکن اس زمانہ میں وضع حمل کے اخراجات بھی اساسی ضرورت بن گئے ہیں، لہذا بہر صورت یہ تمام

اخراجات شوہر برداشت کرے گا، باین ہمہ عورت کو شوہر کی حالت پر نظر رکھتے ہوئے فیصلہ کرنا چاہئے، ہاں اگر شوہر کی مالی حالت زیادہ خوشحال نہ ہو اور عورت خوشحال گھرانہ کی ہو اور اس کے والدین بخوشی برداشت کر لیں تو کوئی حرج نہیں، بلکہ قابل صد ستائش ہے۔

درمختار میں ہے:

و فيه أجرة القابلة علي من استأجرها من زوجة وزوج ولو جاءت بلا استئجار قيل عليه وقيل عليها . وفي الشامي : قوله قيل عليه عبارة البحر من الخلاصة : فلقائل أن يقول عليه لأنه مؤنة الجماع ولقائل أن يقول عليها كأجرة الطبيب وكذا ذكر غيره ومقتضاه أنه قياس ذو وجهين لم يجزم أحد من المشايخ بأحدهما خلاف ما يفهمه كلام الشارح ويظهر لي ترجيح الأول لأن نفع القابلة معظمة يعود إلى الولد فيكون على أبيه تأمل . (الدرالمختار مع

فتاویٰ الشامی: ۵۸۰/۳، باب النفقات۔ وكذا في البحر الرائق: ۱۷۷/۴، وفتح القدير: ۳۸۷/۴، ط: دارالفکر).

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (اسلامی فقہ: ۱۱۹/۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بیوی کی مرضی کے بغیر دوسری جگہ قیام کرنے کا حکم:

سوال: بیوی کی مرضی کے بغیر شوہر اس کو دوسری جگہ ٹھہرنے پر مجبور کر سکتا ہے یا نہیں؟ مثلاً جو ہانسبرگ سے ڈربن منتقل کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورت مسئلہ اگر شہر ہی میں اپنے مکان پر لیجانا چاہتا ہے اور مہر بھی ادا کر دیا ہے تو لے جانے کا حق ہے عورت انکار نہیں کر سکتی، ہاں اگر مہر ادا نہیں کیا تو انکار کرنے کا حق ہے، لیکن اگر دوسرے شہر یا دوسرے ملک لے جانا چاہتا ہے اور عورت انکار کرتی ہے تو شوہر عورت کو سفر کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا، چونکہ فساد زمانہ کی وجہ سے بکثرت واقعات رونما ہوئے ہیں کہ شوہر بیوی کو دوسرے شہر یا دوسرے ملک لے جاتا ہے پھر ظلم و زیادتی کرتا ہے اور عورت کو کوئی قریبی رشتہ دار اور پرسان حال نہیں ہوتا، بنا بریں فقہاء نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ عورت اپنے آپ کو سفر سے روکنے میں حق بجانب ہوگی۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

قال فی البحر عن شرح المجمع: وأفتی بعضهم بأنه إذا أوفاهما المعجل والمؤجل وكان مأموناً سافر بها وإلا لا، لأن التأجيل إنما يثبت بحكم العرف، فلعلها إنما رخصت بالتأجيل لأجل إمساكها في بلدها، أما إذا أخرجها إلى دار الغربية فلا، قوله لكن في النهر الخ ومثله في البحر حيث ذكر أولاً أنه إذا أوفاهما المعجل فالفتوى على أنه يسافر بها كما في جامع الفصولين، وفي الخانية والولوالجية أنه ظاهر الرواية، ثم ذكر عن الفقيهين أبي القاسم الصفار وأبي الليث أنه ليس له السفر مطلقاً بلا رضاها لفساد الزمان لأنها لا تأمن على نفسها في منزلها فكيف إذا خرجت وأنه صرح في المختار بأن عليه الفتوى. وفي المحيط أنه المختار، وفي الولوالجية أن جواب ظاهر الرواية كان في زمانهم، أما في زماننا فلا، وقال: فجعله من باب اختلاف الحكم باختلاف العصر والزمان. (فتاویٰ الشامی: ۱۴۶/۳، باب المهر۔ وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۶۴/۲، باب المهر۔ وكذا في البحر الرائق: ۱۷۹/۳، باب المهر، كويته).

وفي البحر أيضاً: فقد اختلف الإفتاء والأحسن الإفتاء بقول الفقيهين من غير تفصيل واختاره كثير من المشايخ كما في الكافي وعليه الفتوى وعليه عمل القضاة في زماننا كما في أنفع الوسائل. (البحر الرائق: ۱۸۰/۲، كويته).

(كذا في منحة الخالق على البحر الرائق: ۱۸۰/۳۔ وكذا في الفتاوى الهندية: ۳۱۷/۱، باب المهر).

قاضی خان فقیہ ابواللیث کا قول ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وله أن يخرجها من المصر إلى القرية ومن القرية إلى المصر ومن القرية إلى القرية لأن النقل إلى ما دون السفر لا يعد غربة ويكون ذلك بمنزلة النقل من محلة إلى محلة. (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الہندیہ: ۳۸۶/۱، باب المهر). واللہ اعلم۔

بیوی کا والدین کی زیارت کے لئے جانے کا حکم:

سوال: عورت والدین کی زیارت و ملاقات کے لئے کتنے دن کے بعد جاسکتی ہے؟

الجواب: بصورت مسئلہ والدین کی زیارت کی تعیین کا مدار عرف پر ہے، تاہم ہمارے عرف و معاشرے کے مطابق اگر والدین قریب رہتے ہوں تو ہر ہفتہ ملاقات کر سکتی ہے اور اگر دور رہتے ہوں تو مہینہ میں ایک مرتبہ، لیکن اگر بہت زیادہ دور ہوں تو سال میں دو تین دفعہ ملاقات کی اجازت ملنی چاہئے۔
ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

ولا یمنعہا من الخروج إلى الوالدین فی کل جمعة إن لم یقدرا علی إتیانہا علی ما اختارہ فی الاختیار. وفي الشامية: الذي رأیته فی الاختیار شرح المختار: هكذا قيل لا یمنعہا من الخروج إلى الوالدین... وعن أبي يوسف فی النوادر تقييد خروجها بأن لا یقدرا علی إتیانہا فإن قدرا لا تذهب وهو حسن، وقد اختار بعض المشايخ منعها من الخروج إليهما والحق الأخذ بقول أبي يوسف إذا كانت الأبوان بالصفة التي ذكرت، وإلا ينبغي أن يأذن لها في زیارتہما فی الحین بعد الحین علی قدر متعارف، أما فی کل جمعة فهو بعيد، فإن فی كثرة الخروج فتح باب الفتنة خصوصاً إذا كانت شابة والزوج من ذوی الهيئات، بخلاف خروج الأبوين فإنه أيسر، وهذا ترجيح منه لخلاف ما ذكر فی البحر أنه الصحيح المفتی به من أنها تخرج للوالدین فی کل جمعة بإذنه وبدونه. (الدر المختار مع فتاوی الشامي: ۶۰۲/۳، ط: سعید).

وفي تقارير الرافعي: ما ذكره فی البحر عزاه إلى الخانية ونصه قالوا الصحيح أنه لا یمنعہا من الخروج إلى الوالدین ولا یمنعہما من الدخول علیها فی کل جمعة... وعليه الفتوى كما فی الخانية. (تقارير الرافعي: ۲۵۲/۳، ط: سعید).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وقيل: لا يمنعها من الخروج إلى الوالدين في كل جمعة مرة وعليه الفتوى . (الفتاوى

الهندية: ۵۵۷/۱، باب النفقات ، فصل في السكنى).

وفی فتاوی قاضی خان قالوا ليس للمرأة أن تخرج بغير إذن الزوج إلا بأسباب

معدودة و منها الخروج إلى زيارة الوالدين وتعزيتهما و عيادتهما و زيارة المحارم . (قاضی خان

على الهندية: ۴۴۳/۱، فصل في حقوق الزوجية) . واللہ تعالیٰ اعلم۔

غیر مسلم والدین کی زیارت کے لئے نکلنے کا حکم:

سوال: ہمارے علاقہ میں ایک عورت نے اسلام قبول کیا اور مسلمان مرد سے شادی کر لی، اب اگر اس

کے غیر مسلم والدین بیمار ہو جائیں تو زیارت کے لئے جاسکتی ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر محارم میں سے کوئی انتقال کر جائے تو جانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ والدین چاہے مسلمان ہوں یا غیر مسلم زیارت کے لئے جانے کی اجازت

ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا﴾ . (سورة لقمان: الآية: ۱۵) .

بخاری شریف میں روایت ہے:

وعن أسماء بنت أبي بكر رضي الله تعالى عنها، قالت: قدمت علي أمي وهي مشركة

في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، فاستفتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم،

قلت: وهي راغبة أفأصل أمي؟ قال: نعم، صلى أمك . (رواه البخاری: ۳۵۷/۱، باب الهدية

للمشركين).

نیز دیگر محارم جو کہ غیر مسلم ہوں ان کی عیادت کے لئے جانا جائز ہے، اسی طرح ان میں سے کوئی مر جائے

تو تعزیت کے لئے بھی جاسکتی ہے، لیکن جنازہ وغیرہ میں شرکت نہ کرے۔

در مختار میں ہے:

ولا يمنعها من الخروج إلى الوالدين في كل جمعة إن لم يقدر على إتيانها... ولو

کافراً وإن أبی الزوج ، فتح . وفي الشامية : قوله ولو كافراً لأن ذلك من المصاحبة بالمعروف المأمور بها . قوله وإن أبی الزوج لرجحان حق الوالد . (الدرالمختار مع الشامی : ۶۰۳/۳ ، باب النفقة ، ط : سعید) .

فتاویٰ ہندیہ میں ہے :

إذا كان لرجل أو لامرأة والدان كافران عليه نفقتهما وبرهما وخدمتهما وزيارتهما فإن خاف أن يجلباه إلى الكفر إن زارهما جاز له أن لا يزورهما ، كذا في الخلاصة ... وإذا مات الكافر قال لو والده أو قربه في تعزيتة : أخلف الله عليك خيراً منه وأصلحك أي أصلحك بالإسلام ورزقك ولداً مسلماً لأن الخيرية به تظهر كذا في التبيين . (الفتاویٰ الهندیة : ۳۴۸/۵ ، باب اهل الذمة) . واللہ تعالیٰ اعلم ۔

محارم کی زیارت کے لئے جانے کا حکم :

سوال : عورت والدین کے علاوہ دیگر محارم کی زیارت کے لئے جاسکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب : بصورتِ مسئلہ والدین کے علاوہ دیگر محارم کی زیارت کے لئے سال میں ایک دفعہ جانے کی

اجازت دینی چاہئے ، ہاں آپس کی رضا مندی سے سال میں کئی دفعہ جانا بھی جائز ہوگا ۔

ملاحظہ ہوشامی میں مذکور ہے :

وللمحارم في كل سنة مرة هو المختار . (فتاویٰ الشامی : ۶۰۲/۳ ، باب النفقة ، ط : سعید) .

البحر الرائق میں ہے :

قالوا الصحيح أنه لا يمنعها من الخروج إلى الوالدين ولا يمنعها من الدخول عليها

في كل جمعة وفي غيرهما من المحارم في كل سنة ... وفي الخلاصة معزياً إلى مجموع

النوازل يجوز للرجل أن يأذن لها بالخروج إلى سبعة مواضع زيارة الأبوين وعيادتهما

وتعزيتهما أو أحدهما وزيارة المحارم . (البحر الرائق : ۱۹۵/۴ ، باب النفقة ، ط : كوئٹہ) .

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وهل يمنع غير الأبوين من الزيارة قال بعضهم: لا يمنع المحرم من الزيارة في كل شهر وقال مشايخ بلخ: في كل سنة وعليه الفتوى، وكذا لو أرادت المرأة أن تخرج لزيارة المحارم كالخاله والعمه والأخت فهو على هذه الأقاويل كذا في فتاوى قاضیخان. (الفتاویٰ الهندیة: ۱/ ۵۵۷، باب النفقة، الفصل الثانی فی السکنی). واللہ تعالیٰ اعلم۔

میاں بیوی کے لئے الگ بستر کا حکم:

سوال: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے زمانہ میں شوہر اور بیوی کے لئے الگ الگ چار پائی ہوتی تھی یا پوری رات ایک بستر پر لیٹتے تھے؟ اور فقہاء کے کلام سے کیا معلوم ہوتا ہے؟

الجواب: احادیث اور عبارات فقہیہ سے عمومی احوال میں میاں بیوی کا ایک بستر پر سونا معلوم ہوتا ہے، لیکن بعض احادیث اور بعض عبارات فقہیہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایام ماہواری میں الگ بستر پر سونا چاہئے، خصوصاً نوجوان طبقے کے لئے جو صبر نہیں کر سکتے ہیں، اور گناہ میں ملوث ہو جانے کا قوی اندیشہ ہو، نیز یہ مسئلہ عرف و عادات کے لحاظ سے بھی مختلف ہوتا ہے، مثلاً بعض جگہوں کا دستور ہے کہ اولاد ہونے کے بعد یا اولاد کے باشعور ہونے کے بعد میاں بیوی علاحدہ بستر پر رات کا اکثر حصہ گزارتے ہیں، بایں ہمہ اس ملک میں چونکہ ہر ایک کا کمرہ علیحدہ ہوتا ہے اور میاں بیوی کا بھی مخصوص کمرہ ہوتا ہے اور پوری زندگی ایک بستر پر سوتے ہیں، لہذا ایام مخصوص وغیرہ میں صبر سے کام لیں تو ایک بستر میں سونے کی بھی گنجائش ہوگی۔

احادیث درج ذیل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) روى الشيخان عن أم سلمة رضي الله تعالى عنها واللفظ لمسلم أنها قالت:

بينما أنا مضطجعة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في الخميلة إذ حضت فانسلت،

الخ. (مسلم شريف: ۱/ ۱۴۲، الاضطجاع مع الحائض - و بخاری شريف: ۱/ ۴۶، النوم مع الحائض).

(۲) وروى البيهقي بسنده عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: كنت مع رسول

الله صلى الله عليه وسلم في لحاف واحد فانسلت فقال: ما شانك . (السنن الكبرى للبيهقي: ۳۱۱/۱، مباشرة الحائض).

(۳) وروى ابن أبي شيبة بسند صحيح عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: فقدت رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات ليلة من الفراش فالتمسته فوَقعت يدي (المصنف لابن أبي شيبة: ۱۵/۷۶/۲۹۷۵، المجلس العلمي).

(۴) وفي السنن الكبرى للبيهقي: عن أم المؤمنين عائشة رضي الله تعالى عنها أنها قالت: فقدت رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان معي على فراشي فوجدته ساجداً . (بيهقي سنن كبرى: ۱۱۶/۲، ابواب السجود، باب ضم العقبين).

(۵) وعن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: طلبت رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات ليلة في فراشي فلم أصبه... (السنن الكبرى للنسائي: ۴/۴۶۸، والمستدرک للحاكم: ۲/۳۴۹).
(۶) وذكر الإمام البخاري في بداية كتاب الصلاة عن عروة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلي وعائشة متعرضة بينه وبين القبلة على الفراش الذي كانا ينامان عليه . (بخاري شريف: ۱/۵۶، باب الصلاة على الفراش).

(۷) روى البخاري عن كريب مولى ابن عباس أن عبد الله بن عباس رضي الله تعالى عنه أخبره أنه بات ليلة عند ميمونة زوج النبي صلى الله عليه وسلم وهي خالته فاضطجعت في عرض الوسادة واضطجع رسول الله صلى الله عليه وسلم وأهله في طولها فنام رسول الله صلى الله عليه وسلم . (رواه البخاري: ۱/۳۰/۱۸۳، باب قراءة القرآن).

(۸) وفي مناقب المستدرک للحاكم في بيان وفاة أبي بكر الصديق رضي الله تعالى عنه عن عائشة رضي الله تعالى عنها... وحمل على سرير النبي صلى الله عليه وسلم وهو سرير عائشة رضي الله تعالى عنها الذي كانت تنام عليه . (المستدرک للحاكم: ۳/۶۶/۴۴۰۹).

(۹) وأخرج البخاري في النفقات والدعوات قصة فاطمة رضي الله تعالى عنها، وفيها: فلما جاء أخبرت عائشة رضي الله تعالى عنها قال: فجاءنا وقد أخذنا مضاجعنا

فذهبنا نقوم فقال: على مكانكما فقعد بيني وبينها... فقال:... إذا أخذتما مضاجعكما أو أويتما إلى فراشكما فسبحا ٣٣، واحمدا ٣٣، وكبرا ٣٣. (رواه البخاري: ٨٠٧/٢، باب عمل المرأة في بيتها).

(١٠) وقال ابن رجب الحنبلي في شرح البخاري: عن ابن سيرين قال: سألت عبيدة: ما للرجل من امرأته إذا كانت حائضاً؟ قال: الفراش واحد واللحاف شتى... وقد روى أن النبي صلى الله عليه وسلم كان ينام مع الحائض حيث لم يكن لهم سوى فراش واحد فلما وسع عليهم اعتزل نسائه في حال الحيض. (فتح الباري لابن رجب، باب مباشرة الحائض: ٤١٧/١).

وقال المناوي: إن السنة أن يبيت الرجل مع أهله في فراش واحد ولا يجري على سنن الأعاجم من كونهم لا يضاجعون نسائهم بل لكل واحد من الزوجين فراش فإذا احتاجها يأتيها أو تأتيه. (فيض القدير: ٣٠٩/١).

وفيه أيضاً: أن الأحب أن يبيت الرجل مع زوجته في فراش واحد. (فيض القدير: ٣٤٣/١). وأخرج مسلم وأبو داود والنسائي عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال له: فراش للرجل وفراش لامرأته والثالث للضيف، والرابع للشيطان. (مسلم شريف: ٤٩١/٢، اللباس، كراهة ما زاد على الحاجة - وأبو داود شريف: ٢١٥/٢، اللباس، باب في الفراش - و سنن النسائي: ٢٩/٢، باب الفراش).

وقال الإمام النووي في شرح هذا الحديث:

وأما تحديد الفراش للزوج والزوجة فلا بأس به؛ لأنه قد يحتاج كل واحد منهما إلى فراش عند المرض ونحوه وغير ذلك، واستدل بعضهم بهذا على أنه لا يلزمه النوم مع امرأته وإن له الانفراد عنها بفراش، والاستدلال به في هذا ضعيف؛ لأن المراد بهذا وقت الحاجة كالمرض وغيره كما ذكرنا، وإن كان النوم مع الزوجة ليس واجباً لكنه بدليل آخر والصواب في النوم مع الزوجة إذا لم يكن لواحد منهما عذر في الانفراد فاجتماعهما

في فراش واحد أفضل ، وهو ظاهر فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم على قيام الليل فينام معها فإذا أراد القيام لوظيفته قام وتركها فيجمع بين وظيفته وقضاء حقها المندوب ، وعشرتها بالمعروف لا سيما إن عرف من حالها حرصها على هذا ثم أنه لا يلزم من النوم معها الجماع . (شرح النووي على الصحيح لمسلم: ۱۹۴/۲) .

وقال المناوي : قيل أنه لا يلزمه المبيت مع زوجته بفراش ورد بأن النوم معها وإن لم يجب لكن علم من أدلة أخرى أنه أولى حيث لا عذر لمواظبة النبي صلى الله عليه وسلم . (فيض القدير ۴/۴۲۴) .

فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمائیں :

محیط برہانی میں ہے :

ولا ينبغي أن يعتزل فراشها؛ فإن ذلك تشبه باليهود ، وقد نهينا عن التشبه بهم ، روي أن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما فعل ذلك فبلغ ميمونة رضي الله تعالى عنها فأنكرت عليه وقالت : أترغب عن سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم تضاجعنا في فراش واحد في حالة الحيض . (المحيط البرهاني: كتاب الاستحسان والكراهية ، الفصل التاسع ، مباشرة الحائض) .
شامی میں ہے :

حاصله أنه لو وجد الزوجان في فراشهما منيا ولم يذكرا احتلاماً ... (فتاویٰ

الشامی: ۱/۱۶۴) .

بعض فقہی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت کے وقت دو بستر ہونے چاہئے ۔

ملاحظہ ہو فتح القدیر میں ہے :

وينبغي أن يكون لها فراش على حدة ولا يكتفي بفراش واحد لأنها قد تنفرد في الحيض والمرض ، وفي الأثر : فراش لك وفراش لأهلك وفراش للضيف ، والرابع للشيطان . (فتح القدير: ۴/۳۸۸ ، باب النفقة ، دار الفكر) .

البحر الرائق میں ہے:

قال شمس الأئمة في شرح كتاب النفقات : ذكر لها فراشاً على حدة ولم يكتف

بفراش واحد لأنها ربما تعتزل عنه في أيام الحيض أو في زمان مرضها. (البحر الرائق: ۴/ ۱۷۷،

باب النفقة۔ وفتاویٰ الشامی: ۳/ ۵۸۴۔ و المحيط: ۴/ ۱۷۹، نفقة الزوجات)۔

فقہ مالکی کی التاج والاکیل میں ہے:

ابن شاس: من له زوجة واحدة لا يجب مبيتة معها، ابن عرفة: الأظهر وجوبه أو تبينته

معه، امرأة ترضى لأن تركها وحدها ضرر... وفي صحيح مسلم أن رسول الله صلى الله

عليه وسلم قال: فراش لرجل وفراش... وفي نوازل ابن الحاج: قد يستدل من هذا

الحديث أنه ليس على الرجل أن ينام مع امرأته في فراش واحد وإنما حقها عليه في الوطاء

خاصة. (التاج والاکیل: ۵/ ۴۹۱، كتاب القسم۔ ومواهب الحلیل: ۵/ ۵۵۱، باب فی النفقة)۔

فقہ شافعی کی کتاب نہایۃ المحتاج میں ہے:

ويندب أن لا يخلی الزوجة في كل أربع ليال... وأن يناما في فراش واحد كما في

الجواهر حيث لا عذر في الانفراد. (نهایۃ المحتاج: ۶/ ۳۸۰)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

شوہر کے سامنے برہنہ ہونے کا حکم:

سوال: عورت کے لئے اپنے شوہر کے سامنے برہنہ ہونا اور کپڑے نکالنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ زوجین کا آپس میں ایک دوسرے کا پورا بدن دیکھنا جائز ہے، البتہ مخصوص

عضو کو دیکھنا خلافِ اولیٰ ہے۔

ملاحظہ فرمائیں حدیث شریف میں ہے:

عن بهز بن حکیم عن أبيه عن جده قال: قلت: يا رسول الله! عوراتنا مانأتي منها وما

ندر، قال: احفظ عورتك إلا من زوجتك أو ما ملكت يمينك. (رواه ابن ماجه: ۱۳۸)۔

وعن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: ما رأيت من رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا رأى مني مع طول صحبتي إياه. (أخرجه ابن ماجه في النكاح، باب التستر عند الجماع).

محیط برہانی میں ہے:

أما نظر الرجل إلى زوجته ومملوكته: فهو حلال من فرقها إلى قدمها عن شهوة وبغير شهوة، وهذا ظاهر، إلا أن الأولى أن لا ينظر كل واحد منهما إلى عورة صاحبه، قالت عائشة رضي الله تعالى عنها: ما رأيت من رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا رأى مني مع طول صحبتي إياه، وقال عليه السلام: إذا أتى أحدكم أهله فليستتر ما استطاع، ولا يتجردان تجرد البعير، وكان ابن عمر رضي الله تعالى عنهما يقول: الأولى أن ينظر الرجل إلى فرج امرأته وقت الوقاع ليكون أبلغ في تحصيل معنى اللذة، وعن أبي يوسف في الأمالي قال: سألت أبا حنيفة رحمه الله تعالى عن الرجل يمس فرج امرأته، أو تمس هي فرجه ليتحرك عليها، هل ترى بذلك بأساً؟ قال: أرجو أن يعظم الأجر. (المحيط البرهاني ٦/٦٤، كتاب الاستحسان والكراهية، الفصل التاسع، مكتبة رشيدية).

و كذا في البحر الرائق:....، والعناية في شرح الهداية:....، والفتاوى الهندية: ٥/٣٢٧، الباب الثامن، وفتاوى الشامى: ٦/٣٦٦، فصل في النظر والمس-ومعارف القرآن: ٦/٤٠٣).

علامہ سرحسّی فرماتے ہیں:

فأما نظره إلى زوجته ومملوكة فهو حلال من قرننها إلى قدمها عن شهوة أو عن غير شهوة لحديث أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال غض بصرک إلا عن زوجتك وأمتک وقالت عائشة رضي الله عنها: كنت أغتسل أنا ورسول الله صلى الله عليه وسلم من إناء واحد وكنت أقول: بق لي وهو يقول: بقي لي ولو لم يكن النظر مباحاً ما تجرد كل واحد منهما بين يدي صاحبه ولأن ما فوق النظر وهو المس والغشيان حلال بينهما قال تعالى: والذين هم لفروجهم حافظون إلا على أزواجهم أو ما ملكت أيمانهم. الآية. إلا أن مع هذا

الأولى أن لا ينظر كل واحد منهما إلى عورة صاحبه لحديث عائشة كما تقدم ذكره.
(المبسوط للسرخسی ۱۰/۱۴۸، کتاب الاستحسان، دار الفکر، واللہ تعالیٰ اعلم۔)

میاں بیوی کا آپس میں مخصوص عضو کو دیکھنے کا حکم:

سوال: کیا زوجین کے لئے جائز ہے کہ ایک دوسرے کے خاص عضو کو دیکھے، اور کیا یہ بات صحیح ہے کہ زوجہ کے مخصوص عضو کو دیکھنے سے بچے ناقص الخلقت پیدا ہوتے ہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ جب زوجین کا آپس میں ایک دوسرے کے پورے بدن کو دیکھنا جائز ہے، تو مخصوص عضو کو بھی دیکھنا جائز ہوگا، البتہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کی بنا پر ایسا کرنا خلاف اولیٰ ہے۔ لیکن بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ عضو مخصوص کو دیکھنے سے اولاد ناقص الخلقت پیدا ہوگی، تو یہ آثار محدثین کے نزدیک صحیح نہیں، بلکہ ابن جوزی وغیرہ نے موضوع کہہ کر رد کر دیا ہے۔ علاوہ ازیں عمومی طور پر عضو مخصوص چاہے خود اپنا ہو یا زوجہ کا اس کا دیکھنا اچھا نہیں طبی اعتبار سے اس کے نقصانات ہیں مثلاً اس سے نسیان طاری ہوتا ہے، وغیرہ۔ لہذا اس سے بچنا افضل اور بہتر ہے، تاہم ناجائز یا مکروہ نہیں ہے۔

ملاحظہ فرمائیں ابن ماجہ شریف میں ہے:

عن عائشة رضي الله عنها قالت: ما نظرت أو رأيت فرج رسول الله صلى الله عليه وسلم قط. وفي رواية له عن عتبة بن عبد السلام قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا أتى أحدكم أهله فلتستتر ولا يتجرد تجرد البعيرين". (رواهما ابن ماجه: ۱/۱۳۸، باب التستر، عند الجماع).

حافظ ابن حجرؒ تلخیص الحیر میں فرماتے ہیں:

قوله روي أنه صلى الله عليه وسلم قال: "النظر في الفرج يورث الطمس" رواه ابن حبان في الضعفاء من طريق بقیة عن ابن جریج عن عطاء عن ابن عباس بلفظ "إذا جامع الرجل زوجته فلا ينظر إلى فرجها فإن ذلك يورث العشا" قال: وهذا يمكن أن يكون بقیة

سمعه من بعض شیوخہ الضعفاء عن ابن جریج فدلّسه . وقال ابن أبي حاتم في العلل سألت أبي عنه فقال: موضوع وبقية مدلس . وذكر ابن قطن في كتاب أحكام النظر أن بقي بن مخلد رواه عن هشام بن خالد عن بقية قال نا ابن جریج وكذلك رواه ابن عدي عن ابن قتيبة عن هشام فما بقي فيه إلا التسوية ، وقد ذكره ابن الجوزي في الموضوعات وخالف ابن الصلاح فقال: إنه جيد الإسناد كذا قال وفيه نظر . (التلخيص الحبير في تخريج أحاديث الرافعي الكبير: ۳/۳۱۶/۱۴۸۹، ط: دار الكتب العلمية) .

ابن جوزی موضوعات میں فرماتے ہیں:

عن ابن جریج عن عطاء عن ابن عباس قال : قال رسول الله صلى عليه وسلم : ” إذا جامع أحدكم زوجته أو جاریته فلا ينظر إلى فرجها ، فإن ذلك یورث العمی “ . قال أبو حاتم ابن حبان : كان بقية يروي عن كذابین وثقة ويدلس ، وكان له أصحاب يسقطون الضعفاء من حديثه ويسوونه فيشبه أن يكون سمع هذا من بعض الضعفاء عن ابن جریر ثم يدلس عنه ، والتزق به ، وهذا موضوع . (الموضوعات لابن الجوزي: ۲/۲۷۱) .

وكذا في نصب الراية لأحاديث الهداية مع حاشيته بغية الالمعي في تخريج الزيلعي: ۴/۲۴۸ - وجامع الاحاديث للامام السيوطي : ۳/۳۵/۱۷۴ - وفي ” احاديث لاتصح “ لسليمان بن صالح الخراشي: ۱/۳) .
تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں:

(شرح الطريقة المحمدية ، جلد دوم: ۴۱۹ - الصنف الرابع من الاصناف التسعة في بيان آفات العين الباصرة - ومجمع الانهر شرح ملتقى الابحر، كتاب الكراهية في بيان أحكام النظر) . والله تعالى اعلم -

وظیفہ زوجیت ادا کرتے وقت بات چیت کرنے کا حکم:

سوال: بوقت جماع بات کرنے کا کیا حکم ہے؟ مکروہ ہے یا جائز؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ بوقت صحبت میاں بیوی کا آپس میں بات چیت کرنا مکروہ نہیں ہے، ہاں

کسی دوسرے کے ساتھ بات کرنا مکروہ ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ”امداد المفتین“ میں تحریر فرماتے ہیں:

حالت جماع میں کلام کرنا مکروہ ہے، کما فی الدر المختار: ویکرہ الکلام فی المسجد وخلف الجنائزہ وفی الخلاء وفی حالة الجماع، لیکن یہ جب ہے کہ کسی دوسرے سے کلام کرے اور خود زوجہ سے کلام کرنے میں مضائقہ نہیں۔ (امداد المفتین جلد دوم: ۱۰۳۲، کتاب الحظر والاباحۃ). واللہ تعالیٰ اعلم۔

عضوتناسل کو منہ میں لینے کا حکم:

سوال: کیا بیوی کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے شوہر کا عضوتناسل کو منہ میں لے لے، یا شہر کے لئے جائز ہے کہ وہ اس کے منہ میں دیدے؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ اس فعل سے اجتناب کرنا چاہئے، منہ کھانے پینے، مباحات اور ذکر اللہ کے لئے ہے، آلہ تناسل کی جگہ نہیں ہے، نیز منہ میں لینے کے وقت مذی نکلنے کا قوی احتمال ہے جو نجس اور ناپاک ہے، لہذا یہ کام خلافِ فطرت اور مکروہ ہے۔
ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

فی النوازل: إذا أدخل الرجل ذكره في فم امرأته قد قيل يكره وقد قيل بخلافه كذا في الذخيرة. (الفتاویٰ الهندیة: ۳۷۲/۵).

احسن الفتاویٰ میں فتاویٰ ہندیہ کی عبارت کے بعد مرقوم ہے:

أقول: المبیح مجهول منکر، وقوله مردود شرعاً وعقلاً. (احسن الفتاویٰ: ۴۵/۸).

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

بے شک شرمگاہ کا ظاہری حصہ پاک ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر پاک چیز کو منہ لگایا جائے اور منہ میں لیا جائے اس کو چوما جائے اور چاٹا جائے، ناک کی رطوبت پاک ہے تو کیا ناک کے اندرونی حصہ کو زبان لگانا، اس کی رطوبت کو منہ میں لینا پسندیدہ چیز (خصلت) ہو سکتی ہے؟ اور اس کی اجازت ہو سکتی ہے؟ مقعد (پاخانہ) کا

مقام) کا ظاہری حصہ بھی ناپاک نہیں، پاک ہے تو کیا اس کو چومنے کی اجازت ہوگی؟ نہیں ہرگز نہیں، اسی طرح عورت کی شرمگاہ کو چومنے اور زبان لگانے کی اجازت نہیں، سخت مکروہ اور گناہ ہے، کتوں، بکروں وغیرہ حیوانات کی خصلت کے مشابہ ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۶/۲۷۰)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ملاعبت میں انگشت استعمال کرنے کا حکم:

سوال: کیا شوہر بیوی سے ملاعبت کے وقت انگشت استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ بیوی سے ملاعبت کے وقت انگشت کا استعمال دبانے اور مس کی حد تک درست ہے، لیکن انگلی کو شرمگاہ میں داخل کرنے کی اجازت نہیں۔
ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وما حل النظر إلیہ حل مسہ ونظرہ وغمزہ۔ (الفتاویٰ الہندیہ: ۵/۳۲۸)۔

وفی الشامیہ: والأصبع لیس آلة للجماع۔ (فتاویٰ الشامی: ۱/۱۶۶، ط: سعید)۔

شرح العنایۃ میں ہے:

روی عن أبي يوسف في الأمالي قال: سألت أبا حنيفة عن الرجل يمس فرج امرأته أو تمس هي فرجه ليتحرك عليها هل ترى بذلك بأساً؟ قال: لا، أرجو أن يعظم الأجر.
(شرح العنایۃ علی الہدایۃ علی هامش فتح القدیر: ۳۱)۔

وکذا فی الفتاویٰ الہندیہ: ۵/۳۲۸، کتاب الکراہیۃ۔ والمحیط البرہانی: ۶/۶۵، کتاب الاستحسان)۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

عورت سے استمناء بالید کرانے کا حکم:

سوال: اگر عورت حیض میں ہے تو کیا مرد عورت سے استمناء بالید کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ بیوی کے ہاتھ سے استمناء کی گنجائش اس وقت ہے جب کہ حالت حیض

میں جماع کا خطرہ ہو، عام حالات میں اجازت نہیں، نیز عادت پڑ جانے کا خطرہ ہے، اس لیے جو آدمی اپنے اوپر قابو نہیں پاسکتا ہے وہ حیض میں بیوی سے دور رہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

ويجوز أن يستمني بيد زوجته وخادمتہ... ويدل أيضاً على ما قلنا ما في الزيلعي
حيث استدل على عدم حله بالكف بقوله تعالى: ﴿والذين هم لفروجهم حافظون﴾. الآية.
وقال: فلم يبيح الاستمتاع إلا بهما أي بالزوجة والأمة، فأفاد عدم حل الاستمتاع أي قضاء
الشهوة بغيرهما هذا ما ظهر لي، والله أعلم. (فتاویٰ الشامی: ۲/۳۹۹، باب ما يفسد الصوم وما لا
يفسده).

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں:

اپنی زوجہ کے ہاتھ سے انزال کرنا اگر بضرورت ہو تو بلا کراہت جائز ہے، مثلاً حیض و نفاس وغیرہ کے
عذر سے جماع نہیں کر سکتا اور غلبہ شہوت کی وجہ سے صبر مشکل ہے، وغیر ذلک، اور اگر بلا ضرورت ہو تو مکروہ ہے۔
(امداد المفتین: ۷/۲۳۸).

مزید ملاحظہ ہو: (احسن الفتاویٰ ۸/۳۶۴). واللہ اعلم۔

شوہر کی خوشنودی کے لئے پستان کو بڑا کرنا:

سوال: کیا عورت اپنے شوہر کی خوشنودی کے لئے اپنے پستانوں کو بڑا کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: پستانوں کو بڑا کرنا اللہ تعالیٰ کی خلقت میں تبدیلی کرنا ہے، اور حدیث میں آتا ہے: ”لا

طاعة لمخلوق في معصية الخلاق“۔ لہذا شوہر کی رضامندی کے لئے پستانوں کو بڑا کرنا درست نہیں ہے۔

جدید فقہی مسائل میں مولانا خالد سیف اللہ تحریر فرماتے ہیں:

اسلام کا نقطہ نظریہ ہے کہ جسم اللہ کی امانت اور اس کا پیکر اللہ کی تخلیق کا مظہر ہے، جس میں کسی شرعی اور فطری ضرورت کے بغیر کوئی خود ساختہ تبدیلی درست نہیں، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصنوعی طور پر بال لگانے، خوبصورتی کے لئے دانتوں کے درمیان فصل پیدا کرنے کو ناجائز، قابل لعنت اور اللہ کی خلقت میں تغیر قرار دیا ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ محض زینت اور فیشن کی غرض سے اس قسم کا کوئی آپریشن اور جسم میں کوئی تغیر قطعاً درست نہ ہوگا، جیسا کہ آج کل ناک، پستان وغیرہ کے سلسلہ میں کیا جاتا ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

”لعن اللہ الواشمات والمستوشمات والمتنمصات“۔ (رواہ البخاری: ۲/۸۷۹، کتاب اللباس)

”أن رسول الله صلى الله عليه وسلم حرم الوشر“۔ (نسائی: ۲/۲۸۱، باب تحریم الوشر)۔

”ولعن المتفلجات للحسن المغيرات خلق الله“۔ (مسلم: ۲/۲۰۵، باب تحریم فعل الواصلة)۔

ہاں اگر عام فطرت کے خلاف کوئی عضو زیادہ ہو گیا مثلاً پانچ کی بجائے چھ انگلیاں ہو گئیں تو آپریشن کے ذریعہ ان کو علیحدہ کیا جاسکتا ہے۔

إذا أراد الرجل أن يقطع أصبعاً زائدة أو شيئاً آخر ... إن كان الغالب على من قطع مثل ذلك الهلاك فإنه لا يفعل وإن كان الغالب هو النجاة فهو في سعة من ذلك۔ (الفتاویٰ الہندیہ: ۵/۳۶۰)۔ (جدید فقہی مسائل: ۱/۳۱۲)۔

بخاری شریف میں ہے:

عن إبراهيم عن علقمة قال: ”لعن عبد الله الواشمات والمستنصات والمتفلجات للحسن المغيرات خلق الله فقالت أم يعقوب ما هذا؟ قال عبد الله: وما لي لا ألعن من لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم وفي كتاب الله؟ قالت: والله لقد قرأت ما بين اللوحين فما وجدته قال: والله لئن قرأته وجدته: ﴿ما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا﴾۔ (رواہ البخاری: ۲/۷۹، باب المتنمصات)۔ واللہ اعلم۔

شوہر کی اجازت کے بغیر صدقہ کرنا:

سوال: میرے شوہر نہایت ہی بخیل قسم کے آدمی ہیں، تقریباً بیس سال سے ہم شادی شدہ ہیں لیکن کوئی بھی پرانے کپڑے یا جوتے وغیرہ اگرچہ پھٹ جائے کسی کو نہیں دیتے نئی چیزیں خریدتے ہیں، لیکن پرانی چیزیں نہیں دیتے، لہذا ایک مرتبہ میں نے اپنے شوہر کے کچھ پرانے جوتے اور کپڑے وغیرہ ان کے علم کے بغیر فقراء کو دیدے، بعد میں معلوم ہوا کہ ان کی اجازت نہیں تھی، کیونکہ وہ چیزیں میری نہیں تھیں، اب اگر شوہر کو بتاؤں گی تو بہت غصہ ہوں گے کیونکہ ان کا مزاج بہت سخت ہے، میں جاننا چاہتی ہوں کہ میں کس طرح اس کی تلافی کروں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ معمولی چیز کا صدقہ کرنا بلا اجازت شوہر شوہر کے مال میں سے جائز ہے اور اس کا مدار عرف پر ہے، اگر عام طور پر عرف میں شوہر کی اجازت کے بغیر معمولی چیزوں کا صدقہ کرتے ہیں اور شوہر ناراض نہیں ہوتا تو جائز ہے، لہذا شوہر کو بتلانے کی ضرورت نہیں ورنہ لڑائی جھگڑے پیدا ہوں گے، اگر احتیاط پر عمل کرنا ہو تو ان پرانے کپڑوں کی قیمت لگا کر اتنی رقم یا کوئی اور چیز اپنی ملکیت سے شوہر کو دیدے، لیکن آئندہ اس بات کا خیال رکھے کہ اگر فتنہ لڑائی کا اندیشہ ہو تو صدقہ نہ کرے بلکہ شوہر کو ترغیب دے کہ شوہر خود صدقہ کر لے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولا بأس للمرأة أن تتصدق من بيت سيدها أو زوجها باليسير كـ رغيف ونحوه ملتقى ولو علم منه عدم الرضا لم يجز، وفي الشامية: قوله كـ رغيف لأن ذلك غير ممنوع عنه في العادة، هدايه، بقي لو كان في بيته من في مقام المرأة كحاجبه و غلامه نقل ابن الشحنة عن ابن وهبان أنه لم يره في كلامهم وأنه ينبغي أن يجوز فياساً عليها ثم نقل عنه أنه لو كانت الزوجة ممنوعة من التصرف في بيته تأكل معه بالفرض ولا يمكنها من طعامه والتصرف في شيء من ماله ينبغي أن لا يجوز لها الصدقة، واعترضه بأنه جرى العرف بالتصدق بذلك

مطلقاً تأمل. (الدر المختار مع فتاوى الشامى: ١٦٢/٦، ط: سعيد).

شرح منظومہ ابن وہبان میں ہے:

قلت: الذي ينبغي تحكيم العرف والعادة في ذلك وقد جرى العرف بالتصدق بذلك مطلقاً سواء كانت تأكل بالفرض أولاً . (شرح منظومہ ابن وہبان: ۹۳/۲ فصل من كتاب المأذون، ط: الوقف المدني ديوبند).

وأيضاً في شرح منظومہ ابن وہبان:

قال: والزوجة وفتاة البيت وهي الأمة إذا تصدقت بالطعام لا بأس بذلك إذا كان على الرسم للعرف وإن لم يكن بإذن الزوج والمولى، وقدره في الهداية بالرجف ونحوه. (شرح منظومہ ابن وہبان: ۹۲/۲، فصل من كتاب المأذون، ط: الوقف المدني ديوبند۔ وكذا في حاشية الطحطاوى على الدر المختار: ۹۲/۴، ط: كوئٹہ).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولا بأس للمرأة أن تتصدق من بيت زوجها بشيء يسير كرجف ونحوه بدون استطلاع رأي الزوج كذا في الكافي . قال رضى الله عنه وفي عرفنا المرأة والأمة لا تكون مأذونة بالتصدق بالنقد كذا في فتاوى قاضیخان . (الفتاوى الهندية: ۷۳/۵) . واللہ تعالیٰ اعلم۔

دو بیویوں کے درمیان برابری کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص اپنی بیوی کے لئے روزانہ عصر کے بعد پھلوں کا ہدیہ لے کر آتا ہے، اور دوسری بیوی کے لئے نہیں لاتا یا کم لاتا ہے، اس کا یہ عمل درست ہے یا قابل اصلاح ہے؟

الجواب: بصورت مسئلہ نفس ہدیہ و تحفہ میں مساوات ضروری ہے اگرچہ مقدار اور نوعیت میں کچھ فرق ہو۔ نیز اگر ایک بیوی خوش حال اور مالدار گھرانہ کی ہے، اور دوسری بیوی تنگ دست اور فقر و فاقہ والے گھرانہ سے ہو تو دونوں کے درمیان نفقہ میں برابری ضروری نہیں ہے، دونوں کے درمیان نوعیت و مقدار میں کمی بیشی جائز

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله وفي الملبوس والمأكل ... قال في البحر: قال في البدائع: يجب عليه التسوية بين الحرّتين والأمتين في المأكل والمشروب والملبوس والسكنى والبيتوتة، وهكذا ذكر الولوالجي، والحق أنه على قول من اعتبر حال الرجل وحده في النفقة وأما على القول المفتى به من اعتبار حالهما فلا، فإن إحداهما قد تكون غنية والأخرى فقيرة، فلا يلزم التسوية بينهما مطلقاً في النفقة. (فتاویٰ الشامی: ۲۰۲/۳، باب القسم).

وفي الطحطاوي على الدر المختار: ان النفقة يعتبر فيها حالهما فحينئذ قد تكون إحداهما غنية والأخرى فقيرة فلا يلزم التسوية بينهما في النفقة. (حاشية الطحطاوي: ۲/۸۸- وكذا في البحر الرائق: ۲۱۸/۳).

عمدة القاری میں ہے:

وتمام العدل أيضاً بينهن تسويتهن في النفقة والكسوة والهبة ونحوها. (عمدة القاری: ۱۸۷/۱۴، باب العدل بين النساء، دار الحديث، ملتان).

بذل المجہود میں ہے:

باب في القسم أي العدل بين النساء المبيت والطعام والكسوة والإعطاء. (بذل المجہود: ۱۰/۱۶۹).

امداد الاحکام میں ہے:

عدل کے معنی جور کے مقابل ہیں یعنی ہر چیز کے ساتھ اس کے مناسب اور حق واجب کے موافق برتاؤ کرنا پس اگر زوجین یار اور اعسار میں مساوی ہیں تو نفقہ میں تسویہ ورنہ حسب حیثیت عدل واجب ہے، تعدد ازواج کی صورت میں تسویہ صرف بیوتہ وصلات زائدہ میں واجب ہے جب کہ سب حرائر ہوں بقیہ امور میں عدل ہی واجب ہے۔ (امداد الاحکام: ۲/۳۷۷)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

شوہر کا شرعی حجاب سے مانع بننے کا حکم:

سوال: ایک عورت ماشاء اللہ شریعت کے احکام پر عمل کرتے ہوئے پورے چہرے کا پردہ کرنا چاہتی ہے، لیکن شوہر نہیں چاہتا اور منع کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ اس کے ساتھ بغیر حجاب کے باہر جائے تو عورت کیا کرے؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ عورت کا حجاب از روئے شریعت مطلوب و مرغوب ہے اور شوہر کا منع کرنا خلاف شریعت حکم کرنا ہے، شریعتِ مطہرہ جس کی اجازت نہیں دیتی، ”لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق“ لہذا عورت شرعی قانون کو پس پشت نہ ڈالے بلکہ شریعت پر عمل کرتے ہوئے، شوہر کو سمجھانے کی کوشش کرے، ترغیب دلائے، لیکن اس کے ساتھ ضد، بغاوت وغیرہ نہ کرے اور بدسلوکی سے پیش نہ آئے، شوہر کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی بھی نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ شوہر کے دل کو نرم کر دے گا اور شرعی حجاب کے لئے آمادہ ہو جائیگا۔ اس زمانہ میں بہتر صورت یہ ہے کہ شوہر کو تبلیغ سے آشنا کرا کر کچھ وقت کے لئے جماعت میں بھیج دے، واپسی پر ان شاء اللہ خود پردہ کا حکم کریگا۔

قال اللہ تعالیٰ: ”وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ“۔ (سورة الاحزاب:

الآية: ۵۳)۔

مذکورہ آیت کریمہ میں اگر چہرہ کا پردہ نہ ہوتا تو پھر ”من وراء حجاب“ کی کیا ضرورت ہے، پھر سامنے آنے میں بھی کوئی حرج نہیں تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بیوی کو چھوڑ کر سال میں جانے کا حکم:

سوال: عام طور پر فارغ ہونے کی بعد تبلیغ میں سال لگاتے ہیں، چاہے شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ اگر شادی شدہ ہے تو بیوی بچوں کو چھوڑ کر سال لگانا جائز ہے یا نہیں؟ نیز بیوی کی رضا و عدم رضا سے کوئی فرق ہو گا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ چار ماہ لگانا، یا سال لگانا، میاں بیوی کی رضامندی پر موقوف ہے، اکثر صورت حال یہ ہوتی ہے کہ شادی سے پہلے ہی جانبین سے طے کر لیا جاتا ہے کہ لڑکا شادی کے بعد فوراً سال میں جائے گا، اسی وجہ سے نکاح ہو جاتا ہے، رخصتی سال کے بعد ہوتی ہے۔

ہاں اگر رخصتی ہو چکی ہے اور دونوں ساتھ رہنے لگے ہیں تو سال میں جانے کے لئے بیوی کی رضامندی ضروری ہے۔ لہذا بیوی راضی ہو اور فتنہ وغیرہ کا کوئی اندیشہ بھی نہ ہو تو سال لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ جانا بے حد مفید ہے۔

علامہ ہسکفیؒ نے فرمایا کہ گاہے گاہے دیانۃً صحبت واجب ہے اور ایلاء کی مدت یعنی چار ماہ تک بغیر وطی و صحبت کے نہ گزارے مگر بیوی کی رضامندی سے ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔

يجب ديانة أحياناً ولا يبلغ مدة الإيلاء إلا برضاها. (الدر المختار: ۳/۲۰۳، باب القسم).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

اگر عورت کو تحمل ہے اور اس کی اجازت سے شوہر سال بھر میں ایک دفعہ گھر جاتا ہے تو ان شاء اللہ آثم نہیں ہوگا، ورنہ عدم ادائے حق کا مرتکب ہوگا، چار ماہ سے زیادہ باہر نہ رہے۔ کذا فی رد المحتار. (فتاویٰ محمودیہ: ۵۹۲/۱۸، مبوب و مرتب).

دوسری جگہ مرقوم ہے:

اگر عورت جوان ہو تو اس کو چار ماہ سے زائد چھوڑنا نہیں چاہئے کہ فتنہ کا اندیشہ ہے، اگر صبر کر سکتی ہو اور فتنہ کا اندیشہ نہیں تو سال بھر میں بھی مضائقہ نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۹۲/۱۸، مبوب و مرتب).

نیز مرقوم ہے:

بیوی کا حق نان و نفقہ کے علاوہ کچھ اور بھی ہے اس کا کیا انتظام کیا؟ اگر وہ جوان ہے اور جذبات پر قابو نہ پاسکی تو اس کا حق ضائع ہوگا، ہاں اگر اس کو قابو ہے اور اس نے بخوشی اتنی طویل مدت کی اجازت دیدی اور کسی معصیت کا خطرہ نہیں تو اجازت ہے، ورنہ چار ماہ میں ایک دفعہ اس کے پاس آجایا کرے۔ و يجب ديانة أحياناً، ولا يبلغ مدة الإيلاء إلا برضاها. (فتاویٰ محمودیہ: ۵۹۲/۱۸، مبوب و مرتب).

علاوہ ازیں اس کی نظیر فقہاء کی عبارات سے ہم یہ پیش کر سکتے ہیں کہ عنین کی زوجہ کو فقہاء ایک سال کی مہلت دیتے ہیں، اور مفقود کی زوجہ کو چار سال کی، حالانکہ اس طویل مدت میں بھی تو فتنہ کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

جنسی خواہش کی تکمیل کے لئے مصنوعی آلات کے استعمال کا حکم:

سوال: ایک عورت کا خاوند جو اپنی اہلیہ کے ساتھ صحبت ہی نہیں کرتا ہے اور اس وجہ سے عورت اپنے خاوند سے ناراض ہے وہ خاوند تندرست و صحبت مند بھی ہے تو کیا اس کی اہلیہ اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لئے کسی مصنوعی قسم کے آلات کو استعمال کر سکتی ہے؟ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جہاں شریعت مطہرہ نے جنسی خواہشات کی تکمیل کی اجازت دی ہے وہیں اس کا فطری طریقہ بھی انسانیت کی رہنمائی کے لئے بتلادیا ہے، تاکہ فطری خواہش کی تکمیل کے ساتھ توالد و تناسل کا سلسلہ بھی چلتا رہے، اس فطری طریقہ کے خلاف جو بھی طریقہ خواہشات کی تکمیل کے لئے اختیار کیا جائے گا، وہ نہ صرف یہ کہ شرعی نقطہ نظر سے ممنوع ہوگا، بلکہ خلاف فطرت ہونے کے ساتھ ساتھ اخلاقی پستی کا بھی باعث بنے گا، چنانچہ شریعت مطہرہ میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ جب تک کسی کو تکمیل خواہش کے لئے یہ فطری طریقہ میسر نہ آ سکے تو وہ بالکل اپنی عفت اور پاکدامنی کو برقرار رکھنے کے لئے غیر فطری طریقوں سے بچیں۔

چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ بعض صحابہ کرام نے عالم شباب میں نکاح پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں سوال کیا کہ ہم کیا کریں؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کثرت سے روزے رکھنے کا حکم فرمایا۔ معلوم ہوا کہ جب تک فطری طریقہ سے قضائے شہوت ممکن نہ ہو تو غیر فطری طریقہ کی اجازت نہیں ہے، بلکہ عفت و پاکدامنی کو برقرار رکھنا ضروری ہے۔

لہذا صورت مسئلہ میں خاتون کو شرعاً اس بات کی اجازت نہ ہوگی کہ کسی بھی غیر فطری طریقہ کو اختیار کرتے ہوئے کسی بھی قسم کے مصنوعی آلات کو استعمال کریں، اس کے بجائے وہ کسی بھی طریقہ سے اپنے خاوند کو حقوق کی ادائیگی پر رضا مند کرنے کی کوشش کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

متعدد شوہر دالی خاتون جنت میں کس کو ملے گی؟

سوال: اگر کسی عورت کے متعدد شوہر ہوں یکے بعد دیگرے تو جنت میں کس شوہر کو ملے گی؟

الجواب: اس مسئلہ میں علماء کے دو قول ہیں: (۱) آخری شوہر کو ملے گی۔ (۲) اس عورت کو اختیار دیا جائے گا جس کو چاہے اختیار کر لے۔

دونوں اقوال میں تطبیق کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ دونوں شوہر اخلاق میں برابر ہوں تو آخری شوہر کو ملے گی، اور اگر اخلاق میں تفاوت ہو تو اچھے اخلاق والے کو اختیار کرے گی۔

ملاحظہ فرمائیں روایت میں ہے:

(۱) عن عطية بن قيس الكلاعي قال: خطب معاوية بن أبي سفيان رضي الله تعالى عنه أم الدرداء رضي الله تعالى عنها بعد وفاة أبي الدرداء رضي الله تعالى عنه، فأتت وقالت: سمعت أبا الدرداء رضي الله تعالى عنه يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "أَيُّمَا امْرَأَةٍ تُوْفِي عَنْهَا زَوْجَهَا فَمَتَّ وَفِي لآخر أزواجها وما كنت لأختار على أبي الدرداء رضي الله تعالى عنه فكتب إليها معاوية رضي الله تعالى عنه فعليك بالصوم فإنها محسنة." (رواه الطبراني في الكبير والوسط، وفيه أبو بكر بن أبي مریم وقد اختلط)۔ (مجمع الزوائد: ۲۷۰/۴، باب فی المرأة تدخل الجنة ولها أزواج، ط: دار الفکر۔ وكذا فی بستان فقیہ ابی الیث السمرقندی: ص ۱۵۱)۔

(۲) وعن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قالت أم حبيبة رضي الله تعالى عنها يا رسول الله! المرأة يكون لها زوجان ثم تموت فتدخل الجنة هي وزوجها، لأيهما تكون للأول أو لآخر قال: تخير فتختار أحسنهما خلقاً كان معها في الدنيا يكون زوجها في الجنة يا أم حبيبة رضي الله تعالى عنها ذهب حسن الخلق بخير الدنيا والآخرة. رواه الطبراني والبخاري، وفيه عبيد بن إسحاق وهو متروك۔ (مجمع الزوائد: ۲۴/۸، باب ما جاء في حسن الخلق، ط: دار الفکر)۔

پہلی روایت یعنی آخری شوہر والی قوی روایت ہے، اور اس کے شواہد بھی موجود ہیں۔

ملاحظہ ہو شیخ البانی فرماتے ہیں:

قلت: وهذا إسناد رجاله ثقات معروفون غير العباس بن صالح هذا، ورواه أبو الشيخ في "التاريخ" (ص ۲۷۰): ثنا أحمد بن إسحاق الجوهری ثنا إسماعیل بن زرارۃ قال: ثنا أبو الملیح الرقی به مقتصرأ علی المرفوع فقط، وهذا إسناد صحيح. رجاله ثقات معروفون غير الجوهری، قال أبو الشيخ: ثقة، حسن الحديث، فمن حسان حديثه... ثم ساق له أحادیث هذا أحدها...

وبالجملة فالحدیث بمجموع الطريقین قوي، والمرفوع منه صحيح، وله طرق أخرى مرفوعاً وموقوفاً عند ابن عساكر (۲/۲۸۱/۱۹) عن أبي الدرداء رضي الله تعالى عنه وله شاهدان موقوفان.

الأول: عن أبي بكر رضي الله تعالى عنه، يرويه ابن عساكر (۱/۱۹۳/۱۹) من طريق كثير بن هشام عن عبد الكريم عن عكرمة.

"أن أسماء بنت أبي بكر رضي الله تعالى عنها كانت تحت الزبير بن العوام رضي الله تعالى عنه، وكان شديداً عليها، فأتت أباهاً فشكت ذلك إليه، فقال: يا بنیة اصبري فإن المرأة إذا كان لها زوج صالح، ثم مات عنها، فلم تزوج بعده جمع بينهما في الجنة" و رجاله ثقات إلا أن فيه إرسالاً لأن عكرمة لم يدرك أبابكر رضي الله تعالى عنه إلا أن يكون تلقاه عن أسماء بنت أبي بكر رضي الله تعالى عنه. والله أعلم.

والآخر: عن عيسى بن عبد الرحمن السلمي عن أبي إسحاق عن صلة عن حذيفة رضي الله تعالى عنه أنه قال لامرأته: "إن شئت أن تكوني زوجتي في الجنة، فلا تزوجي بعدي، فإن المرأة في الجنة لآخر أزواجها في الدنيا، فلذلك حرم الله على أزواج النبي صلى الله عليه وسلم أن ينكحن بعده، لأنهن أزواجه في الجنة". أخرجه البيهقي في "السنن" (۷/۶۹/۷).

ورجالہ ثقات ، لولا عنعنہ ابي إسحاق - وهو السبيعي - واختلاطه . (سلسلة الاحاديث الصحيحة للشيخ الالباني: ۳/۲۷۵/۱۲۸۱).

فیض القدیر کے حاشیہ میں مذکور ہے:

ويمكن الجمع بين الأحاديث الثلاثة بأنها تكون لآخر أزواجها إذا تساوا في الخلق، وإلا فتختار أحسنهم خلقاً، والله أعلم . (حاشية فيض القدیر لأحمد عبدالسلام: ۳/۱۹۵/۲۹۸۳، دارالكتب العلمية بيروت).

تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (مجموعۃ الفتاویٰ للعلامة عبدالحی الکنوی: ۳/۲۹۶، متفرقات، و ۱/۱۱۵، کتاب القرآن، باب الجنة۔ و فتاویٰ محمودیہ: ۱/۶۹۱، مبوب و مرتب)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

زوجین کا ایک دوسرے کو نام سے پکارنے کا حکم:

سوال: کیا میاں، بیوی ایک دوسرے کو نام سے پکار سکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ اس ملک میں بکثرت سننے میں آتا ہے کہ عورتیں اپنے شوہروں کو نام سے پکارتی ہیں، کیا اس میں کوئی قباحت ہے یا نہیں؟

الجواب: بیوی کا شوہر کو اس کے نام سے پکارنا تعظیم و ادب کے خلاف اور مکروہ ہے، شوہر کی عزت و احترام کو برقرار رکھتے ہوئے تعظیمی الفاظ سے پکارنا چاہئے، اسی طرح کنیت سے یعنی ابو فلان، ابو فلانہ کہہ کر پکارنا بھی درست ہے۔

ہاں شوہر بیوی کو نام لے کر پکار سکتا ہے چنانچہ بکثرت روایات موجود ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کو ان کے ناموں سے پکارتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جمع کا صیغہ استعمال فرمایا جو عظمت و احترام کا ترجمان ہے۔

ملاحظہ ہو مسلم شریف میں ہے:

عن أم عطية قالت: بعث إلي رسول الله صلى الله عليه وسلم بشاة من الصدقة فبعث

إلى عائشة رضي الله تعالى عنها منها بشيء فلما جاء رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى عائشة رضي الله تعالى عنها قال : هل عندكم شيء قالت : لا ، إلا أن نسيبة بعثت إلينا من الشاة التي بعثتم بها إليها قال : إنها قد بلغت محلها . (رواه مسلم : ۳۴۵/۱ ، باب اباحة الهدية للنبي صلى الله عليه وسلم ، فيصل ببلشرز) .

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

يكره أن يدعو الرجل أباه والمرأة زوجها باسمه كذا في السراجية . (الفتاوى الهندية : ۳۶۲/۵ ، باب تسمية الاولاد) .

”الموسوعة الفقهية الكويتية“ میں ہے:

ذكر الحنفية أنه يكره أن يدعو الرجل أباه وأن تدعو المرأة زوجها باسمه بل لا بد من لفظ يفيد التعظيم لمزيد حقها على الولد والزوجة ، وليس هذا من التزكية لأنها راجعة إلى المدعو بأن يصف نفسه بما يفيدها ، لا إلى الداعي المطلوب منه التأدب مع من هو فوقه . (الموسوعة الفقهية الكويتية : ۳۳۷/۱۱ ، أحكام التسمية ، نداء الزوج والاب ونحوهما بالاسم المجرد ، ط : وزارة الاوقاف والشئون الاسلامية ، الكويت) .

کتاب الفتاویٰ میں ہے:

نام لے کر مخاطب کرنا خلاف ادب ہے، اس لیے بیٹا اپنے باپ کو اور بیوی اپنے شوہر کو نام سے نہ پکارے فقہاء نے اسے مکروہ قرار دیا ہے، اگر غائبانہ نام سے ذکر کیا جائے تو حرج نہیں، شوہر بیوی کو نام لے کر پکار سکتا ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو نام لے کر مخاطب فرمایا ہے، البتہ بتقاضہ حیا لوگوں کی موجودگی کی وجہ سے بال بچوں کی نسبت سے مخاطب کیا جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ (کتاب الفتاویٰ : ۴/۴۱۰) . واللہ تعالیٰ اعلم۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى:

﴿لَا يُوَاحِدُكُمْ اللَّهُ بِاللُّغُوفِ أَيْمَانَكُمْ

وَلَكِنْ يُوَاحِدُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ﴾

(سورة البقرة، الآية: ۲۲۵).

کتاب الایمان

والنذور

باب..... (۱)

ایمان کا بیان

وَقَالَ تَعَالَى:

﴿لَا يُوَاحِدُكُمْ اللَّهُ بِاللُّغُوفِ أَيْمَانَكُمْ

وَلَكِنْ يُوَاحِدُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ﴾

(سورة المائدة، الآية: ۸۹).

باب ﴿۱﴾

ایمان سے متعلق احکام

غیر اللہ کی قسم کھانے کا حکم اور ”أفلح وأبیه“ کا جواب:

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر اللہ اور اپنے باپ کی قسم کھانے سے منع فرمایا، مختلف احادیث اس پر دلالت ہیں، مثلاً بخاری شریف میں ہے: ”قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تحلفوا بآبائكم“۔ (رواه البخاري: ۹۸۳/۲، ۶۶۲۸)۔

دوسری جگہ مذکور ہے: ”ألا إن الله ينهاكم أن تحلفوا بآبائكم، من كان حالفاً فليحلف بالله أو ليصمت“۔ (صحیح بخاری شریف: ۹۸۳/۲، ۶۶۴۶)۔

لیکن دوسری طرف صحیح مسلم شریف کی روایت میں ”أفلح وأبیه“ وارد ہوا ہے۔ ان دونوں میں کیا تطبیق ہے؟ اور ”أفلح وأبیه“ (کامیاب ہوا اس کے باپ کی قسم) کا کیا جواب ہے؟

الجواب: واضح ہو کہ قسم کی کل تین قسمیں ہیں: (۱) کسی کی تعظیم کرتے ہوئے اس کو متصرف سمجھ کر قسم کھانا۔ (۲) صرف استشہاد کے لئے قسم کھانا۔ جیسے: ﴿والتين والزيتون﴾۔
متنبی کہتے ہیں:

فومن أحب لأعصينك في الهوى ☆ قسماً به وبحسنه وبهائه

عربی اور اردو شاعری اس قسم سے بھری ہوئی ہے۔ مثلاً شاعر کہتا ہے:

اتنا ہوں تیری تیغ کا شرمندہ احسان ☆ سر میرا تیرے سر کی قسم اٹھ نہیں سکتا
وغیرہ وغیرہ۔

فارسی میں ہے: قسم بلب میگون تو وزلف شبگون تو کہ تو محبوب در بائی۔

(۳) دعا برکت کے لئے قسم کھانا، جیسے قرآن میں ہے: ﴿لَعمرک انہم لفی سکر تہم یعمہون﴾۔
اور ”أفلح وأبیه“ میں یہی قسم مراد ہے۔ یعنی آپ کے باپ کی نسل میں اللہ تعالیٰ برکت دنیوی اور اخروی رکھ
دے۔

الغرض غیر اللہ کی قسم تعظیم کے لئے اور اس کو متصرف فی الامور سمجھتے ہوئے ممنوع ہے، اور جہاں وارد ہے
وہاں دعائے برکت کے لئے ہے، وہ ممنوع قسم میں شامل نہیں ہے۔

دونوں روایتوں میں تطبیق:

شرح حدیث نے ان روایات کے مابین مختلف طریقوں سے تطبیق دی ہے، اکثر علماء کی توجیہات حسب
ذیل دس تطبیق سے خارج نہیں۔

ملاحظہ فرمائیں:

(۱) لفظ ”وأبیه“ بخاری شریف کی روایت میں موجود نہیں، اور بخاری کتب حدیث پر مقدم ہے۔

(۲) درحقیقت قسم مقصود نہیں تھی بلکہ لفظ ”وأبیه“ عرب کی زبانوں پر عادت جاری تھا۔

(۳) منسوخ ہے، یعنی ابتداء اسلام کے واقعات ہیں بعد میں نسخ ہوا۔

(۴) غیر اللہ کی قسم سبقت لسانی سے صادر ہوئی۔

(۵) یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھی۔

(۶) بعض روایتوں میں تصحیف واقع ہوئی ہے۔

(۷) لفظ ”وَأَبِيهِ“ غیر محفوظ ہے، صحیح روایت میں واللہ کا لفظ وارد ہوا ہے۔

(۸) ”وَأَبِيهِ“ سے قبل رب مقدر ہے یعنی ”وَرَبُّ أَبِيهِ“ مراد ہے۔

(۹) یہ قسم بطور تعجب مستعمل ہوئی ہے۔

(۱۰) محض تاکید کے لئے مستعمل ہوئی، پس پشت حقیقت مقصود نہیں تھی۔

مذکورہ بالا توجیہات حسب ذیل کتب میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں:

(عمدة القاری: ۱/۳۹۶، دار الحديث ملتان۔ و شرح النووی علی صحیح مسلم: ۲/۴۶، فیصل۔
و إعلاء السنن: ۱۱/۳۵۰، إدارة القرآن۔ و أوجز المسالك: ۹/۶۷۶، دار القلم دمشق۔ و تکملة فتح الملهم:
۲/۱۷۵، مکتبه دار العلوم کراچی۔ و تحفة الأخیار: ۶/۵۳۔ و إكمال المعلم: ۵/۴۰۰، دار الوفاء۔ و فتح
الباری: ۱/۱۰۷، دار نشر کتب الإسلامیة لاہور۔ و سبل السلام: ۴/۱۹۷، دار الكتاب العربی۔ و التعليق
الممجد علی مؤطا محمد: ص ۳۲۸، قدیم۔ و فیض البخاری: ۱/۱۳۹، القاهرة۔ و بذل المجہود: ۳/۱۴۸،
امدادیہ۔ و کشف الباری: ۲/۵۱۲، مکتبة فاروقیہ۔ و انوار الباری: ۲/۱۴۷۔ و فضل الباری: ص ۵۰۷۔ و تحفة
الأحوذی: ۵/۱۳۵، دار الفكر۔ و عارضة الأحوذی: ۷/۲۱، دار الكتاب العربی)۔

جن روایات میں غیر اللہ کی قسم کھائی گئی ہے ان کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) مسلم شریف میں ہے:

جاء رجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم من أهل نجد ثائر الرأس ... فقال
رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”أفلح وأبيه“ إن صدق أو دخل الجنة وأبيه إن صدق“.
(مسلم شریف: ۱/۳۰، فیصل)۔

(۲) مسلم شریف میں ہے:

قال رجل يا رسول الله من أحق الناس بحسن الصحبة، فقال: نعم وأبيك لتبأن،
قال: أمك ثم أمك ثم أباك ثم أدناك أدناك. (مسلم شریف: ۲/۳۱۲، فیصل)۔

(۳) جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله أي الصدقة أعظم أجراً
فقال أما وأبيك لتبأنه أن تصدق وأنت صحيح شحيح تخشى الفقر وتأمل البقاء ولا

تمہل۔ (صحیح مسلم شریف: ۳۳۲/۱، فیصل)۔

(۴) سنن کبریٰ میں ہے:

عن أبي العشرء الدارمي عن أبيه أنه قال يا رسول الله أما تكون الزكاة إلا في الحلق واللبة؟ وأبيه لو طعنت في فخذها لأجزأ عنك. (السنن الكبرى للبيهقي ۲۴۶/۹، دار المعرفة).
سنن دارمی کی روایت میں ”وآبيه“ کا لفظ نہیں ہے، ملاحظہ ہو سنن دارمی: (۱۹۷۲/۱۱۳/۲)، باب فی ذبیحة المتردي فی البشر).

وعلى هامشه قال: وفيه أبو العشرء، مجهول، وقال البخاري: في حديثه واسمه وسماعه من أبيه نظر. (حاشية سنن الدارمي: ۱۹۷۲/۱۱۳/۲، باب فی ذبیحة المتردي فی البشر).
الغرض ”أبو العشرء عن أبيه“ کی روایت ضعیف ہے، ملاحظہ ہو فتح المنان میں ہے:

وقال الخطابي: وضعفوا هذا الحديث لأنه من رواية مجهول وأبو العشرء الدارمي لا يدرى من أبوه. ولم يرو عنه غير حماد بن سلمة. (فتح المنان شرح وتحقيق كتاب الدارمي: ۵۹/۸، باب فی ذبیحة المتردي فی البشر).

(۵) مسند أحمد میں ہے:

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أتى بطعام من خبز ولحم فقال: ناولني الذراع... فقال: وأبيك لو سكت ما زلت أناول منها ذراعاً ما دعوت به. وقال شعيب الأرنؤوط في تحقيق هذا الحديث: قصة الذراع وإسنادها ضعيف. (مسند أحمد: ۴۱۲/۱۶).

(۶) حياة الصحابة میں ہے:

وأخرج ابن جرير عن ابن عباس رضي الله عنه قال: لما مرض أبو طالب دخل عليه رهط من قريش فيهم أبو جهل... وتكلم رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: ”يا عم! إني أريدكم على كلمة واحدة يقولونها تدين لهم بها العرب وتؤدى إليهم بها العجم الجزية“ ففرعوا لكلمته ولقوه، فقال القوم: كلمة واحدة، نعم وأبيك عسراً. الحديث. وهكذا رواه

الإمام أحمد والنسائي وابن أبي حاتم وابن جرير كلهم في تفاسيرهم، ورواه الترمذي وقال: حسن كذا في التفسير لابن كثير، وأخرج البيهقي أيضاً والحاكم بمعناه، وقال: حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه، وقال الذهبي صحيح. (حياة الصحابة: ۱/ ۴۰، باب الدعوة إلى الله، المكتبة التجارية).

(۷) سنن ابی داود میں ہے:

حدثنا عقبة بن وهب بن عقبة العامري قال: سمعت أبي يحدث عن الفجيع العامري أنه أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: ما تحل لنا الميتة قال: ما طعامكم؟ قلنا نغتبق ونصطبح قال ابن نعيم فسر له لي عقبة قدح غدوة وقدح عشية، قال ذلك وأبى الجوع، فأحل لهم الميتة على هذه الحال. (سنن أبي داود: ۲/ ۱۷۸، سعيد).

قال المنذرى: في إسناده عقبة بن وهب قال ابن معين: صالح، وقال ابن المديني: قلت لسفيان بن عيينة فقال: ما كان ذلك فنذري ما هذا الأمر ولا ما كان من شأنه يعني الحديث. (عون المعبود: ۱۰/ ۲۹۷).

الغرض کثیر تعداد میں روایتیں موجود ہیں جن میں ”ابیک“ کا لفظ آیا ہے، جو کتب حدیث سے شغف رکھنے والوں پر مخفی نہیں ہے، بطور ”مشتہ نمونہ از خروارے“ چند سپرد قرطاس کردی گئیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قسم دینے سے قسم منعقد ہونے کا حکم:

سوال: زید میرے پاس آیا اور میں نے اس سے کھانا کھانے کے لئے کہا، زید نے انکار کیا میں نے کہا تم کو اللہ کی قسم ابھی کھانا کھاؤ اس نے پھر بھی کھانا نہیں کھایا اس صورت کا شرعاً کیا حکم ہے؟ زید پر کفارہ ہے یا میرے اوپر یا کسی پر نہیں؟

الجواب: اگر کسی نے کہا واللہ تم یہ کام کرو گے اور کوئی نیت نہیں تھی یا خود قسم کھانے کی نیت تھی تو مخاطب کے نہ کرنے کی صورت میں متکلم حائث ہوگا، اور اگر یہ مقصد تھا کہ تم قسم کھاؤ کہ یہ کام کروں گا، (یعنی قسم کا مطالبہ

مقصود تھا) اور مخاطب نے قسم نہیں کھائی اور وہ کام کیا تو دونوں حانث نہیں ہوں گے۔ چونکہ صورتِ مسئلہ میں قسم کا مطالبہ مقصود تھا اس لیے دونوں حانث نہیں ہوئے، اور کفارہ بھی لازم نہیں ہوا۔
اعلاء السنن میں ہے:

فيه دليل على أن من أقسم غيره وقال والله لتفعلن كذا ولم ينو شيئاً أو نوى أنه يفعل ذلك ولا بد فهو حالف فإن لم يفعل المخاطب حنث وإن أراد به الاستحلاف فهو استحلاف ولا شيء على أحد منهما إذا لم يفعل كذا في فتح القدير (۴/۴۲۲). قلت: ودليل عدم الحنث في الاستحلاف ما مر في قصة أبي بكر في تعبير الرؤيا وقوله أقسمت عليك يا رسول الله بأبي أنت لتحدثني ما الذي أخطأت، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: "لا تقسم" وفي لفظ أبي داود: "ولم يخبره" أخرجه البخاري ومسلم والأربعة (عون المعبود: ۳/۲۴۴) فلم يأمره بالكفارة ولم يخبره بما أقسم عليه. (إعلاء السنن: ۱۱/۴۲۷، مسألة الاستحلاف، إدارة القرآن).

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

وفي الخانية: رجل قال لآخر: عليك لتفعلن كذا ولا نية له فهذا استحلاف فلا شيء على واحد منهما إلا أن ينوي فيكون يمينا وكذا لو قال: بالله فإذا لم يفعل ذلك حنث المبتدي... (الفتاوى التاتارخانية: ۴/۴۱۷).

فتاویٰ قاضیان میں ہے: رجل قال لآخر والله لتفعلن كذا وكذا ولم ينو استحلاف المخاطب ولا مباشرة اليمين على نفسه فلا شيء على واحد منهما إذا لم يفعل المخاطب ذلك وإن نوى القائل الحلف بذلك يكون حالفاً وكذا لو قال: بالله لتفعلن كذا وكذا ولو قال: والله لتفعلن كذا وكذا ولم ينو شيئاً فهو الحالف وإن أراد الاستحلاف فهو استحلاف ولا شيء على واحد منهما... (فتاوى قاضى خان على هامش الهندية: ۲/۸، فصل فى عقد اليمين على فعل الغير۔ وكذا فى الفتاوى الهندية: ۲/۶۰).

درمختار میں ہے:

(فروع) قال لغيره: والله لتفعلن كذا فهو حالف، فإن لم يفعله المخاطب حنث ما لم ينو الاستحلاف. وفي الشامية: قوله فإن لم يفعله المخاطب حنث كذا أطلقه في الخانية والفتح والنهر، وظاهر أنه يحنث سواء أمره بالفعل أولا وهو كذلك، لأن أمره لا يتحقق الفعل من المحلوف عليه وشرط بره هو الفعل وشرط حنثه عدمه. (قوله ما لم ينو الاستحلاف فإن نوى الاستحلاف فلا شيء على واحد منهما... (الدر المختار مع فتاوى الشامى: ۸۴۸/۳، سعيد). والله تعالى أعلم۔

ترک فعل بد پر قسم کھانے کا حکم:

سوال: ایک شخص کو استمناء بالید کی بری عادت تھی، ایک دن وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہوا تو اس نے قسم کھا کر کہا ”اگر یہ مصیبت دور ہو جائے تو واللہ میں یہ فعل بد کبھی نہیں کروں گا۔ مصیبت دور ہو گئی مگر بعد میں اس نے کئی مرتبہ یہ فعل کیا۔ اسی طرح ایک آدمی نے قسم کھائی کہ میں آئندہ کبھی ٹی وی نہیں دیکھوں گا، لیکن پھر کئی مرتبہ دیکھی۔ اسی طرح ایک لڑکا نماز نہ پڑھتے ہوئے پکڑا گیا تو اس نے قسم کھا کر کہا کہ واللہ میں اب سے کبھی نماز نہیں چھوڑوں گا، مگر بعد میں بہت سی نمازیں چھوڑیں۔ تو اب ان لوگوں پر کیا لازم ہے اور شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورت مسئلہ انہوں نے ترک فعل پر قسم کھائی لیکن بعد میں انہوں نے وہ کام کئے، لہذا اپنی قسم میں حانث ہو گئے، اور شرعاً قسم توڑنے پر قسم کا کفارہ لازم ہوتا ہے، لہذا ان لوگوں پر شرعاً قسم توڑنے کی وجہ سے کفارہ یمین لازم آئے گا۔ اور ہر شخص پر صرف ایک کفارہ لازم ہوگا، جس کی مزید وضاحت ”باب سوم، تداخل کفارہ“ کے تحت ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

اور کفارہ کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) دس مسکینوں کو صبح شام دو وقت شکم سیر کھانا کھلانا۔

(۲) یا دس مسکینوں کو کپڑا دینا۔

(۳) اگر ان دونوں چیزوں میں سے کسی چیز کی قدرت واستطاعت نہ ہو تو تین دن مسلسل روزے رکھنا۔
البحر الرائق میں ہے:

(قوله: وعلى آت منعقدة، وفيها كفارة فقط) أى حلفه على آت تسمى منعقدة نفياً كان أو إثباتاً. وحكمها وجوب الكفارة إذا حنث لقوله تعالى: ﴿ولكن يؤاخذكم بما عقدتم الأيمان فكفارته﴾ الآية. والمراد منها اليمين فى المستقبل بدليل قوله تعالى: ﴿واحفظوا أيمانكم﴾، ولا يتصور الحفظ عن الحنث والهتك إلا فى المستقبل... وكفارته تحرير رقبة أو إطعام عشرة مساكين كما فى الظهار أو كسوتهم بما يستر عامة البدن... والأصل فى ذلك قوله تعالى: ﴿فكفارته إطعام عشرة مساكين من أوسط ما تطعمون أهليكم أو كسوتهم أو تحرير رقبة﴾... ويجوز فى الإطعام التمليك والإباحة، فإن ملك أعطى نصف صاع من بر أو صاعاً من تمر أو صاعاً من شعير لكل مسكين، وإن أباح غداهم وعشايم... وإن عجز عن أحدها صام ثلاثة أيام متتابعة، أى إن لم يقدر على الاعتاق والإطعام والكسوة كفر بالصوم لقوله تعالى: ﴿فمن لم يجد فصيام ثلاثة أيام﴾ وشرطنا التابع عملاً بقراءة ابن مسعود رضي الله عنه "متابعات" وقراءته كروايته، وهى مشهورة جاز الزيادة بها على القطعي المطلق. (البحر الرائق: ۴/ ۲۸۰، ۲۸۹، ۲۹۰، كوئته).

مزید ملاحظہ ہو: (بدائع الصنائع: ۵/ ۹۶-۱۱۱ - وتبيين الحقائق: ۳/ ۱۱۲ - والمبسوط: ۸/ ۱۲۸ - والفقہ الإسلامی وأدلته: ۳/ ۴۹۰ - وفتاویٰ الشامی: ۳/ ۴۷۹ - و آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/ ۲۸۷)۔
واللہ تعالیٰ اعلم۔

قرآن کریم کی قسم کھانے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے کہا کہ قرآن کی قسم میں آپ سے بات نہیں کروں گا، پھر بات کر لی تو کفارہ لازم ہوا یا نہیں؟ اور کیا قرآن کی قسم کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور قرآن کی قسم حلف بغیر اللہ میں شامل ہے یا نہیں؟

الجواب: کتب احادیث کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا ممنوع ہے۔ لیکن متاخرین فقہاء نے عرف کی وجہ سے قرآن کریم کی قسم کھانے کو صحیح قرار دیا ہے، لہذا صورتِ مسئلہ میں قسم منعقد ہوگئی اور قسم توڑنے کی وجہ سے قسم کا کفارہ لازم ہو گیا۔ نیز قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام اور صفت ہے۔ ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

لا يقسم بغير الله كالنبي والقرآن والكعبة قال الكمال: ولا يخفى أن الحلف بالقرآن الآن متعارف فيكون يمينا وأما الحلف بكلام الله فيدور مع العرف وقال العيني: وعندي أن المصحف يمين لا سيما في زماننا، وعند الثلاثة: المصحف، والقرآن، وكلام الله يمين. وفي الشامي: قوله وقال العيني: عبارته: وعندي لو حلف بالمصحف أو وضع يده عليه وقال: وحق هذا فهو يمين، ولا سيما في هذا الزمان الذي كثرت فيه الأيمان الفاجرة ورغبة العوام في الحلف بالمصحف. (الدر المختار مع فتاوى الشامي: ۳/۷۱۲، ۷۱۳ مطلب في القرآن، سعيد۔ وكذا في فتح القدير: ۴/۳۵۶، دار الفکر).

عالمگیری میں ہے:

قال محمد في الأصل: لو قال والقرآن لا يكون يمينا ذكره مطلقاً... وقد قيل هذا في زمانهم أما في زماننا فيكون يمينا وبه نأخذ ونأمر. (الفتاوى الهندية: ۲/۵۳۔ وكذا في البحر الرائق: ۴/۲۸۶، كوئته).

حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی امداد الاحکام میں تحریر فرماتے ہیں:

قرآن شریف کی قسم کھا کر اگر خلاف کرے تو کفارہ لازم ہے۔ (امداد الاحکام: ۲/۳۳).

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی قاموس الفقہ میں تحریر فرماتے ہیں:

جہاں تک قرآن مجید کی قسم کھانے کی بات ہے، تو فقہائے حنفیہ کی اصل رائے تو یہی ہے کہ اس سے قسم منعقد نہیں ہوگی، لیکن ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس سے قسم منعقد ہو جاتی ہے، ابن ہمام نے لکھا ہے کہ صاحب ہدایہ وغیرہ نے قرآن کی قسم غیر درست ہونے پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ اس طرح قسم کھانا متعارف نہیں، لیکن

ہمارے زمانے میں قرآن مجید سے قسم کھانا مروج و معروف ہے، اس لیے قرآن کی قسم منعقد ہوگی۔ (قاموس الفقہ: ۳۵۶/۵)۔

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ: ۳۸/۱۴۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۸/۸)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یمین فور کا حکم:

سوال: زید نے عمر کو چائے کے لیے بلایا اس وقت عمر کو زید پر سخت غصہ آیا تھا، عمر نے کہا: ”واللہ میں نہیں پیوں گا“ پھر دوسرے دن رضا مندی ہوئی اور عمر نے زید کے گھر آ کر کھانا کھایا، کیا عمر پر کفارہ ہے یا نہیں؟

الجواب: مسئلہ مذکورہ بالا فقہاء کی اصطلاح میں یمین فور سے موسوم کیا جاتا ہے، اور اس کا حکم یہ ہے کہ جس وقت قسم کھائی بس اسی وقت کے لیے اس شخص پر وہ کام حرام ہے، پھر کچھ وقفہ کے بعد اس فعل کے کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اور صورتِ مسئلہ دوسرے دن کام کیا گیا اس وجہ سے کفارہ واجب نہیں ہوا۔ ملاحظہ فرمائیں بدائع الصنائع میں ہے:

وأما الموقت دلالة فهو المسمى يمين الفور... وهو أن يكون اليمين مطلقاً عن الوقت نصاً، ودلالة الحال تدل على تقييد الشرط بالفور بأن خرج جواباً لكلام أو بناء على أمر نحو أن يقول لآخر: تعال تغد معي، فقال: واللّه لا أتغدى، فلم يتغد معه ثم رجع إلى منزله فتغدى... لا يحنث. (بدائع الصنائع: ۱۳/۳، سعید)۔

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:

يمين الفور... وهو ما تكون اليمين موقته دلالة أو معنى، ومؤيدة لفظاً وحكمها: أنه

لا يحنث في يمينه استحساناً. (الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۳۷۳/۳، دارالفکر)۔

مزید ملاحظہ ہو: (الدر المختار مع فتاویٰ الشامی: ۷۶۲/۳، سعید۔ وقاموس الفقہ: ۳۵۸/۵)۔ واللہ تعالیٰ

اعلم۔

تحریم الحلال سے قسم کا حکم:

سوال: خالد نے عبد اللہ کو گھر بلایا مذہبی بات چیت ہوتی رہی، مذہبی مباحثہ میں بات آگے بڑھ گئی اور عبد اللہ نے کہا ”مجھ پر تیرے گھر کا کھانا حرام ہے“ اب اس جملہ سے یمین منعقد ہوئی یا نہیں؟ اور کفارہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: تحریم حلال سے یمین منعقد ہو جاتی ہے، لہذا صورتِ مسئلہ میں یمین منعقد ہو گئی پس اگر عبد اللہ نے خالد کے گھر کھانا کھا لیا تو کفارہ لازم ہوگا۔
ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

ومن حرم علی نفسه شیئاً کقولہ مال فلان علی حرام فیمین مالم یرد الإخبار ثم فعله بأکل أو نفقة، کفر لیمینہ، لما تقرر أن تحریم الحلال یمین . وفي الشامی: ودلیل کون التحريم یمیناً مبسوط فی الفتح وغیره. (الدر المختار مع فتاوی الشامی: ۳/۷۳۰، مطلب فی تحریم الحلال، سعید۔ وکذا فی قاموس الفقہ: ۵/۳۶۱). واللہ تعالیٰ اعلم۔

کافر یا یہودی ہونے کی قسم کھانے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے کہا کہ اگر میں نے یہ کام کیا تو میں کافر یا یہودی ہوں گا، پھر وہ کام کر لیا تو یمین منعقد ہوئی یا نہیں؟ اور اس پر کفارہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ قسم منعقد ہو گئی اور قسم توڑنے پر کفارہ لازم ہو گیا۔
ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

وإن قال فعلت کذا فهو یهودي أو نصراني أو کافر یكون یمیناً لأنه کما جعل الشرط علماً علی الکفر فقد اعتقده واجب الامتناع وقد أمکن القول بوجوبه لغیره بجعله یمیناً.
العداة: ۲/۴۸۱.

فتح القدیر میں ہے:

فإذا فعله لزمه كفارة يمين قياساً على تحريم المباح فإنه يمين بالنص وذلك أنه صلى الله عليه وسلم حرم مارية على نفسه فأنزل الله تعالى ﴿يا أيها النبي لم تحرم ما أحل الله لك﴾ ثم قال: ﴿قد فرض الله لكم تحلة أيمانكم﴾ ووجه الإلحاق أنه لما جعل الشرط وهو فعل كذا علماً على كفره ومعتقده حرمة كفره فقد اعتقده أى الشرط واجب الامتناع فكأنه قال: حرمت على نفسي فعل كذا كدخول الدار. (فتح القدیر: ۵/۷۷، دارالفکر).

قاموس الفقہ میں ہے:

اگر کوئی شخص اس طرح قسم کھائے کہ اگر میں فلاں کام نہ کروں تو یہودی ہوں گا تو کیا یہ قسم متصور ہوگی؟
حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس سے یمن منعقد ہو جائے گی، اور اگر اس نے قسم پوری نہیں کی تو قسم کا کفارہ واجب ہوگا، مالکیہ اور شوافع کے نزدیک اس سے یمن منعقد نہیں ہوگی۔ (قاموس الفقہ: ۵/۳۵۷). واللہ تعالیٰ اعلم۔

بطورِ تکیہ کلام واللہ باللہ تاللہ کہنے کا حکم:

سوال: ایک شخص کی عادت ہے کہ جب اسے کھانا کھانے یا چائے پینے کے لیے کہا جاتا ہے تو بے خیالی میں کہتا ہے واللہ میں نہیں پیوں گا، واللہ میں نہیں کھاؤں گا، پھر آکر کھا لیتا ہے اور پی لیتا ہے، اپنی قسم کا خیال بھی نہیں رہتا، اس صورت میں اس پر کفارہ ہے یا نہیں؟

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ یمن لغو ہے اس میں کفارہ نہیں، حضرت تھانویؒ سورہ بقرہ کی اس آیت ﴿لَا يُوَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ﴾ کے تحت لکھتے ہیں:

لغو قسم کے دو معنی ہیں: ایک تو یہ کہ کسی گزری ہوئی بات پر جھوٹی قسم بلا ارادہ نکل گئی یا نکلی تو ارادہ سے مگر اس کو اپنے گمان میں راست سمجھتا ہے... یا آئندہ بات پر اس طرح قسم نکل گئی کہ کہنا چاہتا تھا کچھ اور اور بے ارادہ منہ سے قسم نکل گئی اس میں گناہ نہیں ہوتا... اور لغو بالمعنی المذکور میں بدرجہ اولیٰ کفارہ نہیں... الخ.

بیان القرآن کے حاشیہ میں ”الفقہ“ کے تحت مذکور ہے:

اختلف الشافعي في معنى اللغو ودليله ما روي عن عائشة رضي الله تعالى عنها مرفوعاً أنه قول الرجل كلا والله وبلى والله... ومعنى الحديث المرفوع (عند الحنفية) حملة على الخاطر الذي سبق على لسانه من غير قصد كما في فتح القدير... الخ. (بيان القرآن: ۱۳۰/۱، تاج پبلشرز دہلی).

الجواب: بصورتِ مسئلہ جو یمین بطورِ تکیہ کلام بلا قصد و ارادہ کے مستقبل کے بارے میں زبان سے نکلے وہ یمین منعقدہ ہے، لہذا قسم ٹوٹنے کی صورت میں کفارہ لازم ہوگا۔
ملاحظہ فرمائیں الاختیار میں ہے:

منعقدة: وهي الحلف على أمر في المستقبل ليفعله أو ليركبه فإذا حث فيها فعلية الكفارة. (الاختيار لتعليل المختار: ۴/۵۰، وكذا في الهندية: ۲/۴۷۸).
حضرت شیخؒ ”اوجز المسالك“ میں تحریر فرماتے ہیں:

وأما المفسرون ”للغو“ فذكروا وجوهاً: - الأول: - قول الشافعي إنه قول العرب لا والله، بلى والله مما يوكدون به كلامهم ولا يخطر ببالهم الحلف... الخ.
والثاني: - قول أبي حنيفة إن اللغو أن يحلف على شيء يعتقد أنه كذلك ثم بان أنه لم يكن كذا، فهذا هو اللغو، وفائدة الخلاف أن الشافعي لا يوجب الكفارة في الأول ويوجبها في الثاني، وأبو حنيفة يحكم بضد ذلك. (اوجز المسالك: ۹/۵۹۴، دار القلم).
اور فقہاء احناف میں سے جن حضرات نے بلا ارادہ قسم کھانے کو لغو میں شمار کیا ہے ان کے قول کا مدار امام محمدؒ کی روایت ہے جو کتاب الآثار میں مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو:

أخبرنا أبو حنيفة عن حماد عن إبراهيم عن عائشة أم المؤمنين رضي الله تعالى عنها في اللغو، قالت: هو كل شيء يصل به الرجل كلامه لا يريد يمينا، لا والله وبلى والله، ولا يعقد عليه قلبه، قال محمد: وبه نأخذ، ومن اللغو أيضاً الرجل يحلف على شيء يرى أنه على ما حلف عليه فيكون على غير ذلك فهذا أيضاً من اللغو وهو قول أبي حنيفة. (اعلاء

السنن: ۱۱/۳۳۰، إدارة القرآن).

لیکن اکثر فقہاء احناف کا قول امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کا قول اوپر بحوالہ
اوجز مذکور ہوا۔

مزید ملاحظہ فرمائیں، بدائع الصنائع میں ہے:

وأما يمين اللغو فقد اختلف في تفسيرها قال أصحابنا: هي اليمين الكاذبة خطأ
أو غلطاً في الماضي أو في الحال وهي أن يخبر عن الماضي أو عن الحال على الظن أن
المخبر به كما أخبر وهو بخلافه في النفي أو في الإثبات نحو قوله والله ما كلمت زيداً وفي
ظنه أنه لم يكلمه... وهكذا روى ابن رستم عن محمد أنه قال: اللغو أن يحلف الرجل على
الشيء وهو يرى أنه حق وليس بحق وقال الشافعي: هي اليمين التي لا يقصدها الحالف وهو
ما يجري على ألسن الناس في كلامهم من غير قصد اليمين من قولهم لا والله وبلى والله
سواء كان في الماضي أو الحال أو المستقبل وأما عندنا فلا لغو في المستقبل بل اليمين
على أمر في المستقبل يمين معقودة وفيها الكفارة إذا حنث قصد اليمين أو لم يقصد وإنما
اللغو في الماضي والحال فقط وما ذكر محمد على أثر حكايته عن أبي حنيفة أن اللغو ما
يجري بين الناس من قولهم: لا والله وبلى والله فذلك محمول عندنا على الماضي
أو الحال وعندنا ذلك لغو فيرجع حاصل الخلاف بيننا وبين الشافعي في يمين لا يقصدها
الحالف في المستقبل عندنا ليس بلغو وفيها الكفارة وعنده هي لغو ولا كفارة فيها. (بدائع
الصنائع: ۳/۳-۴، كتاب الايمان، سعيد).

امام محمدؒ کے قول کے بارے میں فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمائیں:

اعلاء السنن میں ہے:

ولكن قال في البدائع: وما ذكر محمد على أثر حكايته عن أبي حنيفة أن اللغو ما يجري
بين الناس من قولهم "لا والله وبلى والله" فذلك محمول عندنا على الماضي أو الحال،

وعندنا ذلك لغو فيرجع حاصل الخلاف بيننا وبين الشافعي في يمين لا يقصدها الحالف في المستقبل، فعندنا ليست بلغو وفيها الكفارة، وعنده هي لغو ولا كفارة فيها، كذا في رد المحتار (۷۲/۳) ويحتمل أن يكون محمد قد وافق الشافعي، فعد من اللغو ما يجري على اللسان بلا قصد مطلقاً سواء كان لماضٍ أو لآتٍ، وقوله: وبه نأخذ راجع إلى نفسه وحده، وقوله وهو قول أبي حنيفة راجع إلى التفسير الثاني للغو، لا إلى الأول، بدليل أن تفسير اللغو بذلك هو المذكور في المتون والهداية وشروحها، وهو التفسير المتفق عليه للغو الذي لا كفارة فيه لم يختلف فيه اثنان كما تقدم، وبه فسر محمد حديث عائشة رضي الله تعالى عنها هذا في موطاه، فقال: وبهذا نأخذ اللغو ما حلف عليه الرجل وهو يرى أنه حق فاستبان له بعد أنه على غير ذلك، فهذا من اللغو عندنا، فهو المذهب والحديث المرفوع وقول عائشة رضي الله تعالى عنها لا يخالفانه، بل يمكن ارجاعهما إليه كما ذكرناه. (اعلاء السنن: ۳۳۱/۱۱، باب تفسير لغو اليمين، إدارة القرآن).

منحة الخالق على البحر الرائق میں ہے:

(وعندنا ذلك لغو) أنما نسبه لأنه قول الإمام محمد وليس مراده أنه قول أئمتنا لما علمت من أن قول أبي حنيفة في اللغو هو ما عزاه إلى أصحابنا والحاصل أن قول أبي حنيفة الذي قاله أصحابنا إن اليمين اللغو هي ما يكون على الماضي أو الحال على ظن المخبر به كما قال وهو بخلافه وأن قول محمد هي ما يجري بين الناس من قولهم لا والله وبلى والله كما قال الشافعي إلا أن الشافعي يقول: إنها تكون على الاستقبال أيضاً ومحمد لا يقول بذلك في الاستقبال فصار حاصل الخلاف بيننا وبين الشافعي بناء على قول محمد في يمين لا يقصدها الحالف في المستقبل فعند الشافعي هي لغو وعندنا أي عند محمد هي منعقدة ولها الكفارة هذا ما ظهر لي في تقرير كلام البدائع على وجه يندفع عنه التناقض. (منحة الخالق على البحر الرائق: ۲۷۹/۴، كتاب الإيمان، كوئته). والله تعالى اعلم۔

واللہ میں فلاں عالم کی تقریر نہیں سنوں گا“ کہنے سے قسم کا حکم:

سوال: زید سے کسی نے کہا کہ فلاں مولوی صاحب کی تقریر مت سنو، اس کی تقریر میں زہر بھرا ہوا ہے، زید نے کہا ”واللہ میں کبھی اس کی تقریر نہیں سنوں گا“ کچھ دنوں کے بعد زید نے اس مولوی صاحب کی تقریر کی کیسٹ ٹیپ رکارڈ سے سنی، کیا اس کی قسم ٹوٹ گئی یا نہیں؟ اور کفارہ لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ عرف میں تقریر سننے کا اطلاق واسطہ اور بلا واسطہ دونوں طرح سننے پر ہوتا ہے، لہذا ٹیپ رکارڈ سے سننے یا مشافہۃ سے دونوں طرح سننے سے زید حانث ہو جائے گا۔ اور کفارہ یمین لازم ہوگا۔
ملاحظہ ہوا الاشباہ والنظائر میں ہے:

صرح الزیلعی وغیرہ بأن الأیمان مبنیة علی العرف ، لا علی الحقائق اللغویة ، وعليها فروع : منها :- لو حلف لا يأكل الخبز حنث بما يعتاده أهل بلده . (الاشباہ والنظائر: ۱/۲۷۶)۔
مزید ملاحظہ فرمائیں: (الفتاویٰ الہندیۃ: ۲/۸۳۔ وتبيين الحقائق: ۳/۱۱۶)۔

نیز جب زید نے قسم کھائی تو اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ اس تقریر کے زہر سے بچے، اور ٹیپ رکارڈ سے سنا تو اس کا مقصد فوت ہو گیا، بنا بریں زید اپنی قسم میں حانث ہو گیا، اور کفارہ یمین لازم ہو گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

”آپ کے گھر آیا تو خنزیر“ کہنے سے قسم کا حکم:

سوال: زید کا اپنے خسر اور ساس سے اختلاف چل رہا تھا، اسی درمیان میں اس نے قسم کھائی کہ اگر میں آپ کے گھر آیا تو میں خنزیر اور سور ہوں گا، اب اگر وہ ان کے گھر گیا تو قسم کا کفارہ ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ قسم منعقد نہیں ہوئی لہذا خسر کے گھر جانے سے کچھ لازم نہیں ہوگا۔
ملاحظہ ہو فتح القدیر میں ہے:

وكذا إن قال : إن فعلت كذا فهو زان أو فاسق أو سارق أو شارب خمر أو آكل ربا،
لا يكون يميناً أما أولاً فلأن معنى اليمين أن يعلق ما يوجب امتناعه عن الفعل بسبب لزوم

وجودہ عند الفعل ، وليس بمجرد وجود الفعل يصير زانياً أو سارقاً . (فتح القدیر: ۵/۷۸، دارالفکر).
درمختار میں ہے:

وإن فعله فعليه غضب ... أو هو زانٍ أو سارق أو شارب خمر أو آكل ربا لا يكون قسماً
لعدم التعارف . (الدرالمختار: ۳/۷۲۷، سعید).
بہشتی زیور میں ہے:

اگر میں فلاں کام کروں تو... کوڑھی ہو جاؤں... ان باتوں سے قسم نہیں ہوتی، اس کے خلاف کرنے سے
کفارہ نہ دینا پڑے گا۔ (بہشتی زیور: ۲۶۷) . واللہ تعالیٰ اعلم۔

گھر میں قدم نہ رکھنے کی قسم کھانے کا حکم:

سوال: جھگڑے میں زید نے فاروق سے کہا واللہ میں آپ کے گھر میں قدم نہیں رکھوں گا، اور ساتھ
میں اشارہ نہیں کیا، اور یہ گھر نہیں کہا، اگر اس کے دوسرے مکان میں گیا جس میں اس کی رہائش نہیں ہے، تو کیا حکم
ہے؟ نیز اگر گھر کو گرا کر نیا بنا لیا تو اس میں داخل ہونے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: صورت مسئلہ میں زید نے قسم کھاتے وقت مکان کی طرف اشارہ نہیں کیا تھا، اس لیے
فاروق کے دوسرے مکان داخل ہونے سے حانث ہو جائے گا، اگرچہ فاروق کی رہائش اس مکان میں نہیں ہے،
نیز تجدید عمارت کی صورت میں بھی حانث ہو جائے گا۔
ملاحظہ فرمائیں فتح القدیر میں ہے:

إن الإشارة كما تفيد التعريف يحصل بها التخصيص أيضاً، وهذا لا يحصل بالإضافة
وحدها، فإنه لو قال عبد فلان انعقدت على كل عبده . انتهى . (فتح القدیر: ۵/۱۵۳، باب اليمين في
الكلام ، دارالفکر).

عالمگیری میں ہے:

ولو حلف لا يدخل دار فلان ولم ينو شيئاً ... وإن دخل داراً مملوكة لفلان وفلان

لا یسکنها حنثاً أيضاً . (الفتاویٰ الہندیۃ: ۲/۷۰، الباب الثالث فی الیمین علی الدخول).
البحر الرائق میں ہے:

قوله لا یأکل طعام زید أو لا یدخل دارہ... وإن لم یشر لا یحنث بعد الزوال (أی المملک) وحنث بالمتجدد... والحاصل أنه إذا أضاف ولم یشر لا یحنث بعد الزوال... ویحنث فی المتجدد بعد الیمین. (البحر الرائق: ۴/۳۳۷). واللہ تعالیٰ اعلم۔

کسی شئی کی طرف اشارہ کر کے قسم کھانے کا حکم:

سوال: بکر کا اپنے چچا زاد بھائی سے جھگڑا ہوا، جھگڑے میں بکر کہنے لگا خدا کی قسم میں آپ کے اس گھر میں قدم نہیں رکھوں گا، زید نے گھر کو گرا کر نیا بنالیا یا بالفرض فروخت کر دیا تو اب زید کے اس گھر میں جانے سے حانت ہو گا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ گھر گرانے یا فروخت کرنے یا نیا بنانے کی صورت میں بکر حانت نہیں ہو گا۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وإن جعلت (الدار) بعد الانهدام بستاناً أو مسجداً أو حماماً أو بيتاً أو غلب عليها الماء فصارت نهراً لا یحنث وإن بنيت بعد ذلك . كهذا البيت وكذا بيتاً بالأولیٰ فهدم أو بنى بيتاً آخر ولو بنقض الأول لزوال اسم البيت . وفي الشامية: قوله وإن بنيت بعد ذلك لأنه عاد اسم الدار بسبب جدید فنزل منزلة اسم آخر . (الدر المختار مع فتاویٰ الشامی: ۳/۷۴۶، سعید).
فتاویٰ شامی میں ہے:

قال فی البحر: فصار الحاصل: أن البيت لا فرق فيه بين أن يكون منكراً أو معرفاً فإذا دخله وهو صحراء لا یحنث لزوال الاسم بزوال البناء... قوله لزوال اسم البيت أي بالانهدام لزوال مسماه وهو البناء الذي يبات فيه. (فتاویٰ الشامی: ۳/۷۴۶، سعید).

بحر میں ہے:

لو حلف لا یدخل هذا البيت فدخله بعد ما انهدم فإنه لا یحنت لزوال اسم البيت فإنه لا یبات فیہ. (البحر الرائق: ۴/۳۰۰۔ وکذا فی فتح القدیر: ۵/۱۰۰، باب الیمین فی الدخول، دار الفکر). واللہ تعالیٰ اعلم۔

خانہ کعبہ کی قسم کھانے کا حکم:

سوال: خانہ کعبہ کی قسم کھانے سے قسم ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اور خانہ کعبہ کی قسم کھانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعت مطہرہ نے غیر اللہ کی قسم کھانے سے منع کیا ہے، اور خانہ کعبہ کی قسم کھانا غیر اللہ کی قسم کھانے کے مترادف ہے، لہذا قسم منعقد نہیں ہوگی، اور اس قسم سے بچنا ضروری ہے۔
ملاحظہ فرمائیں ہدایہ میں ہے:

و من حلف بغير الله لم یکن حالفاً كالنبي صلى الله عليه وسلم والكعبة لقوله عليه السلام من كان منكم حالفاً فليحلف بالله أو لیذر... الخ. (الهدایة: ۲/۴۷۹)۔
اوجز المسالك میں ہے:

وقال الطبری فی حدیث الباب أن الیمین لا تنعقد إلا بالله، وان من حلف بالكعبة أو آدم أو جبرئیل أو نحو ذلك لم تنعقد یمینہ ولزمہ الاستغفار لإقدامہ علی ما نهی عنه ولا كفارة فی ذلك. (اوجز المسالك: ۹/۶۷۹)۔

مزید ملاحظہ ہو: (الفقه الاسلامی وادلتہ: ۳/۳۸۷۔ وفتح الباری: ۱۱/۵۳۴۔ والفتاویٰ الہندیہ: ۲/۵۳۔ وقاموس الفقہ: ۵/۳۵۶)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

”لا إله إلا الله“ سے قسم کھانے کا حکم:

سوال: ایک صاحب نے ایک عالم دین سے کہا کہ ربیع الثانی کی دوسری تاریخ کو اتوار کی شب

ہمارے یہاں جلسہ ہے آپ ہمیشہ ہماری بات کو ٹالتے ہیں، اس مرتبہ آنے کا وعدہ کیجئے، اس عالم صاحب نے کہا: ”لا إله إلا الله، میں ضرور آؤں گا“ قسم ہوئی یا نہیں؟ اور نہ آنے کی صورت میں کفارہ لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ اس علاقہ میں اگر اس کلمہ سے قسم کھانا معروف و مشہور ہو تو قسم منعقد ہوگئی، اور اگر معروف نہیں ہے تو پھر کہنے والے کی نیت قسم کی تھی تو قسم ہے ورنہ نہیں۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

فإن الأيمان مبنية على العرف، فما تعورف الحلف به فيمين و ما لا فلا. (الدر المختار:

۷۱۲/۳، سعید).

وفي الشامية: لأن المتكلم إنما يتكلم بالكلام العرفي أعني الألفاظ التي يراد بها معانيها التي وضعت لها في العرف كما أن العربي حال كونه بين أهل اللغة إنما يتكلم بالحقائق اللغوية، فوجب صرف ألفاظ المتكلم إلى ما عهد أنه المراد بها، فتح. (فتاوى الشامی: ۷۴۳/۳، مطلب الايمان مبنية على العرف، سعید).

علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

الأيمان مبنية على العرف والعادة فما تعارف الناس به يكون يمينا ومالم يتعارف الحلف به لا يكون يمينا... الخ. (كتاب المبسوط: ۱۳۳/۸).

(و کذا فی دررالحکام: ۴۰/۲۔ والاختیار لتعلیل المختار: ۵۴۔ و البحر الرائق: ۲۹۷/۴).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

حاشا للہ بمعنی سبحان اللہ ہے اس سے قسم کا عرف ہو تو بلا نیت بھی قسم ہو جائے گی، قسم متعارف نہ ہو تو بنیت قسم کہنے سے قسم ہوگی ورنہ نہیں اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کا یہی حکم ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۳۸۸/۵). واللہ تعالیٰ اعلم۔

کعبہ پر غلاف چڑھانے کی قسم کھانے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے قسم کھائی کہ واللہ میں خانہ کعبہ پر غلاف چڑھاؤں گا تو یہ قسم صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ خانہ کعبہ پر غلاف چڑھانے کی قسم صحیح اور درست ہے اس لیے کہ یہ کام ممکن ہے کہ آدمی غلاف چڑھانے والوں کے ساتھ شریک ہو جائے۔ لہذا یہ کام لازم ہو گیا، پس اگر زندگی کے آخری لمحات تک اس کام کو انجام نہیں دیا تو حائث ہو جائے گا، اور کفارہ کی وصیت لازم ہوگی۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

حلف لیأتینہ فہو أن یأتی منزله أو حانوته لقیہ أم لا، فلو لم یأتہ حتی مات أحدهما حنث فی آخر حیاتہ، وکذا کل یمین مطلقۃ . وفی الشامیۃ: وکذا کل یمین مطلقۃ ای لا خصوصیۃ للإتیان، بل کل فعل حلف أن یفعله فی المستقبل ولم یقیده بوقت لم یحنث حتی یقع الیأس عن البر مثل لیضربن زیداً أو لیعطین فلانۃ أو لیطلقن زوجۃ وتحقق الیأس عن البر یكون بفوت أحدهما. (فتاوی الشامی: ۷۵۷/۳، سعید).

وفی تبیین الحقائق: لو حلف لیأتین زیداً أو البصرۃ أو نحو ذلك فلم یأتہ حتی مات، حنث فی آخر جزء من أجزاء حیاتہ، لأن شرط الحنث فوت الإتیان وهو لا یتحقق إلا بما ذکرنا لأن البر مرجو ما دام حياً. (تبیین الحقائق: ۱۲۲/۳، امدادیہ، ملتان).

(و کذا فی البحر الرائق: ۳۱۲/۵۔ والفتاوی الہندیۃ: ۱۱۰/۲). واللہ تعالیٰ اعلم۔

”الیمین علی نیۃ المستحلف“ کا مطلب:

سوال: فقہاء کے ہاں قاعدہ ہے ”الیمین علی نیۃ المستحلف“ یمین میں قسم لینے والے کی نیت کا اعتبار ہے، اس قاعدہ کی کیا مثال ہے اور کیا مطلب ہے؟ اور اس میں ظالم اور مظلوم کا فرق ہے یا نہیں؟

الجواب: اس قاعدہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر حالف یعنی قسم کھانے والا ظالم ہو یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ذریعہ ظلماً مدعی کے حق کو دبا نا چاہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے مبارک نام کی بے حرمتی کرنا چاہتا ہے، تو قسم کھانے والا جو بھی نیت کرے اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا، بلکہ مستحلف یعنی قسم لینے والے کی نیت ہی معتبر

ہوگی۔

اس کی مثال صاحب محیط برہانی نے بایں الفاظ ذکر فرمائی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

إذا ادعى عيناً في يدي رجل اني اشتريت منك هذا العين بكذا وأنكر الذي في يده الشراء، فأراد المدعي أن يحلف المدعى عليه بالله ما وجب عليك تسليم هذا العين إلى هذا المدعي فيحلف المدعى عليه على هذا الوجه ويعنى التسليم إلى هذا المدعي بالهبة والصدقة لا بالبيع، وهذا إن كان صادقاً فيما حلف فلم يكن بما حلف يمين غموس حقيقة لأنه نوى ما يحتمله لفظه فهو يمين غموس معنى، لأنه قطع بهذا اليمين حق امرئ مسلم فلا تعتبر نيته. (المحيط البرهاني: ٤/ ٤٢٨، نوع في تحليف الغير، المكتبة الرشيدية).

قاعدہ مذکورہ بالا کی تفصیل:-

فقہاء کی عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ قاعدہ ”اليمين على نية المستحلف“ مطلق نہیں ہے، بلکہ قدرے تفصیل ہے، ملاحظہ فرمائیں:

(۱) اس قاعدہ کا تعلق ماضی میں کسی امر پر قسم کھانے کے ساتھ ہے۔

قال في تهذيب القلانسي: اليمين على نية الحالف إن كان مظلوماً وإن كان ظالماً، فعلى نية المستحلف، وهذا على أمر في الماضي. (شرح الاشباه والنظائر: ۱/ ۹۷).

(۲) جب کہ حالف مستحلف کی مراد کے خلاف نیت کرے۔

قال في الظهيرية: رجل حلف رجلاً فحلف، ونوى غير ما أراد المستحلف، إن كان اليمين بالطلاق... وإن كان اليمين بالله عز وجل، فإن كان الحالف مظلوماً تعتبر نيته. (شرح الاشباه والنظائر: ۱/ ۹۷).

(۳) حلف اللہ کے مبارک نام سے متعلق ہو، طلاق، عتاق وغیرہ سے متعلق نہ ہو۔

قال الشيخ الإمام الزاهد شيخ الإسلام المعروف بخواهر زاده: وهذا الذي ذكرنا في اليمين بالله، فأما إذا استحلف بالطلاق والعتاق... الخ. (المحيط البرهاني: ۴/ ۴۲۸، المكتبة

(الرشیدیۃ).

علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:

وإن كانت اليمين بالله تعالى فإن كان الحالف مظلوماً كانت النية فيه إلى الحالف.

(منحة الخالق على البحر الرائق: ۴/۳۲۸، کوئٹہ).

علامہ حمویؒ فرماتے ہیں:

فظهر بما نقلناه أن إطلاق المصنف مقيد بما ذكرنا إذا كان الحلف بالله تعالى.

(حاشية الحموي على الاشباه: ۱/۹۷).

(۴) حالف ظالم ہو اور مستحلف مظلوم ہو۔

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما بيان أن اليمين بالله عز وجل على نية الحالف أو المستحلف فقد روى عن أبي

يوسف عن أبي حنيفة عن حماد عن إبراهيم أنه قال: اليمين على نية الحالف إذا كان

مظلوماً وإن كان ظالماً فعلى نية المستحلف وذكر الكرخي أن هذا قول أصحابنا جميعاً.

(بدائع الصنائع: ۳/۲۰، سعيد). واللہ تعالیٰ اعلم۔

قسم میں تعیین زمانہ کا حکم:

سوال: اگر کسی نے قسم کھائی کہ واللہ میں کل روزہ رکھوں گا، اور کل نہیں رکھا تو دوسرے دن رکھنے سے

قسم پوری ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ دوسرے دن روزہ رکھنے سے قسم پوری نہیں ہوگی، اس لیے کہ اس شخص نے

کل روزہ رکھنے کی قسم کھائی تھی، اور کل گزرنے پر وہ شخص حانث ہو گیا، کیونکہ کل سے مطلق مستقبل مراد نہیں لیا

جاسکتا، اس لیے کہ قسم کا مراد عرف پر ہے اور عرف میں کل کے لفظ سے مستقبل مراد نہیں لیتے ہیں۔

ملاحظہ ہو فتح القدیر میں ہے:

قوله وإن حلف ليأتين البصرة... فأما يطلقها أو يوقتها بوقت مثل لأفعلن غداً أو فيما بيني وبين يوم الجمعة... وفي المقيدة تتعلق بآخر الوقت، فلومات قبل مضي الوقت ولم يفعل لم يحنث. (فتح القدير: ۳/۱۱۰).

تبیین الحقائق کے حاشیہ میں ہے:

قال الاتقاني: وأما التوقيت في الإتيان كقوله والله لأكلن هذا الرغيف اليوم فإنه لا يحنث ما دام الحالف والمحلوف عليه قائمين واليوم باقٍ، أما إذا مضى اليوم يحنث وإن كانا قائمين لفوات البر ولفوات الوقت المعين... (حاشية الشلبي على تبیین الحقائق: ۲/۱۶۰).

قاموس الفقہ میں ہے:

اگر وقت وزمانہ کی قید کے ساتھ قسم کھائی گئی ہو، جیسے کہ میں آج یہ روٹی کھا کر رہوں گا، تو جب تک حالف اور محلوف علیہ دونوں ہوں اور مقررہ وقت باقی ہو حانث نہیں ہوگا، اگر وقت گزر جائے اور یہ دونوں باقی ہوں تو بالاتفاق وہ حانث ہو جائیگا۔ (قاموس الفقہ: ۵/۳۵۸). واللہ تعالیٰ اعلم۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى:

﴿وَلْيُؤْفُوا نُذُورَهُمْ...﴾

(سورة الحج، الآية: ۲۹).

وَقَالَ تَعَالَى:

﴿يُؤْفُونَ بِالنُّذُرِ...﴾

(سورة الدهر: الآية: ۶).

بَاب..... (۲)

نذر کا بیان

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

”مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللَّهَ فَلْيُطِعه

وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يُعْصِيَ اللَّهَ فَلَا يُعْصِه

(موطا إمام محمد).

باب ﴿۲﴾

نذر سے متعلق احکام

نذر منعقد ہونے کے لئے تلفظ ضروری ہے:

سوال: کیا نذر منعقد ہونے کے لئے زبان سے تلفظ ضروری ہے یا صرف دل میں ارادہ کر لینا کافی ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ زبان سے تلفظ ضروری ہے، صرف دل کے ارادہ سے نذر منعقد نہیں ہوگی۔
ملاحظہ فرمائیں علامہ شرنبلالیؒ فرماتے ہیں:

أقول: والنذر لا يكون إلا باللسان ولو نذر بقلبه لا يلزمه بخلاف النية لأن النذر عمل اللسان والنية عمل القلب والنية المشروعة انبعاث القلب على شأن أن يكون لله تعالى كذا في البزازیة. (حاشیة دررالحکام فی شرح غرر الاحکام: ۱/۲۱۲، باب الاعتکاف).

(و کذا فی البزازیة علی هامش الهندیة: ۴/۱۰۵، السادس فی العتکاف).

فتاویٰ شامی میں ہے:

قال في شرح الملتقى: والنذر عمل اللسان ... ولو نذر صوم الأيام المنهية أو صوم هذه السنة صح مطلقاً وسواء قصد ما تلفظ به أو لا، ولهذا قال في الولوالجية: رجل أراد

أن يقول لله علي صوم فجري على لسانه صوم لشهر كان عليه صوم شهر بحر . وكذا لو أراد أن يقول كلاماً فجري على لسانه النذر لزمه لأن هزل النذر كالجد كالطلاق . فتح .

(فتاویٰ الشامی: ۴۳۳/۲، فصل فی العوارض المبیحة لعدم الصوم۔ وکذا: ۷۳۵/۳، مطلب فی احکام النذر)۔

آپ کے مسائل میں ہے:

صرف کسی بات کا خیال آنے سے منت نہیں ہوتی بلکہ زبان سے ادا کرنے کے ساتھ ہوتی ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/۴۱۹۔ وکذا فی فتاویٰ حقانیہ ۵/۲۵)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کسی معین شئی کی نذر میں اس کے خلاف کرنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے بکری کی نذر مان لی تو اس کی جگہ بکرا یا دنبہ کی جگہ دنبی ذبح کر سکتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح بھینس کی جگہ گائے اور گائے کی جگہ بھینس اور جمعرات کی منت میں جمعہ کو ذبح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ بکری کی جگہ بکرا یا دنبہ کی جگہ دنبی یا بھینس کی جگہ گائے وغیرہ ذبح کر سکتا ہے، لیکن اگر قیمت میں زیادہ تفاوت ہو تو اس کا خیال رکھنا چاہئے۔ اور جمعرات کو ذبح کرنے کی نذر میں جمعہ کے دن بھی ذبح کر سکتا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

نذر أن يتصدق بعشرة دراهم من الخبز فتصدق بغيره جاز إن ساوى العشرة كتصدقه بثمانه . وفي الشامی: وإنما لم يختص فی النذر بزمان ونحوه خلافاً لفر لأن لزوم ما التزمه باعتبار ما هو قرابة لا باعتبارات أخر لا دخل لها فی صيرورته قرابة... نذر التصدق بهذه المائة يوم كذا على زيد فتصدق بمائة أخرى قبله جاز... (الدر المختار مع فتاویٰ الشامی: ۷۴۱/۳، احکام النذر، سعید)۔

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے: ولو قال لله على أن أتصدق بدرهم يوم الخميس، فتصدق يوم

الأربعاء جاز . (الفتاویٰ التاتارخانیة: ۴۰۱/۲)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

نذر میں کسی زمان یا مکان یا فقیر کی تعیین کی تو یہ تعیین ناذر پر لازم نہیں ہوتی، کسی دوسرے وقت میں یا دوسرے مکان میں یا دوسرے فقیر کو دینے سے بھی نذر ادا ہو جاتی ہے، اسی طرح اگر نذر میں کوئی چیز متعین کر دی کہ فلاں چیز دوں گا تو بعینہ یہی چیز دینا لازم نہیں، بلکہ اس کی قیمت کے برابر نقدی یا کوئی دوسری چیز بھی دے سکتا ہے۔ قال فی العلانیة: والنذر لا يختص بزمان ومكان ودرهم وفقير فلو نذر التصديق يوم الجمعة بمكة بهذا الدراهم على فلان فخالف جاز. رد المحتار: ۱۳۷/۲. (احسن الفتاویٰ: ۴۸۰/۵).

امداد الفتاویٰ میں ہے:

(اونٹ کی منت میں سات بکریاں ذبح کرنا) اس صورت میں اختیار ہے خواہ سات بکریاں ذبح کر کے مساکین کو خیرات کر دیجئے یا متوسط درجہ کے اونٹ کی قیمت مساکین کو تقسیم کر دیجئے۔ در مختار میں ہے: ولو قال لله علي أن أذبح جزوراً وتصديق بلحمه فذبح مكانه سبع شياه جاز. وفي نذر أن يتصدق بعشرة دراهم فتصدق بغيره جاز إن ساوى العشرة كتصدق به بثمانه. (امداد الفتاویٰ: ۵۵۲/۲).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (امداد الاحکام: ۳۶-۳۷-۳۸۔ فتاویٰ رحیمیہ: ۲۵/۹، مبوب). واللہ تعالیٰ اعلم۔

نذر ذبح منعقد ہونے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے نذر مانی کہ اگر میں اس بیماری سے صحت یاب ہو گیا تو بکرا ذبح کروں گا، تو یہ نذر منعقد ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ ذبح کی منت صحیح اور درست ہے۔ لہذا صحت یاب ہونے پر بکرا ذبح کر کے اس کو صدقہ کرنا لازم اور ضروری ہو جائے گا۔
ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

لو نذر بقتل شاة لا يلزمه ولو نذر بذبحها لزمه. (بدائع الصنائع: ۸۵/۵، سعید).

فتاویٰ شامی میں ہے:

فی الخانية: قال: إن برئت من مرضي هذا ذبحت شاة فبرئ لا يلزمه شيء إلا أن يقول: فله علي أن أذبح شاة. وهي عبارة متن الدرر، وعللها في شرحه بقوله: لأن اللزوم لا يكون إلا بالنذر والدال عليه الثاني، لا الأول... ولكن في البرازية أيضاً: إن عوفيت صمت كذا، لم يجب ما لم يقل: لله علي، وفي الاستحسان يجب، ولو قال: إن فعلت كذا فأنا أحج، ففعل يجب عليه الحج. فعلم أن تعليل الدرر مبني على القياس، والاستحسان خلافه، وينافيه أيضاً قول المصنف: علي شاة أذبحها، أو عبارة الفتح: فعلي بالفاء في جواب الشرط، إذ لا شك أن هذا ليس وعداً. ولا يقال: إنما لم يلزمه شيء لعدم قوله: لله علي، لأن المصرح به صحة النذر بقوله: لله علي حجة... وحمل ما في الخانية والدرر من صحة قوله: لله علي أن أذبح شاة على القول بأنه يكفي أن يكون من جنسه واجب. (فتاوى الشامى: ۷۴۰/۳، احكام النذر، سعيد).

مداد الفتاوی میں ہے:

فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ذبح کرنا غیر ایام اضحیہ میں قربت مقصودہ نہیں اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ منذور بہ کا قربت مقصودہ ہونا چاہئے، پس اگر نذر بالذبح میں صرف ذبح سے پوری ہو جائے تو لازم آتا ہے کہ منذور بہ غیر قربت مقصودہ ہو، وہو باطل، اس سے معلوم ہوا کہ تصدق کو لازم کیا جائے گا تا کہ اس کے انضمام سے وہ قربت مقصودہ ہو جائے اس قاعدہ سے یقیناً معلوم ہوتا ہے کہ تصدق واجب ہوگا، نیز ناذر کا قصد اس نذر ذبح سے یقیناً تصدق کا ہوتا ہے، پس عرفاً نذر بالذبح کا لفظ مستعمل نذر لمجموع الذبح والتصدق میں ہے اور اس مجموع کے نذر میں فقہاء نے انعقاد نذر کی تصریح کی ہے۔ (امداد الفتاوی: ۵۵۷/۲) واللہ تعالیٰ اعلم۔

دو گانہ نفل کی منت کا حکم:

سوال: ایک شخص نے کسی کام کے ہونے پر روزانہ دو رکعت نفل کی منت مانی وہ کام ہو گیا، لیکن کچھ دنوں سے دو رکعت کی پابندی نہ ہوئی اب قضا کرے یا کفارہ دے دے؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ نماز کی قضا لازم ہے اس لئے کہ شرط معلق موجود ہے، اور یہ مسئلہ فوت شدہ نماز کی طرح ہے یعنی جب نماز فوت ہو جائے تو قضا ضروری ہے، کیونکہ صرف وقت فوت ہوا وجوب تو باقی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں بخاری شریف میں ہے:

عن عائشة رضي الله تعالى عنها عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من نذر أن يطيع الله فليطعه. (رواه البخاری: ۹۹۱/۲، باب النذر في المعصية).

درمختار میں ہے:

ومن نذر نذراً مطلقاً أو معلقاً بشرط ... ووجد الشرط المعلق به لزم النذر لحديث: "من نذر وسمى فعله الوفاء بما سمي" كصوم وصلاة ... الخ. (الدر المختار مع فتاوى الشامی: ۷۳۵/۳، سعید).

تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے:

ولو نذرت عبادة كصوم وصلاة في غد فحاضت فيه يلزمها قضاؤها لأنه يمنع الأداء لا الوجوب ولو نذرتها يوم حيضها لا، لأنه نذر بمعصية. (تنویر الابصار مع الدر المختار: ۴۳/۲).

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

اس قسم کی نذر لازم ہو جاتی اور پورا کرنا اس کا لازم ہے، جو دو گانہ وقت پر ادا نہیں ہو اس کی قضا لازم ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۰۸/۱۲، مدلل و مکمل) واللہ تعالیٰ اعلم۔

روزانہ ایک ہزار مرتبہ درود پڑھنے کی نذر کا حکم:

سوال: ایک شخص نے نذر مانی کہ میں روزانہ ایک ہزار مرتبہ درود شریف پڑھوں گا، تو یہ نذر منعقد ہوئی یا نہیں؟ اگر کوئی شخص نذر پوری نہ کر سکے تو اس کا متبادل کیا ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ روزانہ ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنے کی نذر صحیح ہے اور منعقد ہے، لہذا پورا

کرنا یعنی روزانہ ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنا ضروری اور لازم ہے۔ اور اگر نہیں پڑھا تو اس کا بدل کفارۃ الیمین ہے، یعنی قسم کا کفارہ ادا کرے۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

ولو نذر أن يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم كل يوم كذا لزمه وقيل لا، قوله لزمه لأن من جنسه فرضاً وهو الصلاة عليه صلى الله عليه وسلم مرة واحدة في العمر وتجب كلما ذكر وإنما هي فرض عملي ... (الدر المختار مع فتاوى الشامى: ۷۳۸/۳، سعید).
البحر الرائق میں ہے:

لأن المذكور في ظاهر الرواية لزوم الوفاء بالمندور عيناً منجزاً كان أو معلقاً وفي رواية النوادر هو مخيراً فيهما بين الوفاء وبين كفارة اليمين قال في الخلاصة: وبه يفتى فتحصل أن الفتوى على التخيير مطلقاً... (البحر الرائق: ۲۹۵/۴، کوئٹہ).
فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

ألزم على نفسه الحج إن فعل كذا لزمه الحج، ولا يجوز به كفارة اليمين. وعن القاضي المروزي أنه بالخيار إن شاء كفر، وعن الإمام أنه رجع وقال: تجب الكفارة، وعليه الفتوى لكثرة البلوى. (الفتاوى البزازية على هامش الهندية: ۲۷۱/۴، الثالث في النذر).

مزید ملاحظہ ہو: (الهداية مع فتح القدير: ۹۳/۵۔ والدر المختار: ۷۳۸/۳۔ وامداد الفتاوى: ۵۶۲/۲، انعقاد نذر درود شریف). واللہ تعالیٰ اعلم۔

نذر بالمعصية کا حکم:

سوال: اگر کسی نے گناہ کی نذر مان لی کہ اگر میرا کام ہو گیا تو میں ناچ گانا کراؤں گا، یا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے لئے بکرا ذبح کروں گا، یا قبر پر غلاف چڑھاؤں گا، یا قبر پر گنبد بناؤں گا، یا عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھوں گا، طلوع یا غروب شمس کے وقت نماز پڑھوں گا، تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: معصیت اور گناہ دو قسم کے ہیں: (۱) معصیت لذاتہ جیسے صورتِ مسئلہ میں ناچ گانا، شیخ

عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے نام پر بکرا ذبح کرنا، قبر پر غلاف، چادریں ڈالنا اور چراغ روشن کرنا، یا گنبد بنانا، یہ تمام چیزیں معصیت لذاتہا ہیں یعنی صرف گناہ ہی گناہ ہیں، ان میں طاعت یا عبادت کا کوئی پہلو نہیں ہے، لہذا نذر منعقد نہیں ہوگی، اور کفارہ بھی لازم نہیں ہوگا، مگر یمین کی نیت کرے یعنی قسم کا پہلو بھی ساتھ شامل ہو تو کفارہ یمین لازم ہوگا۔

(۲) معصیت لغیرہ: یعنی اصلاً تو مشروع ہو، لیکن خارجی شیء ممنوع کی مجاورت کی وجہ سے ممنوع ہوگئی ہو مثلاً صورتِ مسئلہ میں عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھنا یا طلوع یا غروب شمس کے وقت نماز پڑھنا، تو روزہ اور نماز اصل کے اعتبار سے عبادت ہیں، لیکن ممنوع اوقات کے ساتھ ملنے کی وجہ سے ممنوع ہو گئے، لہذا نذر منعقد ہو جائے گی، البتہ ان اوقات میں روزہ نماز سے روکا جائے گا، اور ان کا توڑنا واجب ہوگا، اور توڑنے کی بنا پر کفارہ لازم ہوگا، لیکن اگر کسی دوسرے دن روزہ رکھ لیا یا دوسرے اوقات میں نماز پڑھ لی تو کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

ملاحظہ فرمائیں حدیث شریف میں ہے:

عن عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من نذر أن يطيع الله فليطعه ومن نذر أن يعصيه فلا يعصه. قال محمد رحمه الله وبهذا نأخذ من نذر نذرا في معصية ولم يسم فليطع الله وليكفر عن يمينه وهو قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى.

وبهامش المؤطا: إن ظاهر الحديث أن مراده صلى الله عليه وسلم الإطلاق سمي أو

لم يسم. (المؤطا للإمام محمد مع الحاشية: ص ۳۲۷، باب من حلف أو نذر في معصية، قديمی).

در مختار میں ہے:

وفي البحر الرائق شرائطه خمس فزاد أن لا يكون معصية لذاته فصح نذر صوم يوم النحر لأنه لغیره، وفي الشامی: قال فی الفتح: وأما كون المنذور معصية يمنع انعقاد النذر فيجب أن يكون معناه إذا كان حراماً لعينه أو ليس فيه جهة قرينة. فإن المذهب أن نذر صوم

يوم العيد ينقذ ويجب الوفاء بصوم يوم غيره ولو صامه خرج عن العهدة ثم قال بعد ذلك قال الطحاوي: إذا أضاف النذر إلى المعاصي كـلله علي أن أقتل فلاناً كان يميناً ولزمته الكفارة بالحنث. (الدر المختار مع فتاوى الشامى: ۷۳۶/۳، سعيد).

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

ذكر الطحاوي رحمه الله أنه لو أضاف النذر إلى ما هو معصية وعنى به اليمين بأن قال لله تعالى على أن أقتل فلاناً كان يميناً ويلزمه الكفارة بالحنث لقوله عليه الصلاة والسلام النذر يمين وكفارته كفارة اليمين. (المبسوط للإمام السرخسی: ۱۳۹/۸).

لیکن امام طحاوی اور امام محمدؒ کی عبارات سے یہ وہم ہوتا ہے کہ معصیت چاہے لعینہ ہو یا غیرہ ہو بہر صورت کفارہ لازم ہوگا۔

ملاحظہ فرمائیں موطا امام محمدؒ میں ہے:

قال محمد: وبقول ابن عباس رضی اللہ عنہ نأخذ وهذا مما وصفت لك أنه من حلف أو نذر نذراً في معصية فلا يعصين، وليكفرن عن يمينه. (المؤطا للإمام محمد مع الحاشية: ص ۳۲۸، باب من حلف أو نذر في معصية، قديمي).

اور امام طحاویؒ کی عبارت محقق ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں نقل فرمائی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں:

قال الطحاوي: إذا أضاف النذر إلى سائر المعاصي كـلله علي أن أقتل فلاناً كان يميناً ولزمته الكفارة بالحنث. (فتح القدير ۹۲/۵، فصل في الكفارة، دار الفکر).

اس کا بہترین جواب حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے تکرار فتح الملہم میں دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

تفصیلی کلام فرمانے کے بعد بطور خلاصہ تحریر فرماتے ہیں:

فالحاصل: أنه لا كفارة عند الحنفية إذا نذر الرجل فعلاً هو معصية بعينه، وأما إذا

كان معصية لغيره، كصوم يوم النحر، فإنه تلزمه الكفارة إذا لم يقض صوماً آخر مكانه، وأما إذا أراد بالنذر يميناً، فيلزمه الحنث والكفارة في الصوم كلها، فاغتنم هذا التحرير، والله الموفق. (تكملة فتح الملهم: ۱۶۵/۲، تحقيق مذهب الحنفية في وجوب الكفارة في النذر بالمعصية - وكذا في الفقه الحنفی وادلته: ۳۱۸/۲، بيروت).

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

کسی عورت نے یہ منت مانی کہ فلان کام اگر ہو جائے تو مولود پڑھاؤں گی، یا فلانے مزار پر چادر چڑھاؤں گی، یا بڑے پیر کی گیارہویں کروں گی، تو یہ منت صحیح نہیں ہے، اس کے ذمہ کچھ واجب نہیں ہوا۔ (دین کی باتیں: ص ۳۱۷، منت ماننے کا بیان)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

سوال: ایک شخص نے اس طرح نذر مانی ”اے بزرگ میرا فلاں کام ہو جائے گا، تو میں آپ کے نام پر بکرا ذبح کروں گا، کیا اس طرح کی نذر اور منت ماننا مزار پر بکرا ذبح کرنا جائز ہے؟

الجواب: صورت مسئلہ میں نذر صحیح نہیں کہ یہ امر معصیت ہے، اور معصیت کی نذر منعقد نہیں ہوئی اس نذر کا پورا کرنا جائز نہیں ہے۔ درمختار میں ہے: ”وأن لا يكون معصية لذاته“۔

حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نذر کردن بایں طور کہ اگر حاجت من خدا بر آرد بزار فلان ولی ایں قدر از نقد و جنس طعام پختہ برسانم درست نیست زیرا کہ در نذر کردن خدائے تعالیٰ چند شروط است اگر ہمہ متحقق شوند نذر لازم می شود والا لازم نیست... الی قولہ... چہارم آنکہ منذور فی نفسہ گناہ نباشد اگر گناہ خواہ شد اصلاً در نذر کردن برو لازم نخواہد شد چنانچہ در فتاویٰ عالمگیری مرقوم است: الأصل أن النذر لا يصح إلا بشروط... إلى قولہ... والرابع: أن لا يكون المنذور معصية باعتبار نفسه، انتهى. (فتاویٰ رحیمیہ: ۲۳/۹، مہوب).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

انعتاد نذر کے لئے منذور بہ کا قربت مقصود ہونا ضروری ہے اور مجلس میلاد قربت مقصود نہیں ہے، پس

صورتِ مسئلہ میں نذر منعقد نہیں ہوئی، لہذا ایفاء بھی واجب نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۳/۶۱، محبوب و مرتب)۔
خلاصہ یہ ہے کہ معصیت لعینہ کی نذر مانی تو اصل مذہب یہ ہے کہ کفارہ واجب نہیں ہے، اس لئے کہ نذر ہی منعقد نہیں ہوئی، لیکن اگر نذر سے یمین مراد لی تو کفارہ یمین واجب ہوگا، اور اگر معصیت لغیرہ کی نذر مانی مثلاً یوم النحر کے دن روزہ رکھنے کی اور کسی دوسرے دن روزہ نہیں رکھا تو کفارہ واجب ہوگا۔

ایک اشکال اور جواب:

لیکن اور ایک اشکال باقی رہ جاتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک عورت آئی اور مسئلہ دریافت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے نذر مانی کہ میں اپنے بیٹے کی قربانی کروں، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب میں فرمایا بیٹے کی قربانی مت کر، اور قسم کا کفارہ ادا کر دے۔ ملاحظہ ہو موطا امام محمدؒ میں ہے:

أخبرنا مالك، أخبرني يحيى بن سعيد قال: سمعت القاسم بن محمد يقول: أتت امرأة إلى ابن عباس رضي الله عنه فقالت: إني نذرت أن أنحر ابني، فقال: لا تنحري ابنك، وكفري عن يمينك. (الموطا للإمام محمد: ص ۳۲۷، باب من حلف أو نذر في معصية، قديمي).

وقال العلامة اللكنوي في تعليقه: وفي رواية عن ابن عباس رضي الله عنه: ينحر مائة من الإبل مقدار دية النفس، وروي عنه أيضاً: ينحر كبشاً أخذاً من فداء إسماعيل علي نبينا وعليه الصلاة والسلام. (التعليق الممجد على موطا محمد: ۱۷۲/۳، باب من حلف أو نذر في معصية).

علامہ شامیؒ نے اس کا جواب تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

ولأبي حنيفة أن وجوب الشاة عليها خلاف القياس عرفناه استدلالاً بقصة الخليل.

(فتاویٰ الشامی: ۷۴۰/۳، سعید و کذا فی الفقہ الحنفی وادلته: ۳۱۸/۲، باب النذر، دمشق بیروت).

تکملہ فتح الملہم میں ہے:

و أما وجوب الشاة فيما إذا نذر بذبح ولده فإنه خلاف القياس، وإنما صار إليه أبو

حنيفة رحمه الله استحساناً لأثر ابن عباس رضي الله عنهما، وإلا فالقياس أن لا يجب فيه

شيء لأنه معصية لعينه، كما صرح به السرخسي في المبسوط: (۱۳۹/۸)، وراجعہ للتفصيل،
والله أعلم . (تكملة فتح الملهم: ۱۶۶/۲).

خلاصہ یہ ہے کہ قیاس کے اعتبار سے کوئی چیز لازم نہیں ہونی چاہئے تھی اس لئے کہ معصیت لعینہا ہے،
لیکن خلاف قیاس استحساناً امام ابوحنیفہؒ نے اس کو ترجیح دی۔ چونکہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے
اپنے لخت جگر نورِ نظر حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے بدلہ آسمانی مینڈھا ذبح فرمایا تھا جو کہ خلاف قیاس من
جانب اللہ حکم تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نذر بالمعصیۃ لعینہ پر ایک شبہ کا ازالہ:

سوال: حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب مدظلہ نے قاموس الفقہ (۱۸۳/۵) میں تحریر فرمایا
ہے کہ معصیت کی نذر میں معصیت کو ترک کرنا واجب ہے اور نذر کا پورا کرنا حرام ہے، البتہ کفارہ قسم ادا کرنا
واجب ہے، جبکہ فقہاء اور اکابر کی مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ کفارہ بھی لازم نہیں ہے اس کا کیا جواب
ہے؟

الجواب: بظاہر حضرت مولانا کی عبارت محلِ نظر ہے اور فقہاء کی تصریحات کی رو سے صحیح معلوم
نہیں ہوتی، غالباً حضرت مولانا کا ذہن نذرِ معصیت کی تقسیم کی طرف نہیں گیا ہوگا۔
مولانا کی عبارت ملاحظہ ہو قاموس الفقہ میں ہے:

جس چیز کی نذر مانی گئی ہو وہ معصیت ہو، جیسے شراب پینے کی نذر ایسی نذر کو پورا کرنا حرام اور ترک کرنا
واجب ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے، البتہ جیسا کہ اس سے پہلے مذکور ہوا اس صورت میں کفارہ قسم ادا کرنا
واجب ہوتا ہے، آج کل میلاد منعقد کرنے کی نذر مانتے ہیں یہ سب اس حکم میں ہے اور اس کو پورا کرنا جائز نہیں
بلکہ کفارہ قسم ادا کر دینا چاہئے اور آئندہ ایسی نذر سے توبہ کرنا چاہئے۔ (قاموس الفقہ: ۱۸۳/۵).

مذکورہ بالا عبارت میں مولانا نے معصیت لعینہ کی مثال پیش کی ہے، وبعدازاں وجوب کفارہ کا حکم تحریر
فرمایا ہے، جب کہ فقہاء کی عبارات کے پیش نظر مسئلہ برعکس معلوم ہوتا ہے، لہذا صحیح اور رائج یہی ہے کہ معصیت

لعینہ کی نذر منعقد ہی نہیں ہوتی اور کفارہ بھی واجب نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نذر میں اغنیاء اور فقراء کو شامل کرنے سے نذر کا حکم:

سوال: کسی طالب علم نے منت مانی کہ اگر میں امتحان میں کامیاب ہوا تو مدرسہ کے سارے طلباء کو اللہ کے لئے کھلاؤں گا، اس سے نذر متحقق ہوئی یا نہیں؟ اور نذر میں اللہ کا کلمہ ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ سے متعلق حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے کہ بقدر اغنیاء کے نذر منعقد نہیں ہوئی اور بقدر فقراء منعقد ہوگئی، لیکن حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ نذر صحیح اور لازم نہیں ہوئی، بظاہر حضرت تھانوی اور حضرت مفتی کفایت اللہ کے فتاویٰ میں تعارض ہے، تطبیق یہ ہو سکتی ہے کہ اگر ناذر کی نیت میں صرف فقراء ہوں تو پھر نذر منعقد ہوگئی، اور اگر مالدار اور فقراء سب کی نیت ہو تو پھر نذر منعقد نہیں ہوئی۔

ملاحظہ فرمائیں امداد الفتاویٰ میں ہے:

ایک سائل نے سوال کیا کہ ”اگر میرا فلاں مقصود حاصل ہو تو ایک گائے اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کر کے محلہ والوں کو کھلاؤں گا“، لیکن محلہ میں مالدار اور غریب دونوں رہتے ہیں، ایفائے نذر ہو گا یا نہیں؟

الجواب: فی الدر المختار: نذر التصدق علی الأغنیاء لم یصح ما لم ینو أبناء السبیل. وفیہ: ولو قال: إن برئت من مرضی هذا ذبحت شاة أو علی شاة أذبحها... الخ.

اس روایت سے معلوم ہوا کہ بقدر اغنیاء کے نذر منعقد نہیں ہوئی اور بقدر فقراء منعقد ہوگئی، اور فقراء کو کھلانا ضروری ہوگا، اور اغنیاء نے اگر کھایا تو دیکھنا چاہئے کہ اس نے بقدر حصہ فقراء پکوا یا ہے یا زیادہ، پہلی صورت میں اغنیاء کو کھانا درست نہیں، دوسری صورت میں درست ہے۔ (امداد الفتاویٰ: ۵۶۰/۲۔ و امداد الاحکام: ۳۳/۳).

کفایت المفتی میں ہے:

ایک شخص مسمی زید نے مرض میں گرفتار ہونے کی وجہ سے نذر مانی کہ اگر شافی مطلق نے مجھے کامل صحت مرحمت فرمائی تو میں مقابل مسجد یا فلاں مسجد کے مصلیوں کو کھانا کھلاؤں گا، اب وہ شفی منذورہ زید نے صحت پا کر

یا قبل صحت تمام نمازیوں میں تقسیم کرنے کا ارادہ کیا ہے، سوال یہ ہے کہ امراء و اغنیاء جو نماز میں شامل ہوتے ہیں، وہ اس نذر کی شیرینی کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب): فلاں مسجد کے تمام نمازیوں کو کھانا یا شیرینی کھلانا اگر بطور ہبہ یا اباحت مقصود تھا تو یہ قربت مقصودہ نہیں ہے، اور اگر بطور صدقہ مراد تھا تو چونکہ نمازیوں میں غنی اور محتاج دونوں شامل ہوتے ہیں، اور تصدق علی الغنی صحیح نہیں ہوتا، لہذا یہ نذر صحیح یعنی لازم نہیں ہوئی، اب اگر وہ کھانا یا شیرینی کھلائے تو تبرع ہوگا، اور اس تبرع میں نیت تصدق نہ ہو تو اغنیاء و فقراء دونوں کو کھانا جائز ہے۔

نذر التصدق علی الأغنیاء لم یصح ما لم ینو أبناء السبیل. (درمختار).

قلت: ولعل وجه عدم الصحة فی الأول عدم کونها قربۃ، الخ. (رد المحتار).

ولو قال: إن فعلت کذا فللہ علی أن أضيف جماعة قرابتی فحنث لا یلزمہ شیء.

الفتاویٰ الہندیۃ: ۶۶/۲. (کفایت المفتی: ۲/۲۳۶).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

بقدر حصہ اغنیاء نذر منعقد نہیں ہوئی اس لیے اس کا ایفاء واجب نہیں... بقدر حصہ فقراء نذر صحیح ہے، اس کا ایفاء واجب ہے، اس سے اغنیاء کو کھانا جائز نہیں ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۵/۴۹۰). واللہ اعلم۔

نذر میں لفظ اللہ ذکر کرنے کا حکم:

”انعتاد نذر کے لئے لفظ اللہ کا کلمہ ضروری نہیں ہے“ فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ نذر معلق منعقد ہونے کے لئے اللہ کا کلمہ کہنا ضروری نہیں ہے، بلکہ الفاظ لزوم کی وجہ سے بھی نذر منعقد ہو جاتی ہے، ہاں الفاظ کا تلفظ ضروری ہے۔

ملاحظہ فرمائیں شامی میں ہے:

فی الخانیۃ: قال: إن برئت من مرضی هذا ذبحت شاة فبرئ لا یلزمہ شیء إلا أن یقول: فللہ علی أن أذبح شاة. وہی عبارة متن الدرر، وعللها فی شرحہ بقولہ: لأن اللزوم لا

يكون إلا بالنذر والبدال عليه الثاني، لا الأول، فأفاد أن عدم الصحة لكون الصيغة المذكورة لا تدل على النذر، أي لأن قوله: ذبحت شاة، وعد لا نذر، ويؤيده ما في البرازية: إن سلم ولدي أصوم ما عشت، فهذا وعد. لكن في البرازية أيضاً: إن عوفيت صمت كذا، لم يجب ما لم يقل: لله علي، وفي الاستحسان يجب، ولو قال: إن فعلت كذا فأنا أحج، ففعل يجب عليه الحج. فعلم أن تعليل الدرر مبني على القياس، والاستحسان خلافه، وينافيه أيضاً قول المصنف: علي شاة أذبحها، أو عبارة الفتح: فعلي بالفاء في جواب الشرط، إذ لا شك أن هذا ليس وعداً. ولا يقال: إنما لم يلزمه شيء لعدم قوله: لله علي، لأن المصرح به صحة النذر بقوله: لله علي حجة، أو علي حجة. (فتاوى الشامى: ۳/ ۷۴۰، كتاب الأيمان). بدائع الصنائع میں ہے:

رکن النذر هو الصيغة الدالة عليه وهو قوله لله عز شأنه علي كذا أو علي كذا أو هذا هدي أو صدقة أو مالي صدقة أو ما أملك صدقة ونحو ذلك. (بدائع الصنائع: ۵/ ۸۱، كتاب النذر، سعيد).

علامہ ابن نجیم مصریؒ فرماتے ہیں:

أما الصيغة فلله، وعلي، ونذرت لله، وأنا أفعل، إن كان معلقاً كأن أحج إن دخلت الدار، بخلاف أنا أحج، منجزاً. (البحر الرائق: ص ۱۰۴ ط: مصر). امداد الفتاویٰ میں ہے:

الجواب: في الدر المختار: الأيمان مبنية على العرف، فما تعورف الحلف فيه فيمين وما لا فلا.

اور نذر حکم یمین ہے، چنانچہ ”علي“ نذر کو صیغہ ایمان سے درمختار میں لکھا ہے، اس بنا پر جو صیغہ عرفاً اس میں مستعمل نہیں ہیں، ان سے نذر نہ ہوگی، اس لئے ”ہمارا ارادہ ہے“ نذر نہیں ہے، اور ”ہم پر ہر مہینے“ نذر ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۵۲)۔

مفتی رشید احمد صاحب نے احسن الفتاویٰ میں تحریر فرمایا ہے کہ جو الفاظ عرفاً نذر کے لئے مستعمل ہیں، ان سے بھی نذر منعقد ہو جاتی ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۵/۲۸۵) واللہ تعالیٰ اعلم۔

حج کرانے یا چلہ میں بھیجنے کی نذر کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے کہا ”اگر مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک سال میں بیٹا دیا تو میں زید کو حج کراؤں گا“ یا چلہ کے لئے بھیجوں گا، نذر لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ نذر لازم نہیں ہے، اس لیے کہ نذر اپنے فعل کی منعقد ہوتی ہے نہ کہ دوسرے کے فعل کی، اور نذر عبادتِ مقصودہ کی منعقد ہوتی، جبکہ چلہ لگانا عبادتِ مقصودہ نہیں ہے۔
ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ومن نذر نذراً مطلقاً أو معلقاً بشرط، وکان من جنسہ واجب ... وهو عبادة مقصودة ... ووجد الشرط المعلق به لزوم النذر لحديث ”من نذر وسمى فعلیه الوفاء بما سمي“ .
وفی الشامی: (قوله: وهو عبادة مقصودة) ... وفي البدائع: ومن شروطه أن يكون قربة مقصودة، فلا يصح النذر بعبادة المريض، وتشيع الجنابة، والوضوء، والغتسال، ودخول المسجد، ومس المصحف، والأذان ... (قوله: لزوم النذر) أي لزمه الوفاء به، والمراد أنه يلزمه الوفاء بأصل القربة التي التزمها. (الدر المختار مع الشامی: ۷۳۵/۳، سعید).
امداد الفتاویٰ میں ہے:

(سوال) کسی شخص نے اس شرط پر منت کی تھی کہ اگر مجھے اللہ تعالیٰ پسر عنایت فرمادے تو بارہ برس کے بعد کعبہ شریف میں بھیجوں گا، لیکن بوقتِ نذر تو انگریز تھا، اب غریبی آگئی، اب کیا کیا جائے ادائے منت اس پر واجب ہے یا نہیں؟

(الجواب) نذر اپنے فعل کی منعقد ہوتی ہے، نہ کہ دوسرے کے فعل کی، لہذا یہ نذر بھی منعقد نہیں ہوئی۔
(امداد الفتاویٰ: ۵۶۱/۲)

کفایت المفتی میں ہے:

(سوال) زید نے منت مانی کہ میرا فلاں کام ہو گیا تو میں کسی کوچ کراؤں گا، زید کا کام ہو گیا تو اب زید کے لئے واجب ہے کہ نذر کرائے؟

الجواب: یہ منت اس طرح لازم ہو جاتی ہے کہ میں خود حج کروں گا، لیکن کسی کوچ کراؤں گا اس طریق پر لازم نہیں ہوئی۔ (کفایت المفتی: ۲/۲۵۲)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

زید نے نذر مانی کہ میرا ہاتھ صحیح ہو گیا تو چالیس دن تبلیغ یعنی جماعت میں جاؤں گا، تو یہ نذر صحیح ہوئی یا نہیں۔ اور اس کا پورا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب نہیں تو جائز بھی ہے یا نہیں؟
(الجواب) صحت نذر کے لئے یہ شرط ہے کہ منذر عبادت مقصودہ ہو، تبلیغ عبادت مقصودہ نہیں، اس لئے یہ نذر منعقد نہیں ہوئی، اس کا ایفاء واجب نہیں، جائز ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۵/۴۹۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نذر معین غیر معلق میں تعیین کا حکم:

سوال: ایک شخص نے جمعہ کے دن روزہ رکھنے کی نذر مانی، پھر اس کو جمعہ کے دن سفر کرنا تھا، اس لئے جمعرات کو نذر کی نیت سے روزہ رکھا۔ کیا نذر پوری ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورت مسئلہ جمعرات کے دن روزہ رکھنے سے نذر پوری ہو گئی، دوبارہ روزہ رکھنے کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ نذر معین غیر معلق کسی زمان و مکان کے ساتھ خاص نہیں ہوتی، اور قبل از وقت بھی اس کا ادا کرنا صحیح اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

والنذر من اعتكاف أو حج أو صلاة أو صيام أو غيرها غير المعلق ولو معيناً لا يختص بزمان ومكان ودرهم وفقير، فلو نذر التصديق يوم الجمعة بمكة بهذا الدرهم على فلان فخالف جاز. وكذا لو عجل قبله، فلو عين شهراً للاعتكاف أو صوم فعجل قبله عنه صح.

(الدر المختار: ۴۳۶/۲، فصل فی العوارض المبيحة لعدم الصوم، سعيد).

مراقی الفلاح میں ہے:

وألغينا تعيين الزمان وتعيين المكان وتعيين الدرهم والفقير، لأن النذر إيجاب الفعل بالذمة من حيث هو قرينة لا باعتبار وقوعه في زمان ومكان وفقير، وتعيينه للتقدير به أو التأجيل إليه. وفي الطحطاوي: فلو نذر التصديق يوم الجمعة بمكة بهذا الدرهم على فلان فحالف جاز. وكذا لو عجل قبله، فلو عين شهراً للاعتكاف أو للصوم فعجل قبله عنه صح. (مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوي: ص ۶۹۶، باب ما يلزم الوفاء به، قديمي). واللہ تعالیٰ اعلم۔

نذر معین معلق میں تعیین کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اس طرح نذر مانا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس امتحان میں پاس کر دیا تو میں جمعرات کو روزہ رکھوں گا، اب وہ شخص جمعرات کے علاوہ روزہ رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورت مسئلہ نذر معلق میں تقدیم جائز نہیں ہے، یعنی شرط پوری ہونے کے بعد روزہ رکھنا لازم ہوگا، اس سے پہلے رکھ دیا تو دوبارہ رکھنا واجب ہے۔ پھر جمعرات کی کوئی تخصیص نہیں، شرط پوری ہونے کے بعد کسی بھی دن روزہ رکھ سکتا ہے۔ علامہ شامیؒ کی عبارت سے یہی مترشح ہوتا ہے۔
ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ شامی میں ہے:

بخلاف النذر المعلق، فإنه لا يجوز تعجيله قبل وجود الشرط. قلت: وقد منا هناك الفرق وهو أن المعلق على شرط لا ينعقد سبباً للحال كما تقرر في الأصول، بل عند وجود شرطه، فلو جاز تعجيله لزم وقوعه قبل سببه فلا يصح. ويظهر من هذا أن المعلق يتعين فيه الزمان بالنظر إلى التعجيل، أما تأخيرها فالظاهر أنه جائز إذ لا محذور فيه. وكذا يظهر منه أنه لا يتعين فيه المكان والدرهم والفقير، لأن التعليق إنما أثر في إنعقاد السببية فقط، فلذا امتنع فيه التعجيل وتعين فيه الوقت. أما المكان والدرهم والفقير فهي باقية على الأصل من

عدم التعین، ولذا اقتصر الشارح في بيان المخالفة على التعجيل فقط حيث قال: فإنه لا يجوز تعجيله، فتدبر. (فتاوی الشامی: ۷۴۱/۳، مطلب النذر الغير المعلق لا يختص بزمان ومكان ودرهم وفقیر، سعید).

بدائع الصنائع میں ہے:

وإن كان معلقاً نحو أن يقول: إن شفا الله مريضی ... فله على أن أصوم شهراً أو أصلي ... فوقته وقت الشرط، فما لم يوجد الشرط لا يجب بالإجماع، ولو فعل ذلك قبل وجود الشرط يكون نفلاً. (بدائع الصنائع: ۹۳/۵، سعید۔ و کذا فی فتح القدیر: ۳۸۶/۲، دار الفکر). واللہ تعالیٰ اعلم۔

صوم الدہر کی نذر کی تحقیق:

سوال: ایک آدمی نے نذر مانی کہ جب تک میں زندہ رہوں گا روزہ رکھوں گا یا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا، پھر بڑھاپے کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتا ہے۔ روزہ رکھتا ہے تو دشواری ہے، نہیں رکھتا ہے تو نذر کی خلاف ورزی ہے، اب کیا کرے؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ روزہ رکھنے پر قدرت و طاقت نہ ہو تو فدیہ دیتا رہے، اور اگر فدیہ کی بھی وسعت نہ ہو تو استغفار کرتا رہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو آخر القضاء حتى صار شيخاً فانياً أو كان النذر بصيام الأبد فعجز لذلك أو باشتغاله بالمعيشة لكون صناعته شاقة فله أن يفطر ويطعم لكل يوم مسكيناً ... وإن لم يقدر على ذلك لعسرتة يستغفر الله أنه هو الغفور الرحيم. (الفتاوی الہندیہ: ۲۰۹/۱).

درمختار میں ہے:

نذر ... صوم الأبد فضعف لاشتغاله بالمعيشة أفطر وكفر كما مر. وفي الشامية: وكذا ما في البحر: لو نذر صوم الأبد فضعف عن الصوم لاشتغاله بالمعيشة له أن يطعم

ويفطر، لأنه استيقن أنه لا يقدر على القضاء. (الدر المختار مع فتاوى الشامى: ۴۲۷/۲، سعيد).

وقال العلامة الرافعي: هو ملحق بالشيخ الفاني. (تقريرات الرافعي على الشامى: ۱۵۲/۲).

قال الشيخ محمد علي الصابوني في تفسير قوله تعالى: وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين. أى وعلى الذين يستطيعون صيامه مع المشقة لشيخوخته أو ضعف إذا أفطروا عليهم فدية بقدر طعام مسكين لكل يوم. (صفوة التفاسير: ۱۲۱/۱).

وقال: معنى الآية: يطيقونه بجهد شديد ... والطاقة اسم لمن كان قادراً على الشيء

مع الشدة والمشقة. (صفوة التفاسير: ۱۲۳/۱).

احسن الفتاوى میں ہے:

سوال: ایک شخص نے نذر مانی کہ میں مرتے دم تک ہمیشہ روزہ رکھوں گا، اب یہ شخص مرض اور کبرسنی کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتا، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: فدیہ دیتا رہے، فدیہ کی بھی طاقت نہ ہو تو استغفار کرتا رہے... الخ۔ (احسن الفتاوى: ۴۷۷/۵).

واللہ تعالیٰ اعلم۔

نذرِ اطعام میں قیمت صدقہ کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے نذر مانی کہ اللہ تعالیٰ مجھے بیٹا عطا فرمائے تو میں دو دیک بریانی کھلاؤں گا، تو بیٹا

ملنے پر دو دیک بریانی کی قیمت دے سکتا ہے یا کھلانا ہی ضروری ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ بیٹا ملنے پر اس کو اختیار ہے چاہے تو دو دیک بریانی پکوا کر فقراء کو کھلا دے یا

اس کی قیمت تقسیم کر دے، بہر صورت نذر پوری ہو جائے گی اور بری الذمۃ ہو جائے گا، اس لئے کہ نذر میں اپنی طرف سے جو قیودات لگائی جاتی ہیں ان کا پورا کرنا لازم نہیں ہے۔

ملاحظہ فرمائیں علامہ شامی فرماتے ہیں:

بخلاف النذر المعلق، فإنه لا يجوز تعجيله قبل وجود الشرط. قلت: وقد منا هناک

الفرق وهو أن المعلق على شرط لا ينعقد سبباً للحال كما تقرر في الأصول، بل عند وجود شرطه، فلو جاز تعجيله لزم وقوعه قبل سببه فلا يصح. ويظهر من هذا أن المعلق يتعين فيه الزمان بالنظر إلى التعجيل، أما تأخيرها فالظاهر أنه جائز إذ لا محذور فيه، وكذا يظهر منه أنه لا يتعين فيه المكان والدرهم والفقير، لأن التعليق إنما أثر في إنعقاد السببية فقط، فلذا امتنع فيه التعجيل وتعين فيه الوقت. أما المكان والدرهم والفقير فهي باقية على الأصل من عدم التعيين، ولذا اقتصر الشارح في بيان المخالفة على التعجيل فقط حيث قال: فإنه لا يجوز تعجيله، فتدبر. (فتاوى الشامى: ۷۴۱/۳، كتاب الأيمان، سعيد).

وفى الطحطاوي على الدر المختار: (قوله: لزم النادر) أى وجوباً كما فى الهداية. وأراد بلزومه لزوم أصل القرية التي التزمها، لا بكل وصف التزمه، لأنه لو عين درهماً أو فقيراً أو مكاناً للتصدق أو للصلاة فإن التعيين ليس بلازم. بحر... (قوله: لا يختص بشيء) أى من الفقير والدرهم والزمان والمكان، وذلك لأن المقصود التقرب إلى الله تعالى بدفع حاجة الفقير، فلا مدخل لخصوص المكان. قال الفقيه: وهو قول علمائنا الثلاثة خلافاً لـ زفر. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۳۴۰/۲، كتاب الأيمان).

احسن الفتاوى میں ہے:

اگر نذر میں کوئی چیز متعین کردی کہ فلاں چیز دوں گا تو بعینہ یہی چیز دینا لازم نہیں، بلکہ اس کی قیمت کے برابر نقدی یا کوئی دوسری چیز بھی دے سکتا ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۵/۲۸۰)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تجارت میں ترقی کی نذر کا حکم:

سوال: میں نے نذر مانا ہے کہ ۱۹۸۷ میں میرے بزنس کی آمدنی جس مہینہ ۳۰۰۰۰۰ تیس ہزار رینڈ سے زائد ہوئی تو میں ایک روزہ رکھوں گا، پھر جون ۱۹۸۷ میں میرے والد صاحب اور اکتوبر ۱۹۸۷ میں میرا بھائی میرے ساتھ کاروبار میں شریک ہو گئے، والد صاحب کا کہنا ہے کہ اب جب بزنس میں شرکت ہو گئی ہے، اس لئے

مجھ پر روزہ رکھنا ضروری نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ اگر آپ کی نیت ترقی تجارت پر روزہ رکھنے کی تھی، یعنی اگر اللہ تعالیٰ میری تجارت میں برکت دے اور ترقی حاصل ہو اور کل آمدنی ۳۰۰۰۰ سے زائد ہو تو روزہ رکھوں گا، اگر یہ نیت تھی تو جس ماہ میں ۳۰۰۰۰ رینڈ سے زائد آمدنی حاصل ہو، آپ پر روزہ رکھنا لازم ہے، تجارت میں شرکت اس کے منافی نہیں۔ ہاں اگر آپ کی نیت یہ تھی کہ جس ماہ میرے حصے میں ۳۰۰۰۰ کا نفع حاصل ہوگا تو اس ماہ روزہ رکھوں گا، تو شرکت کے بعد کل آمدنی ۳۰۰۰۰ ہونے پر روزہ لازم نہیں ہوگا، بلکہ جب آپ کے حصے میں ۳۰۰۰۰ حاصل ہوں گے تب آپ پر روزہ لازم ہوگا۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من نذر أن يطيع الله فليطعه ومن نذر أن يعصيه فلا يعصه. (الموطأ للإمام محمد: ص ۳۲۷، باب من حلف أو نذر في معصية، قديمي).

وفي التعليق الممجد: (قوله: فليطعه) أي وجوباً، فإن المباح يصير واجباً بالنذر لقوله تعالى: ﴿وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ﴾. (التعليق الممجد على موطأ امام محمد: ۱۷۰/۳).

در مختار میں ہے:

ومن نذر نذراً مطلقاً أو معلقاً بشرط، وكان من جنسه واجب أي فرض، كما سيصرح به تبعاً للبحر والدرر، وهو عبادة مقصودة... ووجد الشرط المعلق به لزوم الناذر لحديث "من نذر وسمي فعليه الوفاء بما سمي" كصوم وصلاة وصدقة. وفي الشامي: (قوله: لزوم الناذر) أي لزمه الوفاء به، والمراد أنه يلزمه الوفاء بأصل القرية التي التزمها، لا بكل وصف التزمه. (قوله: لحديث) قال في الفتح: هو حديث غريب إلا أنه مستغنى عنه، ففي لزوم المنذور الكتاب والسنة والإجماع. (الدر المختار مع فتاوى الشامي: ۷۳۵/۳، مطلب في أحكام النذر).

واللہ تعالیٰ اعلم۔

اولاد کی نذر میں ولد الزنا کا حکم:

سوال: ایک عورت شادی شدہ ہے اور اس نے منت مانی تھی کہ اگر اس کو اولاد ہوئی تو میں اس بچہ کو لے کر عمرہ کروں گی، مگر ڈاکٹروں کی تحقیق یہ تھی کہ اس کے شوہر سے اس کو اولاد نہیں ہو سکتی، پھر اس نے زنا کیا اور اس زنا کے نتیجے میں اس کو بچہ پیدا ہوا ہے، اب کیا اس عورت پر عمرہ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ عورت پر عمرہ کر کے اپنی نذر کا ایفاء کرنا ضروری ہے، اس لیے کہ اس نے اولاد کی منت مانی، اور بچہ پیدا ہوا اور بچہ ثابت النسب بھی ہے۔ حدیث میں آتا ہے:

”الولد للفراش وللعاهر الحجر“

لہذا شرطِ معلق پوری ہونے پر ایفاء نذر لازم ہو جاتا ہے، ہاں عورت اس فعلِ فبیح کی وجہ سے گنہگار ضرور ہوئی، اس پر توبہ کرنا لازم ہے۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

ثم إن المعلق فيه تفصيل، فإن علقه بشرط يریده كان قدم غائبی أو شفی مریضی، یوفی وجوباً إن وجد الشرط. وفي الشامي: (قوله: إن المعلق) أعلم أن المذكور في كتب ظاهر الرواية أن المعلق يجب الوفاء به مطلقاً: أي سواء كان الشرط مما يرید كونه أي یطلب حصوله كان شفی الله مریضی أو لا كان كلمت زیداً. (الدرالمختار مع فتاوی الشامي: ۷۳۸/۳ احکام النذر، سعید). واللہ تعالیٰ اعلم۔

نذر ذبح مع تقسیم لحم کی منت میں تصدق بالقیمۃ کا حکم:

سوال: ایک شخص نے بکری ذبح کر کے تقسیم کرنے کی منت مانی، پھر اس نے سوچا کہ اس میں رشتہ داروں کی ناراضگی کا خطرہ ہے، کیونکہ صرف فقراء کو دیا جاسکتا ہے تو باقی رشتہ دار ناراض ہو جائیں گے، اس لئے

بکری کی قیمت چپکے سے فقراء کو دینا چاہئے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں ہمارے اکابر کے فتاویٰ کی طرف رجوع کیا تو بظاہر تعارض ہے۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحبؒ نے ”امداد الاحکام“ میں ناجائز فرمایا۔ ملاحظہ فرمائیں:

سوال: نذر غیر معین میں بجائے جانور کے اس کی قیمت ادا پر صدقہ کرنے سے نذر ہوگی یا نہیں اور بہتر جانور دینا ہے یا اس کی قیمت؟

الجواب: اگر نذر ذبح حیوان کی تھی تو ذبح ہی واجب ہے، تصدق قیمت کافی نہیں، اور اگر ذبح کی نیت نہ تھی تو تصدق قیمت بھی کافی ہے۔ (امداد الاحکام ۳/۴۲)۔

اور حضرت مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے جائز فرمایا ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو:

اضحیہ کے سوا نذر ذبح سے نذر تصدق لحم مقصود ہے، ورنہ نفس ذبح کی نذر صحیح نہیں، اس لئے کہ اضحیہ کے سوا ذبح حیوان عبادت مقصودہ نہیں... جب ذبح مقصود نہیں بلکہ تصدق لحم مقصود ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ ذبح حیوان واجب نہیں، بلکہ اختیار ہے چاہے یہ بکرا ذبح کر کے گوشت صدقہ کرے، یا بکرا زندہ صدقہ کر دے، یا اس کی قیمت صدقہ کر دے، یا قیمت کے برابر کوئی دوسری چیز۔

قال فی شرح التئویر: نذر أن يتصدق بعشرة دراهم من الخبز فتصدق بغيره جاز إن

ساوی العشرة. كتصدقہ بثمانہ. (رد المحتار ۳/۷۲). (احسن الفتاویٰ ۵/۴۸۳)۔

اب یہ شخص حیران ہے اور سوچ رہا ہے کہ بکری کی جگہ اس کی قیمت دے سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب: فتاویٰ بزازیہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ بکری کو ذبح کرنا چاہئے، اس لئے حضرت

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے فتوے پر عمل ہونا چاہئے اور اس میں احتیاط بھی ہے۔ اور فراغ ذمہ یقینی ہے۔ نیز اراقت دم ایام قربانی کے علاوہ عبادت نہیں، لیکن اس کی جنس میں قربانی لازم ہے، اور جب اس کے ساتھ تصدق لحم مقصود ہو تو وہ عبادت بن گئی۔

فتاویٰ بزازیہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

قال: إن برئت من مرضي هذا ذبحت شاة أو علي شاة أذبحها فصح لا يلزمه شيء

ولو قال: علي شاة أذبحها وأتصدق بلحمها لزمه. لله علي أن أذبح جزوراً وأتصدق بلحمه يذبح مكانه سبع شياه. لزمه إراقة شاتين وسطين فذبح شاة سمينه تعدل وسطين لا يجزئه، لأن المقصود الإراقة والتصدق باللحم، والسمينة وإن عادلتها في اللحم لاتعادلها في الإراقة. (الفتاوى البزازية على هامش الهندية: ۲۷۱/۴). واللہ تعالیٰ اعلم۔

نذر ذبح میں مقصود اراقتہ الدم کی واضح نظیر:

ایک شخص نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کی منت مانی تو فقہاء نے فرمایا کہ بیٹے کے بدلے بکری ذبح کرے۔

ملاحظہ فرمائیں تاتارخانیہ میں ہے:

إذا نذر الرجل ذبح ولده لزمه شاة لكل واحد يذبحها بمكة. (الفتاوى التاتارخانية: ۴۳/۵۔ وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۳۱۸/۲ باب النذر). واللہ تعالیٰ اعلم۔

توبہ توڑنے پر صدقہ کی نذر کا حکم:

سوال: ایک شخص شراب کا عادی تھا، اس کو توبہ کی توفیق ہوئی، اس نے یہ کہا کہ اگر آئندہ میں نے شراب پی تو اللہ کے لیے فقیروں کو دس ہزار رینڈ صدقہ دوں گا، اتفاقاً اس نے شراب پی لی، اب اس کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟ دس ہزار رینڈ صدقہ کرنا لازم ہے یا اس کی جگہ دوسری کسی چیز کی گنجائش ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ شخص مذکور کو اختیار ہے چاہے دس ہزار رینڈ صدقہ کرے یا کفارہ یمین ادا کرے۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

وإن علقه بمالم يردہ كأن زنت بفلانة مثلاً وفي بنذرہ أو كفر ليمينه على المذهب لأنه نذر بظاهره يمين بمعناه فيتخير ضرورة. (الدر المختار: ۷۳۹/۳، ط: سعيد).

فتاویٰ شامی میں ہے:

ولذا صح النذر في قوله : إن زنت بفلانة ، لكنه يتخير بينه وبين كفارة اليمين لأنه إذا كان لا يريدہ يصير فيه معنى اليمين فيتخير... (فتاویٰ الشامی: ۷۳۹/۳، ط: سعید۔ وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار: ۳۴۰/۲، کوئٹہ۔ وفقہ الحنفی وادلته: ۳۱۷/۲، باب النذر) . واللہ تعالیٰ اعلم۔

مطلق صدقہ کی نذر کا حکم:

سوال: ایک آدمی کی بچی بیمار تھی، اس نے نذر میں یہ الفاظ کہے، کہ اگر میری بچی بیماری سے شفا یاب ہوگئی تو میں کچھ صدقہ کروں گا، اللہ تعالیٰ کے فضل سے بچی ٹھیک ہوگئی، اب اس آدمی پر کتنا صدقہ کرنا لازم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ شخص مذکور پر دس صدقہ فطر کی مقدار قیمت یا اس کے برابر کوئی اور چیز صدقہ کرنا ضروری ہے، یعنی اگر گندم سے ادا کرے تو پانچ صاع یا اس کے برابر نقد یا کوئی دوسری چیز صدقہ کرنا واجب ہے۔ خواہ ایک مسکین کو دیدے یا زیادہ کو بہر صورت نذر ادا ہو جائے گی۔
نوٹ: ۵ صاع کی مقدار جدید پیمانہ کے اعتبار سے تقریباً ۱۶ کلو گرام ہوتی ہے۔

قال فی الدر المختار: ولونوی صیاماً بلا عدد لزمہ ثلاثہ أيام ولو صدقة فإطعام عشرة مساکین كالفطرة، قال ابن عابدين: قوله ولو صدقة، أى بلا عدد (قوله كالفطرة) أى لكل مسکین نصف صاع بر. (الدر المختار مع فتاویٰ الشامی: ۷۴۲/۳، ط: سعید).

قال العلامة الرافعي: قول الشارح فإطعام عشرة مساکين : لأن أقل ما أوجبه الله تعالى في كتابه من الصدقة عشرة مساکين ، سندی. (التحریر المختار: ۱۶/۳، سعید).
احسن الفتاویٰ میں ہے:

الفاظِ نذر میں صدقہ کی کوئی مقدار متعین نہیں کی گئی... اس صورت میں اطعامِ عشرۃ مساکین واجب ہے، یعنی مقدار صدقہ الفطر سے دس گناہ زیادہ گیہوں یا اس کی قیمت کے برابر نقد یا کوئی دوسری چیز صدقہ کرنا واجب ہے، خواہ ایک مسکین کو دے یا متعدد کو بہر صورت نذر ادا ہو جائے گی۔ (احسن الفتاویٰ: ۴۸۴/۵). واللہ تعالیٰ اعلم۔

مدرسہ بنانے کی نذر کا حکم:

سوال: ایک شخص نے یہ نذر مانی کہ اگر میری بیوی کو اللہ تعالیٰ نے اس بیماری سے شفا دی تو میں طلبہ علم دین کے لیے مدرسہ بناؤں گا، کیا یہ نذر درست ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئلہ میں مدرسہ بنانے کی نذر صحیح اور درست نہیں ہے، اس وجہ سے کہ فقہاء کی تصریحات کے مطابق نذر منعقد ہونے کے لیے اس کا عبادت مقصودہ ہونا ضروری ہے، اور مدرسہ بنانا عبادت مقصودہ نہیں ہے۔

ملاحظہ فرمائیں تنویر الابصار میں ہے:

ومن نذر نذراً مطلقاً أو معلقاً بشرط و كان من جنسه واجب وهو عبادة مقصودة و وجد الشرط لزوم النذر. وفي الشامية: قوله وهو عبادة مقصودة... قال في الفتح مما هو طاعة مقصودة لنفسها و من جسها واجب... و في البدائع: و من شروطه أن يكون قربة مقصودة فلا يصح النذر بعبادة المريض و تشييع الجنازة و الوضوء و الاغتسال و دخول المسجد... و بناء الرباطات و المساجد و غير ذلك و إن كانت قرباً إلا أنها غير مقصودة. (تنویر الابصار مع فتاویٰ الشامی: ۷۳۵/۳، مطلب فی احکام النذر، سعید).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

تعمیر مسجد اگرچہ واجب ہے مگر عبادت مقصودہ نہیں لہذا یہ نذر واجب الاداء نہیں۔ (احسن الفتاویٰ: ۵/۲۷۸)۔

مزید ملاحظہ فرمائیں: (عزیز الفتاویٰ: ص ۵۵۶۔ وکفایت المفتی: ۵/۲۵۱)۔

الغرض جب مسجد بنانے کی منت صحیح نہیں تو مدرسہ کی بدرجہ اولیٰ صحیح نہیں ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ذکر اللہ کی نذر کا حکم:

سوال: اگر کسی نے یہ نذر مانی کہ اگر میں ڈاکٹری کے امتحان میں پاس ہو گیا تو ایک لاکھ مرتبہ اللہ تعالیٰ

کا ذکر کروں گا، کیا نذر ہوئی یا نہیں؟ اور ذکر اللہ کی جگہ سبحان اللہ والحمد للہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: نذر منعقد ہونے کے لیے اس کا عبادت مقصودہ ہونا اور جنس واجب ہونا ضروری ہے، بصورتِ مسئلہ ذکر اللہ عبادت مقصودہ ہے اور اس کی جنس میں سے تکبیرات تشریق، احرام میں تلبیہ یا اس کے قائم مقام ذکر وغیرہ واجب ہے، لہذا ذکر اللہ کی منت صحیح اور درست ہے اور امتحان میں کامیاب ہونے پر ایک لاکھ مرتبہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا لازم ہوگا، ہاں ذکر اللہ میں سبحان اللہ والحمد للہ بھی شامل ہے اور اس سے بھی نذر پوری ہو جائے گی۔

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

والأصل في ذلك أن كل ما كان له أصل في الفروض لزم النذر بنذرہ، وكل ما لم يكن له أصل في الفروض لا يلزم النذر بنذرہ. (الفتاویٰ التاتارخانیة: ۵/۴۰، إدارة القرآن). فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله ولو نذر التسيحات)... تكبير التشریق واجب على المفتی به وكذا تكبيرة الإحرام، وتكبيرات العيدین فينبغي صحة النذر به بناء على أن المراد بالواجب هو المصطلح. (فتاویٰ الشامی: ۳/۷۳۸، سعید). الفتاویٰ الہندیہ میں ہے:

الباب الثالث في الإحرام... فالركن أن يوجد منه فعل من خصائص الحج وهو نوعان أحدهما قول بأن يقول: ليك اللهم ليك... الخ، وهي مرة شرط... ولو كان مكان التلبية تسيح أو تحميد أو تهليل أو تمجيد أو ما أشبه ذلك من ذكر الله تعالى ونوى به الإحرام صار محرماً... (الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۲۲۲). مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

أحب الكلام إلى الله أربع سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر... (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۵/۴۱۰).

بخاری شریف میں ہے:

كلمتان حببتان إلى الرحمن، خفيفتان على اللسان، ثقيلتان في الميزان، سبحان الله وبحمده، سبحان الله العظيم. (صحيح البخاری: ۱۱۲۹/۲). واللہ تعالیٰ اعلم۔

خانہ کعبہ کے لیے تیل لے جانے کی منت کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے نذر مانی کہ میں مسجد یا خانہ کعبہ کے لیے تیل لے جاؤں گا تو یہ نذر منعقد ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ خانہ کعبہ یا مسجد کے لیے تیل لے جانے کی نذر منعقد نہیں ہوئی اور اس کا پورا کرنا لازم اور ضروری نہیں ہے، اس لیے کہ خانہ کعبہ یا مسجد کے لیے تیل لے جانا نہ عبادتِ مقصودہ ہے اور نہ جنس واجب ہے۔

قال في الدر المختار: ولم يلزم الناذر ما ليس من جنسه فرض كعبادة مريض وتشيع جنازة ودخول مسجد ولو مسجد الرسول صلى الله عليه وسلم أو الأقصى، لأنه ليس من جنسها فرض مقصودة، وهذا هو الضابط كما في الدرر. (الدر المختار: ۷۳۶/۳، سعيد).
مزید ملاحظہ ہو: (البحر الرائق: ۲۹۶/۴، کوئٹہ۔ وفتح القدیر: ۹۱/۵، دار الفکر). واللہ تعالیٰ اعلم۔

طلباء پر خرچ کرنے کی نذر کا حکم:

سوال: ایک شخص نے کہا: میں ہر ماہ اپنی تنخواہ میں سے ۱۰۰ روپے دارالعلوم کے طلباء پر خرچ کروں گا، کیا ان الفاظ سے نذر صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ مذکورہ جملہ میں کوئی صیغہ التزام نہیں ہے اور نہ التزام پر دال ہے، لہذا ان الفاظ سے نذر منعقد نہیں ہوئی۔

ملاحظہ فرمائیں بدائع الصنائع میں ہے:

رکن النذر هو الصيغة الدالة عليه وهو قوله لله عز شأنه علي كذا أو علي كذا أو هدي أو صدقة أو مالي صدقة. (بدائع الصنائع: ۵/۸۱، سعید).

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

سوال: ایک شخص نے بحالت بیکاری زبان سے حسب ذیل جملے ادا کیے اور ان کلمات کی ادائیگی کے وقت نیت بھی پختہ تھی، وہ جملے یہ ہیں: میں اپنی آمدنی کا چالیسواں حصہ غرباء و مساکین کو اور بیسواں حصہ مساجد و عید گاہ کو دیا کروں گا، اب وہ شخص کہتا ہے کہ آمدنی کا حساب کرنا پھر اس کا چالیسواں اور بیسواں حصہ نکالنا اس وقت مجھے سخت دشوار ہے، اب میں کیا کروں، اس گناہ سے کس طرح بچوں؟

الجواب: اگر الفاظ وہی استعمال کیے تھے جو سوال میں مذکور ہیں ان کے ساتھ کوئی لفظ ایسا نہیں کہا کہ میری ملازمت ہوگئی یا آمدنی ہوگئی تو میں ایسا کروں گا، نیز کوئی لفظ لزوم و وجوب کا مثلاً اللہ کے لیے ایسا کروں گا یا میرے ذمہ ہے کہ ایسا کروں اس قسم کا کوئی لفظ الفاظ مذکورہ کے ساتھ نہیں کہا تو یہ الفاظ مذکورہ نہ یمین کے لفظ ہیں اور نہ نذر کے ان سے اس شخص کے ذمہ کوئی چیز لازم نہیں ہوئی اسے اختیار ہے کہ جس وقت جتنا آسان سمجھے صدقہ و خیرات کرے، علامہ ابن نجیم مصریؒ نے اپنے رسالہ ”النذر بالتصدق“ میں نذر کے صیغے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: ”أما الصيغة لله وعلي ونذرت لله وأنا أفعل إن كان معلقاً كأننا أحج إن دخلت الدار بخلاف أنا أحج منجزاً. (آخر الاشباه والنظائر: طبع مصر صفحة: ۱۰۴). اس عبارت میں یہ بھی تصریح ہے کہ کہنے والے کی نیت اگرچہ نذر کی ہو مگر جب تک الفاظ لزوم و غیرہ نہ کہے محض نیت سے نذر منعقد نہیں ہوتی۔ (امداد المفتین: ۶۱۲/۲، دارالاشاعت).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

نذر کے لیے صیغہ التزام ضروری ہے... (فتاویٰ محمودیہ: ۵۹/۱۳، مبوب و مرتب). واللہ تعالیٰ اعلم۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى:

﴿فَكْفَارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ
مِنْ أَوْسَطِ مَا تَطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ
أَوْ كَسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ،
فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ،
ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ﴾

(سورة المائدة، الآية: ۸۹)

بَاب ﴿۳﴾

کفارہ یمین کا بیان

باب ﴿۳﴾

کفارہ یمین کا بیان

کفارہ یمین میں روزے کا حکم:

سوال: ایک شخص اپنی یمین سے وسعت و غنا کے وقت حانث ہوا، لیکن جب کفارہ ادا کرنے کا ارادہ کیا تو اس وقت محتاجی شروع ہو گئی اور کفارہ کے لئے کوئی رقم یا کوئی دوسری چیز موجود نہیں ہے۔ تو اب روزے رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ کفارہ میں وقتِ ادا کا اعتبار ہے، لہذا ادا کرتے وقت تنگ دست ہے تو کفارہ میں روزہ رکھنے کی گنجائش ہے۔ یعنی مسلسل تین روزے رکھے، اور اگر مال داری تک انتظار کر لے تب بھی بلا کراہت جائز ہے۔

ملاحظہ فرمائیں بدائع الصنائع میں ہے:

وأما الثالث فهو كفارة اليمين، لأن الواجب فيها أحد الأشياء الثلاثة باختياره فعلاً غير عين، وخيار التعيين إلى الحالف يعين أحد الأشياء الثلاثة باختياره فعلاً ... فإن لم يجد شيئاً من ذلك فعليه صيام ثلاثة أيام ... إن الكفارات كلها تجب على التراخي، هو الصحيح من مذهب أصحابنا في الأمر المطلق عن الوقت حتى لا يَأْثِمَ بالتأخير عن أول أوقات الإمكان

ویکون مؤدیاً لا قاضیاً ... (بدائع الصنائع: ۹۶/۵، سعید).

(و کذا فی البحر الرائق: ۲۸۹/۴۔ وتبیین الحقائق: ۱۱۲/۳۔ والمبسوط: ۱۲۸/۸۔ والفقہ الاسلامی وأدلته: ۴۹۰/۳).

وفی الشامی: لا یجوز الصوم لمن یملک ما هو منصوص علیہ فی الکفارة أو یملک بدله فوق الکفاف. (قوله: وقت الأداء) أى لا وقت الحنث فلو حنث موسراً ثم أعسر جاز له الصوم، وفي عكسه لا... (قوله: ولاء... متابعة لقراءة ابن مسعود رضی اللہ عنہ وأبی رضی اللہ عنہ... فصيام ثلاثة أيام متتابعات. (فتاوی الشامی: ۷۲۷/۳، سعید۔ و کذا فی البدائع: ۱۰۲/۵-۱۱۱، سعید).

وفی البحر الرائق: ولا یجوز التکفیر بالصوم إلا لمن عجز عما سوى الصوم... والاعتبار فی العجز وعدمه وقت الأداء لا وقت الحنث، فلو حنث وهو معسر ثم أيسر لا یجوز له الصوم، وفي عكسه یجوز. ويشترط استمرار العجز إلى وقت الفراغ من الصوم، فلو صام المعسر یومین ثم أيسر لا یجوز له الصوم. کذا فی الخانية. (البحر الرائق: ۲۹۰/۴۔ وتبیین الحقائق: ۱۱۲/۳۔ و فتاوی محمودیہ: ۵۵/۱۴، مبوب ومرتب). واللہ اعلم۔

طعام کفارہ مدرسہ کے طلباء کو کھلانے کا حکم:

سوال: مدارس کے طلباء کو کفارہ کا کھانا کھلانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ مدارس کے مسکین و فقیر طلباء کو کفارہ کا کھانا کھلانا جائز ہے، مالدار طلباء کو کھلانا

جائز نہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿فإطعام عشرة مساکین من أوسط ما تطعمون أهليکم﴾. (سورة

المائدة: ۸۹).

در مختار میں ہے: و کفارته... إطعام عشرة مساکین. (الدر المختار: ۷۲۵/۳، سعید).

امداد الفتاویٰ میں مرقوم ہے:

فقراء کو کھانا ضروری ہے... اغنیاء کو کھانا درست نہیں۔ (امداد الفتاویٰ ۲/۵۶۰)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایک مسکین کو متعدد دفعے دینے کا حکم:

سوال: ایک شخص پر کفارہ لازم ہے یعنی ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھانا لازم ہے، لیکن اس نے ساٹھ مسکینوں کے کھانے کی رقم ایک ہی فقیر کو دیدی اور بتلایا کہ آپ یہ ساٹھ دنوں تک استعمال کرو یا یہ ساٹھ دنوں کے لئے ہے، تو کفارہ ادا ہوا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ ایک ہی فقیر کو ایک ہی مرتبہ ۶۰ دنوں کے لئے دینا جائز نہیں ہے اور اس سے کفارہ ادا نہیں ہوگا، ہاں اگر کسی کو وکیل بنایا کہ آپ یہ رقم ساٹھ دنوں میں فقیر کو دیا کرو تو یہ درست ہے، لیکن اگر ایک مسکین کو ایک دن میں ساٹھ مرتبہ دیا تو اس کے جواز کے بارے میں صاحب ہدایہ نے اختلاف نقل کیا ہے۔ بعض اس کو جائز کہتے ہیں اور دیگر بعض ناجائز، علامہ شامی نے عدم جواز کو صحیح قرار دیا ہے، اس لئے کہ اصل مقصد فقیر کی حاجت کو پورا کرنا ہے اور ہر دن حاجت بدلتی رہتی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں ہدایہ میں ہے:

وإن أعطی مسکیناً واحداً ستین يوماً أجزأه، وإن أعطاه فی يوم واحد لم یجزه إلا عن یومه، لأن المقصود سد خلة المحتاج، والحاجة تتجدد فی کل يوم، فالدفع إلیه فی الیوم الثانی کالدفع إلی غیره، وهذا فی الإباحة من غیر خلاف. وأما التملیک من مسکین واحد فی یوم واحد بدفعات فقد قیل: لا یجزئه، وقد قیل: یجزئه، لأن الحاجة إلی التملیک تتجدد فی یوم واحد، بخلاف ما إذا دفع بدفعة واحدة، لأن التفريق واجب بالنص. (الهدایة ۲/۴۱۵ فصل فی کفارۃ الظہار).

فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله ”عشرة مساكين“ أى تحقيقاً أو تقديرًا، حتى لو أعطى مسکيناً واحداً في عشرة

ایام کل يوم نصف صاع يجوز، ولو أعطاه في يوم واحد بدفعات في عشر ساعات قيل: يجزى، وقيل: لا، وهو الصحيح، لأنه إنما جاز إعطاؤه في اليوم الثاني تنزيلاً له منزلة مسكين آخر كتجدد الحاجة، من حاشية السيد أبي السعود. (فتاوى الشامى: ۷۲۵/۳، سيعد).

وفى الهداية: وإن أمر غيره أن يطعم عنه من ظهاره ففعل أجزأه، لأنه استقراض معنى، والفقير قابض له أولاً ثم لنفسه، فتحقق تملكه ثم تملكه. (الهداية: ۴۱۴، فصل في كفارة الظهار).

درمختار میں ہے:

وفى الأشباه: جاز التوكيل بكل ما يعقده الوكيل لنفسه... وفى تكملة ردالمحتار: وفى المجمع: وتجوز الوكالة بكل عقد يجوز للموكل مباشرته. وقال فى الهداية: كل عقد جاز أن يعقده الإنسان لنفسه جاز أن يوكل به غيره. (تكملة ردالمحتار مع الدرالمختار: ۳۶۰/۷، قبيل باب الوكالة بالخصومة والقبض، سيعد). واللہ تعالیٰ اعلم۔

تداخل کفارات کا حکم:

سوال: ایک شخص نے چند مرتبہ قسم کھائی اور کئی مرتبہ حانث ہوا، کتنے کفارے لازم ہیں؟ کیا ایک کافی ہے؟

الجواب: تعدد یمین پر تعدد کفارہ کے دو قول ہیں:

(۱) تداخل کا قول شامی نے بغیہ وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ (۲) اور عدم تداخل کا قول ہندیہ، التحریر المختار للرافعی میں ہے، اور بحر نے خلاصہ و تجرید سے نقل کیا ہے۔

پہلا قول آسان اور دوسرا قول مبنی بر احتیاط ہے، ہاں ضرورت کے وقت تداخل پر عمل کرنے کی گنجائش

ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وفی البحر عن الخلاصة والتجريد: وتعدد الكفارة لتعدد اليمين . وفي الشامي:
وفی البغية: كفارات الأيمان إذا كثرت تداخلت، ويخرج بالكفارة الواحدة عن عهدة
الجميع، وقال شهاب الأئمة: هذا قول محمد. قال صاحب الأصل: هو المختار عندي،
مقدس. ومثله في القهستاني عن المنية. (الدر المختار مع فتاوى الشامي: ۷۱۴/۳، مطلب تعدد الكفارة
لتعدد اليمين).

وفی التحرير المختار للرافعي: (قوله: قال صاحب الأصل: هو المختار عندي) لا
يخفى أن كلا من البغية والمنية للزاهدي، ومعلوم أن ما انفرد به لا يعول عليه، فلا يعتمد
على القول بالتداخل، بل يعتمد على ما ذكره غيره من عدم التداخل حتى يوجد تصحيح
لخلافه ممن يعتمد عليه في نقله، ومما يدل لتعدد ما ذكره في الفتح أول الحدود أن
كفارة الإفطار المغلب فيها جهة العقوبة حتى تداخلت، وأن كفارة الأيمان المغلب فيها
جهة العبادة. وفي الهندية: إذا قال الرجل: "والله والرحمن لا أفعل كذا" كانا يمينين حتى
إذا حنث كان عليه كفارتان في ظاهر الرواية، فعلم أن تعدد الكفارة هو ظاهر الرواية.
(التحرير المختار: ۱۳/۳، سعيد).

احسن الفتاوى میں ہے:

تعدد کفارہ کا تعدد تو حد و نونوں قول ہیں۔ ثانی اوسع وایسر اور اول ارنج و اشہر ہونے کے علاوہ احوط بھی
ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۵/۳۹۶)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

روزے کی نذر میں فدیہ دینے کا حکم:

سوال: اگر کسی نے روزے کی نذر مانی تو باوجود قدرت کے فدیہ دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ روزے کی منت میں باوجود روزے پر قدرت و توانائی حاصل ہونے کے
فدیہ دینا جائز نہیں ہے، بلکہ روزہ رکھنا ضروری ہے، ہاں اگر ایسا شخص ہے جو روزہ پر قدرت نہیں رکھتا اس کے لئے

فدیہ دینا جائز ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وللشيخ الفاني العاجز عن الصوم الفطر، ويفدي وجوباً ولو في أول الشهر وبلا تعدد فقير كالفطرة لو موسراً، وإلا فيستغفر الله، هذا إذا كان الصوم أصلاً بنفسه وخطب بأدائه . وفي الشامية : (قوله وللشيخ الفاني) في القهستاني عن الكرمانی: المريض إذا تحقق اليأس من الصحة فعليه الفدية لكل يوم من المرض ، (قوله العاجز عن الصوم) أي عجزاً مستمراً ، أما لو لم يقدر عليه لشدة الحر كان له أن يفطر ويقضيه في الشتاء ... (قوله: هذا إذا كان الصوم) أي وجوب الفدية على الشيخ الفاني ونحوه. (قوله: أصلاً بنفسه) كرمضان وقضاءه والنذر، كما مر فيمن نذر صوم الأبد، وكذا لو نذر صوماً معيناً فلم يصم حتى صار فانياً جازت له الفدية. (الدرالمختار مع فتاوى الشامی: ۲/۴۲۷، فصل فی العوارض المبيحة...، سعيد).

وقال في الفتاوى الهندية : وقد روي عن محمد رحمه الله تعالى قال : إن علق النذر بشرط يريد كونه كقوله : إن شفى الله مريضى أو رد غائبى لا يخرج عنه بالكفارة، كذا في المبسوط . ويلزمه عين ما سَمَى ، كذا في فتاوى قاضیخان . (الفتاوى الهندية: ۲/۶۵).

امداد المفتین میں ہے:

اگر فی الواقع ان روزوں کے ادا کرنے سے معذور ہے تو وہ اس کے ذمہ لازم رہیں گے، اور ادا نہ کرنے کی صورت میں اس کے ذمہ ضروری ہوگا کہ بعد موت اس کا فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرے۔ (امداد المفتین: ۵/۵۶).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۳۰۸۔ فتاویٰ رحیمیہ: ۶/۷۰۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کبیر: ۶/۲۸۱۔ احسن الفتاویٰ: ۵/۴۷۷)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نذرِ صوم میں بوقتِ عجزِ فدیہ دینے کا حکم:

سوال: ایک عورت نے ایک سال کے روزوں کی منت مان لی، لیکن اب بہت کمزور ہے، ۵ ماہ کے روزے رکھے، باقی ۷ ماہ کے روزے رکھنا مشکل ہے، اب وہ کیا کرے؟

الجواب: نذر منعقد ہو جانے پر اس کا پورا کرنا لازم اور ضروری ہے، لہذا سال بھر کے روزے رکھنا ضروری ہے، لیکن اگر کسی عذر یا بیماری وغیرہ سے روزہ رکھنے سے عاجز ہو جائے، اور آئندہ صحت کی امید بھی نہیں ہے تو ہر روزہ کے بدلہ فدیہ دینا ضروری ہوگا، اور اگر بغیر روزہ رکھے وفات پا جائے تو فدیہ کی وصیت کرنا ضروری ہوگا، اور فدیہ میں ہر روزہ کے بدلے صدقۃ الفطر کی مقدار ادا کیا جائیگا۔
ملاحظہ فرمائیں حاشیۃ الطحاوی میں ہے:

إذا نذر شيئاً من قربات لزمه الوفاء به، والإجماع على وجوب الإيفاء به. (حاشیۃ الطحاوی علی مراقی الفلاح: ص ۳۷۸).
درمختار میں ہے:

نذر صوم رجب فدخل وهو مريض أفطر وقضى كرمضان، أو صوم الأبد فضعف لاشتغاله بالمعيشة أفطر وكفر. وفي الشامية: (قوله وكفر) أي فدى. (الدر المختار مع فتاوی الشامي: ۴۳۸/۲، سعید).

وفي الشامي: (قوله فدى) أي لكل يوم نصف صاع من بر أو صاعاً من شعير، وإن لم يقدر استغفر الله. (فتاوی الشامي: ۷۴۱/۳، سعید).
فتاوی قاضیخان میں ہے:

ولو نذر أن يصوم أبداً فضعف عن الصوم لاشتغاله بالمعيشة قال: له أن يفطر ويطعم لكل يوم نصف صاع من الحنطة، لأنه استيقن أنه لا يقدر على قضائه، فإن لم يقدر على ذلك لعسرتة يستغفر الله... وقد نص على هذا في باب الاعتكاف: إذا أوجب على نفسه

اعتكافاً فمات قبل أن يعتكف يلزمه أن يوصي بذلك، فيطعم عنه بعد موته عن نفسه كل يوم نصف صاع من الحنطة، وإذا ثبت هذا في الاعتكاف، فكذلك في باب الصوم. (فتاویٰ قاضیخان: ۱۰۶/۱ علی هامش الهندیة). واللہ تعالیٰ اعلم۔

تداخل کفارہ کی ایک صورت:

سوال: ایک شخص غفلت کے زمانے میں قسمیں کھاتا رہا اور توڑتا رہا، اب تبلیغ کی برکت سے کچھ ہوش آیا تو کتنے کفارے دینے چاہئے، ایک کفارہ کافی ہے یا نہیں؟ یہ بھی یاد نہیں کہ کتنی قسمیں توڑی ہیں۔

الجواب: بصورتِ مسئلہ تمام کی طرف سے ایک کفارہ ادا کر دینا کافی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں اعلاء السنن میں ہے:

وقال عطاء فيمن قال: والله لا أفعل كذا وكذا، الأمرين شتى فعمهما باليمين قال: كفارة واحدة، أخرجه ابن حزم في المحلى: (۵۲/۸) وسنده صحيح.

روينا من طريق حماد بن سلمة عن أبان عن مجاهد قال: زوج ابن عمر رضي الله عنه مملوكه من جارية له، فأراد المملوك سفراً، فقال له ابن عمر رضي الله عنه: طلقها، فقال المملوك: والله لا طلقها، فقال له ابن عمر رضي الله عنه: والله لتطلقنها، كرر ذلك ثلاث مرات، قال مجاهد: فقلت لابن عمر رضي الله عنه: كيف تصنع؟ قال: أكفر عن يميني، فقلت له: قد حلفت مراراً، قال: كفارة واحدة، أخرجه ابن حزم في المحلى (۵۳/۸) وسنده صحيح. (اعلاء السنن: ۱۱/۴۲۶).

فتاویٰ شامی میں ہے:

وفي البغية: كفارات الأيمان إذا كثرت تداخلت، ويخرج بالكفارة الواحدة عن عهدة الجميع وقال شهاب الأئمة: هذا قول محمد قال صاحب الأصل: هو المختار عندی مقدسي، مثله في القهستاني عن المنية. (فتاویٰ الشامی: ۷۱۴/۳، سعید).

مزید ملاحظہ ہو: (احسن الفتاویٰ: ۵/۳۹۵۔ وكفايت المفتي: ۲/۲۳۵). واللہ تعالیٰ اعلم۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى :

﴿وَالَّذِي يَأْتِيَنَّكَ الْفَاحِشَةُ مِنْ نِسَائِكَ
فَاَسْتَشْهَدُوا عَلَيْهِمْ أَرْبَعَةٌ مِنْكُمْ،
فَإِنْ شَهِدُوا فَامْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ
حَتَّى يَتَوَفَاَهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا﴾

(سورة النساء، الآية: ۱۵).

کتاب الحدود والقصاص

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
”ادْرءِ وَالْحُدُودَ عَنِ الْمُسْلِمِينَ مَا اسْتَطَعْتُمْ
فَإِنْ كَانَ لَهُ مَخْرَجٌ فَخَلُّوا سَبِيلَهُ
فَإِنَّ الْإِمَامَ أَنْ يَخْطِئَ فِي الْعَفْوِ
خَيْرٌ مِنْ أَنْ يَخْطِئَ فِي الْعَقُوبَةِ“

(رواه الترمذی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بَاب..... ﴿۱﴾

حدود اور قصاص

کا بیان

﴿رسالہ﴾

البراهین الرفیعة

لإثبات الرجم

فی الشریعة

”البراهین الرفیعة لإثبات الرجم فی الشریعة“

رجم کا ثبوت اور اس پر ہونے والے اعتراضات کا جواب:

سوال: رجم کہاں سے ثابت ہے؟ اور اکثر برائے نام روشن خیال لوگ رجم کی سزا پر معترض رہتے ہیں کہ قرآن کریم سے ثابت نہیں ہے، اور اسلامی احکام کے خلاف ہے؟ اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: شرعی مسائل کا ثبوت یا تو کتاب اللہ سے ہوتا ہے یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یا اجماع امت سے، اگر کوئی مسئلہ ان تینوں سے صراحتاً ثابت نہ ہو تو پھر فقہاء امت اور ائمہ مجتہدین کے اجتہاد و استنباط کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، لیکن مسئلہ رجم براہ راست کتاب اللہ سے ثابت ہے اور سنت رسول اللہ سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے اسی طرح امت کا اجماع بھی رجم پر ہے، یعنی قرن اول و دوم صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لیکر آج تک امت کا رجم پر اجماع ہے۔

قرآن کریم سے رجم کا ثبوت:

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَاللّٰتِیْ یَأْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَیْھِنَّ اَرْبَعَةً مِنْكُمْ، فَبَاْنْ شَھِدُوا فَاْمْسُكُوھُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰھُ لَھُنَّ سَبِیْلًا﴾. (سورۃ النساء، الآیۃ: ۱۵).

اس آیت کریمہ میں زنا کی مرتکب ہونے والی عورتوں کے بارے میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ان کے جرم پر چار مسلمان مردوں کی گواہی قائم کی جائے، اور شہادت سے ان کا جرم ثابت ہو جائے تو ان کو گھروں میں بند رکھا جائے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم نازل ہو جائے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الہی کے ذریعہ ﴿لَھُنَّ سَبِیْلًا﴾ کی تفسیر میں فرمایا کہ زنا کا مرتکب اگر محسن (شادی شدہ) ہو تو اس کو رجم کیا جائے اور

جو غیر محسن ہو تو اس کو سو کوڑے لگائے جائیں۔

چنانچہ صحیح مسلم شریف میں ہے:

عن عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا أنزل عليه الوحي كرب لذلك وتردد له وجهه، قال: فأنزل عليه ذات يوم فلقي كذلك فلما سري عنه قال: خذوا عني قد جعل الله لهن سبيلاً: الشيب بالبكر والبكر بالشيب جلد مائة ثم رجم بالحجارة، والبكر جلد مائة ثم نفى سنة. (رواه مسلم: ۶۵/۲، باب حد الزنا).

الغرض ”سبیل“ کی تشریح و توضیح کسی انسانی عقل نے نہیں کی بلکہ حق تعالیٰ شانہ نے بذاتِ خود بذریعہ وحی الہی کرائی، جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نماز کا حکم دیا، لیکن نماز سے کیا مراد ہے اس کی تشریح و توضیح آپ نے فرمائی وہ بھی قرآن ہی سے ثابت سمجھی جائے گی، اور جو کوئی اس کی کمیت و کیفیت کے عدم ثبوت کا دعویٰ کرے وہ خارج از ملت سمجھا جائے گا۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ جلد کا حکم قرآن مجید (سورہ نور) میں موجود ہے اور رجم کا حکم بھی قرآن میں موجود تھا لیکن اس آیت کی تلاوت منسوخ ہو گئی اور حکم باقی ہے اور وہ آیت یہ ہے:

”الشيخ والشيخة إذا زنيا فارجموهما البتة نكالا من الله والله عزيز حكيم.“ (صحیح ابن

حبان: ۱۰/۲۷۴/۴۴۲۹۔ و سنن کبریٰ بیہقی: ۸/۲۱۱/۱۶۶۸۸۔ و مسند بزار: ۱/۷۱۔ و مسند احمد: رقم ۲۰۲۶۱)۔

چنانچہ اسی جواب کی تائید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک خطبہ سے ہوتی ہے جس میں انہوں نے فرمایا کہ رجم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نازل فرمایا اور ہم نے اس کو پڑھا اور یاد کیا، اب اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی اور حکم باقی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد رجم کیا اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رجم کیا اور میں نے بھی رجم کیا، اگر میں کتاب اللہ میں زیادتی یا اضافہ کو برانہ جانتا تو میں اس آیت کو مصحف میں ضرور لکھ دیتا کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ کچھ لوگ بعد میں ایسے پیدا ہوں گے جو رجم کا اس وجہ سے انکار کر دیں گے، کہ اس کا ذکر قرآن میں نہیں اور اس انکار پر یہ لوگ گمراہ ہو جائیں گے اور کافر ہو جائیں گے۔

اشکال اور جواب:

اشکال: اس روایت پر بعض لوگ اشکال کرتے ہیں کہ ”شیخ“ اور ”شیخہ“ شادی شدہ کے معنی میں معروف نہیں بلکہ بوڑھے اور بڑھیا کے معنی میں معروف ہیں اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: اس کا جواب یہ ہے کہ عرب کے محاورہ میں مقام قباحت میں ادنیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے اور مقام مدح میں اعلیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے، مقام قباحت کی مثال حدیث شریف میں ہے:

”لعن الله السارق يسرق البيضة فتقطع يده“ (رواہ ابن ماجہ: ص ۱۸۵)۔

مقام قباحت میں ادنیٰ یعنی انڈے کا ذکر ہوا جس سے مراد تھوڑی شئی ہے نیز ”او يسرق الحبل فيقطع يده“ بھی آیا ہے، (ابن ماجہ: ص ۱۸۵) اور ”اتقوا النار و لو بشق تمره“ اسی قبیل سے ہے، اسی طرح یہاں بھی شادی شدہ کا کم ترین درجہ مذکور ہوا کہ شادی شدہ بڑھاپے کی عمر میں بھی زنا نہیں چھوڑتا نیز بخاری شریف وغیرہ میں حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے فرمایا:

”والله لو منعوني عناقاً كانوا يؤدونها إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم لقاتلتهم“ (رواہ

البخاری: ۱/۱۸۸)۔

اگر یہ لوگ دنبہ کا بچہ بھی زکوٰۃ میں نہ دیں تو میں ان سے قتال کروں گا۔

اور مقام مدح میں اعلیٰ کا ذکر ہوتا ہے جیسے ”و آتیتم أحداهن قنطاراً“ اس قانون کو شاہ عبدالغنی مجددی نے حاشیہ ابن ماجہ کتاب الحدود میں (۱۸۳) پر نقل فرمایا ہے، اس کی آسان تعبیریوں ہو سکتی ہے کہ مقام مبالغہ میں ”شیخ“ اور ”شیخہ“ کا ذکر ہوا ہے۔

رجم کے بارے میں جو احادیث منقول ہیں ان کی تعداد اتنی ہے ”كانها المتواتر معنی“ گویا کہ معنی متواتر ہیں، امت نے ان احادیث کو قبول کیا ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے۔

احادیث مبارکہ سے رجم کا ثبوت:-

(۱) عن جابر بن عبد الله الأنصاري ؓ أن رجلاً من أسلم أتى رسول الله صلى الله

عليه وسلم فحدثه أنه قد زنى فشهد على نفسه أربع شهادات فأمر به رسول الله صلى الله عليه وسلم فرجم وكان قد أحصن. (رواه البخارى: ۲/۱۰۰۶، باب الرجم-ومسلم: ۲/۶۶).

(۲) عن أبي هريرة رضي الله عنه وزيد بن خالد رضي الله عنه قالاً: كنا عند النبي صلى الله عليه وسلم فقام رجل فقال: أنشدك إلا قضيت بيننا بكتاب الله فقام خصمه وكان أفقه منه فقال: اقض بيننا بكتاب الله تعالى وائذن لي قال: قل، قال: إن ابني كان عسيفاً على هذا فرزني بامرأته فافتديت منه بمائة شاة وخادم ثم سألت رجلاً من أهل العلم فأخبروني أن على ابني جلد مائة وتغريب عام وعلى امرأته الرجم، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: والذي نفسي بيده لأقضين بينكما بكتاب الله المائة الشاة والخادم رد عليك وعلى ابنك جلد مائة وتغريب عام واغديا أنيس على امرأة هذا فإن اعترفت فارجمها فغدا عليها فاعترفت فرجمها. (صحيح البخارى: ۲/۱۰۰۸-۶۵۶۹-ومسلم: ۲/۶۹-وترمذی: ۱/۲۶۴-وموطا امام مالك: ص ۶۸۵).

(۳) عن ابن عباس رضي الله عنه قال: قال عمر رضي الله عنه: لقد خشيت أن يطول بالناس زمان حتى يقول قائل لا نجد الرجم في كتاب الله فيضلوا بترك فريضة أنزلها الله ألا وأن الرجم حق على من زنى وقد أحصن إذا قامت البينة أو كان الحبل أو الاعتراف. (رواه البخارى: ۲/۱۰۰۸-۶۵۷۰).

وفي روايته قال: فجلس عمر رضي الله عنه على المنبر، فلما سكت المؤذنون قام فأثنى على الله بما هو أهله ثم قال: أما بعد فإنني قائل لكم مقالة قد قدر لي أن أقولها لا أدري لعلها بين يدي أجلي فمن عقلها ووعاها فليحدث بها حيث انتهت به راحلته ومن خشي أن لا يعقلها فلا أحل لأحد أن يكذب علي إن الله بعث محمداً صلى الله عليه وسلم بالحق وأنزل عليه الكتاب فكان مما أنزل الله آية الرجم فقرأناها وعقلناها ووعيناها رجم رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجمنا بعده فأخشى إن طال بالناس زمان أن يقول قائل والله ما نجد آية الرجم في كتاب الله فيضلوا بترك فريضة أنزلها الله والرجم في كتاب الله حق على من

زنی إذا أحصن من الرجال والنساء إذا قامت البينة أو كان الحبل أو الاعتراف... (رواه البخاری: ۲/۱۰۰۹، باب الاعتراف بالزنا۔ ومسلم: ۲/۶۵۔ والترمذی: ۱/۲۶۴۔ وموطا امام مالک: ۶۸۵)۔

نوٹ: اس روایت میں کتاب اللہ سے مراد قرآن کریم ہے یا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

(۳) عن عبد الله عمر رضی اللہ عنہ أنه قال: إن اليهود جاءوا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكروا له أن رجلاً منهم وامراًة زنيا، فقال لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما تجدون في التوراة في شأن الرجل فقالوا: نفضحهم ويجلدون قال عبد الله بن سلام رضی اللہ عنہ: كذبتهم إن فيها الرجم فأتوا بالتوراة فنشروها فوضع أحدهم يده على آية الرجم فقرأ ما قبلها وما بعدها فقال له عبد الله بن سلام رضی اللہ عنہ: ارفع يدك؟ فرفع يده فإذا فيها آية الرجم قالوا: صدق يا محمد! فيها آية الرجم فأمر بهما رسول الله صلى الله عليه وسلم فرجما فرأيت الرجل يجنأ على المرأة يقيها الحجارة. (رواه البخاری ۱۰۱۱/۶۵۷۹، باب احكام اهل الذمة۔ والترمذی ۲۶۶/۱۔ وموطا امام مالک ص ۶۸۳۔ مسلم ۲/۶۹)۔

(۵) عن عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خذوا عني خذوا عني، قد جعل الله لهن سبيلاً: الثيب بالثيب جلد مائة ورمي بالحجارة والبكر بالبكر جلد مائة ونفي سنة. (رواه ابوداود: ۲/۶۰۶، باب في الرجم۔ ومسلم: ۲/۶۵، باب حد الزنا)۔

(۶) عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أنه أتى رجل من المسلمين رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو في المسجد فناده فقال: يا رسول الله! إني زنيت فأعرض عنه فتنحى تلقاء وجهه فقال له يا رسول الله إني زنيت فأعرض عنه حتى ثني ذلك عليه أربع مرات فلما شهد على نفسه أربع شهادات دعاه رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: أبك جنون؟ قال: لا، قال: فهل أحصنت؟ قال: نعم، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اذهبوا به فارجموه وفيه يقول جابر رضی اللہ عنہ فكنيت فيمن رجمه فرجمناه بالمصلی. (مسلم: ۲/۶۶، باب حد الزنا)۔

(۷) عن عبد الله بن بريدة عن أبيه... قال: (فلما رجم ماعز بن مالك رضی اللہ عنہ) فجاءت

الغامدية فقالت: يا رسول الله! اني قد زنت فطهرني وانه ردها فلما كان الغد قالت يا رسول الله لم تردني لعلك أن تردني كما رددت ما عزا فوالله اني لحبلى قال: أما الآن فاذهبي حتى تلدي قال: فلما ولدت أتته بالصبي في خرقة قالت: هذا قد ولدته، قال: اذهبي فارضيه حتى تفضميه فلما فطمته أتته بالصبي في يده كسرة خبز، فقالت: هذا يا نبي الله قد فطمته وقد أكل الطعام فدفع الصبي إلى رجل من المسلمين ثم أمر بها فحفر لها إلى صدرها، وأمر الناس فرجموها فيقبل خالد بن الوليد بحجر فرمى رأسها فتضح الدم على وجه خالد فسبها فسمع نبي الله صلى الله عليه وسلم سبه إياها فقال: مهلاً يا خالد فوالذي نفسي بيده لقد تابت توبة لو تابها صاحب مكس لغفر له ثم أمر بها فصلى عليها ودفنت. (رواه مسلم: ٦٨/٢، باب حد الزنا-وابوداود: ٦٠٩/٢).

(٨) عن عمران بن حصين رضي الله عنه أن امرأة من جهينة أتت نبي الله صلى الله عليه وسلم وهي حبلى من الزنا، فقالت: يا نبي الله أصبت حداً فأقمه علي فدعا نبي الله صلى الله عليه وسلم وليها، فقال: أحسن إليها فإذا وضعت فأتني بها ففعل فأمر بها نبي الله صلى الله عليه وسلم، فشدت عليها ثيابها ثم أمر بها فرجمت ثم صلى عليها، فقال له عمر رضي الله عنه: تصلى عليها يا نبي الله وقد زنت قال: لقد تابت توبة لو قسمت بين سبعين من أهل المدينة لوسعتهم، وهل وجدت توبة أفضل من أن جاءت بنفسها لله تعالى. (رواه مسلم: ٦٩/٢-وابوداود: ٦٠٩/٢).

(٩) عن جابر رضي الله عنه أن رجلاً زنا بامرأة فأمر به رسول الله صلى الله عليه وسلم فجلد الحد ثم أخبر أنه محصن فأمر به فرجم. (ابوداود: ٦٠٩/٢).

(١٠) عن علي رضي الله عنه حين رجم المرأة يوم الجمعة قال: رجمتها لسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم. (رواه البخاري: ١٠٠٦/٢، باب رجم المحصن).

(١١) عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يحل

دم امرئ مسلم يشهد أن لا إله إلا الله وأني رسول الله إلا ياحدى ثلاث الشيب الزاني
والنفس بالنفس والتارك لدينه المفارق للجماعة . (رواه ابوداود: ۵۹۸/۲۔ والبخارى: ۱۰۱۶۔
ومسلم: ۵۹/۲، باب ما يباح به دم المسلم، فيصل).

(۱۲) عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال: رجم رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجم
أبو بكر رضی اللہ عنہ ورجمت ولولا أني أكره أن أزيد في كتاب الله لكتبته في المصحف فإني
قد خشيت أن يجي أقوام فلا يجدونه في كتاب الله فيكفرون به . وفي الباب عن علي رضی اللہ عنہ
حديث عمر رضی اللہ عنہ حديث حسن صحيح، وروى من غير وجه عن عمر رضی اللہ عنہ . (رواه الترمذی: ۲۶۴/۱).

اجماع صحابہ اور اجماع امت سے رجم کا ثبوت:

(۱) حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں:

قال ابن بطال: أجمع الصحابة رضی اللہ عنہم وأئمة الأمصار على أن المحصن إذا زنى عامداً
عالمأ مختاراً فعليه الرجم... واحتج الجمهور بأن النبي صلى الله عليه وسلم رجم وكذا
الأئمة بعده. (فتح الباری: ۱۱۸/۱۲، باب رجم المحصن).

(۲) بدایۃ المجتہد میں ابن رشد مالکی فرماتے ہیں:

فأما الشيب الأحرار المحصنون فإن المسلمين أجمعوا على أن حدهم الرجم إلا فرقة
من أهل الأهواء... عمدة الجمهور أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رجم ماعزاً ورجم
امراً من جهينة ورجم يهوديين وامرأة من عامر من الأزد، وكل ذلك مخرج في الصحاح.
(بدایۃ المجتہد: ۳۲۵/۲، الباب الثاني في اصناف الزناة).

(۳) حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قال ابن المنذر أقسم النبي صلى الله عليه وسلم في العسيف أنه يقضي بكتاب الله
وخطب عمر رضی اللہ عنہ بذلك على رؤوس الناس وعمل بها الخلفاء الراشدون رضی اللہ عنہم فلم ينكره
أحد فكان إجماعاً. (بذل المحمود: ۱۳۹/۵).

(۴) مرقات میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

الرجم عليه إجماع الصحابةؓ ومن تقدم من علماء المسلمين وإنكار الخوارج
الرجم باطل لأنهم إن أنكروا حجية إجماع الصحابةؓ فجهل مركب بالدليل بل هو
إجماع قطعي وإن أنكروا وقوعه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فهو متواتر المعنى
والأحاد في تفاصيل صورته وخصوصياته وأما أصل الرجم فلا شك فيه... والحاصل أن
إنكاره إنكار دليل قطعي بالاتفاق . (مرقات شرح مشکوٰۃ: ۷/۱۲۴-۱۲۵، كتاب الحدود، ملتان).

(۵) ابن حزم اندلسی حنبلی مراتب الاجماع میں فرماتے ہیں:

اتفقوا أنه إذا زنى كما ذكرنا وكان قد تزوج قبل ذلك وهو بالغ مسلم حر عاقل
حرة مسلمة بالغة عاقلة نكاحاً صحيحاً... أن عليه الرجم بالحجارة حتى يموت . (مراتب
الاجماع: ۱۲۹، كتاب الحدود، بيروت).

(۶) علامہ آلوسی روح المعانی میں فرماتے ہیں:

قد أجمع الصحابةؓ ومن تقدم من السلف وعلماء الأمة وأئمة المسلمين على أن
المحصن يرجم بالحجارة حتى يموت... لأن ثبوت الرجم منه عليه السلام متواتر المعنى
كشجاعة عليؓ وجود حاتم . (روح المعانى: ۷۸/۱۸، القاهرة).

(۷) قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں:

وإذا كان الزاني والزانية محصنين يرجمان بإجماع الصحابةؓ ومن بعدهم من
علماء النصيحة... وبه قال علماء الفقه والحديث وقد جرى عمل الخلفاء الراشدينؓ
بالرجم مبلغ حد التواتر . (التفسير المظهری: ۶/۴۲۲، بلوچستان).

(۸) صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

وإذا وجب الحد وكان الزاني محصناً رجمه بالحجارة حتى يموت لأنه عليه السلام
رجم ماعزاً وقد أحسن وقال في الحديث المعروف وزنا بعد إحصان وعلى هذا إجماع

الصحابة . (الهداية: ۵۰۹/۲، فصل فی كيفية الحد- وفتح القدير: ۲۲۴/۵- وتبيين الحقائق: كتاب الحدود- ومجمع الانهر شرح ملتقى الابحر: ۱۴۱/۴، باب حد الزنا).

(۹) مشہور فقیہ، علامہ ابن قدامہ الحنبلی فرماتے ہیں:

الرجم على الزانى المحصن رجلاً كان أو امرأة وهذا قول عامة أهل العلم من الصحابة والتابعين ومن بعدهم من علماء الأمصار في جميع الأعصار ولا نعلم فيه مخالفاً إلا الخوارج... وقد ثبت الرجم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم بقوله وفعله في أخبار تشبه المتواتر وأجمع عليه أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم. (المغنى لابن قدامة الحنبلي: ۱۲۰/۱۰، وجوب الرجم على الزانى المحصن، بيروت).

(۱۰) علامہ ابن نجیم مصریؒ فرماتے ہیں:

قوله فإن كان محصناً رجمه في فضاء حتى يموت لأنه عليه السلام رجم ماعزاً وقد كان أحسن وقال في الحديث المعروف وزنا بعد إحصان وعلى هذا إجماع الصحابة وإنكار الخوارج الرجم باطل لأنهم إن أنكروا حجية إجماع الصحابة فجهل مركب بالدليل بل هو إجماع قطعي وإن أنكروا وقوعه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم لإنكارهم حجية خبر الواحد فهو بعد بطلانه بالدليل ليس مما نحن فيه لأن ثبوت الرجم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم متواتر المعنى. (البحر الرائق: ۸/۵، كتاب الحدود، كوئته).

(۱۱) التقریر و التحبیر میں علامہ ابن امیر الحاج الحکیمیؒ فرماتے ہیں:

إن حكمه صلى الله عليه وسلم على الواحد حكمه على الجماعة (حتى حكموا على غير ماعز بما حكم به) النبي صلى الله عليه وسلم من الرجم (عليه) أى على ماعز حتى قال عمر رضي الله عنه خشيت أن يطول بالناس زمان حتى يقول قائل لا نجد الرجم في كتاب الله فيضلوا بترك فريضة أنزلها الله ألا وإن الرجم حق على من زنى، وقد أحسن إذا قامت البينة أو كان الحبل أو الاعتراف. (رواه البخارى:.... وحكوا على ذلك إجماع الصحابة ومن بعدهم ممن يعتد باجماعه- (التقرير والتحبير على التحرير في اصول الفقه: ۲۷۹/۱، مسألة خطاب الواحد).

(۱۲) امام ابو بکر بھصا ص رازی فرماتے ہیں:

قال أبو بكر: لم يختلف السلف في أن حد الزانين في أول الإسلام ما قال الله تعالى ﴿وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاَسْتَشْهَدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةٌ مِنْكُمْ﴾ إلى قوله... ﴿وَاللَّذَانِ يَأْتِيَانَهَا مِنْكُمْ فَأَذُوهُمَا﴾. فكان حد المرأة الحبس والأذى بالتعير وكان حد الرجل التعير ثم نسخ ذلك عن غير المحصن بقوله تعالى: ﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ ونسخ عن المحصن بالرجم وذلك لأن في حديث عبادة بن الصامت رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم خذوا عني قد جعل الله لهن سبيلاً البكر بالبكر جلد مائة وتغريب عام والشيب بالشيب الجلد والرجم فكان ذلك عقيب الحبس والأذى المذكورين في قوله: ﴿اللاتي يأتين الفاحشة من نسائكم﴾ إلى قوله ﴿أو يجعل الله لهن سبيلاً﴾. (احكام القرآن للحصاص: ۲۵۵/۳، سورة النور، سهيل اكيڏمي).

مذکورہ بالا نصوص اور دلائل سے حکم رجم روزِ روشن کی طرح عیاں اور واضح ہو گیا جس کے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی، لہذا اگر کوئی فرد یا جماعت یا پانچایت انکار کرے تو یہ انتہائی سخت گمراہی ہے۔

رجم کا انکار موجب ضلال ہے:

(۱) ملاحظہ فرمائیں کشف الاسرار میں ہے:

إن المتواتر يوجب علم طمأنية و يقين والقول بأن المتواتر يوجب علم طمأنية لا يقين قول باطل يودي إلى الكفر فإن وجود الأنبياء ومعجزاتهم لا يثبت خصوصاً في زماننا إلا بالنقل فإذا لم يوجب المتواتر يقيناً لا يثبت العلم لأحد في زماننا بنبوتهم وحقيقتهم حقيقة وهذا كفر صريح . (كشف الاسرار: ۲۶۳).

(۲) علامہ ابن ہمام فتح القدر میں فرماتے ہیں:

قوله عليه إجماع الصحابة رضي الله عنهم ومن تقدم من علماء المسلمين وإنكار الخوارج الرجم باطل لأنهم إن أنكروا حجية إجماع الصحابة رضي الله عنهم فجهل مركب بالدليل بل هو

إجماع قطعي وإن أنكروا وقوعه من رسول الله صلى الله عليه وسلم لإنكارهم حجية خبر الواحد فهو بعد بطلانه بالدليل ليس مما نحن فيه لأن ثبوت الرجم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم متواتر المعنى كشجاعة علي ؓ وجود حاتم الحاصل أن إنكاره إنكار دليل قطعي بالاتفاق. (فتح القدیر: ۵/۲۲۴، فصل فی كيفية إقامة الحس، دارالفکر).

(۳) حضرت شاہ صاحب ”اکفار الملحدین فی ضروریات الدین“ میں فرماتے ہیں:

وكذلك وقع الإجماع من علماء الدين على تكفير كل من دافع نص الكتاب أى منع و نازع فيما جاء صريحاً فى القرآن... كتكفير الخوارج بإبطال الرجم للزاني والزانية محصنين. (اکفار الملحدین فی ضروریات الدین: ۵۷).

اشکالات کے جوابات:

اشکال (۱): منکرین رجم کہتے ہیں کہ رجم یہودیوں کا طریقہ تھا جس کو مسلمانوں نے اپنا لیا ہے۔ اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب (۱): آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محض تورات کے حکم ہونے کی وجہ سے رجم نافذ نہیں فرمایا، بلکہ قرآن کریم نے اس حکم کی تصدیق کی اور حکم اللہ قرار پایا، اور شرائع سابقہ کے مطابق کوئی حکم اللہ تعالیٰ نازل فرمادیں یا تصدیق فرمادیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تصدیق فرمادیں تو یہ ہماری شریعت بن جاتی ہے، لہذا یہ حکم صرف تورات کا نہیں رہا بلکہ ہماری شریعت کا حکم ہو گیا۔ ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات کے متعلق دریافت فرمایا یہ اتمام حجت کی وجہ سے تھا۔

الجواب (۲): حکم رجم پر صرف عمل نہیں فرمایا، بلکہ قولاً تشریحی حکم بھی فرمایا جس کی وجہ سے قانون شرعی کی حیثیت بن گئی۔ (قولی احادیث مذکور ہوئیں)۔

الجواب (۳): تورات میں مطلقاً رجم کا حکم تھا، شرائط و قیودات نہیں تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شرائط و قیودات بیان فرمائے، مثلاً غیر محسن کے لیے رجم نہیں ہے، بلکہ ۱۰۰ کوڑے ہیں، وغیرہ، اور یہ

تصرفات وحی الہی اور ہدایات ربانی کی روشنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے، بہر حال حکم رجم کو طریقہ یہود بتلانا صحیح نہیں ہے۔

اشکال (۲): مخالفین کی جانب سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ رجم کرنا ایک حیوانی عمل ہے اور حقوق انسانیت کے بالکل خلاف، اور چار گواہوں کا اس عمل کو دیکھنا بھی ناممکن ہے؟

الجواب: جتنے واقعات زمانہ نبوی میں مسلمانوں کے درمیان ظہور پذیر ہوئے وہ تمام مجرم کے خود اپنے اقرار سے نافذ کیے گئے تھے، کیونکہ بوقت جماع چار گواہوں کا وہاں حاضر ہونا اور ”کالمیل فی المکحلة“ والی کیفیت کا نظارہ کرنا انتہائی مشکل بلکہ ناممکن سا ہے، ہاں یہودیوں کا واقعہ شہادت سے ثابت ہوا ہے ملاحظہ ہو، حضرت شیخ فرماتے ہیں: **أنه عليه الصلاة والسلام رجم يهوديين زنيا بشهادة أربعة منهم**۔ (الآبواب والتراجم، ص ۱۸۹)۔

اسی لیے کہ مرد و عورت کو ساتھ لیٹے ہوئے دیکھنے سے حد ثابت نہیں ہوتی، بلکہ صرف تعزیر کے مستحق ہوں گے، نیز اقرار میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹال مٹول کرنا ثابت ہے، تاکہ رجوع کر لے، اور رجوع کرنے سے بھی حد ساقط ہو جاتی ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شریعت مطہرہ نے رجم کے سلسلہ میں مجرم کو کافی مہلت دی ہے اور گنجائش نکالی ہے۔

یہاں ایک لطیفہ کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جس سے ذہن کی بہت ساری گرہیں کھل جاتی ہیں۔

پاکستان میں جنرل ضیاء الحق صاحب کے دور حکومت میں حدود اور قصاص کا قانون نافذ کیا گیا اگرچہ حدود کے نفاذ پر آج تک عمل درآمد نہیں ہوا، اس زمانے میں اس پر بہت اشکالات و تنقیدات ہوئیں، اس زمانے میں عالم عرب و عجم کے بہت سارے محقق علماء کو اس قانون کی تحقیق کے لیے جمع کیا گیا اور بعض کی طرف سے اشکال کیا گیا کہ اس زمانے میں قانون رجم عالمی حالات کے مناسب نہیں، بلکہ اس کی جگہ اس کو گولی مار کر ہلاک کیا جائے، حضرت مفتی محمود صاحب پاکستانی بیماری کی وجہ سے اس وقت ہسپتال میں زیر علاج تھے، وفد کے کچھ حضرات ان کے پاس ان کی رائے لینے کے لیے ہسپتال پہنچ گئے، اور یہ رائے پیش کی کہ مقصود تو شادی شدہ کا قتل ہے تو اس کو گولی سے مار کر ہلاک کرنا ہی مناسب ہے، حضرت مفتی محمود صاحب نے فرمایا کیوں بھائی

شریعت اس کو بچاتی ہے اور تم اس کو ہلاک کرتے ہو، حاضرین نے کہا وہ کیسے؟ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا دیکھئے تاریخ میں زنا کبھی شہادت سے ثابت نہیں ہوا کیونکہ مرد اور عورت کو ”کالمیل فی المکحلة“ یعنی جیسے سلائی سرمہ دانی میں ہودیکھنا اور اس کی شہادت دینا ناممکن جیسا ہے اس لیے زنا کے جتنے واقعات ثابت ہوئے وہ اقرار سے ہوئے، حضرت ماعز رضی اللہ عنہ، حضرت غامد رضی اللہ تعالیٰ عنہما، اور یہودیوں کے واقعات سب اقرار سے ثابت ہوئے، اور جب رجم کے درمیان زانی کو سنگسار کرنے پر تکلیف پہونچے اور وہ کہدے کہ میں نے کچھ نہیں کیا میں نے زنا نہیں کیا، تو فی الفور اس کو چھوڑ دو تو وہ قتل سے بچ جائے گا، اور گولیاں چلانے کے بعد وہ کیسے بچے گا؟ اس پر مہمانوں کا وفد خوش ہوا اور ان کو اطمینان ہوا۔ بندہ فقیر نے خود یہ واقعہ حضرت مفتی صاحب سے سنا اور فتاویٰ مفتی محمود کے مقدمہ میں ص ۱۱۰-۱۱۲، پر یہ واقعہ بھی مذکور ہے۔ (نوٹ: ملحوظ رہے کہ حضرت مفتی صاحب نے جو فرمایا: ”تاریخ میں زنا کبھی شہادت سے ثابت نہیں ہوا“ اس سے مراد مسلمان ہیں، ورنہ یہودی کا واقعہ شہادت سے ثابت ہوا تھا جیسا کہ مذکور ہوا)۔

ملاحظہ فرمائیں بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: لما أتى ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ النبي صلى الله عليه وسلم قال له: لعلك قبلت أو غمزت أو نظرت قال: لا يا رسول الله! قال: أنكتها لا يکني قال: نعم، فعند ذلك أمر برجمه. وفي رواية له عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم رجل من الناس وهو في المسجد فناداه يا رسول الله إني زنيت يريد نفسه فأعرض عنه فجاء لشق وجه النبي صلى الله عليه وسلم الذي أعرض عنه فلما شهد على نفسه أربع شهادات دعاه النبي صلى الله عليه وسلم فقال: أبك جنون قال: لا يا رسول الله، فقال: أحصنت قال: نعم يا رسول الله، قال: اذهبوا به فارجموه. (رواهما البخاری: ۲/۱۰۰۸).

وفي رواية الترمذي: قال: فلما وجد مس الحجارة فریشتد حتی مر برجل معه لحي جمل فضربه به وضربه الناس حتی مات فذكروا ذلك لرسول الله صلى الله عليه وسلم... فقال: هلا ترکتموه. (رواه الترمذی: ۱/۲۶۴).

در مختار میں ہے:

ويخلى سبيله إن رجع عن إقراره قبل الحد أو في وسطه ولو رجوعه بالفعل كهروبه
... وندب تلقينه الرجوع بـ لعلك قبلت أو لمست أو وطئت بشبهة لحديث
ما عز رحمته... (الدر المختار: ۱۰/۴، كتاب الحدود، سعيد- والبحر الرائق: ۷/۵، كوئته).

عالمگیری میں ہے:

ولو هرب رجل ولم يرجع لم يتعرض له ولو ثبت على الزنا ورجع عن الإحصان قبل
منه ولم يرحم وجلد... (الفتاوى الهندية: ۱۴۴/۲- والبحر الرائق: ۵/۵، كوئته).

اشکال (۳): بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ حضرت ماعز رحمته اور حضرت غامد یہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
بدمعاش قسم کے لوگ تھے جو ہر وقت زنا کے درپے رہتے تھے، اس لیے یہ سزا (رجم) بطور تعزیر تھی نہ کہ بطور حد،
اور دلیل میں ایک حدیث شریف پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے:

”أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ألا كلما نفرنا في سبيل الله خلف أحدهم
له نيب كنيب التيس يمنح أحدهم الكثرة أما والله ان يمكني من أحدهم لأنكلنه عنه. (رواه
مسلم: ۶۶/۲).

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب بھی ہم جہاد کے لیے جاتے ہیں تو کوئی شخص بکرے
کی طرح ممیٹا رہیگا، تھوڑا سا دودھ دیکر اپنا کام نکالیگا، اگر مجھے اس پر قدرت ہوئی تو میں اس کو عبرت ناک
سزا دوں گا۔

کہتے ہیں کہ حضرت ماعز بھی اسی طرح کے آدمی تھے۔ (نعوذ باللہ) اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں عام قانون بیان کرنا مقصود ہے، جیسا کہ مفتی تقی صاحب مدظلہ
نے تكملة فتح الملہم میں فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

وإنما ذكره بعد رجم ماعز رحمته ليعتبر هؤلاء المفسدون بعقوبة ماعز رحمته. (تكملة فتح

اس کی واضح نظیر قرآن کریم میں ملاحظہ فرمائیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت داود علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ... وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ﴾ . (سورۃ ص، الآیہ: ۲۶)۔

اس آیت کریمہ کا مطلب بھی یہی ہے کہ یہاں عام قانون بیان کرنا مقصود ہے، یہ مراد نہیں کہ نعوذ باللہ حضرت داود علیہ السلام گمراہ ہوئے تھے۔

اسی طرح حدیث مذکورہ بالا میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مستقبل کے بارے میں تنبیہ فرما رہے ہیں کہ آئندہ کوئی ایسا کام نہ کرے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ”یمنع“ مضارع کا صیغہ ہے، اسی طرح بعض روایات میں ”ینب“ آیا ہے۔ ہاں ”نفرنا“ اور ”خلف“ ماضی کے صیغے ہیں لیکن کما کے بعد استمرار کا فائدہ دیتے ہیں۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ حدیث مذکورہ بالا میں ”ان یمکنی من احدہم“ سے پتہ چلتا ہے کہ ایسا بد معاش شخص ابھی تک پکڑا نہیں گیا، جب کہ یہ بات حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے رجم کے بعد فرمائی گئی۔ لہذا حضرت ماعز رضی اللہ عنہ مراد نہیں ہے۔

نیز بادشاہ وقت یا حاکم تعزیر اس وقت دیتا ہے جب کہ وہ معلوم کر لیتا ہے کہ مجرم ضدی اور غیر نادم ہے، حالانکہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ اور حضرت غامد یہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت اچھے تھے، اور یہ جرم ان سے اتفاقاً صادر ہوا تھا، ان کے اچھے ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے قبیلہ والوں سے دریافت فرمایا تو انہوں نے جواب میں عرض کیا: ”ثم سأل قومه، فقالوا: ما نعلم به بأساً إلا أنه أصاب شيئاً... (مسلم شریف: ۶۷/۲، باب حد الزنا، فیصل)۔

دوسری روایت میں ہے: ”فأرسل رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى قومه فقال: أتعلمون بعقله بأساً تنكرون منه شيئاً فقالوا: ما نعلمه إلا وفي العقل من صالحينا فيما نرى... (رواه مسلم: ۶۸/۲، فیصل)۔

اگر یہ اتنے بڑے بد معاش تھے تو پھر کیوں خود آئے اور چار مرتبہ اقرار کیا؟

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: ”لقد تاب توبة لو قسمت بين أمة

لو سعتهم“ (رواہ مسلم: ۶۸/۲، باب حد الزنا، فیصل). یعنی انہوں نے ایسی توبہ کی کہ اگر پوری امت میں تقسیم کی جائے تو اس کے لیے کافی ہو جائے۔

اور حضرت غامد یہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں فرمایا: ”لقد تابت توبة لو تابها صاحب مكس لغفر له“ (رواہ مسلم: ۶۸/۲، باب حد الزنا، فیصل). یعنی اس عورت نے ایسی توبہ کی کہ اگر ظالمانہ ٹیکس لگانے والا ایسی توبہ کر لے تو اس کی مغفرت ہو جائے۔

نیز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”انه اى ماعز“ (ابوداؤد شریف: ۶۰۸، باب فی الرحم). الآن لفي أنهار الجنة ينغمس فيها“.

یعنی حضرت ماعزؓ ابھی جنت کی نہروں میں غوطہ لگا رہے ہیں۔

کیا کسی بدمعاش کے بارے میں لسان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی بات نکل سکتی تھی، بلکہ بدمعاش کے بارے میں لوگ کہتے ہیں: ”خس کم جہاں پاک“۔

اسی طرح حضرت غامد یہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی از خود اپنے آپ کو پیش کیا تھا پھر حاملہ ہونے کی وجہ سے آپ نے مہلت دی لیکن وضع حمل کے بعد پھر وہ خود آئیں۔ ملاحظہ ہو تاملہ فتح الملہم میں ہے:

”جاءت بنفسها دون أن يطلبها أحد، على رغم أنها صارت أمًا لولد رضيع وكم يكون خاطرها قد تعلق بهذا المولود؟ وكم تكون عواطف الإشفاق عليه قد عرضت في سبيلها“ (تكملة فتح الملهم: ۴۳۲/۲، الفرق بين الحدود والتعزير).

اشکال (۴): بعض منکرین رجم کا یہ دعویٰ ہے کہ رجم کے تمام واقعات سورہ نور کے نزول سے قبل کے ہیں پھر سورہ نور کی آیت جلد نے حکم رجم کو منسوخ کر دیا۔

اور اپنے اس نظریہ کو ثابت کرنے کے لیے حسب ذیل دلیل پیش کرتے ہیں:

عن أبي إسحاق الشيباني سألت عبد الله بن أبي أوفى: هل رجم رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال: نعم، قلت: قبل سورة النور أم بعده؟ قال: لا أدري. (رواه البخاري: ۱۰۰۶/۲).

الجواب: حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیؓ نے یہ نہیں فرمایا کہ سورہ نور سے قبل کے واقعات ہیں بلکہ

اپنی لاعلمی کا اظہار کیا، اور قاعدہ ہے ”الیقین لا یزول بالشک“ لہذا اس شک کی وجہ سے حکم رجم جو ثابت بالیقین ہے منسوخ نہیں ہوگا۔

علاوہ ازیں سورہ نور واقعہ افک کے سلسلہ میں نازل ہوئی اور یہ واقعہ غزوہ بنی مصطلق میں سے واپسی پر پیش آیا، اس غزوہ کے سن وقوع کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ ۳ھ میں پیش آیا اور دیگر بعض کی رائے یہ ہے کہ ۵ھ یا ۶ھ میں پیش آیا، لیکن موسیٰ بن عقبہ اور واقدی کا قول یہ ہے کہ ۵ھ میں پیش آیا اور یہی رائج ہے، حافظ ابن حجر اور حافظ عیسیٰ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: (فتح الملہم: ۲/۴۲۵)۔

پھر سب سے پہلا واقعہ یہود کے رجم کا ہے اور یہود کے رجم کا واقعہ فتح مکہ کے بعد ۸ھ میں پیش آیا، اس لیے کہ مسند بزار اور طبرانی کی روایت میں ہے حضرت عبداللہ بن حارث فرماتے ہیں: ”فکنت فیمن رجمہما“۔ (رواہ البزار والطبرانی کما فی مجمع الزوائد: ۶/۲۷۱) اور حضرت عبداللہ بن حارث فتح مکہ کے بعد مشرف باسلام ہوئے۔

نیز ابن جریر نے سورہ مائدہ کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بایں الفاظ ذکر فرمائی ہے:

”کنت جالساً عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذ جاء رجل من اليهود... الخ“۔ (سورہ المائدہ: ۶/۳۵)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ھ میں مشرف باسلام ہوئے۔

نیز یہ یہود فدک کے رہنے والے تھے، ملاحظہ ہو مسند حمیدی میں ہے:

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال: زنی رجل من أهل فدک فکتب أهل فدک إلى أناس من اليهود بالمدينة أن سلوا محمداً عن ذلك... (مسند الحمیدی: ۲/۵۴۱/۱۲۹۴)۔

اور ۷ھ میں غزوہ خیبر کے بعد یہود فدک سے مصالحت ہوئی۔

حضرت مولانا دریس صاحب کاندھلوی ”سیرۃ مصطفیٰ“ میں فرماتے ہیں:

جب اہل فدک کو اس کی اطلاع ہوئی کہ یہود خیبر نے ان شرائط پر صلح کی ہے، تو ان لوگوں نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیام بھیجا کہ ہماری جانوں کو امان دیا جائے... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمایا اور محیصہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے واسطے سے گفتگو ہوئی اور فدک بغیر کسی حملہ اور فوج کشی کے فتح ہوا۔ (سیرۃ

مصطفیٰ: ۵۰/۲، مکتبہ عثمانیہ، بحوالہ سیرۃ ابن ہشام: ۳/۴۰۸)۔

لیکن اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہود مدینہ کے مشہور دو قبیلے تھے، ایک بنو نضیر جو ۴ھ میں جلاوطن کر دیے گئے اور (۲) بنو قریظہ ۵ھ میں مقتول ہوئے تو پھر مدینہ منورہ میں یہود کہاں سے آئے جب کہ مسند حمیدی کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ رجم کے وقت مدینہ منورہ میں یہود موجود تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بنو قریظہ کے قتل کے بعد بالکلیہ یہود مدینہ منورہ سے ختم نہیں ہو گئے تھے بلکہ کچھ لوگ باقی تھے اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی زرہ کسی یہودی کے پاس بطور رہن رکھی ہوئی تھی۔ (بخاری شریف)۔

نیز مستدرک حاکم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے رجم کے موقعہ پر حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ موجود تھے، اور حافظ ابن حجر نے اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ۹ھ میں اپنی والدہ کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لائے، اس روایت سے بھی تائید حاصل ہوتی ہے کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے رجم کا واقعہ ۹ھ میں یا اس کے بعد پیش آیا۔ (حاکم) کی روایت اگرچہ ضعیف ہے لیکن بطور تائید پیش کی گئی ہے)۔

نیز حضرت غامدہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ رجم میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ موجود تھے، جب کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ۸ھ میں مشرف باسلام ہو کر مدینہ منورہ تشریف لائے۔ (مستفاد از تکرار فتح الملہم: ۲/۴۲۵-۴۲۷، تاریخ واقعات الرجم)۔

لہذا ان قرآن اور شواہد سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ رجم کے تمام واقعات بعد از نزول سورہ نور پیش آئے ہیں اور منسوخ نہیں ہیں۔

اشکال (۵): بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ رجم کی سزا میں اضطراب ہے کہ شادی شدہ کی سزا میں صرف رجم ہے یا رجم کے ساتھ کوڑے بھی ہیں۔
ملاحظہ ہو تکرار میں ہے:

روی عامر الشعبي أن علياً جلد شراحة الهمدانية يوم الخميس ورجمها يوم الجمعة

وقال: جلدتها بكتاب الله ورجمتها بسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم. (اخرجه البخاري والنسائي والدارقطني كما في فتح الباري: ۱۱۹/۱۲- (تكملة فتح الملهم: ۴۱۰/۲)).
مسلم شریف کی روایت میں ہے:

خذوا عني... الثيب بالثيب جلد مائة والرجم. (رواه مسلم: ۶۵/۲).

الجواب: اولاً تو یہ منکرینِ رجم کے لیے مفید نہیں ہے اس لیے کہ شادی شدہ کی سزا کوڑے ہوں یا نہ ہوں رجم تو یقینی ہے۔

ثانياً: حافظ ابن حجرؒ اور علامہ نوویؒ وغیرہ حضرات نے فرمایا کہ حضرت عبادہ بن الصامتؓ کی روایت منسوخ ہے، اور ناسخ ”الشيخ والشيخة“ ہے یا واقعاتِ رجم ہیں جن میں صرف رجم کی سزا کا ذکر ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ ثیب کی دو قسم ہے: (۱) ثیب محسن (۲) ثیب غیر محسن جیسے کتابی۔ اس روایت میں دونوں کی سزا کا ذکر ہے ثیب محسن کے لیے رجم اور ثیب غیر محسن کے لیے ۱۰۰ کوڑے۔ اور حضرت علیؓ کے عمل کا بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ عورت کے بارے میں معلوم نہیں تھا کہ صفتِ احسان سے متصف تھی یا نہیں، اس لیے کوڑے لگائے بعد میں معلوم ہوا کہ محسنہ ہے تو رجم کا حکم دیا۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی اس قسم کا واقعہ پیش آیا تھا۔ ملاحظہ ہو:

عن جابرؓ أن رجلاً زنى بامرأة فأمر به رسول الله صلى الله عليه وسلم فجلد الحد ثم أخبر أنه محسن فأمر به فرجم. (رواه ابوداود: ۶۰۹).

لیکن اس توجیہ پر اشکال ہوتا ہے کہ بعض طرق میں آتا ہے کہ حضرت علیؓ نے کوڑے لگانے سے پہلے دریافت کیا: ”لعل زوجك من عدونا، قالت: لا“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کو اس کے شادی شدہ ہونے اور مسلمان ہونے کا علم تھا۔

لہذا حضرت علیؓ کے عمل کا یہ جواب دے سکتے ہیں کہ یہ ان کا اپنا مذہب تھا اس لیے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، حافظ ابن حجرؒ نے یہی مذہب حضرت ابی بن کعبؓ اور امام احمد بن حنبلؒ کی طرف منسوب کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: (فتح الباری: ۱۱۹/۱۲).

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

”الظاهر عندي أنه يجوز للإمام أن يجمع بين الرجم والجلد ويستحب له أن يقتصر على الرجم... والجلد زيادة عقوبة رخص في تركها“۔ (المسوى شرح الموطأ: ۲/۱۳۵)۔
مفتی تقی صاحب نے اس جواب کو اختیار فرمایا ہے، چنانچہ اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وحاصله أن القرآن الكريم قدر للزاني مائة جلدة سواء كان محصناً أو غيره ثم جاءت السنة برجم المحصن زيادة على الجلد لا نسخاً له والأصل أن الجاني متى استوجب عقوبتين فإنه يجوز إدغام الأدنى في الأعلى، ولا سيما إذا كانت إحداها تأتي على نفسه۔ (تكملة فتح الملهم: ۲/۴۱۰)۔

اشکال (۶): حضرت ماعز اسلمی ؓ کا واقعہ رجم چونکہ بہت مشہور ہے اس وجہ سے منکرین نے اس میں اضطراب ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز ؓ کو کتنی مرتبہ واپس بھیجا؟

ایک روایت میں ہے کہ ”فاعرض عنه حتى ثنى ذلك عليه أربع مرات“۔
سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ: ”انه رده أربع مرات“۔

بعض میں ہے: ”فردہ مرتین۔ اور بعض میں ہے: فردہ مرتین أو ثلاثاً“۔

ایک طریق میں ہے: ”فاعترف بالزنا ثلاث مرات“۔ (یہ روایات مسلم شریف میں: ۲/۶۶-۶۷ پر موجود ہیں)۔

الجواب: مفتی تقی صاحب نے تکرار میں اس کا جواب دیا ہے:

والظاهر أنه اختلاف الرواة الذي لا يقدح في أصل الحديث وتقدم مراراً أن الرواة ربما لا يعتنون بتفاصيل القصة وحوادثها والصحيح أنه صلى الله عليه وسلم رده ثلاث مرات حتى إذا اعترف الرابعة سأله عن كيفية الزنا فلما بينها رجمه۔ (تكملة فتح الملهم: ۲/۴۴۴)۔

خلاصہ یہ ہے کہ روایات کا اختلاف اصل حدیث میں نقصان دہ نہیں ہے کیونکہ روایات بہت سی مرتبہ اصل قصہ کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس کی تفصیل میں نہیں جاتے، اور صحیح یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے تین مرتبہ واپس کیا تھا اور چوتھی مرتبہ زنا کی کیفیت کے بارے میں دریافت کیا جب انہوں نے صحیح بیان کر دیا تو پھر رجم کا حکم فرمایا۔

اشکال (۷): بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اقرار کیا، جب کہ دوسری بعض میں ہے کہ وہ لائے گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کرنے کے بعد اقرار کیا۔
روایات کی تفصیل ملاحظہ ہو:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: أتى رجل من المسلمين رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو في المسجد فناداه فقال: يا رسول الله! إني زنيت. وفي رواية إني أصبت فاحشة فأقمه علي. (رواهما مسلم: ۶۶/۲).

وفي رواية لمسلم عن جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ قال: رأيت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ حين جيئ به إلى النبي صلى الله عليه وسلم. (رواه مسلم: ۶۶/۲).

وفي رواية له عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن النبي صلى الله عليه وسلم قال لماعز بن مالک: أحق ما بلغني عنك؟ قال: وما بلغك عني، قال: بلغني أنك وقعت بجارية آل فلان قال: نعم، قال: فشهد أربع شهادات ثم أمر به فرجم. (رواه مسلم: ۶۷/۲).
گویا حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے قصہ رجم میں ایک قسم کا اضطراب پیدا ہو گیا۔

الجواب: علامہ نوویؒ اس اشکال کے جواب میں لکھتے ہیں:

”قال العلماء: لا تناقض بين الروايات فيكون قد جيئ به إلى النبي صلى الله عليه وسلم من غير استدعاء من النبي صلى الله عليه وسلم، وقد جاء في غير مسلم أن قومه أرسلوه إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقال النبي صلى الله عليه وسلم للذي أرسله لو سترته بثوبك يا هزال لكان خيراً لك وكان ماعز عند هزال، فقال النبي صلى الله عليه وسلم لماعز بعد أن ذكر له الذين حضروا معه ما جرى له: ”أحق ما بلغني عنك“ (شرح

مسلم: ۶۷/۲۔

یعنی علماء فرماتے ہیں کہ روایات میں تناقض نہیں کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا اور بھیجا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجنے والے سے کہا اے ہزال آپ اس پر پردہ ڈالتے تو بہتر تھا پھر آپ نے ماعز سے کہا کہ کیا وہ بات صحیح ہے جو مجھے پہونچی تو انہوں نے کہا کیا پہونچا، آپ نے زنا کا ذکر کیا پھر حضرت ماعز نے چار مرتبہ اقرار کیا۔

بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ ”أحق ما بلغنی“ صرف حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہ کی روایات میں نہیں ہے، اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اس وقت بہت کم عمر تھے، لہذا ہم اکابر صحابہ رضی اللہ عنہ کی روایات کو ترجیح دیں گے۔

نیز حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت جو بخاری شریف میں (۱۰۰۸/۲) پر ہے اور ابوداؤد شریف میں (ص ۶۰۷) پر ہے وہ جمہور صحابہ رضی اللہ عنہ کی روایات کے موافق ہے، لہذا ”أحق ما بلغنی“ بعد والے راوی کا وہم ہے یا مؤول ہے۔

اس مقالہ میں حسب ذیل کتب سے بمع ترمیم و اضافہ استفادہ کیا گیا ہے:

- (۱) رجم کی شرعی حیثیت از حضرت مفتی محمد شفیع صاحب۔
- (۲) تکملہ فتح المہلم از حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب۔
- (۳) جواہر الفتاویٰ از حضرت مفتی عبدالسلام صاحب چانگامی۔ واللہ اعلم۔

کوڑوں کا متحمل نہ ہو تو حیلہ کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص زنا کرے اور کوڑوں کا متحمل نہ ہو تو اس کے لیے حیلہ کر کے جھاڑوں جیسی چیز سے مارنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ ضعیف اور کمزور شخص جو کوڑوں کو برداشت نہ کر سکے اس کے لیے حیلہ اور تدبیر کرنا اور جھاڑو جیسی چیز سے مارنا درست ہے، لیکن اس بات کا خیال رکھا جائے کہ جھاڑو یا اس جیسی چیز جس سے مارے وہ پورے بدن پر پھیلی ہوئی ہو، تاکہ مطلوبہ عدد پورا ہو جائے۔
ملاحظہ ہوا بن ماجہ شریف کی روایت میں ہے:

عن سعيد بن سعد بن عبادة رضی اللہ عنہ قال: كان بين أبياتنا رجل مخدج ضعيف فلم يرع إلا وهو على أمة من إماء الدار يخبث بها فرفع شأنه سعد بن عبادة رضی اللہ عنہ إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: اجلدوه ضرب مائة سوط، قالوا: يا نبي الله هو أضعف من ذلك لو ضربناه مائة سوط مات، قال: فخذوا له عثكالا فيه مائة شمراخ فاضربوه ضربة واحدة.
(رواه ابن ماجه: ۱۸۵).

قال الطيبي: العثكال: الغصن الكبير الذي يكون عليه أغصان صغار ويسمى كل واحد من تلك الأغصان شمراخاً. (المرقات: ۷/۱۴۶).

وفى المغرب: العثكال: عنقود النخل والشمراخ شعبة منه. (المغرب: ۲/۴۲).

قال المحدث الفقيه الملا علي القاري رحمه الله الباري في شرح هذا الحديث: ومن المعلوم أن المريض الشديد الذي لا يرجى برؤه لو ضرب ضرباً وجيعاً لمات ولم تؤمر بقتله ولا يكلف الله نفساً إلا وسعها وما لم يدرك كله لا يترك كله فهذا هو الحيلة مراعاة للجانبين كما قال سبحانه وتعالى لأيوب عليه السلام وكان قد حلف أن يضرب امرأته مائة سوط لما توهم أنها تستحق الضرب فأمره الله تعالى بقوله: ﴿وخذ بيدك ضغثاً﴾ وهو

ملء الكف من الشجر أو الحشيش فاضرب به ولا تحنث في يمينك فأخذ ضعفاً يشتمل على مائة عود صغار فضربها به ضربة واحدة. (المرقات: ۱۴۷/۷، کتاب الحدود، ملتان).

فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله إلا أن يقع اليأس من برئه فيقام عليه أي بأن يضرب ضرباً خفيفاً يحتمله، وفي الفتح: ولو كان المريض لا يرجى زواله كالسل أو كان ضعيف الخلقة فعندنا وعند الشافعي يضرب بعشكال فيه مائة شماغ دفعة، وتقدم في الأيمان أنه لا بد من وصول الكل إلى بدنه، ولذا قيل: لا بد أن تكون مبسوطة. (فتاویٰ الشامی: ۱۶/۴، کتاب الحدود، سعید).

مزید ملاحظہ ہو: (الفتاویٰ الہندیہ: ۱۴۷/۲). واللہ تعالیٰ اعلم۔

قرآن محضہ سے ثبوت حد کا حکم:

سوال: ایک دوشیزہ لڑکی کو ولادت ہوئی لیکن زنا کا اقرار نہیں کرتی اور چار گواہ بھی موجود نہیں کہ ثابت کر دے کہ بچہ زنا سے پیدا ہوا ہاں یہ بات معلوم ہے کہ اس عورت کے کسی اجنبی لڑکے کے ساتھ تعلقات تھے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا محض قرآن اور حالات کی تحقیق سے حد زنا ثابت ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ شرعی حد زنا کے ثبوت کے لیے چار گواہوں کی گواہی ضروری ہے، یا زانی خود چار مرتبہ مختلف مجلسوں میں زنا کا اقرار کرے، ان دو صورتوں کے علاوہ محض قرآن یا تحقیق حالات سے شرعی حد ثابت نہ ہوگی، بلکہ شریعت کا منشا تو یہ ہے کہ شبہات کی وجہ سے حدود کو ساقط کر دیا جائے، نہ کہ قرآن و شبہات سے لازم و جاری کیا جائے۔

ملاحظہ فرمائیں حدیث شریف میں ہے:

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ادرءوا الحدود عن المسلمين ما استطعتم فإن كان له مخرج فخلوا سبيله فإن الإمام أن يخطئ في العفو خير من أن يخطئ في العقوبة. (رواه الترمذی: ۲۶۳/۱، باب ماجاء فی درء الحدود).

ہدایہ میں ہے:

ومن أقر أربع مرات في مجلس مختلفة أنه زنى بفلانة وقالت: هي تزوجني أو أقرت بالزنا وقال الرجل تزوجتها فلا حد عليه وعليه مهر المثل في ذلك لأن دعوى النكاح يحتمل الصدق وهو يقوم بالطرفين فأورث شبهة، وإذا سقط الحد وجب المهر تعظيماً لحظر البضع. (الهداية: ۲/۵۱۹، كتاب الحدود).

دررالحکام فی شرح غرر الاحکام میں ہے:

و يثبت الزنا بشهادة أربعة من الرجال في مجلس واحد حتى لو شهدوا متفرقين لم تقبل ذكره الزيلعي. (دررالحکام فی شرح غرر الاحکام: ۲/۶۲، كتاب الحدود - والشامی: ۴/۷، باب الحدود). البحر الرائق میں ہے:

و يثبت بشهادة أربعة بالزنا لا بالوطى و الجماع... فسألهم الإمام عن ماهيته و كفيته و مكانه و زمانه و المزية... فإن بينوه و قالوا: رأيناها كالميل في المكحلة، راجع إلى بيان الكيفية وهو زيادة بيان احتيالا للدرء. (البحر الرائق مع الكنز: ۵/۵، كتاب الحدود، كوئته).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (فتاویٰ فریدیہ: ۴/۵۰۳)، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اخرس کی شہادت سے ثبوت زنا کا حکم:

سوال: آج کل اُخرس کے اشارے مستقل ایک زبان کی حیثیت رکھتے ہیں یعنی وہ اپنا ما فی الضمیر بالکل واضح طور پر ادا کر سکتے ہیں، غلط معنی کی گنجائش نہیں رہتی، تو ایسی صورت میں اُخرس کے اشارہ سے زنا ثابت ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: شرائط شہادت میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ شہادت میں تلفظ ہو بغیر نطق و تلفظ کے شہادت صحیح نہیں ہے، اور ثبوت زنا کے لیے شرائط اور زیادہ سخت ہیں، لہذا زنا میں اُخرس کی شہادت بدرجہ اولیٰ

قابل قبول نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وشرائط الأداء سبعة عشر: عشرة عامة وسبعة خاصة، وفي الشامية: قوله عشرة عامة أى في جميع أنواع الشهادة، أما العامة فهي الحرية والبصر والنطق والعدالة لكن هي شرط وجوب القبول على القاضي لا شرط جوازه... الخ. (الدر المختار مع فتاوى الشامى: ۴۶۲/۵، سعيد).
وأيضاً فيه: وبقي من الشروط أن لا يكون ولده أو ولد ولده أو أخرس. وفي الشامية: قوله، أخرس لأنه لا بد فيه من الدعوى، وفي إشارة الأخرس احتمال يدرأ به الحد. (الدر المختار مع فتاوى الشامى: ۴۶/۴، باب حد القذف، سعيد). واللہ تعالیٰ اعلم۔

اجارہ سے سقوط حد کا حکم:

سوال: احناف پر اعتراض ہے کہ اگر کسی نے عورت کو زنا کے لیے اجارہ پر لیا تو مذہب احناف کے مطابق اس سے حد ساقط ہو جاتی ہے، حالانکہ صریح زنا سے حد کیسے ساقط ہوگی؟

الجواب: بصورت مسئلہ حد زنا شبہہ فی المحل ہونے کی وجہ سے بحکم حدیث ساقط ہوگئی، نیز اجرت کے ساتھ کسی عورت کو جماع کے لیے لینا متعہ ہے اور متعہ اگرچہ حرام ہے لیکن بعض صحابہ کرام کی طرف منسوب جواز کی وجہ سے دافع حد ہے، ہاں تعزیراً سخت سزا دی جائے گی۔
احکام القرآن میں ہے:

﴿قوله فما استمتع به منهن فأتوهن أجورهن﴾ فأوجب على الزوج كمال المهر، وقد سمي الله المهر أجراً في قوله: ﴿فانكحوهن بإذن أهلهن وأتوهن أجورهن﴾ فسمى المهر أجراً وكذلك الأجور المذكورة في هذه الآية هي المهور وإنما سمي المهر أجراً لأنه بدل المنافع وليس ببذل عن الأعيان كما سمي بدل منافع الدار والدابة أجراً وفي تسمية الله المهر أجراً دليل على صحة قول أبي حنيفة فيمن استأجر امرأة فزنا بها أنه لا حد

عليه لأن الله تعالى قد سمى المهر أجراً فهو كمن قال: أمهرك كذا وقد روى نحوه عن
عمر بن الخطاب رضي الله عنه ومثل هذا يكون نكاحاً فاسداً لأنه بغير شهود. (احكام القرآن
للحصص: ۱۴۶/۲).

فتح القدیر میں ہے:

ومن شبهة العقد ما إذا استأجرها ليزني بها ففعل لاحد عليه ويعزر وقال هما
والشافعي ومالك وأحمد: يحد لأن عقد الإجارة لا يستباح به البضع فصار كما لو
استأجرها للطبخ ونحوه من الأعمال ثم زنى بها فإنه يحد اتفاقاً، وله أن المستوفى بالزنا
المنفعة وهي المعقود عليه في الإجارة لكنه في حكم العين، فبالنظر إلى الحقيقة تكون محلاً
لعقد الإجارة فأورث شبهة، بخلاف الاستئجار للطبخ ونحوه لأن العقد لم يضاف إلى
المستوفى بالوطئ والعقد المضاف إلى محل يورث الشبهة فيه لا في محل آخر. (فتح القدیر:
۲۶۲/۵، دارالفکر۔ وكذا في البحر الرائق: ۱۸/۵، كوئته).

تبیین الحقائق میں ہے:

ولأبي حنيفة ما روي أن امرأة طلبت من رجل مالا فأبى أن يعطيها حتى تمكنه من
نفسها فدرأ عمر رضي الله عنه الحد عنهما وقال: هذا مهرها ولأن الله تعالى سمى المهر أجرة بقوله
تعالى: ﴿فما استمتعتم به منهن فاتوهن أجورهن فريضة﴾ فصار شبهة لأن الشبهة ما يشبه
الحقيقة لا الحقيقة ألا ترى أنه لو قال: أمهرتك كذا لا زنى بك لم يجب الحد... ولأن
المستوفى بالوطئ منفعة حقيقة وإن كان في حكم العين شرعاً فاعتبار الحقيقة يقتضي أن
يكون محلاً للإجارة فأورث شبهة. (تبیین الحقائق: ۱۸۴/۳، باب الوطاء الذي، ملتان).

البتہ صاحب فتح القدیر علامہ ابن ہمام صاحبین کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حد لازم ہوگی۔
ملاحظہ ہو فتح القدیر میں ہے:

والحق في هذا كله وجوب الحد. (فتح القدیر: ۲۶۲/۵، دارالفکر).

نیز فتاویٰ بینات میں بھی صاحبین کے قول پر فتویٰ نقل کیا ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ بینات میں ہے:

اس مسئلہ میں فقہ حنفی کا فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے اس پر حد لازم ہے۔ (فتاویٰ بینات: ۴/۳۸۰)۔
لیکن اس پر علامہ شامی فرماتے ہیں کہ صاحبین کے قول کی ترجیح صرف صاحب فتح القدیر نے نقل فرمائی ہے، ورنہ
اصحاب متون و شراح نے امام صاحب کے قول کو اختیار فرمایا ہے۔ اور علامہ سید احمد طحطاوی نے فرمایا کہ تعزیر بہت
سخت سزا دی جائے گی۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله والحق وجوب الحد أى كما هو قولهما، وهذا بحث لصاحب الفتح، وسكت
عليه فى النهر والمتون والشروح على قول الإمام . (فتاویٰ الشامی: ۴/۲۹، باب الوطء الذى يوجب
الحد، سعيد).

وفى الطحطاوى على الدر : وعلى قوله يعزوان أشد التعزير، أبو السعود عن

الحموي . (حاشية الطحطاوى على الدر المختار: ۲/۳۹۸، كوئته).

عام طور پر شراح نے امام ابو حنیفہ کے قول کی تائید میں دو دلیلیں پیش فرمائی ہیں۔

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ۔

(۲) آیت کریمہ جس میں اللہ تعالیٰ نے مہر کو اجرت سے تعبیر فرمایا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کے بارے میں فتاویٰ بینات میں مذکور ہے کہ یہ صحیح سند سے ثابت ہے، اور اورا جماع
سکوتی کے درجہ میں ہے اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں یہ فیصلہ ہوا اور کسی نے انکار نہیں فرمایا۔
ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ بینات میں ہے:

حضرت امام شبہ کی بنا پر حد کو ساقط کرتے ہیں (اور تعزیر کا حکم دیتے ہیں) ان کا استدلال حضرت عمر رضی اللہ عنہ
کے اثر سے ہے جس کو امام عبدالرزاق نے مصنف میں بایں الفاظ نقل کیا ہے:

أخبرنا ابن جريج ثني محمد بن الحارث بن سفيان عن أبي سلمة بن سفيان أن امرأة

جاءت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فقالت: يا أمير المؤمنين! أقبلت أسوق غنماً فلقيني رجل فحفن لي حفنة من تمر، ثم حفن لي حفنة من تمر ثم حفن لي حفنة من تمر ثم أصابني، فقال عمر رضی اللہ عنہ: قلت ماذا؟ فأعادت، فقال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ويشير بيده: مهر، مهر، ويشير بيده كلما قال: ثم تركها. (المصنف لعبد الرزاق: ۷/۴۰۷/۱۳۶۵۳، باب الحدفى الضرورة).

دوسری روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ان دونوں روایتوں کے راوی ثقہ ہیں، حافظ ابن حزم اندلسی نے یہ دونوں روایتیں المحلی میں ذکر کر کے ان پر جرح نہیں کی بلکہ مالکیوں اور شافعیوں کے خلاف ان کو بطور حجت پیش کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

وأما المالكيون والشافعيون فعهدنا بهم يشنعون خلاف صاحب الذي لا يعرف له مخالف... بل هم يعدون مثل هذا إجماعاً ويستدلون على ذلك بسكوت من الصحابة رضی اللہ عنہم عن النكير لذلك. (المحلى بالآثار، كتاب الحدود، حكم المستأجرة للزنى: ۱۲/۱۹۶، بيروت).

جب ان حضرات کا یہ اصول ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مندرجہ بالا واقعہ کو کیوں حجت نہیں سمجھتے؟ باوجود یہ کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر نکیر نہیں فرمائی؟۔ (فتاویٰ بینات: ۴/۳۷۷-۳۷۹، کتاب الحظر والاباحۃ، مکتبہ بینات)۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

پاگل عورت سے زنا پر حد اور ”لولا علی لہلک عمر“ کی مزید تحقیق:

سوال: ایک شخص نے ایک پاگل عورت کے ساتھ زنا کیا تو جہاں شرعی قانون نافذ ہو وہاں زانی اور زانیہ پر حد ہے یا نہیں؟ اور اس سلسلہ میں جو روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک پاگل زانیہ کے رجم کا حکم فرمایا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تنبیہ پر اپنا فیصلہ واپس لے لیا اس روایت کا کیا درجہ ہے۔ فتاویٰ دارالعلوم زکریا! (۱/۳۵۷) پر اس کو بلا سند بتلایا ہے لیکن حضرت مولانا محمد یونس جوہر پوری سہارنپوری دام فضلہ نے اس کو الیواقیت الغالیہ (۲/۳۷۹) پر ثابت مان لیا ہے، فتاویٰ دارالعلوم زکریا اور الیواقیت الغالیہ دونوں میں استیعاب ابن عبد البر کا حوالہ ہے اس تعارض کا کیا حل ہے؟

الجواب: عاقل بالغ زانی پر شرعی ثبوت کے بعد حد زنا ہے لیکن پاگل عورت پر حد نہیں، ”رفع القلم عن ثلاثة“ میں مجنون شامل ہے۔ عالمگیری میں ہے:

وإن زنى صحيح بمجنونة أو صغيرة يجمع مثلها حد الرجل خاصة، وهذا بالإجماع كذا في الهداية. (الفتاوى الهندية: ۲/۱۴۹).

اور حضرت عمر ؓ اور حضرت علی ؓ کے واقعہ کی تحقیق یہ ہے:

قال أحمد بن زهير، ثنا عبد الله بن عمر القواريري، ثنا مؤمل بن إسماعيل، ثنا سفيان الثوري عن يحيى بن سعيد عن سعيد بن مسيب قال: كان عمر ؓ يتعوذ بالله من معضلة ليس لها أبو الحسن، وقال في المجنونة التي أمر برجمها وفي التي وضعت لسته أشهر فأراد عمر ؓ رجمها فقال له علي ؓ: إن الله تعالى يقول: ﴿وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾ (الاحقاف- ۱۵)، الحديث. فكان عمر ؓ يقول: لولا علي لهلك عمر. (الاستيعاب في معرفة الاصحاب لابن عبد البر: ۳/۱۱۰۲-۱۱۰۳، بيروت).

حافظ ابن عبد البر نے سند کے ساتھ مذکورہ بالا عبارت لکھی ہے اور الحدیث لکھ کر پھر یہ جملہ لکھا ”فكان عمر يقول: لولا علي لهلك عمر“ ہمارا خیال یہ ہے کہ الحدیث پر سابقہ کلام ختم ہوا اور ”لولا علي لهلك عمر“ ما قبل متن کے تحت داخل نہیں اور حضرت شیخ محمد یونس دام فضلہ کی رائے میں یہ جملہ سابق متن میں شامل ہے، اگر یہ جملہ ما قبل میں شامل ہو تب بھی اس کی سند میں مؤمل بن اسماعیل ہے جو منکر الحدیث ہے اور ان کا متابعت موجود نہیں اور جب ان کا متابعت نہ ہو تو ان کی روایت قابل اعتماد نہیں ہوتی۔

نیز حافظ ابن تیمیہ نے فرمایا کہ یہ زیادتی اس حدیث میں معروف نہیں ہے: ”إن هذه الزيادة ليست معروفة في هذا الحديث. (منهاج السنة: ۶/۴۵)۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی یہ زیادتی اس حدیث کا جز نہیں۔

الدكتور بشار عواد تحریر تقریب التہذیب میں لکھتے ہیں:

مؤمل بن إسماعيل قال البخاري: منكر الحديث، واتفق أبو حاتم وابن سعد والنسائي

عمل اليوم واللیلة (۸۵) ويعقوب بن سفيان والدارقطني ومحمد بن نصر المروزي وغيرهم على أنه كثير الخطأ على الرغم من توثيقهم له في الجملة لكن من كثر خطؤه وجب مجانبته ما ينفرد به فيعتبر به في المتابعات والشواهد. (تحرير تقريب التهذيب: ۴۴۲/۳).

اس کے ساتھ ایک اور روایت بھی الاستیعاب میں موجود ہے: ”کان عمر يتعوذ من معضلة ليس لها أبو الحسن“ یعنی عمر رضی اللہ عنہ اس مشکل واقعہ سے پناہ مانگتے تھے جس کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود نہ ہو، لیکن اس کی سند میں بھی مؤمل بن اسماعیل ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بعد السرقة مال ہبہ کرنے سے سقوط حد کا حکم:

سوال: ایک شخص پر چوری کی وجہ سے قطع ید لازم ہوا، قاضی نے فیصلہ کر دیا لیکن مالک نے سارق کو وہ مال ہبہ کر دیا تو قطع ید کی سزا ساقط ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب: مالک کے ہبہ کر دینے سے قطع ید کی سزا ساقط ہو جائے گی، اگرچہ قاضی نے قطع ید کا فیصلہ کر دیا ہو۔

چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

وإذا قضی علی رجلین بالقطع فی سرقة فوهبت له لم يقطع. (الهدایة: ۲/۵۵۰، کتاب الحدود).

قدوری میں ہے:

فإن وهبها من السارق أو باعها منه أو نقصت قيمتها عن النصاب لم تقطع. (مختصر المقدوری: ۲۷۲۔ وكذا في البحر الرائق: ۵/۴۶، كوئته۔ وفتح القدیر: ۵/۴۰۶، دار الفکر). واللہ تعالیٰ اعلم۔

موجودہ دور میں شرابِ خمر کا حکم:

سوال: ہمارے زمانے میں شرابی کا کیا حکم ہے؟ اور اس قسم کے گناہ کے مرتکب کے لیے کونسی وعید آئی

ہے؟

الجواب: شارب خمر کا اصل حکم ”جب کہ اسلامی عدالت میں شرعی قانون کے مطابق ثابت ہو جائے“ یہ ہے کہ شارب خمر کو ۸۰ کوڑے لگائے جائیں۔ لیکن صد افسوس کہ موجودہ دور میں اسلامی حکومت کے فقدان کی وجہ سے حد شرعی کا نفاذ ناممکن ہے، اس لیے مسلمانوں کو چاہئے کہ اس کو نصیحت وغیرہ سے سمجھائے، اور اس کے ساتھ ہر قسم کی مساعدت و معاونت ترک کر دی جائے، اور مقاطعہ کر لے، شاید کہ باز آجائے، اور اگر مسلمانوں کا کوئی قاضی یا جمعیت ہو تو مناسب سزا بھی دینی چاہئے، اس لیے کہ کتاب و سنت میں شارب خمر کی خطرناک وعیدیں وارد ہوئی ہیں، بطور ”مثبت نمونہ“ ملاحظہ فرمائیں:-

قال الله تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رَجَسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ﴾، إِنَّمَا يَرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ﴿١﴾

وقال ابن كثير: قال الزهري: حدثني أبو بكر بن عبد الرحمن بن الحارث بن هشام أن أباہ قال: سمعت عثمان بن عفان ؓ يقول: اجتنبوا الخمر فإنها أم الخبائث، إنه كان رجل فيمن خلا قبلكم يتعبد ويعتزل الناس فعلقته امرأة غوية فأرسلت إليه جاريتها أن تدعوه لشهادة فدخل معها فطفقت كلما دخل باباً أغلقته دونه حتى أفضى إلى امرأة وضيئة عندها غلام وباطية خمر فقالت: إني والله ما دعوتك لشهادة ولكن دعوتك لتقع علي أو تقتل هذا الغلام أو تشرب هذا الخمر، فسقته كأساً فقال: زيدوني فلم يرم حتى وقع عليها وقتل النفس، فاجتنبوا الخمر، فإنها لا تجمع هي والإيمان أبداً إلا أوشك أحدهما أن يخرج صاحبه، رواه البيهقي وهذا إسناد صحيح... وله شاهد في الصحيحين عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: لا يزني الزاني حين يزني وهو مؤمن ولا يسرق السارق حين يسرقها وهو مؤمن ولا يشرب الخمر حين يشربها وهو مؤمن... وعن أسماء بنت يزيد أنها سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: من شرب الخمر لم يرض الله عنه أربعين ليلة، إن مات

مات کافراً، وإن تاب تاب الله عليه، وإن عاد كان حقاً على الله أن يسقيه من طينة الخبال، قالت: قلت: يا رسول الله، وما طينة الخبال قال: صديد أهل النار. (تفسیر ابن کثیر: ۱۰۹/۲-۱۱۰).

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شراب سے بہت بچتے رہو، کیونکہ وہ ساری برائیوں کی جڑ ہے، (ایک واقعہ سنو) تم سے پہلے کے زمانے میں ایک شخص بڑا ہی عابد تھا لوگوں کو چھوڑ کر بستی سے الگ ہو کر ایک عبادت خانہ میں عبادت کرتا رہتا تھا، ایک بدکار عورت کی اس پر نظر تھی، اس نے اپنی خادمہ کو بھیجا کہ گواہی کے بہانے سے اس کو بلالائے، وہ بیچارہ آگیا، جب وہ کسی دروازے سے داخل ہوتا تو باہر سے اس کا دروازہ بند کر دیا جاتا تھا، یہاں تک کہ اس بدکار عورت تک پہنچا، اس کے پاس ایک لڑکا اور شراب کا مٹکا رکھا ہوا تھا، وہ اس شخص سے کہنے لگی کہ خدا کی قسم میں نے تجھ کو کسی گواہی کے لیے نہیں بلایا ہے، بلکہ میں نے تجھے اس لیے بلایا تھا کہ تو میرے ساتھ رات گزارے یا اس لڑکے کو قتل کر دے یا یہ شراب پیئے، اس عابد نے یہ مناسب جانا کہ دونوں گناہوں کی بنسبت شراب پینا آسان گناہ ہے، چنانچہ اس نے شراب پی لی، اب وہ ایک جام کے بعد پے در پے اور جام مانگنے لگا، یہاں تک کہ شراب کے نشہ میں اس لڑکے کو بھی قتل کر دیا اور اس عورت کے ساتھ بھی رات گزاری، اس لیے شراب سے بچو، وہ ساری برائیوں کی جڑ ہے، شراب اور ایمان کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے، اگر شراب ہے تو ایمان (کامل) نہیں ہے اور اگر ایمان ہے تو شراب نہیں، صحیحین میں ہے کہ سرور کائنات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: زانی جس وقت زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں رہتا، اور چور جب چوری کرتا ہے اس وقت مومن نہیں رہتا، اور شرابی جب شراب پیتا ہے تو مومن نہیں ہوتا۔

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے شراب پی، اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس سے ناخوش رہتے ہیں، اگر وہ مرجائے تو کافر مرے گا، اور اگر توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائیں گے، اور اگر پھر شراب کا عادی بن جائے تو بالیقین اللہ تعالیٰ اس کو (قیامت کے دن) دوزخیوں کا پیپ پلائیں گے، حضرت اسماء کہتی ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! ”طینۃ الخبال“ کیا چیز ہے؟ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: ”دوزخیوں کا ریم اور پیپ ہے۔“

وقال السيوطي في الدر المنثور: أخرج وكيع والبخاري ومسلم عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ "من شرب الخمر في الدنيا لم يشربها في الآخرة إلا أن يتوب"، وأخرج البيهقي في الشعب عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ "من شرب الخمر في الدنيا ولم يتب، لم يشربها في الآخرة وإن أدخل الجنة". وأخرج البيهقي عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: نهى رسول الله ﷺ عن أن يقعد على مائدة يشرب عليها الخمر. (الدر المنثور: ۳/ ۱۷۶۱۷۴).

وقال الإمام السرخسي في المبسوط: اعلم أن الخمر حرام بالكتاب والسنة: أما الكتاب فقوله تعالى... والسنة: ما روي عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: "لعن الله في الخمر عشراً، الحديث. وذلك دليل نهاية التحريم، وقال عليه الصلاة والسلام: الخمر أم الخبائث، وقال عليه الصلاة والسلام: شارب الخمر كعابد الوثن، وقال عليه الصلاة والسلام: إذا وضع الرجل قدحاً فيه خمر على يده لعنته ملائكة السموات والأرض فإن شربها لم تقبل صلاة أربعين ليلة، وإن داوم عليها فهو كعابد الوثن، والأمة أجمعت على تحريمها، وكفى بالإجماع حجة هذه حرمة قوية باتة حتى يكفر مستحلها ويفسق شاربها. (المبسوط: كتاب الاشربة، ۲۷/ ۱۲۱).

وقال ملك العلماء أبوبكر مسعود بن أحمد الكاساني:

إن حد شرب الخمر وحد السكر مقدر بثمانين جلدة في الأحرار لإجماع الصحابة وقياسهم على حد القذف حتى قال سيدنا علي رضي الله عنه: إذا سكر هذى وإذا هذى افترى وحد المفترين ثمانون وبأربعين في العبيد لأن الرق منصف للحد كحد القذف والزنا. (بدائع الصنائع: ۵/ ۱۱۳، كتاب الاشربة، سعيد). والله ﷻ أعلم.

زہر دیکر قتل کرنے پر قصاص کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے دوسرے شخص کو زہر دیکر قتل کر دیا، تو قصاص اور دیت واجب ہے نہیں؟

الجواب: زہر دیکر قتل کرنے میں تھوڑی سی تفصیل ہے، اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی نے زبردستی کسی کے منہ میں زہر ڈال دیا یا اس کو دیدیا اور پھر پینے پر مجبور کیا یہاں تک کہ اس نے پی لیا تو ان دونوں صورتوں میں دینے والے پر قصاص تو نہیں ہے البتہ عاقلہ پر دیت واجب ہوگی۔

اور اگر کسی شخص نے کسی کو صرف زہر دیدیا اور بغیر کسی اکراہ کے وہ خود پی گیا تو دینے والے پر قصاص یا دیت لازم نہیں، خواہ پینے والے کو اس کے زہر ہونے کا علم ہو یا نہ ہو، ہاں معطی کو مناسب تعزیر دے سکتے ہیں۔

ملاحظہ فرمائیں عالمگیری میں ہے:

وإذا سقى رجلاً سماً فمات من ذلك فإن أوجره إيجاراً على كره منه أو ناوله ثم أكرهه على شربه حتى شرب أو ناوله من غير إكراه عليه فإن أوجره أو ناوله أو أكرهه على شربه فلا قصاص عليه و على عاقلته الدية وإذا ناوله فشرب من غير أن أكرهه عليه لم يكن عليه قصاص ولا دية سواء علم الشارب بكونه سماً أو لم يعلم ، هكذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية: ۶/۶).

در مختار میں ہے:

سقاءه سماً حتى مات إن دفعه إليه حتى أكله ولم يعلم به فمات لا قصاص ولا دية لكنه يحبس و يعزر ولو أوجره السم إيجاراً تجب الدية على عاقلته وإن دفعه له في شربه فشربه ومات منه فكأول لأنه شرب منه باختياره إلا أن الدفع خدعة فلا يلزم إلا التعزير والاستغفار. وفي الشامية: قوله لا قصاص ولا دية ويرث منه قوله حتى أكله باختياره قوله ولو أوجره أي صب في حلقه على كره ، وكذا لو ناوله وأكرهه على شربه حتى شرب فلا قصاص وعلى عاقلته الدية ، وفي الذخيرة: ذكر المسألة في الأصل مطلقاً بلا خلاف ولم

يفصل ولا يشكل على قول أبي حنيفة لأن القتل حصل بما لا يجرح فكان خطأ العمد على مذهبه وأما على قولهما فمنهم من قال عندهما التفصيل إن كان ما أوجر من السم مقداراً يقتل مثله غالباً فهو عمد وإلا فخطأ العمد. (الدر المختار مع الشامى: ۵۴۲/۶، فيما يوجب القود).

دوسرا قول:

علامہ شامیؒ نے نقل فرمایا ہے کہ قصاصاً قتل کیا جائے گا، اس لیے کہ زہر نار یعنی آگ کے جلانے اور چھری کے کاٹنے کی طرح کام کرتا ہے، اور فی زمانہ حالات پر مد نظر رکھتے ہوئے اسی قول پر فتویٰ ہونا چاہئے۔
ملاحظہ فرمائیں علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

وذكر السائحاني: أن شيخه أبا السعود ذكر في باب قطع الطريق لو قتل بالسم قيل يجب القصاص لأنه يعمل عمل النار والسكين ورجحه السمرقندي. (شامى: ۵۴۲/۶).
وفى التحرير المختار: (قوله وذكر السائحاني) وقال السندي فى آخر السرقة نقلاً عن الحموى: من سقى رجلاً سمّاً فمات قال فى جنایات البدائع: يجب القصاص لأنه يعمل عمل النار والسكين قال السمرقندى فى شرحه: والعمل على هذه الرواية فى زماننا لأنه ساع فى الأرض بالفساد فيقتل دفعاً لشره. (التحرير المختار: ۳۲۳/۶، سعيد).
نیز حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک قتل عمد ہے اور شافعیہ کے نزدیک اس وقت قتل عمد ہوگا جب کہ غیر ممیز بچہ یا پاگل کو کھلائے یا عاقل بالغ کو جبراً کھلائے اگر عاقل بالغ کو زبردستی نہیں کھلایا تو پھر شبہ عمد ہوگا۔
الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:

والخلاصة أن التسميم قتل عمد عند المالكية والحنابلة وعمد عند الشافعية فى حالة الإكراه وإعطائه غير المميز أو المجنون. (الفقه الاسلامى وادلتہ: ۲۴۴/۶). واللہ تعالیٰ اعلم۔

سحر کے ذریعہ قتل کرنے پر قصاص کا حکم:

سوال: ساحر اگر اپنے سحر کے ذریعہ کسی کو قتل کر دے تو قاتل ساحر کا کیا حکم ہے، اور اس کی کیا سزا ہے؟

الجواب: ساحرا گر اپنے سحر کے ذریعہ کسی کو قتل کر دے تو عند الحنفیہ قصاصاً قتل نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی دیت لازم ہوگی، البتہ مفسد فی الارض ہونے کی وجہ سے قاضی تعزیراً قتل کر سکتا ہے۔
احکام القرآن میں ہے:

وعلى أي وجه كان معنى السحر عند السلف فإنه لم يحك عن أحد إيجاب قتل الساحر من طريق الجناية على النفوس بل إيجاب قتله باعتقاده عمل الساحر من غير اعتبار منهم بجناية على غيره . (احکام القرآن للحصاص: ۵۲/۱).
مدارک التزیل میں ہے:

إن السحر الذي هو كفر يقتل عليه الذكور لا الإناث وماليس بكفر وفيه إهلاك النفس ففيه حكم قطاع الطريق و يستوي فيه المذكر والمؤنث وتقبل توبته إذا تاب .
(التفسير النسفی: ۶۶/۱۔ و کذا فی تفسیر المظہری: ۱۰۶/۱).
معین الحکام میں علامہ علاء الدین طرابلسی فرماتے ہیں:

قال فی النوازل: الخناق والساحر يقتلان اذا أخذا لأنهما ساعيان في الأرض بالفساد فإن تابا ان كان قبل الظفر بهما قبلت توبتهما وبعد ما أخذا لا ، ويقتلان كما في قطاع الطريق . (معین الحکام فیما یتردد بین الخصمین من الأحکام: ۱۹۳، دار الفکر) . واللہ تعالیٰ اعلم۔

غیر مسلم ملک میں کسی مسلمان کو قتل کرنے پر کفارہ کا حکم:

سوال: اگر کسی مسلمان نے دوسرے مسلمان کو غیر مسلم ملک میں قتل کیا اور اب نادم ہے تو قصاص واجب ہے یا دیت؟ صلح کرنا چاہیں تو صلح ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ غیر مسلم ملک میں قتل کی وجہ سے قصاص ساقط ہو گیا، البتہ دیت لازم ہے ہاں صلح کرنا چاہیں تو صلح بھی کر سکتے ہیں۔

ملاحظہ ہو فتح القدیر میں ہے:

قوله إذا دخل مسلمان دار الحرب بأمان فقتل أحدهما صاحبه عمداً أو خطأ فعلى القاتل عمداً الدية في ماله ولا كفارة عليه هكذا في عامة النسخ من شروح الجامع الصغير بلا ذكر خلاف. (فتح القدیر: ۶/۲۰، دار الفکر).

در مختار میں ہے:

قتل أحد المسلمين المستامين صاحبه عمداً أو خطأ (تجب الدية) لسقوط القود ثمة كالحد (في ماله) فيهما لتعذر الصيانة على العاقلة مع تباين الدارين. وفي الشامية: قوله لتعذر الصيانة علة لقوله في ماله أى لا على العاقلة لأن وجوب الدية على العاقلة بسبب تركهم صيانتهم عن القتل ولا قدرة لهم عليها مع تباين الدارين وهذا فى الخطأ فكان ينبغي أن يزيد، لأن العواقل لا تعقل العمد. (الدر المختار مع الشامى: ۴/۱۶۷، سعيد). واللہ تعالیٰ اعلم۔

بادشاہ یا حکومتِ وقت کے مجبور کرنے پر قتل کا حکم:

سوال: اگر کسی کو بادشاہ یا حکومتِ وقت مجبور کرے کہ فلان کو قتل کرو اور اس نے قتل کر دیا تو قصاص کس پر واجب ہوگا؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ قاتل پر قصاص لازم ہے نہ کہ بادشاہ یا حکومت پر اور اگر آمر خلیفۃ المسلمین ہے تو آمر پر قصاص ہے اور مامور قاتل مباح الدم اور مردود الشہادۃ ہوگا۔
فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وإن أكره على قتل غيره بقتل لم يرخص ولم يسعه أن يقدم عليه ويصبر حتى يقتل فإن قتله كان أثماً والقصاص على المكره إن كان عمداً عند محمد وأبي حنيفة كذا في الكافي، ولو كان المأمور مختلط العقل أو صبيّاً يجب القصاص على المكره الأمر، كذا في العيني شرح الهداية،... وإذا بعث الخليفة عاملاً على كورة فقال لرجل لتقتلن هذا الرجل

بالسيف وإلا لأقتلنك لا ينبغي للمكره المامور أن يقتل ولكن مع هذا إن قتل فالقود على الأمر المكره والمكره المامور بالقتل يأثم ويسفك وترد شهادته ويباح قتله والمكره الأمر يحرم عن الميراث دون المكره المامور كذا في خزانة المفتين. (الفتاوى الهندية: ۵/۳۹، ۴۱). فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

إذا أكره الرجل بوعيد قيد أو حبس على قتل مسلم ففعل لا يصح الإكراه وعلى القاتل القصاص في قولهم. (فتاوى قاضیخان علی هامش الہندیۃ: ۳/۴۸۴، کتاب الاکراه). واللہ تعالیٰ اعلم۔

قتل کے یقین یا ظن غالب پر قتل کرنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کو یقین یا ظن غالب ہے کہ زید مجھے قتل کر دے گا تو یہ شخص زید کو قتل کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعت مطہرہ میں کسی کو قتل کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے، سوائے تین صورتوں کے۔ (۱) زنا بعد احسان میں رجم (۲) ارتداد (۳) ناحق قتل پر قصاص۔ ان تین صورتوں کے علاوہ قتل کی گنجائش نہیں، اگر کسی کو کسی سے اندیشہ ہو تو پولیس وغیرہ کی مدد سے حتی الامکان اپنا بچاؤ کر لے، ہاں اگر زید نے سلاح کے ساتھ حملہ کر دیا اور دفاع کے بغیر چارہ نہیں ہے ورنہ اپنی جان کی ہلاکت کا اندیشہ ہے تو اس وقت دفاعاً قتل کی گنجائش ہوگی۔

مشکوٰۃ شریف میں ہے:

عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يحل دم امرئ مسلم يشهد أن لا إله إلا الله وأني رسول الله إلا بأحدى ثلاث النفس بالنفس والثيب الزاني والمارق لدينه التارك للجماعة. متفق عليه. (مشكاة: ۲/۲۹۹، کتاب القصاص). ہدایہ میں ہے:

قال و من شهر على المسلمين سيفاً فعليهم أن يقتلوه لقوله عليه الصلاة والسلام من

شہر علی المسلمین سیفاً فقد أطل دمه ولأنه باغ فتسقط عصمته ببغیه ولأنه تعین طریقاً لدفع القتل عن نفسه فله قتله. (الهدایة: ۴/۵۶۷).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

و من شہر علی المسلمین سیفاً وجب قتله ولا شیء بقتله و كذلك إذا شہر علی رجل سلاحاً فقتله أو قتله غیره دفعاً عنه فلا یجب لقتله شیء ولا یختلف بین أن یكون باللیل أو النهار فی المصر أو خارج المصر کذا فی التبیین. (الفتاویٰ الہدنیة: ۶/۷).

درمختار میں ہے:

و یجب قتل من شہر سیفاً علی المسلمین یعنی فی الحال. وفی الشامیة: قوله فی الحال أی فی حال شهرة السیف علیهم قاصداً ضربهم لا بعد انصرافه عنهم فإنه لا یجوز قتله. (الدرالمختار مع فتاویٰ الشامی: ۶/۵۴۵، فصل فیما یوجب القود، سعید). واللہ تعالیٰ اعلم۔

قتل خطا میں دیت کا حکم:

سوال: ایک شخص گولیاں چلا رہا تھا غلطی سے کسی کو گولی لگی اور وہ مر گیا، قاتل اقرار کر رہا ہے اب اس پر دیت ہے یا نہیں؟ اور دیت کی مقدار رینڈ یا ڈالر میں کتنی ہے؟ اور اقرار سے ثابت ہونے اور شہادت سے ثابت ہونے میں کوئی فرق ہے یا نہیں اگر ہے تو کیا ہے؟

الجواب: صورت مسئلہ میں یہ قتل خطا ہے اور قتل خطا میں کفارہ اور دیت لازم ہوتی ہے پھر اگر شہادت سے قتل ثابت ہو جائے تو دیت عاقلہ پر ہے، اور اگر صرف قاتل کے اقرار سے ثابت ہو تو دیت قاتل کے مال میں لازم ہوگی، جو تین سال میں ادا کی جائے گی، اور دیت کی مقدار ایک ہزار دینار اور درہم کے اعتبار سے ۱۰،۰۰۰ ہزار درہم جس کا اندازہ جدید پیمانے میں ۶۱۸،۳۰ کلو گرام چاندی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

وخطأ فی الفعل وهو أن یرمی غرضاً فیصیب آدمیاً وموجب ذلک الکفارة والدية

على العاقلة لقوله تعالى: ﴿فتحري رقبه مؤمنة، ودية مسلمة إلى أهله﴾ وهي على عاقلته في ثلاث سنين، ولا أثم فيه. (الهداية: ۴/۵۶۱).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وخطأ في الفعل... وموجب ذلك الكفارة والدية على العاقلة وتحريم الميراث وسواء قتل مسلماً أو ذمياً في وجوب الدية والكفارة ولا مآثم فيه في الوجهين سواء كان خطأ في القصد أو خطأ في الفعل... الخ. (الفتاوى الهندية: ۳/۶).

وفي حاشية تبين الحقائق: إذا أقر بقتل خطأ حيث يقضى عليه بالدية في ماله لأن إقراره حجة على نفسه. (حاشية تبين الحقائق للشيخ شهاب الدين أحمد الشلبی: ۱۷۹/۶). عالمگیری میں ہے:

وكذلك من أقر بقتل خطأ كانت الدية في ماله في ثلاث سنين. (الفتاوى الهندية: ۶/۸۷، فصل اذا لم تكن لقاتل الخطأ العاقلة...).

ہدایہ میں ہے:

والدية في الخطأ مائة من الإبل أخماساً... قال: ومن العين ألف دينار و من الورق عشرة آلاف درهم... ولا تثبت الدية إلا من هذه الأنواع الثلاثة. (الهداية: ۴/۵۸۴). جدید مقدار ملاحظہ ہو: (اوزان شرعیہ از مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ: ۶۲). واللہ تعالیٰ اعلم۔

عصر حاضر میں عاقلہ کی تعیین:

سوال: موجودہ دور میں احناف کے نزدیک عاقلہ کون لوگ ہیں اور ان کی کیا تفصیل ہے؟

الجواب: حضرت مفتی محمد تقی صاحب فرماتے ہیں:

جب قبائلی زندگی تھی اس وقت تو عاقلہ کا تعیین آسان تھا کہ قبیلہ کے لوگ قریب قریب رہتے تھے اور ان کے درمیان آپس میں تعاون اور تناصر ہوتا تھا، اس لیے ہر شخص کا قبیلہ اس کی ”عاقلہ“ تھی وہ دیت ادا کرتا تھا لیکن

موجودہ دور میں اور خاص طور پر شہری زندگی میں عاقلہ کس کو قرار دیا جائے؟ بات یہ ہے کہ روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عاقلہ ہونے کا دار و مدار آپس میں تعاون اور تناصر پر ہے، لہذا جن لوگوں کے درمیان باہم تعاون و تناصر ہے، وہ اس کی عاقلہ ہے، لہذا جہاں کوئی قبیلہ ہے اور وہ قبائل منظم ہیں، اور ہر شخص کو معلوم ہے کہ اس کا قبیلہ فلاں ہے، تو وہ اس کی عاقلہ ہے، وہ اس کی دیت ادا کرے، اور اگر قبیلہ نہیں ہے، لیکن منظم برادری ہے تو وہ دیت ادا کرے، اور اگر برادری بھی نہیں ہے تو پھر جیسے آج کل ٹریڈ یونین ہوتی ہے اور ان کے درمیان آپس میں تعاون و تناصر ہوتا ہے تو وہ اس کی عاقلہ ہو سکتی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ شخص کی عاقلہ اس کے حالات کے لحاظ سے مختلف ہو سکتی ہے...

دیت عاقلہ پر اس لیے واجب کی ہے تاکہ عاقلہ اس کو اس قسم کے جرائم سے باز رکھے اور اس کی تربیت اس طرح کرے کہ وہ قتل پر آمادہ نہ ہو، اور اگر کبھی قتل پر آمادہ ہو تو عاقلہ اس کو روکے، اور یہ دیت تین سال میں وصول کی جائے گی، اور ایک فرد سے ایک سال میں تین درہم سے زیادہ وصول نہیں کیے جائیں گے۔ (تقریر ترمذی: ۵۷/۲، باب ماجاء فی المرأة ترث من دیۃ زوجها)۔

ہدایہ میں ہے:

والعاقلۃ أهل الديوان إن كان القاتل من أهل الديوان يؤخذ من عطایاهم فی ثلاث سنین، وأهل الديوان أهل الرايات وهم الجيش الذین کتبت أسامیہم فی الديوان وهذا عندنا... ولنا قضية عمر رضی اللہ عنہ فإنه لما دون الدواوین جعل العقل علی أهل الديوان وكان ذلك بحضور من الصحابة رضی اللہ عنہ من غیر نکیر منهم وليس ذلك بنسخ بل هو تقرير معنى لأن العقل كان علی أهل النصرة وقد كانت بأنواع بالقراية والحلف والولاء والعدو وفي عهد عمر رضی اللہ عنہ قد صارت بالديوان فجعلها علی أهلہ اتباعاً للمعنى ولهذا قالوا: لو كان اليوم قوم تناصرهم بالحرف فعاقلتهم أهل الحرفة وإن كان بالحلف فأهلہ والدية صلة لكن إيجابها فيما هو صلة وهو العطا أولى منه في أصول أموالهم والتقدير بثلاث سنين مروي عن النبي صلى الله عليه وسلم ومحكي عن عمر رضی اللہ عنہ ولأن الأخذ من العطاء للتخفيف والعطاء يخرج

فی کل سنة مرة واحدة. (الهدایة: ۴/۶۴۵، کتاب المعادل).

تکملہ فتح الملہم میں ہے:

ثم اختلفوا في تعيين مصداق العاقلة... وقال الإمام أبو حنيفة: إن العاقلة هم الذين يتناصر بهم القاتل، وكان التناصر في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم بالقبائل، فكانت عاقلة الرجل قبيلته ثم تغير الوضع حين وضع سيدنا عمر رضي الله عنه الديوان، فصار التناصر بأهل الديوان فأصبح أهل الديوان عاقلته... فالحاصل أن قضاء عمر رضي الله عنه بمحضر من الصحابة رضي الله عنهم دل على أن الحكم كان مناطه النصر، فيتغير بتغيره، ويمكن أن يقال في عصرنا: إن التناصر أصبح للعمال بوقائعهم الذي يسمى "تريد يونين"... فينبغي أن تكون عاقلة عامل وفاقه... وحيث لم يكن للقاتل جماعة ينتصر بها فالدية في بيت المال إن كان منتظماً فيه سعة، وإن لم يكن منتظماً ففي مال القاتل. (تکملہ فتح الملہم: ۲/۳۷۹، الاختلاف في العاقلة). واللہ تعالیٰ اعلم۔

تغریق کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے کسی کو پانی میں ڈال دیا اور غرق کر دیا، تو اس پر قصاص آئے گا، یا نہیں؟

الجواب: اگر پانی اتنا زیادہ ہو کہ عام طور پر اس سے باہر نکلنا اور نجات حاصل کرنا ناممکن ہو تو صاحبین کے نزدیک قتل عمد میں داخل ہے اور امام صاحب کے نزدیک شبہ عمد ہے، اور اگر پانی بہت کم ہو کہ اس سے بچنا ممکن ہو، یا بہت زیادہ ہو لیکن آدمی تیرنا جانتا ہے اور تیر کر بچنا ممکن ہو تو ائمہ احناف کے اتفاق سے شبہ عمد ہوگا۔
ملاحظہ ہو فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ذكر شيخ الإسلام في شرح زيادات الأصل أن من غرق إنساناً بالماء إن كان الماء قليلاً لا يقتل مثله غالباً وترجى منه النجاة بالسباحة في الغالب فمات من ذلك فهو خطأ العمد عندهم جميعاً وأما إذا كان الماء عظيماً إن كان بحيث تمكنه النجاة منه بالسباحة

بأن كان غير مشدود ولا مثقل و هو يحسن السباحة فمات يكون خطأ العمد أيضاً وإن كان بحيث لا تمكنه النجاة فعلى قول أبي حنيفة هو خطأ العمد و لا قصاص و على قولهما هو عمد محض و يجب القصاص . (الفتاوى الهندية: ۵/۶).

وفى المبسوط : وإذا غرق رجل رجلاً في ماء فلا قصاص عليه وإن كان يعلم أنه لا ينقلب منه بلغنا ذلك عن عمر رضي الله عنه ... وعلى قول أبي يوسف ومحمد يجب عليه القصاص إذا جاء من ذلك ما يعلم أنه لا يعيش من مثله بمنزلة القتل بالحجر الكبير ... ثم الماء ليس في معنى السلاح . (المبسوط للإمام السرخسي: ۲۶/۲۷۸، بيروت).
مزید ملاحظہ ہو: (الفقه الاسلامی وادلتہ: ۶/۲۵۳). واللہ تعالیٰ اعلم۔

یوتھینیز یا (EUTHANASIA) کا حکم:

سوال: شریعتِ مطہرہ کی نگاہ میں یوتھینیز یا (EUTHANASIA) ”رحیمانہ قتل“ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: یوتھینیز یا (EUTHANASIA) کا مختصر تعارف حسب ذیل ملاحظہ فرمائیں:

مہلک امراض والے مریض جو شدید تکالیف میں مبتلا ہوں اور ماہر ڈاکٹروں کے اندازہ کے مطابق ان کی صحتیابی کی کوئی امید باقی نہ رہے یا ایسے لوگ یا بچے جو پیدائشی معذور ہوں ان کو ہمیشہ کے لیے تکلیف سے نجات دینے کے لیے دوا یا انجکشن دیدیا جائے تاکہ ان کی زندگی ختم ہو جائے اور ان کے اہل قرابت مسلسل غم اور اذیت سے سبکدوش ہو جائیں۔

یوتھینیز یا (EUTHANASIA) دو قسم پر ہے:

(۱) ایسی دواؤں کا استعمال کرنا جو زندگی کو ختم کر دے۔

(۲) زندگی کو بقاء اور طول دینے والی دواؤں اور علاج و معالجات سے پرہیز کرنا۔

یوتھینیز یا (EUTHANASIA) یعنی المریض الذي هو في ألم دائم وعذاب مستمر

ولا يرجى شفائه مه أو الطفل الذي يكون معذوراً إلى حد غير عادی ويكون كلاً على أبويه

فقتلهم شفقة لتخليصهم من الألم وإراحة الآخرين ، ليعلم أن ليوتھينيزيا طريقتين وأسلوبين
(۱) العملی المباشر (Active) (۲) وغير المباشر (Passive).

انگریزی الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

Euthanasia (literally "good death"), practice of ending a life so as to release an individual from an incurable disease or intolerable suffering, also called "mercy killing". The term is sometimes used generally to refer to an easy or painless death. Voluntary euthanasia involves a request by a dying patient or that person's legal representative. Passive or negative euthanasia involves not doing something to prevent death-that is, allowing someone to die; active or positive euthanasia involves taking deliberate action to cause a death.

یوتھینیز یا کا حکم ملاحظہ فرمائیں:

بنگاہ شریعت یوتھینیز یا (EUTHANASIA) جائز اور درست نہیں ہے، بلکہ قتل نفس کے مترادف ہے اور اگر مریض نے اجازت دی ہے تو خودکشی کے درجہ میں ہے، اور قتل نفس و خودکشی دونوں گناہ کبیرہ ہیں۔ احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تین صورتوں کے علاوہ کسی کی جان لینا حرام اور ناجائز ہے:
(۱) شادی شدہ مرد یا عورت زنا کرے (۲) کسی کو ناحق قتل کر دے (۳) مرتد ہو جائے۔
حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں:

عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يحل دم امرئ مسلم يشهد أن لا إله إلا الله وأني رسول الله إلا بأحدى ثلاث النفس بالنفس والشيب الزاني والمارق لدينه التارك للجماعة. متفق عليه. (مشكاة: ۲/۲۹۹، كتاب القصاص).
و عن عبد الله بن عمرو رضی اللہ عنہ أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لزوال الدنيا أهون على الله من قتل رجل مسلم، رواه الترمذي والنسائي ووقفه بعضهم وهو الأصح ورواه ابن ماجه عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ. (مشكاة شريف: ۲/۳۰۰).

عن أنس عن النبي صلى الله عليه وسلم في الكبائر قال: الشرك بالله وعقوق

الوالدين وقتل النفس وقول الزور. (رواه مسلم: ۶۴/۱).

وعن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قتل نفسه بحديدة فحديدته في يده يتوجأ بها في بطنه في نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبداً ومن شرب سماً فقتل نفسه فهو يتحساه في نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبداً ومن تردى من جبل وقتل نفسه فهو يتردى في نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبداً. (رواه مسلم: ۷۲/۱).

وعن جندب بن عبد الله رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كان في من كان قبلكم رجل به جرح فجزع فأخذ سكيناً فحز بها يده فما رقا الدم حتى مات قال الله تعالى: بادرنى عبدي بنفسه فحرمت عليه الجنة. (متفق عليه، مشكوة شريف: ۳۰۰/۲).

عالمگیری میں طبیب اور ڈاکٹر کو علاج و معالجہ کی حدود بتلائی ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

ولا بأس بشق المثانة إذا كانت فيها حصاة وفي الكيسانيات في الجراحات المخوفة والقروح العظيمة والحصاة الواقعة في المثانة ونحوهما إن قيل قد ينجو وقد يموت أو ينجو ولا يموت يعالج وإن قيل لا ينجو أصلاً لا يداوي بل يترك كذا في الظهيرية. (الفتاوى الهندية: ۳۶۰/۵، باب في جراحات بنى آدم).

ماہر اطباء کی ذمہ داری ہے کہ علاج و معالجہ کی فکر کریں اس لیے کہ کوئی بیماری ایسی نہیں جس کا علاج ممکن نہ ہو قدیم زمانہ میں کچھ امراض لا علاج سمجھے جاتے تھے لیکن موجودہ ترقی یافتہ دور میں یہ بات مسلم نہیں ہے۔

نیز شریعت مطہرہ کا منشا بھی یہی ہے کہ علاج و شفاء ناممکنات میں سے نہیں ہیں۔

حدیث شریف میں بھی اس کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما أنزل الله داء إلا أنزل له شفاء، رواه البخاري. وعن جابر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لكل داء دواء فإذا أصيب دواء الداء برأ بإذن الله تعالى. رواه مسلم. (مشكوة شريف: ۳۸۷/۲، باب

الطب).

مزید براں مسلمان کی بیماری کفارہ سینات اور رفع درجات کا باعث ہوتی ہے، لہذا مرض بھی رحمت ہے البتہ ہمیشہ عافیت کی دعا کرنی چاہئے اور بیماری طلب نہیں کرنی چاہئے، لیکن آنے پر صبر سے کام لینا چاہئے، اور دنیا کا قاعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں پر کچھ نہ کچھ بیماری یا تکالیف مسلط رہتی ہیں۔
حدیث شریف میں ہے:

عن مصعب بن سعد عن أبيه قال: قلت: يا رسول الله! أي الناس أشد بلاء قال: "الأنبياء ثم الأمثل فالأمثل يبتلى الرجل على حسب دينه فإن كان دينه صلباً اشتد بلاؤه وإن كان في دينه رقة ابتلى على قدر دينه فما يبرح البلاء بالعبد حتى يتركه يمشي على الأرض وما عليه خطيئة. قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح وفي الباب عن أبي هريرة رضي الله عنه. (ترمذی شریف: ۶۵/۲، باب ماجاء فی الصبر علی البلاء).

وعن عبد الله قال: دخلت على رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يوعك فقلت يا رسول الله إنك لتوعك وعكاً شديداً قال: أجل إني أوعك كما يوعك رجلان منكم قلت: ذلك أن لك أجرين قال: أجل ذلك كذلك ما من مسلم يصيبه أذى شوكة فما فوقها إلا كفر الله بها سيئاته كما تحط الشجرة ورقها. (صحيح البخاری: ۸۴۳/۲، باب اشد الناس بلاء الانبياء ثم الامثل فالامثل، كتاب المرضى).

وعن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه أن رجلاً قال: يا رسول الله أرأيت هذه الأمراض التي تصيب أبداننا، ما لنا بها؟ قال: "الكفارات" قال أبي بن كعب رضي الله عنه وإن قل ذلك يا رسول الله؟ قال: وإن شوكة فما وراءها. (مشكل الآثار للطحاوی: ۵/۲۰۵/۱۸۴۷، باب بیان مشکل ماروی عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في حط الخطايا).

لہذا امراض و تکالیف سے ناامید اور مایوس نہیں ہونا چاہئے بلکہ صبر کے ساتھ ثواب کی امید رکھنا چاہئے۔

یوتھینیز یا (EUTHANASIA) کی دوسری صورت کا حکم:

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب فرماتے ہیں:

یہ تکالیف کفارہ ذنوب اور آخرت میں درجات کا ذریعہ بنتی ہیں اور پھر ہمیشہ ہمیشہ ابد الابد تک راحت و چین ملتا ہے، اس لیے مذکورہ دونوں تدبیروں میں سے کسی تدبیر کا حکم یا اجازت شریعت مقدسہ میں ہرگز نہ ہوگی، البتہ دونوں کے حکم میں فرق یہ ہوگا کہ، (۱) میں غیر طبعی موت دوا وغیرہ سے طاری کرنے میں تو ایسا کرنے والے پر قتل کا گناہ اور وبال پڑے گا، بسا اوقات شرعاً دیت ضمان وغیرہ بھی لازم آجائے گا، اور (۲) میں یہ حکم (قتل کا گناہ وغیرہ) تو نہ ہوگا لیکن ترک تدبیر اور صحت کے لیے ترک سعی فعل مذموم و قبیح اور منشا شرع کے خلاف ضرور ہوگا، اور سستی یا لا پرواہی سے ایسا کیا گیا تو اس پر مؤاخذہ بھی ضرور ہوگا۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۳۹۲)۔

فقہ المشکلات میں ہے:

فالامتناع عن المعالجة في هذه المسألة عمل والقصد منه إهلاك النفس وإنهاء الحياة فقتل النفس في (Active) بإعطاء الدواء عمل جسماني. وفي (۲) (Passive) قتل النفس بالامتناع عن الدواء هو عمل نفسي، وكلتا الصورتان محرمتان شرعاً. (فقہ المشکلات از مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب: ۱۸۵)۔

عالمگیری میں ہے، ملاحظہ فرمائیں:

إذا احترقت السفينة أو غلب على ظنهم أنهم لو ألقوا أنفسهم في البحر خلصوا بالسياحة يجب عليهم ذلك ولو كانوا بحال لو ألقوا أنفسهم فيه غرقوا ولو لم يلقوا أحرقوا فهم بالخيار بين الإقامة والإلقاء من قتل نفسه كان إثمه أكثر من أن يقتل غيره كذا في السراجية. (الفتاوى الهندية: ۵/۳۶۱، باب في جراحات بني آدم)۔

حدیث شریف میں ہے:

عن أسامة بن شريك رضی اللہ عنہ قال: قالوا: يا رسول الله! افتداوي قال: نعم، يا عباد الله تداووا فإن الله لم يضع داء إلا وضع له شفاء غير داء واحد الهرم. رواه أحمد والترمذي وأبو داود. (مشکوٰۃ شریف: ۲/۳۸۸)۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

أما الأكل فعلى مراتب فرض وهو ما يندفع به الهلاك فإن ترك الأكل والشرب حتى هلك فقد عصي. (الفتاوى الهندية: ۵/۳۳۶، باب فى الأكل وما يتصل به).

مسئلہ مذکورہ بالا کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (نظام الفتاوی: جلد اول از ۳۹۰ تا ۳۹۲۔ وفقہ المشکلات بحوث فقہیہ مختارہ، بعنوان ”القتل بدافع الرحم والشفقة“ از قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، ص ۱۵۵ تا ۱۸۵، ادارۃ القرآن۔ و جدید فقہی مسائل: ۱/۲۰۸)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سائنسی تحقیقات سے حدود و قصاص کا حکم:

سوال: فورنسک سائنس (Forensicscience) کا کیا حکم ہے؟ یعنی مثلاً زنا بالجبر یا قتل کے مقدمات کو اس طور پر حل کیا جائے کہ ”DNA“ کو خون یا تھوک یا منی کے ذریعہ نکالا جائے پھر اس کی تحقیق کر کے ثابت کرے، اسلام میں اسکی کیا حیثیت ہے؟

الجواب: فورنسک سائنس (Forensicscience) کا مختصر تعارف:

فورنسک سائنس (عدالتی سائنس) ایک خاص جماعت کا ایک ضروری رکن ہے، جس کے دوسرے ممبر ماہر امراض اور پولیس بھی ہوتے ہیں، اس جماعت کا مقصد موت کی حقیقی وجہ دریافت کرنا ہوتا ہے۔ اس کی مختلف شاخیں ہیں۔ ایک شاخ خطا کاروں کے مقدمات کی تحقیق و تفتیش کرتی ہے، اور ایک دوسری جماعت ماہر امراض کی مدد سے بدن کے اجزاء مثلاً ریشے، بال، منی، تھوک، خون، توارثی عنصر وغیرہ کے ذریعہ مجرم کی صحیح دریافت کرتی ہے۔

انگریزی الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

The forensic scientist is an integral member of a team that also comprises of the forensic pathologist and the police, brought together to investigate the cause of a death thought to have occurred in suspicious circumstances. The forensic scientist assists the pathologist in identification of the body through the determination of blood type, DNA profile, and in the identification of fibres, hairs, semen, and other body

substances that may have been deposited by the assailant, as in the case of homicide. Forensic scientists usually work at a specialised institution that deals only with such work. Their evidence is crucial for conviction in cases of homicide.

فورنسک سائنس (Forensicscience) کا حکم:

جو جرم فورنسک سائنس کے ذریعہ ثابت ہو اور اس پر شرعی گواہ بھی موجود ہو تو شرعی حدود و قصاص جاری ہوں گے، اور اگر شرعی گواہ موجود نہ ہوں بلکہ صرف سائنسی تحقیق کے ذریعہ ثابت ہوں تو محض تحقیق کی بنیاد پر حدود و قصاص جاری نہ ہوں گے۔ ہاں اس کو بالکل نظر انداز بھی نہیں کیا جائے گا بلکہ قاضی مناسب تعزیر کا مجاز ہوگا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ حدود و قصاص میں شریعت مطہرہ کا منشا و مقصد حتی الامکان حد کو ساقط کرنا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں حدیث شریف میں ہے:

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ادرءوا الحدود عن المسلمين ما استطعتم فإن كان له مخرج فخلوا سبيله فإن الإمام أن يخطئ في العفو خير من أن يخطئ في العقوبة. (رواه الترمذی: ۲۶۳/۱).

الاشباہ والنظائر میں ہے:

وفي فتح القدير: أجمع فقهاء الأمصار على أن الحدود تدرأ بالشبهات، والحديث المروي في ذلك متفق عليه، وتلقته الأمة بالقبول، والشبهة ما يشبه الثابت وليس بثابت. (الاشباہ والنظائر: ۳۳۶/۱، القاعدة السادسة، الحدود تدرأ بالشبهات).

شرح المجملہ میں ہے:

القرينة القاطعة هي الأمانة البالغة حد اليقين مثلاً إذا خرج أحد من دار خالية خائفاً مدهوشاً في يده سكين ملوثة بالدم فدخل في الدار ورؤي فيها شخص مذبح في ذلك الوقت فلا يشتبه في كونه قاتل ذلك الشخص ولا يلتفت إلى الاحتمالات الوهمية الصرفة كأن يكون الشخص المذكور ربما قتل نفسه، فالقول بأنه ذبحه آخر ثم تسور الحائط أو أنه ذبح نفسه، احتمال بعيد لا يلتفت إليه إذ لم ينشأ عن دليل - والقرينة القاطعة هي التي

تصیر الأمر في حيز المقطوع وفي معين الحكام : قال بعض العلماء على الناظر أن يلحظ الأمارات والعلامات إذا تعارضت فما ترجع منها قضى بجانب الترجيح وهو قوة التهمة ولا خلاف في الحكم بها وفي تبصرة الحكام قال الله تعالى : ﴿تعرفهم بسيماهم﴾ دل على السیما المراد بها حال يظهر على الشخص ، والأمارات مأخوذة من الشريعة قال الله تعالى : ﴿وجاءوا على قميصه بدم كذب﴾ قال عبد المنعم بن الفرس : روى أن إخوة يوسف عليه السلام لما أتوا بقميص يوسف عليه السلام إلى أبيهم يعقوب عليه السلام تأمله فلم يجد فيه خرقاً ولا أثراً ناب فاستدل بذلك على كذبهم وقال : متى كان الذئب حليماً يأكل يوسف ولا يخرق قميصه . (شرح المحلة لمحمد خالد الاتاسی : ۵/ ۳۹۰، المادة ۱۷۴۱، مكتبة رشيدية).

دررالحکام میں ہے:

القرينة القاطعة هي الأمانة البالغة حد اليقين وبتعبير آخر هي القرينة الواضحة بحيث يصبح الأمر في حيز المقطوع به، والعمل بالقرينة القاطعة يجري في أبواب الفقه المختلفة وأمثلة ذلك على الوجه الآتي : ... يجوز في حال ظهور أمانة حبس المتهم بالقتل أو بالجرائم الأخرى . (دررالحکام شرح محلة الاحکام لعلى حيدر، ۴/ ۴۳۲، المادة ۱۷۴۱ - وكذا في معين الحكام : ص ۱۶۶، الباب الحادى والخمسون، دارالفكر).

تکملہ فتح الملہم میں ہے:

قد ذكر بعض الفقهاء أن الشبهة تسقط الحد دون التعزير فالتعزير يثبت مع الشبهات والحقيقة أن الشبهة على قسمين : الأول : - ما كان مانعاً من غلبة الظن بأن المتهم قد ارتكب ما لا يحل له فهذا القسم يستوي فيه الحد والتعزير وأن هذا النوع من الشبهة يسقط الحد والتعزير كليهما، والثاني : - ما لم يكن مانعاً من ذلك فهذا النوع من الشبهة فهي شبهة فنية تعرض في صدق تعريف ما يوجب الحد وهي الشبهة التي ذكرها الفقهاء

باسم الشبهة في المحل والشبهة في الفعل فإن هذه الشبهة تسقط الحد ولا تسقط التعزير.
(تكملة فتح الملهم: ۲/۲۶۷).

فتاویٰ حقانیہ میں ہے:

جدید آلات کو فی زمانہ یکسر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور یہ ذرائع اثبات جرم کے لیے کافی حد تک کارآمد بھی ہیں بشرطیکہ دیگر ذرائع و قرائن ان کی تائید کرتے ہوں۔
دوسری جگہ مرقوم ہے:

مقتول کے خون اور قاتل کے جسم پر لگے ہوئے خون کا ایک ہونا قتل کے اثبات کا قرینہ ہے پس اگر مقتول اور قاتل کے کپڑوں اور خنجر پر لگا ہوا خون ایک ثابت ہو جائے تو شرعاً یہ شخص مجرم متصور ہوگا، اور دیگر شواہد بھی تائید کرتے ہوں تو قاتل پر حد جاری کی جائے گی، ورنہ قاضی اس پر تعزیر جاری کر سکتا ہے۔ (فتاویٰ حقانیہ: ۵/۵۱۶، ۵۱۷)
واللہ تعالیٰ اعلم۔

حرمت خمر پر شبہات:

سوال: بعض گمراہ اور بے دین لوگ کہتے ہیں کہ شراب کی حرمت قرآن کریم میں نہیں ہے، صرف احادیث میں ہے، کیا ان کی یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: شراب کی حرمت قرآن میں ہے:

حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں:

يا أيها الذين آمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه. الخ. (سورة المائدة)

ترجمہ: اے ایمان والو! بلاشبہ شراب، جوا، اور بت اور جوئے کے تیریہ سب نجس ہیں، شیطانِ عمل میں سے ہیں، سو ان چیزوں سے دور رہا کرو، تاکہ تمہیں فلاح ملے، شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے

ذریعے تمہارے آپس میں بغض اور عداوت پیدا کر دے اور اللہ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے، سو کیا تم باز آؤ گے۔

آیات مذکورہ بالا میں شراب جوئے، بت جوئے کے تیر کو نجس اور شیطانی کام بتایا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں گندی ہیں، انسانی معیشت کے لئے مناسب اور حلال نہیں ہے، اور یہ چیزیں شیطانی اعمال ہیں، اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہیں، مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ شیطان اور شیطانی عمل سے دور رہیں، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں، اس واسطے اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا اشیاء کو حرام فرمایا ہے۔

حرمتِ خمر پر چند شبہات اور ان کے جوابات:

من جملہ شبہات کے چند حسب ذیل درج ہیں:

(۱) قرآن کریم میں کہیں حرام کا لفظ موجود نہیں ہے؟

الجواب: (۱) الزامی جواب تو یہ ہے کہ زنا کے لئے بھی لفظ حرام قرآن میں نہیں ہے، حالانکہ زنا کی حرمت کو سب تسلیم کرتے ہیں۔

(۲) تحقیقی جواب:

تفسیر حقانی میں ہے: صاحب کشف لکھتے ہیں کہ اس آیت میں شراب کی حرمت چند وجوہ سے مؤکد کر دی ہے: (۱) جملہ کو اِنما کے ساتھ صادر کیا۔ (۲) اس کو بت پرستی کے ساتھ ملایا۔ (۳) اس کو جس یعنی ناپاک کہا۔ (۴) عمل شیطان فرمایا جو کہ تمام خرابیوں کا سرچشمہ ہے۔ (۵) اس سے بچنے کا حکم دیا۔ (۶) اس کے اجتناب میں فلاح کا واقع ہونا بیان فرمایا تو ارتکاب میں فلاح کہاں؟ (۷) اس کی علت تحریم انسان کا اپنے حواس سے معطل ہو جانا جو اس کی معاش و معاد میں مغل ہے، معاش میں تو باہمی رنجش اور عداوت کے پیدا کر دینے اور معاد میں نماز اور یادِ خدا سے غافل کر دینے سے اس کے بعد ”أطیعوا اللہ“ سے لے کر ”المبین“ تک اور بھی اس حکم کی تاکید کر دی۔ اب لفظ حرام کا اطلاق اس کی حرمت کے لئے ضروری نہ تھا۔ (تفسیر حقانی، صفحہ ۵۴، ج ۴، سورہ

(مائدہ پارہ ۷)

آیات الاحکام میں شیخ صابونی فرماتے ہیں:

التعبير بقوله تعالى: فاجتنبوه (المائدة، الآية: ۹۰) أبلغ في النهي والتحريم من لفظ حرم لأن معناه البعد عنه بالكلية فهو مثل قوله تعالى: ولا تقربوا الزنا. (الإسراء: ۳۲) لأن القرب منه إذا كان حراما فيكون الفعل محرما من باب أولى فقوله فاجتنبوه معناه: كونوا في جانب آخر منه وكلما كانت الحرمة شديدة جاء التعبير بلفظ الاجتناب كما قال تعالى: فاجتنبوا الرجس من الأوثان، واجتنبوا قول الزور (حج: ۳۰) ومعلوم أنه ليس هناك ذنب أعظم من الإشرak بالله. (آيات الأحكام للصابوني: مأخوذ من فتاوى الشبكة: ۴/۹۳۶).

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت قرآن کے لئے بمنزلہ شرح و تفسیر کے تھی لہذا احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خمر کو حرام سے تعبیر فرمایا، جو قرآن کا بیان ہے، یہ بات ناممکن ہے کہ قرآن سے اباحت ماخوذ اور مترشح ہو اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اسے حرام قرار دیں، قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نَزَلَ إِلَيْهِمْ﴾ (النحل، الآية: ۴۴).

معارف القرآن میں مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں:

اس آیت میں ذکر سے مراد بالاتفاق قرآن کریم ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت میں مامور فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی نازل شدہ آیات کا بیان اور وضاحت لوگوں کے سامنے کر دیں اس میں اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ قرآن کریم کے حقائق و معارف اور احکام کا صحیح سمجھنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان پر موقوف ہے، اگر ہر انسان صرف عربی زبان اور عربی ادب سے واقف ہو کر قرآن کے احکام کو حسب منشاء خداوندی سمجھنے پر قادر ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان و توضیح کی خدمت سپرد کرنے کے کوئی معنی نہیں رہتے۔ (معارف القرآن: ۵/۳۳۶، سورہ نحل: ۴۴).

چنانچہ آیات مذکورہ بالا کی وضاحت و تشریح فرماتے ہوئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ”عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

إن الله تعالى حرم الخمر فمن أدر كته هذه الآية وعنده منها شيء فلا يشرب ولا يبيع قال: فاستقبل الناس بما كان عندهم منها في طريق المدينة فسفكوها. (رواه مسلم: ۲۲/۲).

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شراب کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے جس کے پاس شراب ہو اور اس کو حرمت کی آیت پہنچ جائے تو وہ نہ تو شراب پیئے نہ شراب کو بیچے، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: جن لوگوں کے پاس شراب تھی وہ اس کو مدینہ کے راستے پر لائے اور بہا دیا۔

(۲) عن جابر بن عبد الله أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول عام الفتح وهو بمكة: إن الله ورسوله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام. (رواه مسلم: ۲۳/۲).

(۳) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله حرم الخمر والميسر والكوبة... (مشکوٰۃ: ۲/۳۸۶).

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوا اور ڈھول بجانے کو حرام قرار دیا ہے۔

(۴) عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال خطب عمر رضی اللہ عنہ على منبر رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إنه قد نزل تحريم الخمر... (رواه البخاری).

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: یقیناً خمر کی حرمت نازل ہو چکی ہے۔

نصوص بالا سے شراب کی حرمت قطعی طور پر ثابت ہوتی ہے۔

ہدایہ میں شراب کی حرمت کے انکار کو کفر اور جحود فرمایا ہے:

ومن الناس من أنكر حرمة عينها... وهذا كفر لأنه جحود الكتاب فإنه سماه رجساً

والرجس ما هو محرم العين وقد جاءت السنة متواترة أن النبي صلى الله عليه وسلم حرم

الخمر وعلیہ انعقد الإجماع. (ہدایہ آخرین، ۴۹۳).

دوسرا شبہ:

دوسرا شبہ یہ بتلاتے ہیں کہ بعض آیات سے خمر کی حلت معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً:

(۱) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ﴾.

(سورة النساء: ۴۳).

(۲) ﴿وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سُكْرًا وَرِزْقًا حَسَنًا﴾. (سورة

النحل: ۶۷).

(۳) ﴿يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنْفَعٌ لِلنَّاسِ﴾. (سورة

البقرة: ۲۱۹).

الجواب:

احکام خمر بتدریج نازل ہوئے ہیں لہذا ابتدائے اسلام میں شراب حلال تھی پھر مختلف واقعات پر مختلف آیات سے بتدریج حرام ہوئی، اس وجہ سے جو آیات حلت کے بارے میں ذکر کی گئی ہیں وہ ابتدائے اسلام پر محمول ہے، پھر نسخ واقع ہوا۔

ملاحظہ فرمائیں علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

وقال الإمام أحمد ... عن عمر بن الخطاب ؓ أنه قال: لما نزل تحريم الخمر قال اللهم بين لنا في الخمر بياناً شافياً فنزلت الآية التي في البقرة: ﴿يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ﴾ فدعى عمر ؓ فقرأت عليه فقال: اللهم بين لنا في الخمر بياناً شافياً فنزلت الآية التي في سورة النساء: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ﴾ فدعى عمر ؓ فقرأت عليه، فقال: اللهم بين لنا في الخمر بياناً شافياً، فنزلت الآية التي في المائدة، فدعى عمر ؓ فقرأت عليه فلما بلغ قوله تعالى: ﴿فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ﴾ قال عمر ؓ انتهينا انتهينا. (ابن كثير: ۲/ ۱۰۴، وابن عريبي: ۲/ ۱۶۳).

لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں نسخ ممکن نہیں ہے، نسخ کا انکار صرف اس وجہ سے کر دیا کہ نسخ کی حقیقت اور حکمت تک ان کی رسائی نہیں ہوئی۔

معارف القرآن میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں:

ایک تیسری صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ حکم دینے والے کو اول ہی سے یہ بھی معلوم تھا کہ حالات بدلیں گے اور اس وقت یہ حکم مناسب نہیں ہوگا، دوسرا حکم دینا ہوگا، یہ جانتے ہوئے آج ایک حکم دیدیا اور جب اپنے علم کے مطابق حالات بدلے تو اپنی قرارداد سابق کے مطابق حکم بھی بدل دیا، اس کی مثال ایسی ہے کہ مریض کے موجودہ حالات کو دیکھ کر حکیم یا ڈاکٹر ایک دوا تجویز کرتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ دو روز اس دوا کے استعمال کرنے کے بعد مریض کا حال بدلے گا، اس وقت مجھے دوسری دوا تجویز کرنا ہوگی وہ پہلے دن ایک دوا تجویز کرتا ہے جو اس دن کے مناسب ہے دو دن کے بعد حالات بدلنے پر دوسری دوا تجویز کرتا ہے... اللہ جل شانہ کے احکام میں صرف یہی آخری صورت نسخ کی ہو سکتی ہے۔ (معارف القرآن: ۱/۲۸۳)۔

تیسرا شبہ:

آیت کریمہ میں ”فاجتنبوه“ کا مطلب و منشا صرف اتنا ہے کہ پینے میں احتیاط کرو تا کہ مفسد لازم نہ آئیں یا یہ ان کے نزدیک صرف ایک نصیحت ہے۔

الجواب: مفسرین کا اتفاق ہے کہ ”اجتنبوه“ مکمل چھوڑنے اور دور رہنے کے معنی میں ہے، چنانچہ

محقق ابن کثیرؒ نے فرمایا ”فاجتنبوه“ ای اتر کوہ۔ (۱/۱۰۴، و کذا فی تفسیر السمرقندی: ۱/۴۵۷)۔

امام ابو بکر بھٹاویؒ احکام القرآن میں فرماتے ہیں:

اقتضت هذه الآية تحريم الخمر من وجهين: - أحدهما قوله رجس لأن الرجس

اسم في الشرع لما يلزم اجتنابه... والوجه الآخر قوله تعالى فاجتنبوه وذلك أمر والأمر

يقتضي الإيجاب فانظمت الآية تحريم الخمر من هذين الوجهين. (أحكام القرآن: ۲/۴۶۱)۔

ابن عربیؒ فرماتے ہیں: قوله تعالى: ”فاجتنبوه“ يريد ابعده، واجعله ناهية، وهذا

أمر باجتنابها، والأمر على الوجوب لا سيما وقد علق به الفلاح. (أحكام القرآن لابن

العربی: ۱۶۵/۲۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

قوله تعالى: (فاجتنبوه) يريد ابعده و اجعلوه ناحية، فأمر الله تعالى باجتنب هذه الامور، واقرنت بصيغة الامر مع نصوص الاحاديث واجماع الامة فحصل الاجتناب في جهة التحريم، فبهذا حرمت الخمر، ولا خلاف بين علماء المسلمين أن سورة مائدة نزلت بتحريم الخمر، وهي مدنية من آخر منازل، وورود التحريم في الميتة والدم ولحم الخنزير في قوله تعالى: "قل لا أجد" وغيرها من الآي خبراً، وفي الخمر نهياً وزجراً، وهو أقوى التحريم وأوكده. (الجامع لأحكام القرآن: ۱۸۶/۶)۔

لسان العرب میں ہے:

جنب الشيء ... واجتنبه: بعد عنه، وهذا مفهوم عدم القرب. (لسان العرب: ۲۷۸/۱)۔

قاموس الوحید میں ہے: اجتنب الشيء: بچنا، دور رہنا، پہلو تہی کرنا، کنارہ کش ہونا۔ (قاموس الوحید: ۲۸۳/۱)۔

نیز آیت کریمہ کے سیاق و سباق سے بھی پتہ چلتا ہے کہ امر وجوب کے لئے ہے، اور تحریم مراد ہے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (صفوة التفاسیر: ۳۶۶/۱) وأحكام القرآن للحصص: ۴۶۱/۲، ومعارف القرآن: ۵۸۳/۲)۔

چوتھا شبہ:

قرآن میں ہے: ﴿إنما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل به لغير الله﴾. (سورة البقرة، ص ۱۷۳)۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف یہ چیزیں حرام ہیں، اور چونکہ ان مذکورہ اشیاء میں لفظ خمر مذکور نہیں ہے اس لئے حلال ہے گویا انما حصر کے لئے ہے۔

الجواب:

مفسرین نے بہت سارے جوابات دیئے ہیں، منجملہ چند حسب ذیل درج ہیں:

(۱) انما تاکید کے لئے آتا ہے حصر کے لیے نہیں ہے۔

(۲) یہ حصر اضافی ہے، حصر حقیقی نہیں، یعنی یہ چیزیں فقط حرام ہیں، اور سائبہ، بحیرہ، وصیلہ اور حام جن کو تم حرام سمجھتے ہو وہ حرام نہیں ہیں۔

(۳) یہ مطلب نہیں کہ حرمت صرف ان اشیاء کے ساتھ مخصوص ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں میں حرمت اور نجاست کے علاوہ کچھ نہیں یعنی کوئی فائدہ نہیں۔

(۴) ان چیزوں کی حرمت ان کی نجاست کی وجہ سے ہے تو دوسری چیزوں میں نجاست ہوگی تو حرمت بھی یقیناً ہوگی۔

(۵) اس میں قصر قلب ہے یعنی تم ان چیزوں کو حلال سمجھتے ہو حالانکہ یہی چیزیں حرام ہیں۔

شراب کی اقسام اور ان کے احکام:

ائمہ ثلاثہ کے یہاں ہر مسکر حرام اور موجب حد ہے چاہے قلیل ہو یا کثیر۔

اور امام محمد حرمت میں ائمہ ثلاثہ کے موافق ہیں، لیکن وجوب حد میں شیخین کے ساتھ ہیں (یعنی خمر کے علاوہ میں سکر کا اعتبار ہے)۔

شیخین کے نزدیک اشربہ کی تین قسمیں ہیں:

(۱) الخمر: نبي من ماء العنب إذا غلا واشتد وقذف بالزبد.

اس کا قلیل اور کثیر حرام ہے اور اس کا پینا موجب حد ہے اگر چہ قلیل ہو۔

(۲) انگور کا پکا ہوا عصیر جب دوثلث سے کم اڑ جائے۔ اور کھجور یعنی منقی کی پکائی ہوئی شراب جب اس

پر جھاگ چھا جائے اس کا پینا حرام ہے، اگر چہ قلیل ہو، ہاں حد سکر کے بعد حد لازم ہوگی۔

(۳) اشربہ اربعہ مذکورہ یعنی انگور کی کچی شراب، انگور کی پکائی ہوئی شراب، کھجور کی پکائی ہوئی شراب اور

منقی کی شراب کے علاوہ جیسے بنید التمر والزبيب مطبوخ ادنی طبخہ اور عصیر العنب جس کے ثلثین پکانے سے اڑ گئے ہوں، اور حطہ چاول شعیر وغیرہ کی شراب۔

اس کا قلیل غیر مسکر مقدار پینا تقویٰ للعبادة کے لئے امام ابوحنیفہ کے نزدیک حلال ہے اور بطور مستی ولہو

لعب ناجائز ہے۔ اور اگر سکر پیدا ہوا تو رائج قول کے مطابق حد ہے۔ البتہ بطور تداوی جائز ہے۔ عام حالات

میں امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ ہے کہ پینانا جائز ہے اور علاج معالجہ کے باب میں شیخین کے قول پر فتویٰ ہے، یعنی غیر مسکر مقدار جو دواؤں میں ملائی جاتی ہے حلال ہے۔ (ہذا ملخص ما فی کتب الفقہ)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وطی بالبہیمہ کا حکم:

سوال: ایک شخص نے ایک بکری کے ساتھ جماع کیا لوگوں کو یہ بات معلوم ہوئی بعض لوگوں نے اس کو دیکھا اب اس شخص کا شرعاً کیا حکم ہے اور اس بکری کے ساتھ کیا کرنا چاہئے؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ شخص مذکور پر تعزیر لازم ہے اور بکری کو ذبح کر کے دفن کر دینا یا جلادینا

مندوب ہے۔

کتاب الآثار میں ہے:

أخبرنا أبو حنيفة عن عاصم بن أبي النجود... عن ابن عباس ؓ، قال من أتى بهيمة فلا حد عليه، أبو حنيفة عن الهيثم بن الهيثم... عن عمر بن الخطاب ؓ أنه أتى برجل وقع على بهيمة فدرأ عنه الحد وأمر بالبهيمة فاحرق. (كتاب الآثار ۱/۱۰۸).

قال محمد: وهذا قول... وقال أبو حنيفة ومحمد إذا كانت البهيمة له ذبحت واحترقت ولا تحترق بغير ذبح فإنها مثله. (كتاب الآثار ۱/۱۰۸، مجيديه).

ہدایہ میں ہے:

ومن وطى بهيمة فلا حد عليه لأنه ليس في معنى الزنا في كونه جنابة وفي وجود الداعى لأن الطبع السليم ينفر عنه والحامل عليه نهاية السفه وفرط الشبق ولهذا لا يجب ستره إلا أنه يعزر لما بينا والذي يروى أنه تذبح البهيمة ويحرق فذلك لقطع التحدث به وليس بواجب. (الهداية: ۲/۵۱۷).

وفي تبیین الحقائق: لا يجب الحد بوطى بهيمة... وما روى عن عمر رضى الله عنه أنه أتى برجل وقع في بهيمة فعزر الرجل وأمر بالبهيمة فاحترقت، كان لقطع التحدث به،

لأنه ما دامت باقية يتحدث الناس به فيلحقه العار بذلك لا لأن الاحراق واجب . ثم إن كانت الدابة مما لا يوكل لحمها تذبح وتحرق لما ذكر إن كانت مما يوكل لحمها تذبح وتوكل عند أبي حنيفة وقالوا تحرق هذه أيضا إن كانت البهيمة للفاعل وإن كانت لغيره يطالب صاحبها أن يدفعها إليه بقيمتها ثم تذبح هكذا ذكروا . (تبیین الحقائق ۳/۱۸۲، والبحر الرائق ۵/۱۷۰، ورد المحتار ۴/۲۶، النهر الفائق ۳/۱۴۰).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

اس شخص پر تعزیر ہے جس کی مقدار حاکم کی رائے پر موقوف ہے اور بھینس کو ذبح کر کے دفن کر دینا، یا جلا دینا مندوب ہے، بدعلی کرنے والا شخص بھینس کی قیمت کا مالک کے لئے ضامن ہوگا، ذبح کر کے دفن کرنا واجب اور ضروری نہیں، صرف اس لئے مندوب ہے کہ گناہ کی یادگار کو ختم کرنے سے بدعلی کرنے والے سے عار زائل ہو جائے، اس لئے اگر ذبح نہ بھی کیا جائے تو کوئی حرج نہیں، اس کا گوشت اور دودھ وغیرہ بلاشبہ حلال ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۵/۵۰۳)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قال الله تعالى:

﴿لَنَحْرِقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا﴾

(سورة طه، الآية: ۹۷).

وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

”من أخذتموه يقطع من الشجر شيئاً

يعني شجر حرم المدينة فلکم سلبه

لا يعضد شجرها ولا يقطع“

(رواه البيهقي)

باب ﴿۲﴾

تعزیرات کا بیان

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

”ضالة الإبل المكتومة غرامتها ومثلها معها“.

(رواه ابوداود).

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿رسالہ﴾

تَنْقِیْحُ الْمَقَالِ

فِی حُكْمِ

التَّعْزِیْرِ بِالْمَالِ

تنقیح المقال فی حکم التعزیر بالمال

شریعتِ مطہرہ میں تعزیر بالمال کا حکم:

سوال: اکثر و بیشتر حکومتیں مسلمان ہوں یا غیر مسلم قوانین کی خلاف ورزیوں پر مالی جرمانہ لگاتی ہیں۔ بعض قبائل بھی قوانین کی خلاف ورزی پر یا خلاف شریعت کام کے ارتکاب پر جرمانہ عائد کرتے ہیں، ہمارے ہاں پاکستان اور افغانستان کے درمیان والے قبائل میں جرگہ سسٹم رائج ہے اور اکثر قانون توڑنے پر مالی سزا دی جاتی ہے اس کی وجہ سے نظام ٹھیک چلتا ہے، مالی سزا کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ان سے مال وصول کیا جائے بعض دفعہ ان کے گھریا مال کو ضائع کر کے جلاتے ہیں، بعض مرتبہ دیر سے حاضری پر جرمانہ عائد کیا جاتا ہے، ان جرمانوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: مالی جرمانہ عائد کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ناجائز ہے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے۔ علامہ شامیؒ نے عدم جواز کو ترجیح دی ہے، بعض فقہاء نے امام ابو یوسفؒ کے قول کی اس طرح وضاحت فرمائی ہے کہ دراصل یہ جرمانہ وقتی طور پر بطور تنبیہ عائد کیا جائے نہ بادشاہ خود لے سکتا ہے اور نہ قاضی، نہ بیت المال میں جمع کیا جاسکتا ہے، بلکہ محفوظ رکھا جائے گا، اور جرم سے باز آنے پر واپس کیا جائے گا۔

عصر حاضر کے علماء اور مفتیان کرام کے درمیان بھی اختلاف پایا جاتا ہے، اکثر حضرات منع کرتے ہیں، لیکن بعض حضرات جواز کے قائل ہیں۔ لہذا قول جواز کو مد نظر رکھتے ہوئے صورتِ مسئلہ میں مالی جرمانہ کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

✽ تعزیر بالمال کے دلائل ملاحظہ فرمائیں:

☆ احادیث سے تعزیر بالمال کا ثبوت:

(۱) عن سعد رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "من أخذتموه يقطع من الشجر شيئاً يعني شجر حرم المدينة فلکم سلبه لا يعضد شجرها ولا يقطع". قال: فرأى سعد رضی اللہ عنہ غلماناً يقطعون فأخذ متاعهم فانتھوا إلى موالیهم فأخبروهم أن سعداً رضی اللہ عنہ فعل كذا وكذا فأتوه فقالوا: يا أبا إسحاق أن غلمانك أو موالیک أخذوا متاع غلماننا، قال: بل أنا أخذته، سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "من أخذتموه يقطع من شجر الحرم فلکم سلبه" ولكن سلوني من مالي ما شئتم. (رواه البيهقي في سننه الكبرى: ۵/۱۹۹، باب ماورد في سلب من قطع من شجر حرم المدينة، بيروت).

(۲) عن بهز بن حكيم عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: في كل سائمة إبل في أربعين بنت لبون لا يفرق إبل عن حسابها من أعطاهم موتجراً قال ابن العلاء: موتجراً بها فله أجرها ومن منعها فإننا آخذوها وشرط ماله عزمة من عزمات ربنا عز وجل ليس لآل محمد منها شيء. (رواه أبو داود: ۱/۲۲۱، باب في زكوة السائمة).

و كذا رواه النسائي في باب عقوبة مانع الزكوة: ۱/۳۳۵- وابن خزيمة في صحيحه: ۱/۱۰۸۵، وقال الاعظمي: اسناده حسن- واخرجه الحاكم في المستدرک في كتاب الزكوة: ۱/۵۲۲/۱۴۴۸، وقال: هذا حديث صحيح الاسناد- ووافقه الذهبي- والدارمي في سننه: ۱/۴۸۶، وعلى هامشه: اسناد حسن- واحمد في مسنده، وقال شعيب الارنؤط: اسناده حسن: ۵/۲/۲۰۰۳۰).

(۳) عن يحيى بن عبد الرحمن بن حاطب أن غلماً لأبيه عبد الرحمن بن حاطب سرقوا بغيراً فانتحروه، فوجد عندهم جلده ورأسه فرفع أمرهم إلى عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فأمر بقطعهم فمكثوا ساعة وما نرى إلا أن قد فرغ من قطعهم، ثم قال عمر رضی اللہ عنہ: علي بهم ثم قال لعبد الرحمن: والله إني لأراك تستعملهم ثم تجيعهم وتسيء إليهم حتى لو وجدوا

ما حرم اللہ علیہم لحل لهم ، ثم قال لصاحب البعير : لم كنت تعطي لبعيرك ؟ قال : أربع مائة درهم ، قال لعبد الرحمن : قم فأغرم لهم ثمان مائة درهم . (المصنف لعبد الرزاق: ۱۰/۲۳۹/۱۸۹۷۸).

(۴) عن سليمان بن أبي عبد الله قال : رأيت سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه أخذ رجلاً يصيد في حرم المدينة الذي حرمه رسول الله صلى الله عليه وسلم فسلبه ثيابه فجاءوا مواليه فكلّموه فيه فقال : إن رسول الله صلى الله عليه وسلم حرم هذا الحرم وقال : من أخذ أحداً يصيد فيه فليسلبه فلا أريد عليكم طعمة أطعمنيها رسول الله صلى الله عليه وسلم ولكن إن شتمت دفعت إليكم ثمنه . (السنن الكبرى للبيهقي: ۵/۱۹۹، باب ما ورد في سلب من قطع من شجر حرم المدينة).

و كذا في اتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة للعلامة البوصيري :

(۴/۱۵۹) باب في أسماء المدينة المشرفة وما جاء في صيدها، مكتبة الرشد، الرياض).

(۵) عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه سئل عن الثمر المعلق فقال : من أصاب بقية من ذي حاجة غير متخذ خبنة فلا شيء عليه و من خرج به شيء منه فعليه غرامة مثليه والعقوبة ... (رواه ابوداود: ۱/۲۴۰، كتاب اللقطة).

(۶) وعن معمر بن عمرو بن مسلم عن عكرمة أحسبه عن أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال : ضالة الإبل المكتومة غرامتها ومثلها معها . (رواه ابوداود: ۱/۲۴۱، كتاب اللقطة).

☆ فقہی عبارات سے تعزیر بالمال کا ثبوت:

(۱) علامہ علاء الدین طرابلسی (م ۸۴۴) معین الحکام میں فرماتے ہیں:

يجوز التعزير بأخذ المال وهو مذهب أبي يوسف وبه قال مالك ، ومن قال : إن

العقوبة المالية منسوخة فقد غلط. على مذهب الأئمة نقلاً واستدلالاً وليس بسهل دعوى نسخها، فعل الخلفاء الراشدين وأكابر الصحابة لها بعد موته صلى الله عليه وسلم مبطل لدعوى نسخها، والمدعون للنسخ ليس معهم سنة ولا إجماع يصح دعواهم... (معين الأحكام فيما يتردد بين الخصمين من الأحكام: ۱۹۵، فصل في التعزير، دارالفكر).

(۲) علامہ ابن نجیم مصری البحر الرائق میں فرماتے ہیں:

وفى الخلاصة سمعت من ثقة أن التعزير بأخذ المال إن رأى القاضي ذلك أو الولي جاز ومن جملة ذلك رجل لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال له. (البحر الرائق: ۴/۴۱، فصل في التعزير، كوئته).

(۳) فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

والتعزير بأخذ المال أن المصلحة فيه جائزة... قالوا: ومن جملة من لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال. (الفتاوى البرازية على هامش الفتاوى الهندية: ۶/۴۲۷، كتاب الحدود).

(۴) فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

ولم يذكر محمد في شيء من الكتب التعزير بأخذ المال، وقيل: روي عن أبي يوسف أن التعزير والزجر من السلطان بأخذ المال جائز... وفي الفتاوى الخلاصة: التعزير بأخذ المال إن رأى القاضي أو الولي جاز، ومن جملة ذلك الرجل لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال. (الفتاوى التاتارخانية: ۵/۱۴۰، كتاب الحدود، التعزير، إدارة القرآن).

(۵) خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

الجنس السادس في السعاية: - وفي نسخة القاضي الإمام أبي اليسر من المبسوط في كتاب اللقيط: "من سعى رجلاً إلى السلطان حتى غرمه لا يخلو من وجوه ثلاثة: ... الثالث: - إذا وقع في قلبه أن فلاناً يجيئ إلى امرأته أو جاريتها، فرفع إلى السلطان، فغرمه السلطان، ثم ظهر كذبه، عندهما لا يضمن الساعي، وعند محمد يضمن قال: والفتوى على

قول محمدؐ لغلبة السعاية في زماننا. (خلاصۃ الفتاویٰ: ۴/۲۶۰).

عبارت بالا کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ سوچ کر کہ فلاں آدمی میری بیوی یا باندی سے ناجائز تعلقات رکھتا ہے حاکم سے اس کی شکایت کر دی، چنانچہ بادشاہ نے فلاں پر تاوان عائد کر دیا، پھر معلوم ہوا کہ جھوٹی شکایت تھی، تو امام محمدؐ کے قول کے مطابق شکایت کرنے والے پر تاوان آئے گا، اور یہ ہی مفتی بہ قول ہے۔

خلاصہ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ مالی جرمانہ عائد کرنے کی گنجائش ہے۔

(۶) حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ سابق مدرس دارالعلوم دیوبند، سابق شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، ہندو وزیر معارف ولایت متحدہ بلوچستان نے بھی معین القضاۃ والمفتیین میں معین الحکام کے حوالہ سے تعزیر بالمال کا جواز نقل فرمایا ہے اور منسوخ ہونے کی بات سے اتفاق نہیں فرمایا۔ (معین القضاۃ و المفتیین: ص ۷۰).

(۷) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ اگر کافر حکومت کافر کے مال پر استیلاء قبضہ کر کے قانوناً مسلمان وارث کو مال دیدے تو مسلمان اس مال کا مالک بن جائے گا، کیونکہ استیلاء کافر ہمارے نزدیک سبب ملک ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حکومت تعزیراً کسی کے مال پر قبضہ کر لے تو وارث اس مال کو لے سکتا ہے، اگر تعزیر بالمال ناجائز ہوتا تو وارث کا مال لینا کہاں صحیح ہوتا؟

ملاحظہ ہو امداد الاحکام میں ہے:

يجوز للمسلم أن يرث من الكافر بسبب استيلاء الحكومة الكافرة على مال الكافر
أولاً ثم دفعها إلى المسلم بقانونها واستيلاء الكافر سبب للملك عندنا والله أعلم.

(امداد الاحکام: ۴/۶۲۸، الفرائض).

(۸) مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ تقریر ترمذی میں فرماتے ہیں:

اکثر فقہاء کا کہنا ہے کہ تعزیر بالمال جائز نہیں ہے، صرف جسمانی سزا کے ذریعہ تعزیر کرنا جائز ہے، البتہ امام احمد بن حنبلؒ نے تعزیر بالمال کو جائز قرار دیا ہے، حنفیہ میں امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت ہے کہ تعزیر بالمال جائز ہے... لیکن تعزیر بالمال کے عدم جواز پر کوئی صریح دلیل مجھے نہیں ملی... چنانچہ بعض متاخرین حنفیہ نے امام ابو یوسفؒ کے قول کو رائج قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ تعزیر بالمال جائز ہے۔ (تقریر ترمذی: ۲/۱۱۸).

(۹) مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب ”اسلامی فقہ“ میں فرماتے ہیں:

امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ اسے ناجائز کہتے ہیں، طرفین کے برخلاف امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ مصلحت متقاضی ہو تو جائز ہے،... راقم الحروف کے خیال میں امام ابو یوسفؒ اور جو فقہاء مالی جرمانہ یا اتلاف کے ذریعہ تعزیر کے قائل ہیں ان کی رائے قابل ترجیح ہے، جیسا کہ حدیث و آثار میں ان کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ (اسلامی فقہ: ۳/۲۸۰، تعزیراتی جرائم)۔

(۱۰) مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب ”قاموس الفقہ“ میں فرماتے ہیں:

اس وقت اسلام کے قانون حدود و تعزیرات کے فقدان کی وجہ سے مسائل جو سماجی طور پر حل کئے جاتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی وحدتیں بعض منکرات کا مقابلہ کر رہی ہیں، ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ مالی جرمانوں کے ذریعہ وہ ان جرائم کی روک تھام کی سعی کریں، یوں بھی عملاً اس زمانہ میں مالی تعزیر کی بڑی کثرت ہو گئی ہے، اور ریلوے، بس، ٹریفک وغیرہ میں کثرت سے اس کا تعامل ہے، راقم الحروف کا رجحان ہے کہ اس کی اجازت دی جانی چاہئے۔ (قاموس الفقہ: جلد دوم، ص ۴۷۹)۔

مولانا خالد سیف اللہ صاحب نے جدید فقہی مسائل میں چند نظائر بھی پیش کیے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حقوق اللہ میں تعدی اور زیادتی پر مالی تعزیر کی نظیر ”کفارات“ ہیں جو قصداً روزہ توڑنے، قسم کھا کر پوری نہ کرنے اور قتل خطا کی صورت میں واجب ہوتے ہیں اور جن میں ایک غلام آزاد کرنا یا مسکین کی ایک خاص تعداد کو کھانا کھلانا ”مالی سزا“ شمار کی جاسکتی ہے۔

(۲) کسی انسان کی ایسی تعدی پر جس کا تعلق جسم سے ہو، تعزیر مالی کی نظیر دیت ہے، جو ایسی تمام صورتوں میں واجب ہوتی ہے جب فریقین باہمی رضامندی سے اس پر آمادہ ہو جائیں یا جب قصاص کا اجراء ممکن نہ ہو۔

(۳) غیر مادی حقوق میں تعدی پر ”مالی تعزیر“ کی نظیر کفارہ ظہار ہے کہ جس میں غلام کو آزاد کرنا یا مسکینوں کو کھانا کھلانا بھی شامل ہے۔

(۴) مالی حقوق میں تعدی کی بنا پر مالی سرزنش کی نظیر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کا سامان چرا لے اور وہ اس کے پاس محفوظ بھی نہ رہ سکے، تو فقہاء کا اتفاق ہے کہ اصل سزا تو یہ ہے کہ ہاتھ کاٹے جائیں، لیکن اگر کسی وجہ سے

ایسا نہ ہو سکے تو اس سے سرقہ شدہ سامان کا تاوان وصول کیا جائے گا، ”والغرم إذا لم يجب القطع“.

(۵) آبروریزی اور ہتک حرمت پر تاوان مالی کی نظیر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے جبراً زنا کر لے

تو اس سے عورت کو مہر کی رقم دلائی جائے گی۔ (مخص از جدید فقہی مسائل: ۳/۲۳۶).

حافظ ابن قیم حنبلیؒ نے بھی مالی جرمانہ کو جائز قرار دیا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں ”اعلام الموقعین“ میں فرماتے ہیں:

وأما تغريم المال وهو العقوبة المالية فشرعها في مواضع منها: - تحريق متاع الغال من الغنيمة، ومنها: - حرمان سهمه، ومنها: - إضعاف الغرم على سارق الشمار المعلقة، ومنها: - إضعافه على كاتم الضالة الملتقطة، ومنها: - أخذ شطر مال مانع الزكاة، ومنها: - عزمه صلى الله عليه وسلم على تحريق دور من لا يصلي في الجماعة لولا ما منعه من إنفاذه ما عزم عليه من كون الذرية والنساء فيها فتتعدى العقوبة إلى غير الجاني وذلك لا يجوز كما لا يجوز عقوبة الحامل، ومنها: - عقوبة من أساء على الأمير في الغزو بحرمان سلب القتل لمن قتله حيث شفع فيه هذا المسيء وأمر الأمير بإعطائه فحرم المشفوع له عقوبة للشافع الأمر، التغريم نوعان: مقدر وغير مقدر،... وأما النوع الثاني غير المقدر فهذا الذي يدخله اجتهاد الأئمة بحسب المصالح ولذلك لم تأت فيه الشريعة بأمر عام وقدر لا يزداد فيه ولا ينقص كالحدود ولهذا اختلف الفقهاء فيه هل حكمه منسوخ أو ثابت والصواب أنه يختلف باختلاف المصالح ويرجع فيه إلى اجتهاد الأئمة في كل زمان ومكان بحسب المصلحة إذ لا دليل على النسخ وقد فعله الخلفاء الراشدون ومن بعدهم من الأئمة... وأما التعزير ففي كل معصية لأحد فيها ولا كفارة. (اعلام الموقعين: ۲/۱۱۷، فصل في تغريم المال، بيروت).

☆ عدم جواز والوں کے دلائل پر ایک نظر:

تعزیر بالمال کو ناجائز کہنے والے حضرات عام طور پر تین دلائل سے استدلال کرتے ہیں:

(۱) مالی جرمانہ ابتدائے اسلام میں جائز تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔

(۲) حدیث شریف میں ہے: ”لایحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفسہ“۔ (رواہ مسلم)۔

مالی جرمانہ اس حدیث کے بالکل خلاف ہے، لہذا جائز نہیں ہے۔

(۳) مالی جرمانہ کو جائز رکھنے میں ظالموں کے لیے ظلماً مال لینے کا دروازہ کھل جائے گا، لہذا خلاف

شریعت ہونا ظاہر ہے۔

☆ دلائل کے جوابات:

پہلی دلیل کا جواب: (۱) علامہ علاء الدین طرابلسی حنفی (م ۸۴۴) نے معین الحکام میں دعوائے نسخ

کو غلط قرار دیا ہے، ملاحظہ فرمائیں: ومن قال: إن العقوبة المالية منسوخة فقد غلط علی مذهب الأئمة نقلاً واستدلالاً وليس بسهل دعوى نسخها، فعل الخلفاء الراشدين وأكابر الصحابة لها بعد موته صلى الله عليه وسلم مبطل لدعوى نسخها، والمدعون للنسخ ليس معهم سنة ولا إجماع يصح دعواهم ... (معین الحکام فیما یردد بین الخصمین من الاحکام: ۱۹۵، فصل فی التعزیر،

دارالفکر)۔

نیز حافظ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد رشید حافظ ابن القیم اور دکتور وہبہ زحیلی نے فرمایا کہ دعوائے نسخ بلا دلیل ہے جب کہ آپ علیہ السلام کے بعد خلفاء راشدین اور ائمہ نے اس پر عمل فرمایا، لہذا نسخ کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمائیں حافظ ابن تیمیہ حنبلی فرماتے ہیں:

ومن قال: إن العقوبات المالية منسوخة وأطلق عن أصحاب مالک وأحمد فقد غلط علی مذهبهما، ومن قاله مطلقاً من أي مذهب كان: فقد قال قولاً بلا دلیل، ولم یجئ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم شیء قط یقتضی أنه حرم جمیع العقوبات المالية، بل أخذ الخلفاء الراشدين وأكابر أصحابه بذلك بعد موته دلیل علی أن ذلك محکم غیر منسوخ۔ (مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ: ۲۸/۱۱۱، فصل فی التعزیر بالعقوبات المالية)۔

دکتور وہبہ زحیلی شافعی ”الفقه الاسلامی وادلتہ“ میں رقمطراز ہیں:

وقد اختلف الفقهاء فيه هل حكمه منسوخ أو ثابت والصواب أنه يختلف باختلاف

المصالح ويرجع فيه إلى اجتهاد الأئمة في كل زمان ومكان بحسب المصلحة إذ لا دليل على النسخ وقد فعله الخلفاء الراشدون ومن بعدهم من الأئمة . (الفقه الاسلامي وادلته: ۶/۲۰۵، التعزير بالمال، دارالفکر).

دوسری دلیل کا جواب: (۲) حضرت مفتی محمد تقی صاحب مدظلہ حدیث شریف کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه“ یعنی کسی مسلمان کا مال اس کی طیب نفس کے بغیر حلال نہیں، اس حدیث میں اس مسلمان کا ذکر ہے جو کسی گناہ اور جرم کا مرتکب نہ ہو، لیکن اگر کوئی مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہوا ہے، تو اس پر جس طرح جسمانی سزا عائد کی جاسکتی ہے اسی طرح مالی سزا بھی عائد کی جاسکتی ہے، اس لیے کہ مسلمان کا مال تو طیب نفس سے حلال ہو جاتا ہے، لیکن جان تو طیب نفس سے بھی حلال نہیں ہوتی، لہذا جب کسی مسلمان نے کوئی جرم کیا ہے پھر سزا کے طور پر اس کی جان کو کوئی نقصان پہنچایا جا رہا ہے تو یہ سب کے نزدیک جائز ہے، تو پھر مال جو طیب نفس سے حلال ہو جاتا ہے، وہ جرم کے ارتکاب کی صورت میں بطریق اولیٰ حلال ہونا چاہئے؟ (تقریر ترمذی: ۲/۱۱۸، ۱۱۹)۔

نیز اگر جان پر کوئی مصیبت آجائے تو مال کے ذریعہ اس کا دفاع کرنے کا حکم دیا گیا نہ کہ مال بچانے کے لیے جان کھپا دے۔

ملاحظہ ہو روایت موقوفہ میں ہے:

... فإن عرض بلاء فقدم مالك دون نفسك فإن تجاوز البلاء فقدم مالك ونفسك دون دينك...، هذا إسناد رواه ثقات وهو موقوف . (اتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة للعلامة البوصيري: ۸/۲۳۹، ۷۹۷۳، باب فضل القرآن، مكتبة الرشد، الرياض).

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جسم و قالب کی حرمت مال کی حرمت سے بڑھ کر ہے، جب جسم پر تعزیر باتفاق فقہاء جائز ہے تو تعزیر بالمال کیوں ناجائز ہے؟

تیسری دلیل کا جواب: (۳) جن فقہاء نے اس کو ناجائز کہا ہے اور اس کی علت حکام کے ظلم کو قرار دیا ہے تو یہ رائے انہوں نے مصلحت کی بنیاد پر قائم کی ہے لہذا اگر ظلم کا پہلو نہ ہو بلکہ کسی مصلحت کی وجہ سے یا کسی

جرم میں مال پر قبضہ کر لیا جائے تو ان کے نزدیک بھی جائز ہوگا، جیسا کہ مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب نے اسلامی فقہ میں تحریر فرمایا ہے۔

ملاحظہ ہوا اسلامی فقہ میں ہے:

جن فقہاء نے اس کو ناجائز کہا ہے اس کی وجہ انہوں نے حکام کے ظلم کو قرار دیا ہے انہوں نے یہ رائے مصلحت کی بنیاد پر دی ہے اگر ظلم کا پہلو نہ ہو تو ان کی رائے بھی یہی ہوگی۔ (اسلامی فقہ: ۳/۲۸۱)۔
نیز تعزیر بالمال کا حکم خلاف شریعت نہیں ہے بلکہ سیاست مصلحت و فائدہ کی وجہ سے قائم کیا گیا ہے۔
ملاحظہ فرمائیں علامہ علاء الدین طرابلسی حنفیؒ فرماتے ہیں:

قال القرافي : واعلم أن التوسعة على الحكام في الأحكام السياسية ليس مخالفاً
للشرع ، بل تشهد له الأدلة المتقدمة . (معين الحكام فيما يتردد بين الخصمين من الأحكام : ۱۷۶ ،
دارالفکر . واللہ تعالیٰ اعلم۔

تعزیر کی دوسری صورت تعزیر یا ہلاک الممال کا حکم:

سوال: اگر غیر حاکم یا مدرسہ یا سرپرست کسی شخص کے اپنے آلات موسیقی یا آلات لہو و لعب کو توڑ دے جو موسیقی کے علاوہ میں بھی استعمال ہوتے ہوں جیسے ریڈیو، ٹیپ ریکارڈ وغیرہ تو ان پر تاوان آئے گا یا نہیں؟ حاکم اور غیر حاکم میں فرق ہے یا نہیں؟

الجواب: آلات موسیقی و آلات لہو و لعب کو کسی نے اپنی مرضی سے توڑا تو تاوان لازم ہوگا، اور اگر حاکم کے حکم کی وجہ سے کسی نے توڑا، یا خود حاکم نے توڑا تو تاوان لازم نہیں ہوگا، لیکن اجزاء غیر مرکبہ کا تاوان آئے گا۔
البتہ اگر کسی ادارہ کا قانون یہ ہے کہ فلان قسم کی چیزوں کو مت رکھو اور پھر بھی قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس کو رکھا گیا اور اس ادارہ کے سربراہ اور منتظمین حضرات نے اس کو توڑ دیا تو ان پر ضمان نہیں آئے گا، کیونکہ وہ حضرات حاکم کی طرح ہیں، طلبہ اور ان کے سرپرستوں نے مدرسہ کے قوانین کی پابندی کو تسلیم کر کے مدرسہ کے مہتممین کو بمنزلہ حاکم تسلیم کر لیا۔ قاعدہ: ”الحکم كالقاضي“۔ (قواعد الفقہ: ۷۹)۔ کے تحت، نیز ان کے

توڑنے میں فساد کا کوئی خاص خطرہ نہیں ہے، اور والد اور استاذ کو تعزیر دینے کا حق حاصل ہے، بچے کی پٹائی حدود میں رہ کر بھی تعزیر ہی ہے۔ بلکہ بعد میں عینی اور لامع وغیرہ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر حاکم بھی تعزیر بالمال دے سکتا ہے۔

ہمارے بعض اکابر کے طرز عمل سے بھی غیر حاکم کی تعزیر بالمال کی تائید ہوتی ہے، اکابر نے بعض مرتبہ کسی چیز پر اپنی ناراضگی ظاہر کرنے کے لیے اس کو چاک کر دیا ہے اگرچہ وہ کام فی نفسہ جائز تھا، لیکن اکابر کی مرضی کے خلاف تھا۔ آپ بیتی میں مذکور ہے:

حضرت نور اللہ مرقدہ ”حضرت مدنی“ کو کھدر سے تو عشق تھا اور ولایتی کپڑے سے نفرت تھی یہ تو ساری دنیا کو معلوم ہے لیکن اس سیہ کار کے حال پر ایک مزید شفقت یہ تھی کہ میرے بدن پر جب بھی بدیسی کرتہ دیکھتے گریبان میں ہاتھ ڈال کر ایسے زور سے چاک فرماتے کہ نیچے تک وہ پھٹ جاتا تھا، حضرت قدس سرہ کی حیات تک ڈر کے مارے کھدر کا میرے یہاں بہت ہی اہتمام رہا۔ (آپ بیتی حصہ چہارم ص ۶۴)۔

حضرت شیخؒ کو ابتداء میں ہدیہ لینے سے نفرت تھی، بعض ہدیہ دینے والوں کے نوٹ ایک دو پانچ دس کے پھاڑے بھی ہیں،... ایک دوست حاجی جان محمد صاحب پشاوری... ایک چائے کا ڈبہ لائے... حضرت شیخ نے پھاڑ کر زور سے دیوار میں دے کر مارا، وہ ساری چائے دور دور تک منتشر ہو گئی۔ (آپ بیتی، حصہ چہارم، ص ۸۸)۔

☆ تعزیر پر ہلاک المال کے دلائل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے قصہ میں مذکور ہے کہ انہوں نے سامری کو جرم میں دوسزائیں دی، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا: (۱) ﴿فَبَانَ لَكَ فِي الْحَيَاةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ﴾ (سورۃ طہ)۔ کہ زندگی بھر تو یہ کہا کرے گا کہ مجھے مت چھیڑو۔ (۲) ﴿لَنَحْرِقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا﴾ (سورۃ طہ، الآیہ: ۹۷)۔ کہ تو نے جو زیورات ڈال کر پھٹا بنایا تھا، یا حقیقی پھٹا تھا، اسے بھی ہم جلا کر دریا میں بکھیر دیں گے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے جلا کر سمندر میں ڈال دیا۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

قال الضحاك عن ابن عباس ؓ والسدي: سحله بالمبارد وألقاه على النار، وقال

قتادة : استحال العجل من الذهب لحماً ودماً فحرقه بالنار ، ثم ألقى رماده في البحر . (تفسير ابن كثير: ۱۸۲/۳۔ وتفسير عثمانی: ۴۲۴)۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس قصہ میں تعزیر یا ہلاک المال کی دلیل موجود ہے۔

(۲) منافقین نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف خبیث مقاصد کے تحت مسجد کے نام سے ایک مکان بنایا تھا، اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی منافقین کی ناپاک اغراض پر مطلع فرمادیا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک بن دشتم اور معن بن عدی کو حکم دیا کہ اس مکان کو (جس کا نام ازراہ خداع و فریب مسجد رکھا تھا) گرا کر پیوند زمین بنادو، انہوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ (تفسیر عثمانی، جغیریسیر)۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِداً ضُرَّاراً وَكُفْرًا وَتَفْرِيقاً بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَاداً لِّمَا حَارَبَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ قَبْلُ، وَلِيَحْلِفْنَ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحَسَنَىٰ، وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ﴾ (سورة التوبة، الآية: ۱۰۷)۔

قصہ بالا سے بھی معلوم ہوا کہ تعزیر یا ہلاک المال جائز ہے۔

☆ احادیث مبارکہ سے دلائل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) عن أبي رافع بن خديج رضی اللہ عنہ قال: كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بذي الحليفة من تهامة فأصبنا غنماً وإبلأً، فعجل القوم فأغلوا بها القدور فأمر بها فكفت... (رواه مسلم: ۱۵۷/۲، كتاب الاضاحی)۔

حدیث مذکورہ بالا کی شرح میں علامہ نووی فرماتے ہیں:

وقال المهلب بن أبي صفرة المالكي: إنما أمروا بإكفاء القدور عقوبة لهم لاستعجالهم في السير وتركهم النبي صلى الله عليه وسلم في أخريات القوم. (شرح النووي: ۱۵۷/۲، كتاب الاضاحی)۔

اس قصہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت حاکم ہانڈیاں الٹ دینے کا حکم فرمایا۔

(۲) عن عبد الله بن عمرو رضی اللہ عنہ قال: رأى النبي صلى الله عليه وسلم علي ثوبين

معصفرین ، فقال: أمك أمرتك بهذا؟ قلت: اغسلهما؟ قال: لا، بل أحرقهما. (رواه مسلم: ۱۹۳/۲، باب النهی عن لبس الرجل الثوب المعصفر).

علامہ نووی فرماتے ہیں:

وأما الأمر بإحراقهما، فقليل: هو عقوبة وتغليظ لجزره وزجر غيره عن مثل هذا الفعل. (الشرح الكامل للامام النووي: ۱۹۳/۲).

(۳) عن عمران بن حصين رضی اللہ عنہ قال: بينما رسول الله صلى الله عليه وسلم في بعض أسفاره وامرأة من الأنصار على ناقة فضجرت ، فلعننتها فسمع ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: خذوا ما عليها ودعوها فإنها ملعونة. (رواه مسلم: ۳۲۳/۲).

اس قصہ میں بطور تنبیہ کے ناکہ کو چھوڑ دینے کا حکم فرمایا۔

قال النووي: إنما قال هذا زجراً لها ولغيرها، وكان قد سبق نهيتها ونهى غيرها عن اللعن، فعوقبت بإرسال الناقة. (شرح النووي على مسلم: ۳۲۳/۲).

(۴) عن سالم أنه سئل عن الغال في الغنيمة ، فقال: سمعت أبي يحدث عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا وجدتم الرجل قد غل فاحرقوا متاعه واضربوه. (رواه ابوداود: ۳۷۱/۲۔ والترمذی: ۲۷۰/۱).

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں چوری کرنے والے کے بارے میں فرمایا: اس کے سامان کو جلا دو اور اس کی پٹائی کرو۔

(۵) عن أنس رضی اللہ عنہ عن أبي طلحة رضی اللہ عنہ أنه قال: يا نبي الله إني اشتريت خمرأ لأيتام في حجرى، قال: اهرق الخمر واكسر الدنان. رواه الترمذی، وقال: وفي الباب عن جابر وعائشة وابی سعيد وابن مسعود وابن عمر. (۲۴۲/۱، باب ماجاء فی بيع الخمر والنبي عن ذلك).

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب بہانے اور اس کے مٹکے توڑنے کا حکم فرمایا۔

(۶) عن سلمة بن الأكوع رضی اللہ عنہ قال: خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى

خیر ثم أن الله فتحها عليهم فلما أمسى الناس اليوم الذي فتحت عليهم أوقدوا نيراناً كثيرة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما هذه النيران على أي شيء توقدون، قالوا: على لحم قال: على أي لحم، قالوا: على لحم حمر إنسية، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اهريقوها واكسروها. (رواه مسلم: ۱۴۹/۲، باب تحريم اكل لحم الحمر الانسية).

اس حدیث میں بھی گدھوں کے گوشت کو گرانے اور برتنوں کے توڑنے کا حکم فرمایا۔

(۷) عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لقد هممت أن أمر بالصلاة فتقام ثم أمر رجلاً فيصلي بالناس ثم انطلق معي برجال معهم حزم من حطب إلى قوم لا يشهدون الصلاة فأحرق عليهم بيوتهم بالنار. (رواه ابو داود: ۸۱/۱، كتاب الصلاة، باب التشديد في ترك الجماعة).

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث شریف میں جماعت ترک کرنے والوں کے گھر جلا دینے کا ارادہ فرمایا، اگرچہ جلا نا ثابت نہیں ہے، علامہ ابن القیم نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ گھروں میں بچے اور عورتیں بھی ہوتی ہیں تو سزا غیر مجرم تک متعدی ہوگی اور یہ جائز نہیں ہے۔

قال ابن القيم: لولا ما منعه من إنفاذه ما عزم عليه من كون الذرية والنساء فيها فتعدى العقوبة إلى غير الجاني وذلك لا يجوز كما لا يجوز عقوبة الحامل. (اعلام الموقعين: ۱۱۷/۲، فصل في تغريم المال، بيروت).

علامہ عینی فرماتے ہیں یہ (مذکورہ بالا) روایت تعزیر بالمال کے باب میں اصل اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے:

وقد هم الشارع بتحريق دور من يتخلف عن صلاة الجماعة، وهذا أصل في العقوبة في المال إذا رأى ذلك. (عمدة القاری: ۲۴۳/۹، باب هل تكسر الدنان التي فيها الخمر، ملتان).

نیز علامہ عینی نے فرمایا کہ تعزیر یا ہلاک المال میں امام محمدؒ کے نزدیک تاوان آئیگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تاوان نہیں آئیگا اور فتویٰ امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے۔ ملاحظہ ہو:

فإن كان زق الخمر لمسلم يضمن عند محمد... وعند أبي يوسف لا يضمن لأنه من

جملة الأمر بالمعروف... والفتوى على قول أبي يوسف خصوصاً في هذا الزمان. (عمدة القاری: ۲۴۲/۹، باب هل تكسر الدنان التي فيها الخمر، ملتان).

حضرت شیخؒ نے بھی لامع الدراری کے حاشیہ میں علامہ عینیؒ سے امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتویٰ نقل کیا ہے۔
ملاحظہ ہو: (حاشیہ لامع الدراری: ۳۹۱/۲)۔

مزید براں علامہ عینیؒ نے قول نسخ کو قیل سے نقل کر کے اس کے ضعف کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: وقيل هذا كان في صدر الأول ثم نسخ. (عمدة القاری: ۲۴۲/۹، باب هل تكسر الدنان التي فيها الخمر، ملتان)۔

(۸) عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبا بكرؓ وعمرؓ حرقوا متاع الغال وضربوه. (رواه أبو داود: ۳۷۱/۲، باب في عقوبة الغال)۔
علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں چند آثار نقل کیے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

(۹) و مثل أمر عمر بن الخطابؓ و علي بن أبي طالبؓ بتحريق المكان الذي يباع فيه الخمر.

(۱۰) و مثل تحريق عثمان بن عفانؓ المصاحف المخالفة للإمام.

(۱۱) و تحريق عمر بن الخطابؓ لكتب الأوائل.

(۱۲) وأمره (أى أمر عمر بن الخطابؓ) بتحريق قصر سعد بن أبي وقاصؓ الذي بناه لما أراد أن يحتجب عن الناس، فأرسل محمد بن مسلمةؓ وأمره أن يحرقه عليه فذهب فحرقه عليه، وهذه القضايا كلها صحيحة معروفة عند أهل العلم بذلك ونظائرها متعددة. (مجموع فتاوى ابن تيمية: ۱۱۰/۲۸، فصل في التعزير بالعقوبات المالية)۔

الغرض ان تمام احادیث و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ تعزیر یا ہلاک المال بھی جائز اور درست ہے۔

فقہی عبارات ملاحظہ فرمائیں:

قال في الدر المختار: وضمن بكسر معزف بكسر الميم آلة اللهو ولولكافر، ابن

کمال قیمتہ خشباً منحوتاً صالحاً لغير اللهو، وضمن القيمة لا المثل بإراقه سكر ومنصف ... وقال: لا يضمن ولا يصح بيعها، وعليه الفتوى، ملتقى ودرر وزيلعي وغيرها وأقره المصنف، وأما طبل الغزاة، زاد في حظر الخلاصة: والصيادين، والدف الذي يباح ضربه في العرس فمضمون اتفاقاً. وفي الشامية: (وقالا لا يضمن...) هذا الاختلاف في الضمان دون إباحة إتلاف المعازف، وفيما يصلح لعمل آخر وإلا لم يضمن اتفاقاً، وفيما إذا فعل بلا إذن الإمام، وإلا لم يضمن اتفاقاً... (الدرالمختار: مع فتاوى الشامى: ۶/۲۱۲، سعيد).

ہدایہ میں ہے:

ومن كسر لمسلم بربطاً أو طبلًا أو مزماراً أو دفاً... فهو ضامن... وهذا عند أبي حنيفة، وقال أبو يوسف ومحمد: لا يضمن... وقيل الفتوى في الضمان على قولهما... لهما أن هذه الأشياء أعدت للمعصية فبطل تقومها كالخمر، ولأنه فعل مافعل آمراً بالمعروف وهو بأمر الشرع فلا يضمنه كما إذا فعل بإذن الإمام، ولأبي حنيفة أنها أموال لصلاحيته لما يحل من وجوه الانتفاع وإن صلحت لما لا يحل فصار كالأمة المغنية، وهذا لأن الفساد بفعل فاعل مختار فلا يوجب سقوط التقوم. وجواز البيع والتضمين مرتبان على المالية والتقوم والأمر بالمعروف باليد إلى الأمراء لقدرتهم وباللسان إلى غيرهم، وتجب قيمتها غير صالحة للهو. (الهداية: ۳/۳۸۸، باب الغصب).

وفي الفتاوى الهندية: ويقال: الأمر بالمعروف باليد على الأمراء وباللسان على العلماء وبالقلب لعوام الناس وهو اختيار الزندويستي، كذا في الظهيرية. (الفتاوى الهندية: ۵/۳۵۳).

تکملہ البحر الرائق میں ہے:

والفتوى في زماننا على قولهما لكثرة الفساد. (تكملة البحر الرائق: ۸/۱۲۵).

خلاصہ یہ ہے کہ حاکم یا جو حاکم کے قائم مقام ہو مثلاً ارباب مدرسہ وغیرہ اگر کسی کی چیز توڑ دے قانون کی خلاف

ورزی کی وجہ سے تو تاوان نہیں آئے گا، جیسے والد اور استاذ اولاد و شاگرد کی سرزنش کر سکتے ہیں اسی طرح ارباب مدرسہ بھی بمنزلہ والی کے ہیں۔ ہاں ہر کس و ناکس کے لیے تعزیر کی اجازت نہیں ہے، ورنہ فتنہ و فساد پھیلنے کا اندیشہ ہے۔

غیر امیر کے اتلاف کی ایک نظیر:

در مختار میں ہے:

وضمن المتلف المسلم قيمتهما أى الخمر والخنزير لأن الخمر فى حقنا قيمى
حكماً أى وإن كانت من ذوات الأمثال لو كانا لذمى والمتلف غير الإمام أو مأموره يرى
ذلك عقوبة فلا يضمن بأن كان مجتهداً أو مقلداً لمجتهد يراه . (الدر المختار مع
الشامى: ۶/۲۱۰، سعيد).

یادر ہے کہ یہاں ذمی کی خمر جس کو نہیں گرانا چاہئے غیر امیر بطور تعزیر تلف کر سکتا ہے۔

اشکال: کسی کے مال کو ہلاک کرنے کے بارے میں اگر یہ اشکال کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا، بخاری شریف میں حدیث ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله حرم عليكم عقوق الأمهات ووأد البنات ومنعاً وهات وكره لكم القيل والقال وكثرة السؤال وإضاعة المال. (رواه البخارى: ۱/۳۲۴).

اللہ تعالیٰ نے ماؤں کی نافرمانی اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے اور قابل داد چیز کے نہ دینے اور ممنوع چیز مانگنے سے منع کیا ہے۔ اور آپ کے لیے گپ شپ اور کثرت سوال اور مال ضائع کرنے کو مکروہ بتلایا ہے۔

الجواب: اس کا جواب یہ ہے کہ مال ضائع کرنا وہ ہوتا ہے جس میں کوئی فائدہ اور مصلحت نہ ہو۔ اور اس عمل میں تادیب و اصلاح کی مصلحت پائی جاتی ہے جیسے اگر کوئی بندوق کی گولیوں کو چلا کر نشانہ بازی سیکھتا ہے تو بظاہر گولیاں ضائع ہوئیں لیکن نشانہ بازی کے علم کا فائدہ ہوا، منطق و فلسفہ کا پڑھنا بظاہر وقت ضائع کرنا ہے لیکن اس سے استعداد کی پختگی آتی ہے اس لیے سب اکابر نے پڑھا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تعزیر بالمال کی تیسری صورت ”التغییر“ کا حکم:

سوال: اگر کسی طالب علم کے پاس سیل فون، سی ڈی، کیسٹ، یا میموری کارڈ (memory card) میں فحش اور غلط پروگرام محفوظ ہیں، وہ طالب علم وقتاً فوقتاً ان کو دیکھتا یا سنتا رہتا ہے، یا کسی طالب علم کے فون میں لڑکیوں کے ساتھ ناجائز تعلقات کی وجہ سے ان کی تصویریں محفوظ ہیں جن کو وہ دیکھتا رہتا ہے، اور لذت حاصل کرتا رہتا ہے، یا کوئی طالب علم لمبا کرتا پہن کر درس گاہ میں آتا ہے جو ٹخنوں سے نیچے ہے، یا کسی طالب علم کے پاس ذی روح کی تصویریں محفوظ ہیں، وغیرہ وغیرہ، تو ان تمام منکرات کو ختم کرنا درست ہے یا نہیں؟ یعنی ناجائز پروگرام کو صاف کرنا، کرتا کاٹ دینا وغیرہ وغیرہ، ارباب مدرسہ کو ان امور کا اختیار ہے یا نہیں؟ اگر اس طرح کیا تو تاوان لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ ان تمام منکرات کو مٹانا اور ختم کرنا ارباب مدرسہ کے لیے جائز اور درست ہے، اور یہ تعزیر کی تیسری صورت ہے، کہ مال کو بالکل ہلاک نہ کر دے بلکہ صرف معصیت کو مٹا دے، دوسری صورت کی طرح اس کی بھی گنجائش ہے، لیکن حاکم یا جو بحکم حاکم ہو وہ کر سکتا ہے ہر شخص کے لیے گنجائش نہیں ہے۔ ورنہ فتنہ پیدا ہوگا۔

ملاحظہ فرمائیں حدیث شریف میں ہے:

عن أبي طلحة الأنصاري رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لا تدخل الملائكة بيتاً فيه كلب أو تماثيل فأتيت عائشة رضي الله تعالى عنها فقلت: إن هذا يخبرني أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تدخل الملائكة بيتاً فيه كلب ولا تماثيل فهل سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم ذكر ذلك؟ فقالت: لا، ولكن سأحدثكم ما رأيته فعل رأيته خرج في غزاته فأخذت نمطاً فسترته على الباب فلما قدم فرأى النمط عرفت الكراهة في وجهه فجذبه حتى هتكه أو قطعه وقال: إن الله لم يأمرنا أن نكسو الحجارة والطين قالت: فقطعتها منه وسادتين وحشوتهما ليفاً فلم يعب ذلك علي. (رواه مسلم):

۲/۲۰۰- و البخاری ۲/۸۸۰، مختصراً).

قال العلامة العيني: ستر عائشة رضي الله تعالى عنها فيه تصاوير فتهتكه صلى الله عليه وسلم فجعلته قطعيتين فاتكأ على إحدهما. (عمدة القاري: ۸/۳۸۱، دار الحديث، ملتان).

وقال العلامة النووي: أتلف الصورة التي فيه... فيستدل به لتغيير المنكر باليد وهتك الصور المحرمة. (شرح النووي: ۲/۲۰۰).

قال الملا علي القاري: وإن إتلافها أمر الشارع به، لقوله صلى الله عليه وسلم: "من رأى منكم منكراً فليغيره بيده" (أخرجه مسلم) وإنكارها باليد إتلافها، وهو لو أتلفها بأمر أولى الأمر لا يضمن فبأمر الشارع أولى، وفي الجامع الصغير "لصدر الإسلام" الفتوى في عدم الضمان على قولهما، لكثرة الفساد بين الناس حتى ذكر الصدر الشهيد أن البيت يهدم على من اعتاد الفسق وأنواع الفساد، وأنه لا بأس بالهجوم على بيت المفسدين، وباراقة العصير قبل أن يشتد على من اعتاد الفسق. (فتح باب العناية في شرح كتاب النقاية: ۳/۳۶۷، كتاب الغصب).

قال الدكتور وهبة الزحيلي: (۲) التغيير قد يقتصر العقوبة المالية على تغيير الشيء، مثل نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن كسر العملة الجائزة بين المسلمين، كالدراهم والدنانير، إلا إذا كان بها بأس، فإذا كان فيها بأس كسرت. ومثل فعل النبي صلى الله عليه وسلم في التمثال الذي كان في بيته، والستر الذي به تماثيل، إذ أمر بقطع رأس التمثال فصار كهيئة الشجرة، وبقطع الستر، فصار وسادتين يوطان، وهكذا اتفق العلماء على إزالة وتغيير كل ما كان من العين أو التأليف المحرم، مثل تفكيك آلات الملاهي، وتغيير الصور المصورة. (الفقه الإسلامي وأدلته: ۶/۲۰۳، التعزير بالمال، دار الفکر).

وكذا في فتاوى ابن تيمية: ۲۸/۱۱۷). والله تعالى أعلم.

کافر یا منافق کہنے پر تعزیر کا حکم:

سوال: اگر کسی دوسرے شخص کو کافر یا منافق کہا تو شرعاً اس پر تعزیر ہے یا نہیں؟ اور کیا تعزیر میں قتل کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ کافر یا فاسق کہنے پر بعض کتابوں میں عدم تعزیر مرقوم ہے، لیکن اکثر کتب فقہیہ میں تعزیر کا حکم مذکور ہے، اور موجودہ دور میں فتنہ و فساد اور سب و شتم کی کثرت کی وجہ سے لوگوں کے غلط فائدہ اٹھانے کا امکان ہے اس لیے تعزیر ہونی چاہئے البتہ قاضی پر موقوف ہے، حالات و اشخاص کا اعتبار کرتے ہوئے جاری کرے۔ لیکن محض سب و شتم میں تعزیر بالقتل کی گنجائش نہیں ہے، ہاں فی نفسہ تعزیر بالقتل مشروع ہے۔ ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

وإذا قال لغيره: "يا فاجر" فعليه التعزير وكذلك إذا قال لغيره: "يا خبيث"، "يا فاسق"... وفي الأجناس: وإذا قال: "يا كافر"، "يا زنديق"، "يا لص"... وفي السراجية: "يا بے نماز" فعليه التعزير، وفي المضرمات: قال بعضهم: من قال لآخر: "يا كافر" لا يجب التعزير ما لم يقل: يا كافر بالله، لأن الله سمى المؤمن كافراً بالطاغوت قال: ﴿فمن يكفر بالطاغوت﴾. فيكون محتملاً. (فتاویٰ تاتارخانیہ: ۵/۱۴۵، ۱۴۶، کتاب الحدود و التعزیر).

کنز الدقائق میں ہے:

ومن قذف... أو مسلماً بـ "يا فاسق" یا کافر یا خبیث... عزر. (کنز الدقائق: ۱۹۰، فصل فی التعزیر، مکتبہ امدادیہ).

البحر الرائق میں ہے:

وفي شرح الطحاوي: والأصل في وجوب التعزير أن كل من ارتكب منكراً أو آذى مسلماً بغير حق بقوله أو بفعله وجب عليه التعزير إلا إذا كان الكذب ظاهراً. (البحر الرائق: ۵/۴۳ - وبدائع الصنائع: ۷/۶۴).

تعزیر میں حالات و اشخاص کا اعتبار ہوگا۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

وفي فتاوى الخلاصة: التعزير على أربع مراتب: (١) تعزير أشرف الأشراف: كالفقهاء والعلوية. (٢) تعزير الأشراف: كالدهاقنة. (٣) وتعزير أوساط الناس. (٤) وتعزير الخساسة. فتعزير أشرف الأشراف: الإعلام لا غير، وهو أن يقول القاضي: بلغني أنك تفعل كذا وكذا. وتعزير الأشراف: الإعلام والجر إلى باب القاضي. وتعزير الأوساط وهم السوقية: الإعلام والجر إلى باب القاضي والحبس، وتعزير الخساسة: الإعلام والجر والضرب والحبس مع ذلك... وقد يكون بالصفع. (طمانجہ) وتعزير الأذن، وقد يكون بالكلام العنيف، وقد يكون بالضرب، وفي الخانية: وعن محمد رحمه الله تعالى: رجل يشتم الناس وهو محترم له مروءة: يوعظ ولا يحبس، وإن كان دون ذلك: يؤدب وإن كان شتاماً: يضرب ويحبس. وفي الظهيرية: وقد يكون التعزير بنظر القاضي إليه بوجه عبوس... ولا خلاف بين العلماء أنه لا يبلغ التعزير الحد... فأما أدناه مفوض إلى رأي القاضي يقيم بقدر ما يرى من المصلحة فيه، وفي الظهيرية: أقل التعزير لا ينقص عن ثلاث جلدات،... فالتعزير مفوض إلى رأي الإمام. (الفتاوى التاتارخانية: ١٤٠/٥، كتاب الحدود، التعزير - وكذا في الدر المختار مع فتاوى الشامى: ٦٠/٤، باب التعزير، سعيد). والله أعلم.

تعزير بالقتل کا حکم:

در مختار میں ہے:

يكون التعزير بالقتل كمن وجد رجلاً مع امرأة لا تحل له، ولو أكرهها فلها قتله ودمه هدر... وفي شامية: (قوله ويكون التعزير بالقتل) رأيت في (الصارم المسلول) للحافظ

ابن تیمیہ أن من أصول الحنفية أن مالا قتل فيه عندهم مثل قتل بالمثل والجماع في غير القبل إذا تكرر فلإمام أن يقتل فاعله، وكذلك له أن يزيد على الحد المقدر إذا رأى المصلحة في ذلك، ويحتملون ما جاء عن النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه من القتل في مثل هذه الجرائم على أنه رأى المصلحة في ذلك ويسمون القتل سياسة، وكان حاصله أن له أن يعزر بالقتل في الجرائم التي تعظمت بالتكرار وشرع القتل في جنسها..... قلت: وقد ظهر لي في التوفيق وجه آخر وهو أن الشرط المذكور إنما هو فيما إذا وجد رجلاً مع امرأة لا تحل له قبل أن يزني بها فهذا لا يحل قتله إذا علم أنه ينزجر بغير القتل سواء كانت أجنبية عن الواجد أو زوجة له أو محرماً منه، أما إذا وجد يزني بها فله قتله مطلقاً. (الدر المختار مع فتاوى الشامى: ۴/ ۶۲، مطلب يكون التعزير بالقتل، سعيد). والله تعالى أعلم۔

تعزیراً بایکاٹ (حقہ پانی بند کرنا) کا حکم:

سوال: ہمارے بعض علاقوں میں یہ عمل درآمد ہے کہ اگر کسی سے کوئی جرم صادر ہو جائے، تو بطور تعزیر قبیلہ والے اور محلہ کے لوگ اس سے بایکاٹ کرتے ہیں، اور عرف میں یہ کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ پانی حقہ بند ہے، اور بسا اوقات اس کو مسجد میں نماز سے اور جنازہ میں شرکت سے بھی روکتے ہیں، کیا شرعاً اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب: بطور تعزیر بایکاٹ جائز اور درست ہے، لیکن مسجد میں نماز باجماعت وغیرہ سے روکنا جائز نہیں ہے، شریعت مطہرہ میں بہت سے ایسے واقعات دستیاب ہوتے ہیں جن سے بایکاٹ کا ثبوت ملتا ہے لیکن مسلمانوں کے اجتماعی عبادتی امور مثلاً مسجد میں نماز باجماعت یا جنازہ وغیرہ میں شرکت سے روکنا ثابت نہیں ہے۔

ملاحظہ فرمائیں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذَكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا﴾ (سورة البقرة، الآية: ۱۱۴)۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ کے تحت حضرت مفتی محمد شفیع صاحب معارف القرآن میں تحریر فرماتے ہیں:

مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ مسجد میں ذکر و نماز سے روکنے کی جتنی بھی صورتیں ہیں وہ سب ناجائز اور حرام ہیں، ان میں سے ایک صورت تو یہ کھلی ہوئی ہے ہی کہ کسی کو مسجد میں جانے سے یا وہاں نماز و تلاوت سے صراحۃً روکا جائے۔ (معارف القرآن: ۱/۲۹۹)۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے دو ساتھی جن سے بایکٹ کیا گیا تھا اور جن کے بارے میں آیت کریمہ: ﴿وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ﴾ نازل ہوئی تھی، پھر بھی ان کو نماز پنجگانہ باجماعت ادا کرنے سے نہیں روکا گیا تھا، ملاحظہ فرمائیں بخاری شریف کی روایت میں ہے:

... وَأَمَّا أَنَا فَيَكُنْتُ أَخْرَجُ فَأَشْهَدُ الصَّلَاةَ مَعَ الْمُسْلِمِينَ وَأَطُوفُ فِي الْأَسْوَاقِ وَلَا يَكْلَمُنِي أَحَدٌ... الخ. (رواہ البخاری: ۲۰/۶۳۵، حدیث کعب رضی اللہ عنہ)۔

احادیث مبارکہ سے بایکٹ کا ثبوت:

(۱) حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے دو ساتھیوں کے ساتھ ۵۰ دن تک بایکٹ کیا گیا۔ ملاحظہ فرمائیں بخاری شریف میں ہے:

... فَلَبِثْتُ بَعْدَ ذَلِكَ عَشْرَ لَيَالٍ حَتَّىٰ كَمَلْتُ لَنَا خَمْسُونَ لَيْلَةً مِنْ حِينَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كَلَامِنَا... (رواہ البخاری: ۲/۶۳۶)۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اپنے بھتیجے سے ترک کلام فرمایا۔ ملاحظہ ہوا بن ماجہ میں ہے:

عن سعيد بن جبیر رضی اللہ عنہ عن عبد الله بن مغفل رضی اللہ عنہ أنه كان جالساً وإلى جنبه ابن أخ له فحذف فنهاه وقال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عنها، وقال: إنها لا تصيد صيداً ولا تنكى عدواً وإنها تكسر السن وتفقأ العين، قال: فعاد ابن أخيه يحذف، فقال: أحدثك أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عنها عدت ثم تحذف لا أكلمك أبداً. (رواه ابن ماجه: ص ۳)۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریوں کے مارنے سے منع فرمایا کہ ان سے نہ شکار ہوتا ہے نہ دشمن

زخمی ہوتا ہے ہاں کسی کا دانت توڑ گی یا آنکھ پھوڑ گی، راوی کہتے ہیں کہ ان کے کے بھتیجے نے پھر مارنا شروع کیا تو حضرت عبداللہ بن مغفل ؓ نے فرمایا میں کہتا ہوں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریوں سے منع فرمایا اور تم مارتے ہو میں تم سے کبھی بات نہیں کروں گا۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے اپنے بیٹے سے ترک کلام فرمایا۔ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف میں

روایت ہے:

عن مجاهد عن عبد الله بن عمر ؓ أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا يمنعن رجل أهله أن يأتوا المساجد فقال ابن عبد الله بن عمر ؓ: فإننا لنمنعهن، فقال عبد الله: أحدثك عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وتقول هذا، قال: فما كلمه عبد الله حتى مات. (رواه أحمد، مشکوٰۃ شریف: ۹۷/۱).

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی اپنی بیوی کو مسجد سے نہ روکے تو حضرت عبداللہ ابن عمر ؓ کے ایک بیٹے نے کہا ہم تو منع کریں گے، حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے فرمایا میں حدیث سنا تا ہوں اور تم یہ بات کہتے ہو، راوی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر ؓ نے وفات تک اپنے بیٹے سے بات نہیں کی۔

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عبداللہ ابن زبیر ؓ کے ساتھ ترک کلام فرمایا۔

... أن عائشة رضي الله تعالى عنها حدثت أن عبد الله بن الزبير قال في بيع أو عطاء أعطيته عائشة رضي الله تعالى عنها والله لتنهين عائشة أو لأحجرن عليها، فقالت: أهو قال هذا، قالوا: نعم، قالت: هو لله علي نذر أن لا أكلم ابن الزبير أبداً فاستشفع ابن الزبير ؓ إليها حين طالت الهجرة... الخ. (رواه البخاری: ۸۶۷/۲، کتاب الادب، باب الهجرة).

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زیادہ سخاوت کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ نے کہا کہ اگر اس سے باز نہ آئے تو میں ان پر پابندی لگا دوں گا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو معلوم ہوا دریافت کیا کہ کیا اس نے ایسا کہا میں منت مانتی ہوں کہ ابن زبیر سے کبھی بات نہیں کروں گی، پھر حضرت عبداللہ

بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بڑی مشکل سے راضی کیا۔
مشکوٰۃ شریف میں ہے:

عن أبي أيوب الأنصاري رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يحل للرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال. (مشکوٰۃ شریف: ۲/۴۲۷، باب ما ينهى من التهاجر).
حدیث بالا کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولا يجوز فوقها إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالى، فيجوز فوق ذلك، وفي حاشية السيوطي على المؤطا: قال ابن عبد البر... وأجمع العلماء على أن من خاف من مكالمة أحد وصلته ما يفسد عليه دينه، أو يدخل مضرة في دنياه يجوز له مجانته وبعده... وإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات ما لم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق فإنه صلى الله عليه وسلم لما خاف على كعب بن مالك رضی اللہ عنہ وأصحابه النفاق حين تخلفوا عن غزوة تبوك أمر بهجرانهم خمسين يوماً... (مرقات المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ۹/۲۶۲).

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

... ایسے لوگوں کے ساتھ اگر عام مسلمان کچھ دنوں کے لیے بطور تنبیہ تعلقات منقطع کر لیں اور اس کو اپنے حقہ پانی میں شریک نہ کریں، بیاہ شادی میں اس کے شریک نہ ہوں تو یہ جائز ہے، بلکہ مستحسن ہے، کما فی اتحاد البصائر فی ترتیب الأشباه والنظائر: ص ۹۲. (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۲۸).

مزید ملاحظہ ہو: (احسن الفتاویٰ: ۵/۵۲۹۔ فتاویٰ محمودیہ: ۱۸/۵۰۷)۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

شریعتِ مطہرہ میں تادیب کا حکم:

سوال: شریعتِ مطہرہ میں بیوی بچوں، اور شاگردوں کی پٹائی کی گنجائش ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس حد تک؟

الجواب: حدودِ شریعت کا لحاظ رکھتے ہوئے بعض صورتوں میں تادیبِ پٹائی کی گنجائش ہے۔

☆ تأدیب الزوجة: (زوجہ کی سرزنش کا حکم)۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿وَالَّتِي تَخَافُونَ نشوزهن فعظوهن واهجروهن فی المضاجع واضربوهن﴾ (سورة

النساء، الآية: ۳۴)۔

یعنی عورتوں کی طرف سے نافرمانی کا صدور یا اندیشہ ہو تو، پہلا درجہ ان کی اصلاح کا یہ ہے کہ نرمی سے ان کو سمجھاؤ اور اگر وہ محض سمجھانے بجھانے سے باز نہ آئیں، تو دوسرا درجہ یہ ہے کہ ان کا بستر اپنے بستر سے علیحدہ کر دو، تاکہ وہ اس علیحدگی سے شوہر کی ناراضگی کا احساس کر کے اپنے فعل پر نادم ہو جائیں، اور جدائی صرف بسترہ میں ہو، مکان کی جدائی نہ کرے اس میں رنج زیادہ ہوگا، اور فساد بڑھنے کا اندیشہ بھی اس میں زیادہ ہے،... اور جو اس شریفانہ سزا و تنبیہ سے بھی متاثر نہ ہو تو پھر اس کو معمولی مار مارنے کی بھی اجازت ہے، جس سے اس کے بدن پر اثر نہ پڑے، اور ہڈی ٹوٹنے یا زخم لگنے تک نوبت نہ آئے، اور چہرہ پر مارنے کو مطلقاً منع فرما دیا گیا ہے۔ (معارف القرآن، از مفتی محمد شفیع صاحب، ۲/۳۹۹)۔

قاموس الفقہ میں ہے:

قرآن کی اس ہدایت سے معلوم ہوا کہ ایک تو جسمانی سرزنش کی اجازت اسی وقت ہے جب نصیحت اور وقتی طور پر بستر کی علیحدگی عورت کی اصلاح کے لیے نا کافی ثابت ہو، اگر اصلاح سے کام چل جائے تو ہرگز ہاتھ نہ اٹھائے۔ (قاموس الفقہ: ۳/۳۰۸)۔

احادیث ملاحظہ فرمائیں:

عن ایاس بن عبد اللہ بن ابی ذئاب قال: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لا تضربوا إماء اللہ فجاء عمر رضی اللہ عنہ إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال: ذئرن النساء علی أزواجهن فرخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ضربهن فأطاف بآل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نساء کثیر یشکون أزواجهن فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لقد طاف بآل محمد نساء کثیر یشکون أزواجهن لیس أولئک بخیار کم۔ (رواہ ابو داود: ۱/۲۹۲،

باب ضرب النساء - والنسائی وابن ماجہ).

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: ما ضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم خادماً له ولا امرأة ولا ضرب بيده شيئاً. وعن عبد الله بن زمعة رضي الله عنه قال: خطب النبي صلى الله عليه وسلم... ثم قال: إلى ما يجلد أحدكم امرأته جلد الأمة ولعله أن يضاجعها من آخر يومه. (رواه ابن ماجه: ۱۴۲، باب ضرب النساء).

معلوم ہوا کہ بدرجہ مجبوری بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زوجہ کی پٹائی کو پسند نہیں فرمایا، ہاں نشوز کے وقت ہلکی پٹائی کی گنجائش ہے اور اس پر مؤاخذہ نہیں ہے۔
ملاحظہ فرمائیں حدیث شریف میں ہے:

عن الأشعث بن قيس قال ضفت عمر رضي الله عنه ليلة فلما كان في جوف الليل قام إلى امرأته يضربها فحجزت بينهما فلما آوى إلى فراشه، قال لي: يا أشعث احفظ عني شيئاً سمعته عن رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يسأل الرجل فيما ضرب امرأته. (رواه ابن ماجه ص ۱۴۲).
قال في انجاح الحاجة: قوله فيما يضرب امرأته أي إذا راعى شرط الضرب وحدوده.
(انجاح الحاجة: ۱۴۲).

جن صورتوں میں زوجہ کو مارنے کی گنجائش ہیں من جملہ چند حسب ذیل درج ہیں:

قال في تنوير الأبصار: يعزر المولى عبده والزوج زوجته على تركها الزينة وغسل الجنابة، والخروج من المنزل وترك الإجابة إلى الفراش، وقال في الدر المختار: ويلحق بذلك ما لو ضربت ولدها الصغير عند بكائه أو ضربت جاريته غيرة ولا تتعظ بوعظه أو شتمته ولو بنحو ياحمار أو ادعت عليه أو مزقت ثيابه أو كلمته ليسمعها أجنبي أو كشفت وجهها لغير محرم أو كلمته أو شتمته أو أعطت مالم تجر العادة به بلا إذنه والضابط: كل معصية لا حد فيها فللزوجة والمولى التعزير. وقال الشامي: لكن على القول بأنه لا يضربها لترك الصلاة يخص الجواز بما لا تقتصر منفعة عليها. (الدر المختار مع فتاوى الشامي: ۷۷/۴، باب

فتاویٰ لکھنؤ میں ہے:

الاستفسار: هل يجوز للزوج أن يضرب امرأته في خصلة من الخصال؟

الاستبشار: نعم، قالوا: يجوز له أن يضربها في أربعة أمور وما في معناها، أحدها: - على ترك الزينة للزوج. وثانيها: - على عدم إجابتها إذا دعاها إلى فراشه، وهي طاهرة من الحيض والنفاس. وثالثها: - على خروجها من منزلها بغير إذنه. ورابعها: - على ترك الصلاة، وترك الغسل من الجنابة، كذا في مجمع البركات عن القنية. ثم الضرب على ترك الصلاة رواية، وعليه مشى في الكنز تبعاً للكثيرين وفي النهاية تبعاً للحاكم: أنه لا يجوز لأن المنفعة لا تعود إليه، ومعنى قولهم: وما في معناها: أنها إذا ارتكبت معصية ليس لها في الشرع تعزير مقرر له أن يضربها فيها، فيجوز إذا ضربت جارية زوجها غيره، ولم تتعظ بوعظه له أن يضربها، كما في القنية. وينبغي أن يلحق به ما إذا ضربت الولد الذي لا يعقل عند بكائه، لأن ضرب الدابة إذا كان ممنوعاً، فهذا أولى، منه: ما إذا شتمته أو مزقت ثيابه، أو أخذت لحيته أو قالت له: يا حمار، يا أبله، ونحوه. ومنه: ما إذا كشفت وجهها لغير محرم، ومنه: ما إذا شتمت أجنبياً، ومنه ما إذا أسمعت صوتها للأجنبي. كذا في البحر الرائق: ۵/۵۳، في فصل التعزير. (نفع المفتى والسائل ص ۴۰۹-۴۱۰، ما يتعلق بالطاعة الزوجات للزوج).

وعن جابر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ... فاضربوهن ضرباً غير

مبرح. (رواه مسلم: ۳۹۷/۱).

قال الفقهاء: هو أن لا يكسر فيها عضواً ولا يؤثر فيها شيئاً. (ابن كثير: ۵۳۸/۱).

وعن معاوية بن حيدة القشيري عن أبيه قال: يا رسول الله! ما حق زوجة أحدنا عليه؟

قال: أن تطعمها إذا طعمت وتكسوها إذا اكتست ولا تضرب الوجه ولا تقبح ولا تهجر إلا

في البيت. (رواه أبو داود: ۲۹۱/۱، باب حق المرأة على زوجها).

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے صرف مسواک سے سرزنش کی اجازت دی ہے۔ (قاموس الفقہ: ۳/۳۰۹).

☆ تأدیب الأولاد الصغار : (نابالغ اولاد کی سرزنش کا حکم)

مولانا خالد سیف اللہ فرماتے ہیں کہ بچوں کی سرزنش میں بھی ان حدود و قیود کی رعایت ضروری ہے جو بیوی کی سرزنش کے سلسلہ میں مذکور ہوئیں، اگرچہ اعتدال سے تجاوز کیا جائے تو سرزنش کرنے والا خود لائق سرزنش ہے۔ (قاموس الفقہ: ۳/۳۰۹)۔

درمختار میں ہے:

ومنہ ای (من المباح) ضرب الأب ابنه تأديباً أو الأم أو الوصي ومن الأول (أى الواجب) ضرب الأب أو الوصي أو المعلم بإذن الأب تعليمًا فمات لاضمان... ومحله فى الضرب المعتاد، وفى الشامية: قوله بإذن الأب أى أو بإذن الوصي ولو ضرب بغير إذنهما يضمن، قوله ومحله فى الضرب المعتاد أى كماً وكيفاً ومحلاً فلو ضربه على الوجه أو على المذاكير يجب الضمان بلا خوف ولو سوطاً واحداً لأنه إتلاف. (الدرالمختار مع فتاوى الشامى: ۶/۵۶۶، سعید)۔

وفى الدرالمختار: وإن وجب ضرب ابن عشر عليها بيد لا بخشبة. وقال الشامى: ولا يجاوز الثلاث وكذلك المعلم ليس له أن يجاوزها... وظاهره أنه لا يضرب بالعصا فى غير الصلاة أيضاً. (الدرالمختار مع فتاوى الشامى: ۱/۳۵۲، كتاب الصلاة، سعید۔ ۴/۷۸، سعید)۔

وعن أبي بردة رضی اللہ عنہ قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يقول: لا يجلد فوق عشر جلدات إلا فى حد من حدود الله. (رواه البخارى: ۲/۱۰۱۲)۔
فتح الباری میں ہے:

الصواب فى الجواب أن المراد بالحدود هنا الحقوق التى هي أوامر الله ونواهيه وهي المراد بقوله: ومن يتعد حدود الله فأولئك هم الظالمون، فلا يزداد على العشر فى التأديبات التى لا تتعلق بمعصية كتأديب الأب ولده الصغير. (فتح البارى: ۱۲/۱۷۸)۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی پردس سے زائد کوڑوں کی سزا دی جاسکتی ہے کسی انسانی قانون کی خلاف

ورزی پر ایسی سخت سزا نہیں دینا چاہئے۔

شرح عمدۃ الاحکام میں ہے:

المراد جلد التأديب كان يؤدب الرجل ولده أو يؤدب خادمه أو يؤدب زوجته. (عمدة الاحکام: ۷۰/۸).

محمد بن صالح العثیمین سلفی سعودی شرح ریاض الصالحین میں لکھتے ہیں:

قوله صلى الله عليه وسلم: "اضربوهم عليها وهو ابناء عشرين" المراد الضرب الذي يحصل به التأديب بلا ضرر، فلا يجوز للأب أن يضرب أولاده ضرباً مبرحاً، ولا يجوز أن يضربهم ضرباً مكرراً لا حاجة إليه بل إذا احتاج إليه مثل ألا يقوم الولد للصلاة إلا بالضرب فإنه يضربه ضرباً غير مبرح، بل ضرباً معتاداً، لأن النبي صلى الله عليه وسلم إنما أمر بضربهم لا لإيلاهم ولكن لتأديبهم وتقويمهم، وفي هذا الحديث: إشارة إلى أن ما ذهب إليه بعض المتأخرين ممن يدعون أنهم أصحاب تربية من أن الصغار لا يضربون في المدارس إذا أهملوا، ففي هذا الحديث الرد عليهم، وهو دليل على بطلان فكرتهم، وإنها غير صحيحة، لأن بعض الصغار لا ينفعهم الكلام في الغالب، ولكن الضرب ينفعهم أكثر، فلو أنهم تركوا بدون ضرب لضيعوا الواجب عليهم وفرطوا في الدروس وأهملوا، فلا بد من ضربهم ليعتادوا النظام... إلا أنه كما قلنا لا بد أن يكون الضرب للتأديب لا للإيلاهم والإيجاع فيضرب ضرباً يليق بحاله، ضرباً غير مبرح. (شرح رياض الصالحين: ۱/۶۸۶، ۲/۳۰، دار السلام).

حضرت مفتی محمود حسن صاحب فرماتے ہیں:

چھوٹے بچوں کو بغیر چھڑی وغیرہ کے صرف ہاتھ سے وہ بھی ان کے تحمل کے موافق تین چپت تک مار سکتا ہے وہ بھی سر اور چہرے کو چھوڑ کر یعنی گردن اور کمر پر، اس سے زیادہ کی اجازت نہیں ورنہ بچے قیامت میں قصاص لیں گے، بچوں پر نرمی اور شفقت کی جائے، اب پیٹنے کا دور تقریباً ختم ہو گیا اس کے اثرات اچھے نہیں

ہوتے بچے بے حیا اور نڈر ہو جاتے ہیں مار کھانے کے عادی ہو کر یاد نہیں کرتے، بلکہ اکثر تو پڑھنا ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۳۹/۱۳، مہوب و مرتب)۔

☆ تأدیب الأولاد الکبار :

بالغ اولاد کو بھی مارنے کی گنجائش ہے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف کی روایت میں ہے:

فقال أبو بکر رضی اللہ عنہ: أحبست رسول الله صلى الله عليه وسلم والناس ليسوا على ماء وليس معهم ماء، فقالت عائشة رضي الله تعالى عنها فعاتبني أبو بکر رضی اللہ عنہ وقال: ما شاء الله أن يقول وجعل يطعنني بيده في خاصرتي. (رواه البخاری: ۴۸/۱، باب التيمم)۔

قال العيني: فيه تأديب الرجل ابنته ولو كانت متزوجة كبيرة خارجة عن بيته ويلتحق بذلك تأديب من له تأديبه وإن لم يأذن له الإمام. (عمدة القاری: ۱۹۷/۳)۔ علامہ شامی فرماتے ہیں:

والأب يعزر الابن عليه أى على ترك الصلاة... والظاهر أن المراد بالابن الصغير أما الكبير فكالأجنبي نعم قدم الشارح فى الحضانة عن البحر أنه إذا لم يكن مأموناً على نفسه فله ضمه لدفع فتنة أوعار وتأديبه إذا وقع منه شيء. (فتاوى الشامى: ۷۸/۴، سعید)۔ احسن الفتاوى میں ہے:

بالغ اولاد کو بھی تعزیر دی جاسکتی ہے بلکہ والد نہ ہو تو دوسرے اقارب بھی تعزیر دے سکتے ہیں... الظاهر أن الجد كذلك بل غيره من العصابات كالأخ والعم... (رد المحتار: ۲/۶۹۷)۔ استاذ اپنے شاگردوں کو تعزیر دے سکتا ہے شاگرد خواہ بالغ ہو یا نابالغ، نابالغ کو اس لیے کہ اس کے ولی نے استاذ کو تأدیب کا مالک بنا دیا ہے اور بالغ کو اس لیے کہ اس نے خود استاذ کو اس کا اختیار دیا ہے۔ (احسن الفتاوى: ۵۰۸/۵)۔ واللہ اعلم۔

تادیب میں دست و پا توڑنے پر تاوان کا حکم:

سوال: اگر معلم نے پٹائی کے وقت بچے کا ہاتھ یا پاؤں توڑ دیا تو تاوان آئے گا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ اگر والد کی اجازت سے پٹائی کی تھی تو تاوان لازم نہیں ہوگا، اور اگر بغیر اجازت کے پٹائی کی تو تاوان آئے گا، اور یہ حکم اس وقت ہے جب کہ معتاد طریقے پر پٹائی کرے اگر غیر معتاد طریقے پر پٹائی کرے تو بہر صورت تاوان آئے گا۔
ملاحظہ فرمائیں مجمع الضمانات میں ہے:

المعلم إذا ضرب صبياً، أو الأستاذ المحترف إذا ضرب التلميذ، قال أبو بكر محمد بن الفضل رحمه الله: إن ضربه بأمر أبيه أو وصيه ضرباً معتاداً في الموضع المعتاد لا يضمن، وإن ضربه غير معتاد ضمن. فإن ضربه بغير أمر أبيه أو وصيه فمات، ضمن تمام الدية في قولهم، سواء ضربه معتاداً، أو غير معتاد، من فصل البقار من قاضيخان. (مجمع الضمانات: ۱/۱۵۹، النوع الثامن عشر، دارالسلام).

درمختار میں ہے:

ضرب الأب أو الوصي أو المعلم بإذن الأب تعليمًا فمات لا ضمان... ومحلّه في الضرب المعتاد وأما غيره فموجب للضمان وفي الشامية: قوله بإذن الأب أي أو بإذن الوصي ولو ضرب بغير إذنهما يضمن... قوله ومحلّه في الضرب المعتاد أي كما وكيفاً ومحلّاً فلو ضربه ولي الوجه أو على المذاكير، يجب الضمان بلا خوف ولو سوطاً واحداً لأنه إتلاف. (الدر المختار: مع فتاوى الشامی: ۶/۵۶۶، باب القود في مادون النفس، سعيد).

حاشیة الطحطاوی میں ہے:

الوصي والزوج إذا ضرب اليتيم أو زوجته تأديباً وكذا المعلم إذا ضرب الصبي بإذن الأب أو الوصي لتعليم القرآن أو عمل آخر مثل ما يضرب فيه لا يضمن هو ولا الأب والوصي

بالإجماع... ولو ضرب المعلم بدون إذنه فمات يضمن. (حاشية الطحطاوى على الدر المختار: ۴/ ۲۷۵، باب القود في ما دون النفس). واللہ تعالیٰ اعلم۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى:

﴿فَمَنْ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ

بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ﴾.

وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ:

”لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ فِي الْإِسْلَامِ“

بَاب.....﴿۳﴾

احکامِ الضمان

باب ﴿۳﴾

احکامِ الضمان

موٹر کار کے گھوڑے کے ساتھ ٹکرائے پر تاوان کا حکم:

سوال: ایک شخص بڑے راستے پر موٹر کار چلا رہا تھا رات کے وقت اس کو معلوم نہیں تھا کہ راستے پر ایک گھوڑا نکلا ہوا ہے اور راستے کھلا تھا روڈ کے کناروں پر باڑھ نہیں تھا، موٹر کار گھوڑے سے ٹکرائی اور گھوڑا زخمی ہو گیا، اب قصور وار کون ہے؟ اور تاوان کس پر آئے گا؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ اگر صاحبِ سیارہ کا قصور ہے تو اس پر تاوان آئے گا۔

مفتی محمد تقی صاحب تکریم فیہ فیہ فرماتے ہیں:

إن جنایة البهیمة لا تخلو من حالین إما أن تكون متفلتة لیس معها أحد أو یکون معها راکب أو سائق أو قائد فإن كانت منفلتة لیس معها أحد فأتلفت شیئاً فلا ضمان علی صاحبها عند الحنفیة مطلقاً سواء کان الوقت وقت النهار أو وقت اللیل عملاً بإطلاق حدیث الباب... و ذکر شیخنا التهانوی فی إعلاء السنن: (۲۴۲/۱۸) عن الطحاوی: أن تحقیق مذهب أبی حنیفة أنه لا ضمان إذا أرسلها مع حافظ وأما إذا أرسلها من دون حافظ

ضمن، والخلاصة أن الحكم عند أبي حنيفة لا يدور مع النهار أو الليل وإنما يدور على التقصير في الحفظ فإن قصر المالك في حفظ البهيمة بالنهار ضمن، وإن لم يقصر بالليل لم يضمن وحمل حديث ناقة البراء على التقصير في الحفظ واستدل شيخنا التهانوي لمذهب أبي حنيفة بما أخرجه الدارقطني عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ما أصابت الإبل بالليل ضمن أهلها وما أصابت بالنهار فلا شيء فيه، وما أصابت الغنم بالليل والنهار غرم أهلها قال شيخنا: ويدل إيجاب الضمان على أهل الغنم بالليل والنهار على أنه لا دخل للنهار في إسقاط الضمان وإنما بنائه على عدم التقصير ولما كان حفظ الغنم متيسراً دل إفسادها على ترك الحفظ من الرعاة بخلاف الإبل فإن ضبطها متعسر، هذا هو الفرق... ثم لم يذكر الفقهاء حكم السيارة لعدم وجودها في عصرهم والظاهر أن سائق السيارة ضامن لما أتلفته في الطريق سواء أتلفته من القدام أو من الخلف ووجه الفرق بينها وبين الدابة على قول الحنفية إن الدابة متحركة بإرادتها فلا تنسب نفحتها إلى راكبها بخلاف السيارة فإنها لا تتحرك بإرادتها فتنسب جميع حركاتها إلى سائقها فيضمن جميع ذلك، والله سبحانه وتعالى أعلم. (فتح الملهم: ۲/۵۲۱، ۵۲۳، احكام جنایة البهيمة).

مزید ملاحظہ ہو: (اسلامی فقہ ۲/۶۴۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کار کے تصادم یا الٹنے پر تاوان کا حکم:

سوال: اگر ڈرائیور کار یا بس چلا رہا تھا اور اس کی کوئی چیز ٹوٹ گئی یا کار یا بس الٹ گئی یا کسی دوسری کار یا بس کے ساتھ تصادم ہو گیا اور اندر بیٹھے ہوئے کچھ لوگ زخمی ہو گئے یا مر گئے اور ڈرائیور بچ گیا تو تاوان یا دیت وغیرہ لازم ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ اگر ڈرائیور نے قصداً کوئی زیادتی کی مثلاً غلط راستہ اختیار کیا اور الٹ گئی

یا بہت زیادہ تیز چلا رہا تھا مثلاً ۲۰۰ سے زیادہ اسپید پر یا بالکل بے پرواہی سے چلا رہا تھا تو ان تمام صورتوں میں ڈرائیور ذمہ دار ہوگا، اور اسی پر تاوان آئیگا، لیکن اگر ایسا نہیں تھا بلکہ ڈرائیور اپنی پوری ذمہ داری سے چلا رہا تھا اور ناگہانی طور پر کوئی حادثہ پیش آگیا تو ڈرائیور اس کا ذمہ دار نہیں ہے، اور اس پر کسی قسم کا تاوان نہیں آئیگا، ہاں اگر باہر کسی آدمی کو ٹکرا کر ہلاک کر دیا تو پھر دیت واجب ہوگی۔

ان مسائل کو مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب نے تفصیل سے بیان کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

بے جان سوار یوں مثلاً سائیکل موٹر، ریل ہوائی جہاز وغیرہ کا حکم یہی ہے کہ خواہ قصداً اس سے کوئی مالی نقصان پہنچے یا غفلت کی وجہ سے بغیر قصد کے اس کا تاوان سواری کے مالک سے نہیں بلکہ ڈرائیور، کنڈکٹر یا گارڈ سے لیا جائیگا، مثلاً سگنل کے بغیر گاڑی اسٹیشن پر لے آیا اور گاڑی لڑ گئی، یا کاریابس کو ڈرائیور غلط سائڈ سے لے جا رہا تھا یا جو اسپید مقرر ہے اس سے تیز چلا رہا تھا تو ان صورتوں میں اسی پر مالی نقصان کی ذمہ داری ہوگی البتہ کوئی دوسرا شخص سواری کے آگے کوئی اینٹ یا پتھر ڈال دے اور وہ اسے نہ دیکھ سکے اور حادثہ پیش آجائے یا کوئی پیدل آدمی غلط راستہ چل رہا تھا اور اس کو موٹر سائیکل سے دھکا لگ گیا یا اچانک سواری کے سامنے کوئی لیٹ جائے تو ایسی صورت میں ڈرائیور یا مالک یا حکومت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، لیکن اگر موٹر ریل اتفاق سے لڑ جائے یا ہوائی جہاز حادثہ کا شکار ہو جائے یا کسی انسان یا بہت سے انسانوں کی جان چلی جائے تو اس جانی نقصان کی ذمہ داری ڈرائیور یا پائلٹ پر نہیں ہوگی بلکہ وہ کمپنی یا حکومت پر ہوگی اس لیے ایسے اتفاقی حادثات کی دیت (خون بہا) کی ذمہ داری فقہاء عاقلہ پر ڈالتے ہیں، ابتدائے اسلام میں اہل دیوان یعنی ایک صنف کے لوگوں کے لیے جور جسر ہوتا تھا وہ سب ایک دوسرے کے عاقلہ تھے پھر اس کے بعد خاندان اور قبیلہ و برادری وغیرہ پر اس کی ذمہ داری ڈالی گئی لیکن اب یہ صورت بھی بدل گئی ہے اب کمپنی کا رخانہ اور حکومت پر یہ ذمہ داری ہونی چاہئے فقہاء نے اسے قتل خطا پر محمول کیا ہے کمپنی یا کارخانہ دار یا حکومت ڈرائیور و پائلٹ کو سزا تو دے سکتی ہے لیکن ان پر دیت یعنی خون بہا کی ذمہ داری نہیں ڈال سکتی، بہر حال یہ نئے مسائل ہیں ان پر علماء کو مزید غور کرنے کی ضرورت ہے۔

(اسلامی فقہ، ۶۳۲/۲ تا ۶۳۳)۔

مجمع الضمانات میں ہے:

لو اصطدم فارسان حران فماتافعلی العاقلة كل واحد منهما الدية للآخرى كما في الهداية، قال في الإصلاح والإيضاح وههنا شرط مذکور فی الفتاوی الظہیریة وهو أن يقع كل واحد منهما على قفاه... و شرط آخر مذکور فی المحيط وهو أن لا يكونا عامدين في ذلك الاصطدام فإنهما لو كانا عامدين فيه ضمن كل نصف الدية للآخر... ولو اصطدم دابتان فعطبت إحداهما ولكل منهما سائق فضمن التي عطبت على الآخر، من قاضیخان.

(مجمع الضمانات: ۱/ ۴۲۳، الفصل الخامس فی جنایة البهيمه، للعلامة ابی محمد البغدادی، والهداية: ۴/ ۳۴۸)

وانظر للاستزادة: (تكملة فتح الملهم، حكم السيارة: ۲/ ۵۲۳). واللہ تعالیٰ اعلم۔

بلا قصور جانور ہلاک ہو جانے پر تاوان کا حکم:

سوال: اگر گاڑی چلانے والے کی غلطی نہ ہو بلکہ دابہ یا اس کے مالک کی غلطی ہے کہ راستہ بند ہے پھر بھی جانور چلا گیا اور گاڑی میں ہلاک ہو گیا تو تاوان آئے گا یا نہیں؟

الجواب: بصورت مسئلہ اگر صاحب سيارہ کا قصور نہ ہو بلکہ صاحب دابہ کا قصور ہو کہ صاحب سيارہ دابہ کے بچانے سے قاصر تھا، تو اس پر تاوان نہیں آئے گا۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ومن سار على دابة في الطريق فضربها رجل أو نخسها فنفحت رجلا أو ضربته بيدها أو نفرت فصدمة فقتلته كان ذلك على الناحس دون الراكب هو المروي عن عمر رضي الله عنه وابن مسعود رضي الله عنه ولأن الراكب والمركب مدفوعان بدفع الناحس فأضيف فعل الدابة إليه كأنه فعله بيده، ولأن الناحس متعد في تسببه والراكب في فعله غير متعد فيترجح جانبه في التفریم للتعدي. (الهداية ۴/ ۶۱۵، كتاب الديات) وكذا في الدر المختار، ۶/ ۶۰۸، مع الشامي).

وفی الدر المختار: انفلتت دابة بنفسها فأصابت مالا أو آدميا نهارا أو ليلا لا ضمان في الكل لقوله صلى الله عليه وسلم: العجماء جبار أي المنفلتة هدر كما لو جمحت

الدابة به أى بالراكب، ولو سكران ولم يقدر الراكب على ردها فإنه لا يضمن كالمنفلتة لأنه حينئذ ليس بمسير لها فلا يضاف سيرها إليه حتى لو أتلقت إنساناً قدمه هدر عمادية .

(الدر المختار ۶/۶۰۸، باب جناية البهيمه)

احسن الفتاویٰ میں ہے:

جب سواری مستی کی وجہ سے بے قابو ہو جائے، یعنی سوار اس کے روکنے سے عاجز ہو جائے تو سوار پر ضمان نہیں، خواہ جانی نقصان ہو یا مالی، کیونکہ اس صورت میں فعل دابہ سوار کی طرف منسوب نہیں ہوگا... اور یہ حکم اس وقت ہے جب کہ سوار نے گھوڑی کو معتاد رفتار سے چلایا ہو، اور اگر غیر معتاد طور پر چابک وغیرہ لگایا یا سوار نے عمداً اپنی قدرت سے زیادہ رفتار پر چلایا تو اس پر ضمان ہوگا، لہٰذا متعدد کناسخس الدابة . (احسن الفتاویٰ ۸/۵۱۲).

واللہ تعالیٰ اعلم۔

تصادم سیارات سے تاوان کا حکم:

سوال: اگر ایکسڈنٹ اور ٹڈ بھڑ ہو جائے ایک غلطی پر تھا اور دوسرا بے گناہ تھا، جو غلطی پر تھا اس کی کار خراب ہو گئی تو کیا بے گناہ پر تاوان آئیگا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ بے قصور اور بے گناہ پر تاوان نہیں آئے گا، کیونکہ تاوان تعدی اور زیادتی کرنے والے پر ہوتا ہے۔

در مختار میں ہے:

ومن ضرب دابة عليها راكب أو نخسها بعود بلا اذن الراكب فنفحت أو ضربت بيدها شخصا آخر غير الطاعن أو نفرت فصدمته وقتلته ضمن هو أى الناحس لا الراكب . (الدر المختار: ۶/۶۰۸).

وفى الشامية: قوله لا الراكب: لانه غير متعد فترجح جانب الناحس فى التفریم للتعدي وتماه فى الهداية . (فتاویٰ الشامی: ۶/۶۰۸، جناية البهيمه، وكذا فى الهداية ۴/۶۱۵، كتاب الديات).

سیارہ بحکم دابہ ہے، البتہ دونوں میں کچھ فرق ہے:

والظاهر أن سائق السيارة ضامن لما أتلفته في الطريق سواء أتلفته من القدام أو من الخلف، ووجه الفرق بينهما وبين الدابة على قول الحنفية أن الدابة متحركة بإرادتها فلا تنسب نفحتها إلى راكبها بخلاف السيارة فإنها لا تتحرك بإرادتها وتنسب جميع حركاتها إلى سائقها فيضمن جميع ذلك . (تكملة فتح الملهم: ۵۲۳/۲). واللہ تعالیٰ اعلم۔

بلا اجازت کار لے کر ایکسیڈنٹ کرنے پر تاوان کا حکم:

سوال: ایک شخص مثلاً زید نے بکر کو کار پیچھے کرنے کے لئے کہا لیکن وہ بغیر اجازت کے کار کو باہر نکال کر لے گیا، لیجانے والے کے ساتھ ایک اور آدمی عمر بیٹھا تھا، عمر نے بکر سے کہا کہ کار بغیر اجازت کے مت لے جاؤ، لیکن بکر نے بات نہیں سنی، کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا اور مکمل خراب ہو گئی اب ضمان ہے یا نہیں؟ اور کس پر ہے؟ یعنی بکر لے گیا اور عمر نے گاڑی چلائی اور ایکسیڈنٹ ہو گیا، اگر تاوان ہے تو مالک کار لینے والے سے تاوان لیگا یا آخر میں چلانے والے سے یا اس کو اختیار ہے اور اگر چلانے والے سے نہیں لیا بلکہ لینے والے سے لیا تو وہ چلانے والے پر رجوع کریگا یا نہیں؟

الجواب: بصورت مسئلہ مالک کو اختیار ہے جس کو چاہے ضامن بنائے اور تاوان وصول کرے پھر اگر مالک نے اول یعنی کار لیجانے والے کو ضامن بنایا تو کار لیجانے والا دوسرے سے یعنی چلانے والے سے وصول کریگا چونکہ اس نے لے جانے سے منع بھی کیا تھا، اور اگر مالک نے ثانی یعنی چلانے والے مباشر کو ضامن بنایا تو ثانی اول پر رجوع نہیں کرے گا وہ مسبب ہے اس پر ضمان نہیں ہے۔

ملاحظہ فرمائی شرح مجلہ میں ہے:

لو أتلف واحد مال آخر أو نقص قيمته تسبباً يعني لو فعل ما كان سبباً مفضياً إلى تلف مال أو نقصان قيمته كان ضامناً بشرط أن يكون متعمداً أو متعدياً . (ص ۹۲۲)۔

بدائع الصنائع میں ہے:

فلا شک أن الإتيان سبب لوجوب الضمان عند اجتماع شرائط الوجوب لأن إتيان الشيء إخراجاً من أن يكون منتفعاً به منفعة مطلوبة منه عادة وهذا اعتداء وأضرار وقد قال سبحانه وتعالى: فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم . وقال عليه الصلاة والسلام لا ضرر ولا ضرار في الإسلام وقد تعذر نفي الضرر من حيث الصورة فيجب نفيه من حيث المعنى بالضمان ليقوم الضمان مقام المتلف فينتفي الضرر بالقدر الممكن ولهذا وجب الضمان بالغصب فبالإتيان أولى . (بدائع ۱۶۴/۷) .

شرح المجملہ میں ہے:

إذا اجتمع المباشر والمتسبب يضاف الحكم إلى المباشر ... لو فتح باب غيره فدخل آخر وسرق البيت فالضمان على السارق لأنه مباشر لا على فاتح الباب لأنه متسبب وكذا إذا لو دفع إلى صبي سكيناً ليمسكه له فقتل به نفسه لا ضمان على الدافع . قلت : إن عدم إيجاب الضمان في هذه الصورة بالاجتماع أنه تخلل بين فعل فاعل مختار هو ذو عقل . (شرح المحلة، ص ۵۱۴) .

وفى الشامى: غصب شيئاً ثم غصبه آخر منه فأراد المالك أن يأخذ بعض الضمان من الأول وبعضها من الثانى له ذلك سراجية . والمالك بالخيار فى تضمين أيهما شاء وفى الهندية: إن ضمن الأول يرجع الأول على الثانى بما ضمن وإن ضمن الثانى لا يرجع على الأول . (فتاوى الشامى ۱۹۷/۶، سعيد) .

مزید ملاحظہ ہو: (الفتاوى الهندية ۱۲۰/۵، وشرح المحلة، ص ۵۰۸، المادة ۹۱۲، والمادة ۹۲،

ص ۶۰) . واللہ تعالیٰ اعلم۔

بلا قصور گاڑی کے نیچے دب کر مر جانے پر تاوان کا حکم:

سوال: ایک شخص گاڑی چلا رہا تھا کہ غلطی سے تین آدمی ایک ہی وقت میں نیچے دب کر مر گئے۔ اس

شخص پر تاوان اور دیت لازم ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کتنی دیت لازم ہوگی؟ نیز کفارہ ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ کفارہ اور دیت دونوں لازم ہیں لیکن کفارہ میں تداخل ہوگا اور صرف ایک

لازم ہوگا جب کہ دیت حقوق العباد میں سے ہے تو تداخل نہیں ہوگا اس لیے تین دیت ادا کرنا لازم ہوگا۔
ملاحظہ فرمائیں ہدایہ میں ہے:

قال الراكب ضامن لما أوطأت الدابة بيدها أو رجلها أو رأسها أو كدمت أو خبطت

وكذا إذا صدمت. (الهداية: ۴/ ۶۱۰).

إلا أن على الراكب الكفارة فيما أوطأته الدابة بيدها أو برجلها، (الهداية: ۴/ ۶۱۱).

وقتل الخطأ تجب به الدية على العاقلة والكفارة على القاتل. (الهداية: ۴/ ۵۸۴، والحوهرة

النيرة: ۱/ ۱۷۳).

فتاویٰ شامی میں ہے:

والحاصل اننا لم نقل بالتداخل في الحكم في العبادات لما يلزم عليه من

الامر الشنيع وهو ترك العبادة المطلوب تكثيرها مع قيام سببها وجعلنا الكل سبباً واحداً

لدفع ذلك لانه اليق بها اما العقوبات فان مبناها على الدرء والعفو فلا يلزم من تركها مع

قيام سببها الامر الشنيع بل يحصل المقصود منها في الدنيا وهو الزجر بعقوبة واحدة. (فتاویٰ

الشامی: ۲/ ۱۱۵، والبحر الرائق: ۲/ ۱۲۵، والفتاویٰ الهندیة: ۲/ ۲۷۷).

وأما الجناية إذا تعددت بقطع عضوه ثم قتله فانها لا يتداخل فيها إلا إذا كانا خطائين

على واحد... الخ. (الاشباه والنظائر: ۱/ ۳۵۰).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وان كان صاحب الدابة راكباً على الدابة والدابة تسيران وطئت بيدها أو رجلها

يضمن وعلى عاقلته الدية وتلزمه الكفارة. (الفتاویٰ الهندیة: ۶/ ۵۰).

وكفارتهمما أي الخطأ وشبه العمد عتق قن مؤمن فان عجز عنه صام شهرين ولأء ولا

إطعام فيهما إذ لم يرد به النص والمقادير توقيفية. (الدر المختار: ۶/۵۷۴، کتاب الدیات، سعید).

واللہ تعالیٰ اعلم۔

موجودہ دور میں دیت کس پر لازم ہوگی؟

سوال: دیت کس پر لازم ہوگی، جب کہ موجودہ دور میں عاقلہ کا نظام نہیں ہے اور اکثر جگہوں پر قبائلی نظام بھی مفقود ہے؟

الجواب: دیت عاقلہ پر ہے ہاں اگر مجرم اقرار کرے کہ یہ کام میں نے کیا ہے اور عاقلہ نے اس کی تصدیق نہیں کی تو پھر میت کے مال میں ہے۔
ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولا مالزم بصلح أو اعتراف إلى قوله إلا أن يصدقوه في إقراره أو تقوم حجة وإنما قبلت البينة هنا مع الإقرار مع أنها لا تعتبر معه لأنها تثبت مالم يثبت بإقرار المدعى عليه.
(الدر المختار مع الشامی: ۶/۶۴۳، کتاب المعامل، سعید).

عاقلہ ہونے کا دار و مدار آپس میں تعاون اور تناصر پر ہے، لہذا جن لوگوں کے درمیان باہم تعاون و تناصر ہے، وہ اس کی عاقلہ ہے، لہذا جہاں کوئی قبیلہ ہے اور وہ قبائل منظم ہیں، اور ہر شخص کو معلوم ہے کہ اس کا قبیلہ فلاں ہے، تو وہ اس کی عاقلہ ہے، وہ اس کی دیت ادا کرے، اور اگر قبیلہ نہیں ہے، لیکن منظم برادری ہے تو وہ دیت ادا کرے، اور اگر برادری بھی نہیں ہے تو پھر جیسے آج کل ٹریڈ یونین ہوتی ہے اور ان کے درمیان آپس میں تعاون و تناصر ہوتا ہے تو وہ اس کی عاقلہ ہو سکتی ہے، لیکن اگر یہ بھی مفقود ہے تو پھر بہر حال دیت قاتل کے مال میں ہونی چاہئے۔

ملاحظہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

قلت: وفي زماننا بخوارزم لا يكون إلا في مال الجاني إلا إذا كان من أهل قرية أو محلة يتناصرون لأن العشائر فيها قد وهت ورحمة التناصر من بينهم قد رفعت وبيت المال

قد انهدم. (فتاویٰ شامی: ۶/۶۴۵، سعید). واللہ تعالیٰ اعلم۔

آدمی کے نیچے دب کر ہلاک ہونے پر تاوان کا حکم:

سوال: اگر ایک آدمی چھت سے گر گیا اور اس کے نیچے کسی شخص کی مرغی یا بکری ہلاک ہو گئی تو کیا اس گرنے والے پر تاوان لازم ہو گا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ گرنے والے پر تاوان لازم ہو گا، کیونکہ گرنے والا مباشر ہے اور مباشر ضامن ہے اگرچہ بلا تعلق ہو اسی طرح اگر کوئی انسان دب کر مر جاتا تو جاری مجرائے خطا ہوتا اور اس میں کفارہ اور دیت لازم ہوتی ہے البتہ دیت عاقلہ پر ہوتی ہے، اور صورتِ مسئلہ میں مباشر کے مال میں تاوان لازم ہو گا۔
کفایہ شرح ہدایہ میں ہے:

وما أجرى مجرى الخطأ مثل النائم ينقلب على رجل فيقتله فحكمه حكم الخطأ في الشرع لكنه دون الخطأ حقيقة فانه ليس من اهل القصد اصلاً وانما وجبت الكفارة لترك التحرز عن نومه في موضع يتوهم ان يصير قاتلاً والكفارة في قتل الخطأ انما تجب لترك التحرز ايضاً... والذي سقط من سطح فوق وقع على إنسان فقتله أو كان في يده لبنة أو خشبة فسقط ووقع على إنسان فقتله... مثل النائم ينقلب على رجل فيقتله لكونه قتلاً للمعصوم من غير قصد فكان جازياً مجرى الخطأ كذا في الأوضح. (الكفایة شرح الهدایة علی هامش فتح القدیر: ۱۴۸/۹، مكتبة الرشيدة).

ہدایہ میں ہے:

ومن حفر بيراً في طريق المسلمين أو وضع حجراً فتلف بذلك إنسان فديته على عاقلته وإن أُلِفَ بهيمة فضمنانها في ماله.. إن العاقلة تتحمل النفس دون المال فكان ضمان البهيمة في ماله. (الهداية: ۴/۶۰۳)

شرح المجملہ میں ہے:

المباشر ضامن وإن لم يتعمد لأن المباشرة علة للتلف اسماً لإضافة الحكم إليها ومعنى لأنها موثرة فيه ، وحكماً لعدم تراخي الحكم عنها ، فيضمن وإن كان مخطئاً... تعلق برجل وخاصمه ، فسقط من المعلق به شيء فضاع قالوا: يضمن المتعلق وينبغي أن يكون الجواب على التفصيل: إن سقط بقرب من صاحبه وهو يراه وأمكنه أخذه ، لا يكون ضامناً ، وإلا كان ضامناً... صبي بال على سطح فنزل من الميزاب وأصاب ثوباً فأفسده، غرم الصبي (فصولين) لأنه مباشر. (شرح المجلة: ۱/ ۲۵۶، المادة ۹۲). والله أعلم.

طبيب کی غلطی پر تاوان کا حکم:

سوال: ایک ڈاکٹر نے دانت نکالنے میں غلطی کی اور اس کی غلطی ظاہر بھی ہوگئی اس طبیب نے اپنی غلطی کو پوشیدہ رکھنے اور اس پر پردہ ڈالنے کے لئے دس ہزار ریٹڈ مریض کو ادا کئے کیا مریض یہ رقم ڈاکٹر سے لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: جس ڈاکٹر کو قانوناً علاج و معالجہ کی اجازت ہے اس نے اگر کسی مریض کا علاج کیا لیکن اس نے طبی احتیاط ملحوظ نہیں رکھی تو ڈاکٹر مریض کو پہنچنے والے نقصان کا یا اس کی جان کے تاوان کا ضامن ہوگا۔ اس لئے کہ اس نے شرط کی تکمیل نہیں کی، اس کی ذمہ داری تھی کہ مریض کے علاج میں طبی تمام رعایتیں ملحوظ رکھتا، اور اس کے ضروری تقاضوں کو پورا کرتا، لیکن اس نے ایسا نہ کر کے غلطی کی، اس لئے وہ ضمان ہوگا۔ (طبی اخلاقیات، ص ۱۲۸، مرتبہ قاضی مجاہد)۔

ہدایہ میں ہے:

وإذا قصد الفساد أو بزع البزاع ولم يتجاوز الموضع المعتاد فلا ضمان عليه ،

وعلى هامشه ولو تجاوز الموضع المعتاد ضمن. (الهداية مع الحاشية ۳ / ۳۱۰).

مجمع الضمانات میں ہے:

الفساد والبزاع والحجام والختان لا يضمنون بسرية فعلهم إلى الهلاك إذا لم

يجاوز الموضع المعتاد المعهود الماذون فيه وهي معروفة ... قال في الفصولين هذا إذا فعلوا فعلا معتادا ولم يقصروا في ذلك العمل ... أما لو فعلوا بخلاف ذلك ضموا ... استأجر حجاما ليقلع له سنا فقلع فقال صاحب السن: ما أمرت بقلع هذا، كان القول قوله، ويضمن القالع إرش السن. (مجمع الضمانات: ۱/ ۱۴۵، ۱۴۶، الفرع العاشر، دار السلام).
اہم فقہی فیصلہ میں مذکور ہے:

اگر کسی مستند معالج نے علاج میں کوئی کوتاہی کی اور اس کی وجہ سے مریض کو ضرر پہنچ گیا تو معالج ضامن ہوگا۔ (اہم فقہی فیصلے از قاضی مجاہد الاسلام، ص ۸۴)۔

خلاصہ یہ ہے کہ طبیب کی غلطی کی وجہ سے ہزار رینڈ لینا مریض کے لئے جائز اور درست ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم۔

متروک التسمیۃ عمداً کے ہلاک کرنے پر ضمان کا حکم:

سوال: ایک شافعی نے بسم اللہ کے بغیر جانور کو ذبح کیا اور پکایا، ایک حنفی نے غصے میں اس کو گرا کر ضائع کر دیا، کیا حنفی پر تاوان آئے گا یا نہیں؟

الجواب: فقہ کی اکثر کتابوں میں لکھا ہے کہ تاوان نہیں، لیکن بعض محققین نے تاوان لگانے کو تحریر فرمایا ہے، لہذا فتویٰ اسی پر دینا چاہئے۔
ملاحظہ فرمائیں شرح عنایہ میں ہے:

قوله (بخلاف متروک التسمیۃ) یعنی لما أمرنا أن نترك أهل الذمة على ما اعتقدوه من الباطل وجب علينا أن نترك أهل الاجتهاد على ما اعتقدوه مع احتمال الصحة فيه بالطريق الأولى وحينئذ يجب أن نقول بوجوب الضمان على من أتلّف متروک التسمیۃ عامداً لأنه مال متقوم في اعتقاد الشافعي رحمه الله تعالى. (شرح العناية: ۸/ ۲۸۸)۔

مولانا عبدالحی لکھنوی ہدایہ کساشیہ میں فرماتے ہیں:

وہنا بحث وهو أن ولاية المحاجة وإن كانت ثابتة لكننا لا نقطع بخطأ مذهب الشافعية في هذه المسألة كيف والحق دائر بين مذاهب المجتهدين وكلهم آخذون عن ينبوع الشريعة... غاية ما في الباب أن يكون دليل مذهبنا في هذه المسألة أرجح وأقوى وهو لا يستلزم كون مذهبهم خطأ قطعاً خصوصاً إذا كان مذهب الخصم مبنيًا بدليل شرعي عنده وإن كان باطلاً عندنا فثبوت ولاية المحاجة لا يستلزم أن لا يجب الضمان. (حاشية هداية ۳/ ۳۸۵).

وانظر المزيد: (تكملة فتح القدير ۸/ ۲۸۸، مكتبة رشيدية، وحاشية سعدی چلبی ۸/ ۲۸۸، مكتبة

رشيدية).

نیز مولانا عبدالحی لکھنویؒ کی عبارت کی تائید ایک اور مسئلہ سے ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ متروک التسمیہ عائد کی حلت کا فیصلہ نافذ ہوگا یا نہیں؟ علامہ شامیؒ نے فرمایا کہ نافذ ہو جائے گا۔ ملاحظہ ہو:

قلت: لكن قد علمت أن عدم النفاذ في متروك التسمية مبني على أنه لم يختلف فيه السلف وإنه لا اعتبار بوجود الخلاف بعدهم... نعم على ما يأتي من تصحيح اعتبار اختلاف من بعدهم يقوى هذا البحث ويؤيده ما في الخلاصة من أن القضاء بحل متروك التسمية عمداً جائز عندهما لا عند أبي يوسف، وكذا ما في الفتح عن المنتقى من أن العبرة في كون المحل مجتهداً فيه اشتباه الدليل لا حقيقة الخلاف، قال في الفتح ولا يخفى أن كل خلاف بيننا وبين الشافعي أو غيره محل اشتباه الدليل... والذي حققه في البحر أن صاحب الهداية أشار إلى القولين فإنه ذكر أولاً عبارة القدوري وهي وإذا رفع إليه حكم حاكم أمضاه إلا أن يخالف الكتاب أو السنة أو الإجماع وذكر ثانياً عبارة الجامع الصغير وهي وما اختلف فيه الفقهاء ففضي به القاضي ثم جاء قاض آخر يرى غير ذلك أمضاه... والأوجه ما في الجامع ولذا رجحه في الفتح. (فتاوى الشامی: ۵/ ۴۰۰، سعید)

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے ایک قصہ نقل کیا ہے کہ ایک شافعی نے سلطان کی مجلس میں ائمہ احناف کے

سامنے متروک التسمیہ عائد کی حلت کے دلائل بیان کئے... اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں: وظہر أن سکوت جملة الأئمة الحنفية في مجلس السلطان لم يكن لقوة تلك الوجوه ومتانتها بل لأمر آخر وهذا الكلام كان مع الشافعي وتبين منه أن كلامه في هذه المسألة من جهة الاجتهاد، والمسألة من المسائل التي للاجتهاد فيها مجال كسائر الاجتهاديات وليس من القطعيات التي لا مجال فيها للاجتهاد حتى يجعل كلامه فيها من الأباطيل، والقول بأنه مخالف للإجماع ليس بما ينبغي لأن الشافعي أعرف بالإجماع وأهله فلا يظن به أنه خرق الإجماع. (إعلان السنن ۱۷/۶۲)

علامہ سید احمد طحطاوی فرماتے ہیں:

وبحث الأكمل فيه بأنه لما أمرنا أن نترك أهل الذمة على ما اعتقدوه من الباطل وجب علينا أن نترك أهل الاجتهاد على ما اعتقدوه مع احتمال الصحة بالطريق الأولى فحينئذ يجب أن نقول بموجب الضمان على من أتلّف متروك التسمية عمداً لأنه مال متقوم في اعتقاد الشافعي وتماّمه في الحموي. (حاشية الطحطاوی: ۱۱۴/۴). واللہ تعالیٰ اعلم۔

ملازم کی کوتاہی پرتاوان کا حکم:

سوال: بعض ملازم جو پٹرول پمپ پر کام کرتے ہیں بہت بے احتیاطی کرتے ہیں، اور عجلت میں زیادہ ڈالتے ہیں، کیا ان کی اس بے احتیاطی کی وجہ سے ان پرتاوان لازم کر سکتے ہیں؟

الجواب: بصورت مسئلہ ملازم نے غفلت اور بے احتیاطی کی وجہ سے زیادہ پٹرول ڈال دیا تو اس پر تاوان لازم کر سکتے ہیں، لیکن اگر پٹرول کی مشین ہی ایسی ہیں کہ مکمل احتیاط کے باوجود بے اختیار کچھ زیادہ چلا گیا تو ملازم پرتاوان لگانا درست نہیں ہے۔
ملاحظہ فرمائیں شرح المجملہ میں ہے:

لو تلف المستأجر فيه بتعدى الأجير وتقصيره يضمن وتعدى الأجير هو أن يعمل

عملا أو يتصرف تصرفا مخالفاً لمؤمر الموجه صراحة كان أو دلالة . (شرح المحلة ص ۳۲۶)
وتقصير الأجير هو عدم اعتناؤه في محافظة المستأجر فيه بلا عذر . (شرح المحلة، ص

(۳۲۸)

الأجير الخاص أمين حتى أنه لا يضمن المال الذي تلف في يده بغير صنعه وكذا لا يضمن المال الذي تلف بعمله بلا تعد أيضاً . (شرح المحلة، ص ۳۲۹). واللہ تعالیٰ اعلم۔

سامنے رکھی ہوئی چیز توڑنے پر تاوان کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنے سامنے عینک رکھی اور نماز شروع کی آگے سے کوئی آدمی چلتا ہوا نکلا اور اس قیمتی عینک کو پاؤں سے توڑ دیا کیا اس پر تاوان واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بصورت مسئلہ مصلیٰ نماز میں مشغول تھا اور گزرنے والا سجدہ کی جگہ کے اندر سے گزرتے ہوئے توڑ گیا تو تاوان آئیگا کیونکہ گزرنے والے کی تعدی ہے کہ شریعت نے سجدہ کی جگہ میں گزرنے کو منع کیا ہے اور اگر نماز میں مشغول نہیں تھا تو تاوان نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس کو نماز میں مشغول نہ ہونے کی وجہ سے گزرنے کا حق حاصل ہے۔

شرح قواعد الفقہیہ میں ہے:

ما لو تلف بمروره بالطريق العام شيء أو أتلف دابته، بالطريق العام شيئاً، بیدھا أو فمها وهو راكبها أو سائقها أو قائدھا فیضمن لأن مروره وإن كان مباحاً لكنه مقيد بشرط السلامة . (شرح قواعد الفقہیہ، ص ۴۵۰). واللہ تعالیٰ اعلم۔

پنجرہ میں سے پرندہ اڑانے پر تاوان کا حکم:

سوال: ایک شخص کے پاس قفس میں پرندہ تھا دوسرے آدمی نے قفس کے دروازے کو کھول دیا اور

پرنده اڑ گیا اب اس شخص پر تاوان آئے گا یا نہیں؟

الجواب: بصورت مسئلہ ضمان میں اختلاف ہے، امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ تاوان آئے گا اور شیخین کے نزدیک تاوان نہیں آئے گا اور فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے کہ تاوان آئے گا۔
اصول الشاشی میں ہے:

الحکم يتعلق بسببه ويثبت بعلة ويوجد عند شرطه ... مثاله فتح باب الاصطبل والقفص ... فإنه سبب للتلغف بواسطة توجد من الدابة والطيور ... والسبب مع العلة إذا اجتمعما يضاف الحكم إلى العلة دون السبب إلا إذا تعذرت الإضافة إلى العلة فيضاف إلى السبب حينئذ . (اصول الشاشی : ۹۶/۱) .
بدائع الصنائع میں ہے:

ولو فتح باب قفص فطار الطير منه وضاع لم يضمن في قولهما وقال محمدؒ

يضمن . (بدائع الصنائع ۱۶۶/۷) .

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

فتح باب قفص فطار الطير ... لا يضمن عندهما خلافاً لمحمدؒ . (الفتاویٰ البزازیة

۱۷۷/۶ ، والشامی : ۲۱۶/۶) .

شرح الاشباہ والنظائر میں ہے:

يضاف الحكم إلى حفر البئر وشق الزق ، وقطع حبل القنديل ، وفتح باب القفص

على قول محمدؒ وعندهما لا ضمان وفي البزازية الفتوى على قول محمدؒ . (۴۰۶/۱) .

واللہ تعالیٰ اعلم۔

رنگریز کے مالک کی مخالفت کرنے پر تاوان کا حکم:

سوال: رنگریز کو کپڑا رنگنے کے لئے دیا مگر اس نے مالک کے کہنے کے مطابق رنگ نہیں لگایا بلکہ

دوسرا رنگ کر دیا، تو اس پر تاوان لازم آئے گا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ مالک کو دو اختیار ہیں اگر چاہے تو کپڑا رنگریز کے پاس چھوڑ دے اور بے رنگ کپڑے کی قیمت وصول کر لے اور اگر چاہے تو وہی رنگا ہوا کپڑا لے لے اور اجرِ مثل ادا کر دے، لیکن مسمیٰ سے زیادہ نہ دے۔

عالمگیری میں ہے:

ولو أمر رجلا ليصبغ ثوبه بالزعفران أو بالبقم (سرخ رنگ کی لکڑی) فصبغه بصبغ من جنس آخر كان لرب الثوب أن يضمه قيمة ثوبه أبيض وترك ثوبه عليه وإن شاء أخذ الثوب وأعطاه أجر مثله لا يزاد على المسمي. (عالمگیری: ۴/۴۹۵، مسائل الضمان).

واللہ تعالیٰ اعلم۔

کپڑا خراب کر دینے پر رمضان کا حکم:

سوال: کپڑے یا گاڑی کو رنگریز نے مطلوبہ رنگ کے ذریعہ رنگا مگر اس کو خراب کر دیا صحیح طور پر رنگ نہیں لگایا تو کیا رمضان آئے گا یا نہیں؟ اور وہ رنگریز اجرت کا مستحق ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ کپڑے کے مالک کو دو اختیار ہیں ایک یہ کہ پارچہ رنگریز کے پاس چھوڑ دے اور سفید کپڑے کی قیمت لے لے اور دوسرا یہ ہے کہ اسی کپڑے کو لے لے اور اجرتِ مثل ادا کر دے لیکن مسمیٰ پر زیادہ نہیں کیا جائیگا۔ گاڑی میں بھی اجرِ مثل دیکر اپنی گاڑی لے سکتا ہے۔

عالمگیری میں ہے:

وإذا دفع ثوبا إلى صباغ ليصبغه بعصفر من عنده، فصبغه بما سمي إلا أنه خالف في صفته ما تعين به، فإن أشبع أو قصر في الإصباغ حتى تعيب الثوب، فصاحبه بالخيار إن شاء ترك الثوب عليه وضمه قيمة ثوبه أبيض وإن شاء أخذ الثوب وأعطاه أجر مثل عمله لا

یجاوز بہ المسمى . (الفتاوى الهندية: ۴/ ۵۲۱) . واللہ تعالیٰ اعلم۔

دھوبی کے کپڑا گم کرنے پر تاوان کا حکم:

سوال: دھوبی سے کپڑا گم ہو گیا یا چوری ہو گیا تو اس پر تاوان آئے گا یا نہیں؟

الجواب: مسئلہ مسئلہ کی تین صورتیں ہیں: (۱) دھوبی کے عمل سے ضائع ہو گیا، مثلاً کوٹنے کی وجہ

سے یا کوئی اور وجہ سے تو مطلقاً ضمان لازم ہوگا۔

(۲) دھوبی کے عمل سے ضائع نہیں ہوا مگر ابتلاء عام کی وجہ سے ضائع ہو گیا، مثلاً پورے شہر میں آگ

لگ گئی تھی وغیرہ تو بالاتفاق ضمان لازم نہیں ہے۔

(۳) ابتلاء عام نہ ہو اور ضائع ہو گیا تو ضمان میں اختلاف ہے۔ صاحبین کے نزدیک ضمان ہے اور امام

صاحب کے نزدیک ضمان واجب نہیں ہے۔ عالمگیری نے صاحبین کے قول پر فتویٰ نقل کیا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں شامی میں ہے:

(قوله لا يضمن الخ) اعلم أن الهلاك إما بعمل الأجير أولاً ، والأول إما بتعدى أو

لا ، والثانى إما أن يمكن الاحتراز عنه أو لا ، ففي الأول بقسميه يضمن اتفاقاً ، وفي ثانى

الثانى لا يضمن اتفاقاً ، وفي أوله لا يضمن عند الإمام مطلقاً ، ويضمن عندهما مطلقاً ، وأفتى

المتأخرون بالصلح على نصف القيمة مطلقاً ، وقيل أن مصلحا لا يضمن وإن غير مصلح

ضمن وإن مستور الحال فالصلح . (فتاوى شامى: ۶/ ۶۵ ، باب ضمان الاجير ن سعيد) .

وفي الهندية: وفي الإبانة أخذ الفقيه أبو الليث رحمه الله تعالى في هذه المسألة بقول

أبى حنيفة رحمه الله تعالى وبه أفتى ، كذا في التتار خانية وبقولهما يفتى اليوم لتغير أحوال

الناس وبه يحصل صيانة أموالهم كذا في التبيين . (الفتاوى الهندية ۴/ ۵۰۰) . واللہ تعالیٰ اعلم۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى:

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ.

وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ﴾.

(سورة آل عمران، الآية: ۹۲).

کتاب الوقف

باب ﴿۱﴾

مطلق وقف کا بیان

قَالَ عُمَرُ ۞ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَصَبْتُ أَرْضًا بِخَيْبَرَ

لَمْ أَصِبْ مَالًا قَطُّ أَنْفَسَ عِنْدِي مِنْهُ فَمَا تَأْمُرُنِي بِهِ؟

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

إِنْ شِئْتَ حَبَسْتَ أَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا،

قَالَ: فَتَصَدَّقُ بِهَا عُمَرُ ۞ أَنَّهُ لَا يَبَاعُ، وَلَا يُوْهَبُ، وَلَا يُوْرَثُ،

وَتَصَدَّقُ بِهَا فِي الْفُقَرَاءِ وَفِي الْقُرْبَى وَفِي الرِّقَابِ

وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَالضَّعِيفِ،

لَا جُنَاحَ عَلَى مَنْ وَلِيَهَا إِنْ يَأْكُلُ مِنْهَا بِالْمَعْرُوفِ

وَيُطْعَمُ غَيْرَ مَتَمَوْلَى. (رواه البخاری).

باب ﴿۱﴾ مطلق وقف کا بیان

وقف کا تعارف اور خیر القرون میں وقف کا ثبوت:

سوال: وقف کسے کہتے ہیں؟ اور خیر القرون میں صحابہ کرام ؓ نے وقف کیا تھا یا نہیں؟

الجواب: کسی شے کو اپنی ملک سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی ملک میں دے دینا، اور اس کی منفعت کو فقرو غنا کا لحاظ کئے بغیر دائمی طریقہ پر رضائے الہی کی نیت سے اشخاص و افراد، اداروں یا مساجد و مقابر یا دیگر کار خیر کے لیے مخصوص کر دینے کا نام وقف ہے۔
ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

... ہو حبسها علی حکم ملک اللہ تعالیٰ و صرف منفعتها علی من أحب ولو غنیاً
قوله علی حکم اللہ تعالیٰ قدر لفظ حکم لیفید أن المراد أنه لم یبق علی ملک الواقف ولا
انتقل إلی ملک غیره، بل صار علی حکم ملک اللہ تعالیٰ الذی لا ملک فیہ لأحد سواہ،
وإلا فالکل ملک للہ تعالیٰ... قوله و صرف منفعتها علی من أحب عبر به بدل قوله
والتصدق بالمنفعة لأنه أعم، وإلی التعمیم أشار بقوله ولو غنیاً، أفاده ح لکن علمت أن
الوقف علی الأغنیاء و حدهم لا یجوز، فالمناسب التعبير بالتصدق بالمنفعة إلا أن یراد

صرف منفعتها علی وجه التصدق . (الدرالمختار: ۴/۳۳۹، کتاب الوقف، سعید).

خیر القرون میں وقف کا ثبوت:

وقف کی اصل بنیاد حضرت عمرؓ کی روایت ہے۔ ملاحظہ فرمائیں بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عمرؓ أن عمر بن الخطابؓ أصاب أرضاً بخير فأتى النبي صلى الله عليه وسلم يستأمره فيها، فقال: يا رسول الله إني أصبت أرضاً بخير لم أصب مالا قط أنفس عندي منه فما تأمرني به؟ قال: إن شئت حبست أصلها وتصدق بها، قال: فتصدق بها عمرؓ أنه لا تباع، ولا توهب، ولا تورث، وتصدق بها في الفقراء وفي القربى وفي الرقاب وفي سبيل الله وابن السبيل والضيف، لا جناح على من وليها أن يأكل منها بالمعروف ويطعم غير متمول . (رواه البخاری: ۱/۳۸۲-ومسلم ۲/۴۱).

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کو جب خیبر میں کچھ جائیداد حاصل ہوئی تو انہوں نے اس زمین کو خیر کے کاموں میں استعمال کرنے کی غرض سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم چاہو تو ایسا کر سکتے ہو کہ اصل زمین کو روکے رکھو اور اس کے نفع کو صدقہ کرو، اصل زمین نہ خرید و فروخت کی جائے نہ ہبہ کی جائے اور نہ اس میں میراث جاری ہو، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اسے فقراء، اہل قرابت، غلام، مسافر اور مہمانوں پر وقف فرمادیا اور یہ شرط بھی لکھ دی کہ جو وقف کا متولی ہو اسے معروف طریقہ پر خود کھانے اور دوستوں کو کھلانے کی اجازت ہوگی، اس میں جمع کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

حضرت عمرؓ کے اس وقف کو تاریخ اسلام میں سب سے پہلا وقف مانا جاتا ہے، اس کے بعد دیگر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے بھی وقف فرمایا اور وقف کا سلسلہ جاری ہوا۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ کوئی صاحب گنجائش صحابی نہیں کہ جس نے وقف نہ کیا ہو۔

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنا گھر اپنے لڑکے پر وقف کیا تھا، حضرت عمرؓ کا ایک گھر مروہ کے پاس تھا آپؓ نے اسے اپنے لڑکوں پر وقف کر دیا تھا، حضرت علیؓ نے ”ینع“ نامی جگہ پر اپنی زمین وقف کر دی تھی، حضرت زبیرؓ نے مکہ اور مصر میں جو مکان تھا اسے وقف کیا تھا، اور مدینہ میں جو مال تھا وہ بچوں پر وقف

کر دیا تھا، حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں وقف کیا تھا، اور مصر کا ایک مکان اپنے بچوں پر وقف کیا تھا، اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ وغیرہ سے بھی مختلف جائیدادوں کا وقف کرنا ثابت ہے۔

ملاحظہ فرمائیں سنن کبریٰ بیہقی میں ہے:

ثنا أبو بكر عبد الله بن الزبير الحميدي قال: وتصدق أبو بكر الصديق رضی اللہ عنہ بداره بمكة على ولده فهي إلى اليوم وتصدق عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بربعه عند المروة وبالشية على ولده فهي إلى اليوم وتصدق علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ بأرضه بينع فهي إلى اليوم وتصدق الزبير بن العوام رضی اللہ عنہ بداره بمكة في الحرامية وداره بمصر وأمواله بالمدينة على ولده فذلك إلى اليوم وتصدق سعد بن أبي وقاص رضی اللہ عنہ بداره بالمدينة وداره بمصر على ولده فذلك إلى اليوم، وعثمان بن عفان رضی اللہ عنہ برومة فهي إلى اليوم وعمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بالوهط من الطائف وداره بمكة على ولده فذلك إلى اليوم وحكيم بن حزام رضی اللہ عنہ بداره بمكة والمدينة على ولده فذلك إلى اليوم. وعن أنس رضی اللہ عنہ أنه وقف داراً بالمدينة فكان إذا حج مر بالمدينة فنزل داره. (السنن الكبرى للبيهقي: ۱۶۱/۶، كتاب الوقف، دار المعرفة، بيروت).

قال الخصاف في أحكام الأوقاف: حدثنا محمد بن عمر الواقدي قال: حدثني قدامة بن موسى بن بشير مولى المازنيين، قال: سمعت جابر بن عبد الله يقول: لما كتب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ صدقته في خلافته دعا نفرًا من المهاجرين والأنصار فأحضرهم وأشهدهم على ذلك فانتشر خبرها قال جابر: فما أعلم أحداً ذا مقدرة من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم من المهاجرين والأنصار إلا حبس ماله من صدقة موقوفة لا تشتري، ولا تورث، ولا توهب. قال قدامة بن موسى: وسمعت محمد بن عبد الرحمن بن سعد بن زرارة يقول: ما أعلم أحداً من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم من أهل بدر من المهاجرين والأنصار إلا وقد وقف من ماله حبساً لا يشتري ولا يورث ولا يوهب حتى يرث

اللہ الأرض ومن علیہا. (کتاب الأوقاف، ص ۱۵، ما روی فی الحملة من صدقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، بیروت، لبنان).

آنحضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوقاف اور اوقاف صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (کتاب الاوقاف للإمام ابی بکر احمد بن عمرو الخصاص (م ۲۶۱)، از ۵ تا ۱۷، بیروت).

خلاصہ یہ ہے کہ وقف کرنا مستحب ہے اور اس پر گویا اجماع صحابہ ہے۔ جیسا کہ ابن قدامہ حنبلیؒ نے فرمایا۔ ملاحظہ ہو: (المغنی: ۱۸۷/۶، کتاب الوقوف والعطایا، دارالکتب العلمیہ).

مسلم شریف کی ایک مرفوع روایت سے بھی وقف کا ثبوت ملتا ہے:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة، إلا من صدقة جارية أو علم ينتفع به أو ولد صالح يدعو له. (رواه مسلم: ۴۱/۲ - والترمذی: ۲۵۶/۱).

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کی موت کے بعد اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے، البتہ تین اعمال ایسے ہیں جن کا اجر اس کی موت کے بعد بھی پہنچتا رہتا ہے، صدقہ جاریہ علم نافع جس سے اس کے بعد لوگ نفع اٹھا رہے ہوں، صالح اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہو۔

حدیث بالا سے وقف کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الفاظ برائے وقف کردن:

سوال: وقف کرنے کے لیے کون سے الفاظ ہیں یعنی کن الفاظ سے وقف صحیح اور ثابت ہو جاتا ہے؟

الجواب: واقف کا ایسے الفاظ ذکر کرنا جو فی الفور وقف ہونے پر دلالت کرتے ہوں، ایسے الفاظ سے

وقف صحیح اور ثابت ہو جاتا ہے، اور اگر فی الفور وقف ہونے پر دلالت نہیں کرتے ہوں ان الفاظ سے وقف صحیح اور ثابت نہیں ہوگا۔

الفاظ وقف حسب ذیل ملاحظہ فرمائیں:

وہ الفاظ جو تابید اور دوام پر دلالت کرتے ہوں جیسے اس گھر کا کرایہ ہمیشہ مسکینوں پر خرچ کیا جائے، امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ اگر محض اتنا کہہ دیا جائے کہ یہ شئی فلاں مقصد کے لیے وقف کر رہا ہوں، اور ہمیشگی اور دوام کی صراحت نہ کرے تب بھی عرف کی بنا پر وقف درست ہو جائے گا، علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ مشائخ بلخ اور صدر الشریعہ وغیرہ بھی عرف کی وجہ سے امام ابو یوسفؒ ہی کے قول پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔

البتہ وقف کے لیے خاص، وقف ہی کا لفظ کہنا ضروری نہیں، بلکہ کوئی بھی ایسا لفظ کافی ہے، جو وقف کے معنی و مقصود پر دلالت کرتا ہو جیسے صدقہ وغیرہ۔

قال العلامة الحصكفي في الدر المختار: وركنه الألفاظ الخاصة كأرضي هذه صدقة موقوفة مؤبدة على المساكين ونحوه من الألفاظ كموقوفة لله تعالى أو على وجه الخير أو البر واكتفى أبو يوسف بلفظ موقوفة فقط، قال الشهيد: ونحن نفتي به للعرف. وقال العلامة الشامي: (قوله واكتفى أبو يوسف بلفظ موقوفة)، أي بدون ذكر تأييد أو ما يدل عليه كلفظ صدقة، أو لفظ المساكين ونحوه كالمسجد، وهذا إذا لم يكن وقفاً على معين كزيد أو أولاد فلان، فإنه لا يصح بلفظ موقوفة لمنافاة التعيين للتأيد، ولذا فرق بين موقوفة وبين موقوفة على زيد حيث أجاز الأول دون الثاني، نعم تعيين المسجد لا يضر لأنه مؤبد... قال في البحر: لا يصح أي موقوفة فقط إلا عند أبي يوسف فإنه يجعلها بمجرد هذا اللفظ موقوفة على الفقراء وإذا كان مفيداً لخصوص المصرف أعني الفقراء لزم كونه مؤبداً لأن جهة الفقراء لا تنقطع. قال الصدر الشهيد: ومشايخ بلخ يفتون بقول أبي يوسف ونحن نفتي به أيضاً لمكان العرف لأن العرف إذا كان يصرفه إلى الفقراء كان كالتنصيب عليهم. (الدر المختار مع رد المحتار: ۴/۳۴۰، كتاب الوقف، سعيد).

عالمگیری میں ہے:

فأما ركنه فالألفاظ الخاصة الدالة عليه... بأن قال جعلت أرضي هذه صدقة موقوفة مؤبدة أو أوصيت بها بعد موتي فإنه يصح حتى لا يملك بيعه ولا يورث عنه، لكن ينظر إن

خرج من الثلث يجوز (وإن لم يخرج من الثلث يجوز بقدر الثلث) كذا في محيط
السرخسي. (الفتاویٰ الہندیہ: ۳۵۲/۲، کتاب الوقف).

قال الإمام السرخسي في المبسوط: فإن قال: هي صدقة موقوفة على الفقراء
والمساكين... فهذه صدقة جائزة وليس له أن يرجع فيها لاستجماع شرائط الوقف...
ومقصود الواقف أن تكون الصدقة جارية له إلى يوم القيامة كما قال عليه الصلاة والسلام
كل عمل ابن آدم ينقطع بموته إلا ثلاثة علم علمه الناس فهم يعملون به بعد موته وولد
صالح يدعوه له وصدقة جارية له إلى يوم القيامة. (المبسوط للإمام السرخسي ۳۲/۱۲، کتاب
الوقف، إدارة القرآن). واللہ تعالیٰ اعلم۔

آخری جہت کی عدم تعیین پر وقف کا حکم:

سوال: ایک شخص نے کہا کہ میرا مکان میرے مرنے کے بعد میری اولاد پر وقف ہے، پھر پوتوں پر پھر
اس کے بعد کوئی تذکرہ نہیں کیا، تو یہ مکان وقف ہوایا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ وقف صحیح اور ثابت نہیں ہوا اس لیے کہ وقف صحیح ہونے کے لیے آخری جہت
فقراء اور مساکین ہونا ضروری ہے، تاکہ جہت منقطع نہ ہو جائے، کیونکہ وقف میں تابید لازم ہے، اس کے بغیر
وقف صحیح نہیں ہوگا، ہاں اگر واقف نے لفظ صدقہ کہا تھا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وقف صحیح ہو گیا۔
ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ شامی میں ہے:

وقال في الإسعاف: لو قال وقفت أرضي هذه على ولد زيد وذكر جماعة بأعيانهم لم
يصح عند أبي يوسف أيضاً لأن تعيين الموقوف عليه يمنع إرادة غير بخلاف ما إذا لم يعين
لجعله إياه على الفقراء، ألا ترى أنه فرق بين قوله موقوفة وبين قوله موقوفة على ولدي
فصح الأول دون الثاني، لأن مطلق قوله موقوفة يصرف إلى الفقراء عرفاً، فإذا ذكر الولد
صار مقيداً، فلا يبقى العرف، فظهر بهذا أن الخلاف بينهما في اشتراط ذكر التأيد وعدمه

إنما هو في التنصيص عليه أو ما يقوم مقامه كالفقراء ونحوهم... لكن ذكر في البحر أن ظاهر المجتبى والخلاصة أن الروایتین عنه فيما إذا ذكر لفظ الصدقة، أما إذا ذكر لفظ الوقف فقط، لا يجوز اتفاقاً إذا كان الموقوف عليه معيناً، قلت: ويشهد له ما في الذخيرة لو قال: أرضي هذه صدقة موقوفة فهي وقف بلا خلاف إذا لم يعين إنساناً فلو عين وذكر مع لفظ الوقف لفظ صدقة بأن قال: صدقة موقوفة على فلان جاز ويصرف بعده إلى الفقراء (فتاویٰ الشامی: ۳۴۹/۴، مطلب فی الکلام علی اشتراط التابید، سعید).

خلاصہ یہ ہے کہ تعیین کی صورت میں وقف کے ساتھ لفظ صدقہ بھی کہے تو وقف صحیح ہو جائے گا، اور موقوف علیہ کے بعد وقف علی الفقراء ہوگا، لیکن اگر تعیین کی صورت میں فقط وقف کہا، صدقہ نہیں کہا تو وقف صحیح نہ ہوگا، اس لیے کہ وقف میں تابید اور دوام شرط ہے اور تعیین تابید کے منافی ہے، الا یہ کہ لفظ صدقہ تابید کو ثابت کر دیتا ہے اور وقف صحیح ہو جاتا ہے، لہذا صورت مسئلہ میں بظاہر وقف کا لفظ استعمال کیا ہے لفظ صدقہ نہیں کہا اس لیے مکان وقف نہیں ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

”وقف علی الأولاد، وأولاد الأولاد“ کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنا مکان وغیرہ ”أولاد الأولاد إلی آخره“ پر وقف کیا، یہاں دو سوال ہیں:

(۱) ”وقف علی الأولاد وأولاد الأولاد“ میں لڑکیاں اور لڑکیوں کی اولاد داخل ہیں یا نہیں؟ (۲) ”إلی آخره“ کی قید لگانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: ”وقف علی الأولاد وأولاد الأولاد“ میں بنات اور بنات الابن تو بالاتفاق شامل ہیں،

البتہ اولاد البنات کے دخول وعدم دخول میں فقہاء کا شدید اختلاف ہے، چنانچہ قاضی خان، امام خصاص، شمس الائمہ سرخسی وغیرہ حضرات نے دخول والے قول کو ترجیح دی ہے، اور علامہ شامی وغیرہ نے عدم دخول کا قول اختیار فرمایا ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے، ممکن ہے کہ یہ اختلاف مبنی بر عرف ہو جیسے وصیت میں عرف کا اعتبار ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

اعلم أنهم ذكروا أن ظاهر الرواية المفتى به عدم الدخول أولاد البنات في الأولاد مطلقاً، أي سواء قال على أولادي بلفظ الجمع أو بلفظ اسم الجنس كولدي، وسواء اقتصر على البطن الأول كما مثلنا أو ذكر البطن الثاني مضافاً إلى البطن الأول المضاف إلى ضمير الواقف كأولادي وأولاد أولادي... (فتاوى الشامى: ٤/٤٦٣، مطلب في تحرير الكلام على دخول أولاد البنات، سعيد).

علامہ شامیؒ تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ میں فرماتے ہیں:

...وقد كنت عزمت على أن أضع فيها رسالة لما وقع فيها من الاضطراب، فاستغنيت عن ذلك بما حرره هنا فأقول قد ذكر هذه المسألة الإمام الطرسوسي في أنفع الوسائل ثم قال بعد ما أطال في النقول ما حاصله أن في دخول أولاد البنات في لفظ الأولاد وأولاد الأولاد اختلاف الرواية ففي رواية الخصاف وهلال يدخلون وفي ظاهر الرواية لا يدخلون وعليه الفتوى. (تنقيح الفتاوى الحامدية: ١/١٧٥).

فتاویٰ سراجیہ میں ہے:

رجل وقف ضيعته على أولاده وأولاد أولاده أبداً ما تناسلوا وله أولاد وأولاد أولاد قسم بينهم بالسوية لا يفضل الذكور على الإناث ولا يدخل أولاد البنات في ظاهر الرواية وعليه الفتوى. (الفتاوى السراجية: ٩٢، مير محمد كتب خانہ).

محیط برہانی میں ہے:

...وهل يدخل فيه ولد البنت؟ ذكر هلال أنه لا يدخل وهكذا ذكر محمد في السير الكبير. (المحيط البرهاني: ٦٦/٧، رشيدية).

وللاستزادة انظر: (الفتاوى الهندية: ٣٧٣/٢ و ٣١٩/٣ - والفتاوى البزازية على هامش الهندية: ٢٧٢/٦ - واحكام الاوقاف للامام ابى بكر احمد بن عمرو الخصاف (م ٢٦١) از ص ٢٥-٢٧ ط: بيروت).

(۲) قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ فرماتے ہیں:

اپنے اہل و عیال اور قرابت داروں پر وقف صحیح ہے بشرطیکہ آخری مصرف دائمی کارثواب (مثلاً فقراء، مساکین، مدارس) کو قرار دیا گیا ہو۔ (مجموع قوانین اسلامی: ۳۵۷، دفعہ ۱۷، قانون وقف)۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

و كذا لو قال على ولدي وعلى من يحدث لي من الولد، فإذا انقضىوا فعلى
المساكين، هكذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ٣٧١/٢).

و أيضاً فيه : وإن قال على ولدي وولد ولدي وولد ولد ولدي ذكر البطن الثالث فإنه
تصرف الغلة إلى أولاده أبداً ما تناسلوا. (الفتاوى الهندية: ٣٧٤/٢).

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

وقف علی اولادہ واولاد اولادہ یصرف إلی اولادہ واولاد اولادہ أبداً ما تناسلوا ولا یصرف إلی الفقراء ما دام واحد منهم باقیاً وإن سفل. (الفتاویٰ البزازیة علی هامش الہندیة: ۶/۲۷۴). وکذا فی الدر المختار مع رد المحتار: ۴/۳۵۰۔ والمحیط البرہانی: ۷/۶۸).

خلاصہ یہ ہے کہ ”وقف علی الاولاد واولاد الاولاد“ صحیح ہے، لیکن آخری مصرف کارِ خیر ہونا ضروری ہے، مثلاً اگر تیسری پشت ختم ہو جائے تو فقراء یا مساکین یا مدازس کے لیے ہو جائے گا۔ واللہ اعلم۔

مذکورہ مَوْنِث میں تقسیم کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی بہت بڑی زمین کو اپنی اولاد پر وقف کیا کہ جب تک اولاد اور اولاد کی اولاد ہو اس زمین سے فائدہ اٹھائیں گے، بعد میں فلان مدرسہ کے لیے وقف ہے، اب اس زمین کی آمدنی مذکور مؤنث کے درمیان برابر تقسیم ہوگی یا مرد و عورت میں فرق ہوگا۔

الجواب: جب واقف نے اپنی طرف سے کوئی صراحت نہیں کی ہے تو وقف کی آمدنی میں مذکور مؤنث برابر ہوں گے، یعنی آمدنی ان کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوگی۔

ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ سراجیہ میں ہے:

رجل وقف ضيعته على أولاده وأولاد أولاده أبداً ما تناسلوا وله أولاد وأولاد أولاده

قسم بينهم بالسوية لا يفضل الذكور على الإناث. (الفتاوى السراجية: ۹۲، میر محمد کتب خانہ).

فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

رجل قال: أرضي هذه صدقة موقوفة على ولدي كانت الغلة لولد صلبه يستوي فيه

الذكر والأنثى لأن اسم الولد مأخوذ من الولادة والولادة موجودة في الذكر والأنثى. (فتاویٰ

قاضیخان علی هامش الہندیہ: ۳/۳۱۹).

محیط برہانی میں ہے:

ولو قال: أرضي صدقة موقوفة على بني وله بنون وبنات قال هلال: هم جميعاً في

الوقف سواء. (المحیط البرہانی: ۷/۶۵).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (کفایت المفتی: ۱/- و امداد الاحکام: ۳/۶۳). واللہ تعالیٰ اعلم۔

وقف علی الزوجہ کا حکم:

سوال: اگر کسی نے بیوی کے لیے مکان وقف کیا تو بیوی کے مرنے کے بعد وہ مکان بیوی کے ورثاء

کو ملے گا، یا کسی اور کو دیا جائے گا؟

الجواب: وقف صحیح ہونے کے لیے آخری جہت مصرف غیر منقطع یعنی فقراء و مساکین یا مساجد و مدارس

وغیرہ کا ہونا شرط ہے، لہذا وقف علی الزوجہ کی صورت میں فقراء و مساکین کا ذکر موجود ہو تو وقف صحیح ہوگا اور بیوی

کے انتقال کے بعد مکان کی آمدنی فقراء اور مساکین پر تقسیم کی جائیگی۔

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب فرماتے ہیں:

اپنے اہل و عیال اور قرابت داروں پر وقف صحیح ہے بشرطیکہ آخری مصرف دائمی کار ثواب (مثلاً فقراء،

مساکین، مدارس) کو قرار دیا گیا ہو۔ (مجموع قوانین اسلامی: ۳۵۷، دفعہ ۱، قانون وقف).

ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

ولو وقف أرضاً على أولاده وآخره للفقراء فمات بعض الأولاد فإن الغلة تصرف إلى الباقي، وإن ماتوا صرفت الغلة إلى فقراء المسلمين، لأن ههنا وقف على أولاده وقد بقي بعد موت واحد منهم أولاده فلا تصرف إلى الفقراء ما بقي أولاده ولو وقف ضيعة على امرأته وأولاده فماتت المرأة وأحد الورثة ولد المرأة لم يكن نصيب المرأة لولدها خاصة بل يكون مردوداً إلى جميع الورثة إذا لم يكن الواقف شرط في الوقف أنها إذا ماتت كان نصيبها لولدها خاصة. (فتاویٰ قاضیخان علی ہامش الہندیہ: ۳/۳۲۱، فصل فی الوقف علی الاولاد).
در مختار میں ہے:

(ولو على امرأته وأولاده) المناسب ثم أولاده ليتناسب الكلام والمراد أنه جعل الاستحقاق بعدها لأولاده فلا يختص ولدها بنصيبها (قوله لم يختص ابنها) أي المتولد من الواقف حلبي من الدرر أما ابنها من غيره فلا دخل له لأنه إنما وقف على زوجته وأولاده (قوله إذا لم يشترط) أما إذا اشترطه يكون لأولاده منها فقط. (الدر المختار مع الطحطاوى: ۲/۵۷۰، فصل فيما يتعلق لوقف الاولاد، كوئته). واللہ تعالیٰ اعلم۔

دراہم و دنانیر کے وقف کا حکم:

سوال: دراہم اور دنانیر کا وقف صحیح ہے یا نہیں؟ مفتی بہ قول کونسا ہے؟

الجواب: امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دراہم اور دنانیر کا وقف صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ یہ اشیاء غیر منقولہ میں سے ہیں اور اشیاء غیر منقولہ کا وقف ان کے نزدیک صحیح نہیں ہے، البتہ امام محمدؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک جن اشیاء کے وقف کا عرف ہوں ان اشیاء کا وقف صحیح اور درست ہے، اور دراہم اور دنانیر کا وقف معروف ہے اس لیے یہ وقف ان کے نزدیک صحیح ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔
در مختار میں ہے:

و کما صح وقف کل منقول قصداً فیہ تعامل للناس کفأس وقدم بل ودراہم

ودنانیر۔ وفي الشامية: قوله بل ودراهم ودنانیر عزاه فی الخلاصة إلى الأنصاري وكان من أصحاب زفر، وعزاه فی الخانية إلى زفر حيث قال: وعن زفر شربلالية وقال المصنف فی المنح: ولما جرى التعامل فی زماننا فی البلاد الرومية وغيرها فی وقف الدراهم والدنانیر دخلت تحت قول محمد المفتی به فی وقف کل منقول فیہ تعامل كما لا یخفی فلا یحتاج علی هذا إلى تخصیص القول بجواز وقفها بمذهب الإمام زفر من رواية الأنصاري... وبهذا ظهر صحة ما ذكره المصنف من إلحاقها بالمنقول المتعارف علی قول محمد المفتی به وإنما خصوها بالنقل عن زفر لأنها لم تكن متعارفة إذ ذاك، ولأنه هو الذي قال بها ابتداءً. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳۶۳/۴، مطلب فی وقف الدراهم والدنانیر، سعید).

مجمع الانهر شرح ملتقى الابحر میں ہے:

وكذا صح وقف المنقول المتعارف عند محمد وبه أى بقول محمد يفتى وقد ذكر فی المجتبى الخلاف علی خلاف هذا المنقول... ولما جرى التعامل فی وقف الدنانیر والدراهم فی زمان زفر بعد تجویز صحة وقفهما فی رواية دخلت تحت قول محمد المفتی به فی وقف کل منقول فیہ تعامل كما لا یخفی. (مجمع الانهر شرح ملتقى الابحر: ۷۳۸/۱).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (خلاصة الفتاوى: ۴/۱۷۷- ومعین الحکام مع لسان المیزان، ص ۲۹۴).

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں:

جن بلاد میں نقد روپیہ کا وقف کرنا متعارف ہو وہاں جائز ہے جہاں متعارف نہ ہو وہاں جائز نہیں اور عصر حاضر میں وقف دراهم ودنانیر عامہ بلاد میں متعارف ہو گیا ہے اس لیے جائز ہے۔ (امداد المفتین، جلد دوم، ۶۳۱).

واللہ تعالیٰ اعلم۔

موقوفہ دراهم ودنانیر کے مصارف کا حکم:

سوال: اگر دراهم اور دنانیر یا ریڈ وقف کیے تو استعمال کا کیا طریقہ ہے؟ یعنی اس کے مصارف

کیا ہیں؟

الجواب: موقوفہ دراہم و دنانیر یا رینڈ کے سرمایہ کو باقی رکھتے ہوئے اس کے منافع کا خیر میں خرچ کیے جائیں، مثلاً مضاربہ پر لگا کر اصل سرمایہ باقی رکھے اور نفع خرچ کریں۔
ملاحظہ ہو علامہ شامی فرماتے ہیں:

وعن الأنصاري و كان من أصحاب زفر فيمن وقف الدراهم أو ما يكال أو ما يوزن
أيجوز ذلك قال: نعم، قيل: وكيف! قال: يدفع الدراهم مضاربة ثم يتصرف بها في الوجه
الذي وقف عليه وما يكال أو يوزن يباع ويدفع ثمنه مضاربة أو بضاعة. (فتاویٰ الشامی: ۴/۳۶۴،
سعيد۔ و كذا في خلاصة الفتاوى: ۴/۴۱۸۔ و كذا في مجمع الانهر: ۱/۷۳۹)۔
احسن الفتاویٰ میں ہے:

دراہم و دنانیر کا وقف صحیح ہے مگر چونکہ وقف میں انتفاع بالمنافع مع بقاء العین ہوتا ہے، اس لیے وقف
دراہم میں یہ شرط ہے کہ اصل دراہم کو خرچ نہ کریں بلکہ ان کے منافع کو خرچ کریں، یا ان سے کوئی چیز خرید کر اس
کے منافع کو فقیر پر خرچ کریں۔ (احسن الفتاویٰ: ۶/۴۱۶)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وارث کا منکر وقف ہونے کا حکم:

سوال: ایک شخص کی بڑی دکان تھی اس کے انتقال کے بعد دو بیٹوں میں سے ایک نے کہا کہ والد
صاحب نے کہا تھا کہ یہ دکان وقف ہے جب تک میں زندہ رہوں گا، اس کے منافع سے فائدہ اٹھاتا رہوں گا،
دوسرا بیٹا اس بات کا انکار کرتا ہے، بنگاہ شریعت اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ دکان کا وقف صحیح ہے البتہ جو شخص منکر ہے اس سے قسم لی جائیگی اگر وہ قسم
کھا کر کہدے کہ مجھے وقف کا علم نہیں ہے یعنی والد صاحب نے دکان وقف نہیں کی تھی تو اس کے حصہ کے بقدر
وقف نافذ نہیں ہوگا، اس کا حصہ اس کو دیدیا جائیگا، اور دوسرے بھائی کا حصہ وقف شدہ مانا جائیگا، کیونکہ اس کا اقرار

دوسرے کے خلاف حجت نہیں ہے۔

ملاحظہ فرمائیں ہدایہ میں ہے:

ومن مات وترك ابنين وله على آخر مائة درهم فأقر أحدهما أن أباه قبض منها خمسين لا شيء للمقر وللآخر خمسون. (الهداية: ۳/۲۴۵، باب اقرار المريض).

قال في الدر المختار: التحليف على فعل نفسه يكون على البتات أى القطع بأنه ليس كذلك والتحليف على فعل غيره يكون على العلم أى أنه لا يعلم أنه كذلك لعدم علمه بما فعل غيره ظاهراً. (الدر المختار: ۵/۵۵۲، كتاب الدعوى، سعيد).

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو انکار کرتا ہے اس سے قسم لی جائیگی، کہ اس کو معلوم نہیں والد نے دکان وقف کی تھی، جب قسم کھا لے تو وہ اپنا حصہ لے سکتا ہے، اور دوسرے کا حصہ وقف ہوگا۔
ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

ولو أن رجلين بينهما أرض فوقف أحدهما نصيبه جاز في قول أبي يوسف. (الفتاوى الهندية: ۲/۳۶۷، فصل في وقف المشاع).

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

وفي الذخيرة: ذكر الخصاف في وقفه تفريعاً على قول أبي يوسف فقال: إذا كانت الأرض بين رجلين، وقف أحدهما نصيبه منها، وهو النصف، له أن يقاسم شريكه، فيفرز حصة الوقف، لأن ولاية الوقف إليه. (الفتاوى التاتارخانية: كتاب الوقف، ۵/۶۹۹، إدارة القرآن).

واللہ تعالیٰ اعلم۔

تادم حیات شئی موقوفہ سے متفع ہونے کی شرط کا حکم:

سوال: میاں، بیوی وقف کرنا چاہتے ہیں تو کیا یہ شرط لگا سکتے ہیں کہ تادم حیات ہم دونوں اس جائداد سے فائدہ اٹھائیں گے، اور ہمارے انتقال کے بعد یہ تمام جائداد وقف ہو جائیگی؟

الجواب: تادم حیات شئی موقوفہ سے منتفع ہونے کی شرط لگانا صحیح ہے، لہذا صورت مسئلہ میں میاں بیوی دونوں تادم حیات اپنی جائیداد سے انتفاع حاصل کر سکتے ہیں، پھر ان کے انتقال کے بعد ان کی جائیداد وقف ہو جائیگی۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

فی الذخيرة: إذا وقف أرضاً أو شيئاً آخر و شرط الكل لنفسه أو شرط البعض لنفسه مادام حياً و بعده للفقراء، قال أبو يوسف الوقف صحيح و مشايخ بلخ أخذوا بقول أبي يوسف و عليه الفتوى ترغيباً للناس في الوقف و هكذا في الصغرى و النصاب كذا في المصنرات. (الفتاوى الهندية: ۲/۳۹۷، الباب الرابع فيما يتعلق بالشروط في الوقف).

و أيضاً فيه: و لو قال صدقة موقوفة لله تعالى تجري غلتها علي ما عشت و لم يزد علي ذلك جاز و إذا مات تكون للفقراء. (الفتاوى الهندية: ۲/۳۹۸، الباب الرابع فيما يتعلق بالشروط في الوقف).

فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله و جاز جعل غلة الوقف لنفسه) أى كلها أو بعضها عند الثاني (أى عند أبي يوسف) قوله و عليه الفتوى كذا قاله الصدر الشهيد و هو مختار أصحاب المتون و رجحه في الفتح، و اختار مشايخ بلخ و في البحر عن الحاوي أنه المختار للفتوى ترغيباً للناس في الوقف و تكثيراً للخير. (فتاوى الشامی: ۴/۳۸۴، مطلب في اشتراط الغلة، سعيد).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

واقف کا شئی موقوفہ سے اپنی زندگی بھر کے لیے جزوی یا کلی طور پر ذاتی انتفاع کی شرط لگانا صحیح ہے۔ (مجموعہ قوانین اسلامی: ۳۵۵)۔

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ: ۱۳/۲۳۳)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اشیاء منقولہ کے وقف کا حکم:

سوال: ایک صاحب اسکول چلاتے ہیں، تو کیا اسکول کے سامان میں سے مثلاً مشین، کمپیوٹر اور کتب وغیرہ کا وقف کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ یعنی اشیاء منقولہ کا وقف جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ اسکول کے سامان کا وقف صحیح اور درست ہے، نیز اشیاء منقولہ میں جن کا وقف متعارف ہو ان کا وقف بھی صحیح ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وصح وقف كل منقول قصداً فيه تعامل للناس كفأس وقدم بل ودرهم ودنانير قلت: بل ورد الأمر للقضاة بالحكم به كما في معروضات المفتي أبي السعود ومكيل وموزون فيباع ويدفع ثمنه مضاربة أو بضاعة... وقدر وجنازة وثيابها ومصحف وكتب لأن التعامل يترك به القياس لحديث "مراة المسلمون حسناً فهو عند الله حسن" وفي الشامية: (قوله كل منقول قصداً)... عند محمد يجوز ما فيه تعامل من المنقولات واختاره أكثر فقهاء الأمصار كما في الهداية وهو الصحيح كما في الإسعاف، وهو قول أكثر المشايخ كما في الظهيرية، لأن القياس قد يترك بالتعامل ونقل في المجتبى عن السير جواز وقف المنقول مطلقاً عند محمد وإذا جرى فيه التعامل عند أبي يوسف وتماه في البحر والمشهور الأول. (الدر المختار مع فتاوى الشامى: ۴/۳۶۳، مطلب في وقف المنقول قصداً، سعيد).

الفتاوى الهندية میں ہے:

وأما وقف المنقول مقصوداً فإن كان كراعاً أو سلاحاً يجوز وفيما سوى ذلك إن كان شيئاً لم يجر التعارف بوقفه كالثياب والحيوان لا يجوز عندنا وإن كان متعارفاً كالقأس والقدم والجنازة وثيابها وما يحتاج إليه من الأواني والقدور في غسل الموتى والمصاحف لقراءة القرآن... قال محمد يجوز وإليه ذهب عامة المشايخ منهم الإمام السرخسي كذا

فی الخلاصة ، وهو المختار والفتوى على قول محمد كذا قال شمس الأئمة الحلواني كذا
 في مختار الفتاوى... واختلف الناس في وقف الكتب جوزة الفقيه أبو الليث وعليه الفتوى
 كذا في فتاوى قاضيخان . (الفتاوى الهندية: ۲/۳۶۱، الباب الثاني فيما يجوز وقفه).
 مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

اشیاء منقولہ میں صرف ان چیزوں کا وقف صحیح ہے جن کے وقف کا رواج ہو، مثلاً مساجد، مدارس اور کتب
 خانوں کے لیے مصاحف، کتابیں، لوٹا، گھڑی، جائے نماز اور بجلی کے پنکھے وغیرہ کا وقف۔ (مجموعہ قوانین اسلامی: ص
 ۳۳۸، کتاب الوقف)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عمارت وقف کو منہدم کر کے از سر نو تعمیر کا حکم:

سوال: ایک شخص نے زمین وقف کی جس پر عمارت تھی، اب کیا اس عمارت کو گرا کر دوسری عمارت بنانا
 واقف کی اجازت کے بغیر صحیح اور درست ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورت مسئلہ جب زمین متولی کے حوالے کر دی اور متولی ازراہ مصلحت اس میں تبدیلی
 کرے یا دوسری عمارت بنادے تو یہ صحیح اور درست ہے، اور عمارت گرانے کے بعد اس کی اینٹیں اور سامان پھر
 دوسری عمارت میں لگ جائیگا، اور صدقہ جاریہ برقرار رہیگا۔

نیز عمارت گرانے سے اسکا صدقہ جاریہ ختم نہیں ہوتا جیسے وضو کا پانی پونچھنے سے وضو کا ثواب ختم نہیں ہوتا،
 نیز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی ہوئی مسجد جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں از سر نو بنائی گئی تو کسی نے یہ
 اشکال نہیں کیا کہ تعمیر کرنے والوں کا ثواب ختم ہو جائیگا، بلکہ وہ ثواب لکھا گیا، اگر کسی کو اللہ کے راستہ میں غبار لگ
 جائے تو اس کو نار جہنم نہیں چھوئے گی۔

”من اغبرت قدماہ فی سبیل اللہ لم تمسہ النار“۔ (رواہ الترمذی: ۲۹۲/۱)۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں
 کہ پاؤں نہ دھوئے وہ ثواب صحیفہ اعمال میں نقش ہو جاتا ہے، اگرچہ وہ چیز نہ رہے۔

مرض الموت میں وقف کرنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے سخت مرض کی حالت میں اپنی زمین مدرسہ کے لیے وقف کر دی تو یہ وقف صحیح ہوایا نہیں؟

الجواب: مرض الموت میں وقف صحیح ہے لیکن وصیت کے درجہ میں ہے، یعنی انتقال کے بعد ثلث مال میں سے وقف نافذ کیا جائے گا، الا یہ کہ ورثاء اجازت دیدیں تو صحیح ہے، لہذا صورتِ مسئلہ میں زمین اگر ثلث مال میں سے نکلتی تو فہما، ورنہ ثلث حصہ جو بنتا ہو اس کے بقدر وقف نافذ ہو جائیگا، ہاں ورثاء اپنی اجازت سے پوری زمین وقف کر دے تو پوری زمین کا وقف صحیح ہوگا۔
ملاحظہ فرمائیں ہدایہ میں ہے:

ولو وقف في مرض موته قال الطحاوي هو بمنزلة الوصية بعد الموت.
(الهداية: ۲/۶۳۸).

وفي فتح القدير: قوله هو كالوصية بعد الموت حتى يلزم بعد الموت لأن تصرفات المريض مرض الموت في الحكم كالمضاف إلى ما بعد الموت حتى يعتبر من ثلث ماله...
وفي فتاوى قاضيخان: مريض وقف وعليه ديون تحيط بماله يباع وينقص الوقف. (فتح القدير: ۶/۶۰۸، دار الفکر).

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

مريض وقف داراً في مرض موته فهو جائز إذا كان يخرج من ثلث المال وإن كان لم يخرج فأجازات الورثة فكذلك وإن لم يجزوا بطل فيما زاد على الثلث. (الفتاوى الهندية: ۲/۴۵۱، الباب العاشر في وقف المريض).

مزید ملاحظہ ہو: (الدر المختار مع رد المحتار: ۴/۳۹۶-۳۹۷ والمحیط البرہانی: ۷/۹۱).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

مرض الموت میں کیا گیا وقف واقف منسوخ نہیں کر سکتا، لیکن اگر شئی موقوفہ کے کل ترکہ کے ایک تہائی میں سے زائد ہے تو زائد میں وقف نافذ نہیں ہوگا۔ (مجموعہ قوانین اسلامی: ۳۵۶)۔

مزید ملاحظہ ہو: (امداد الاحکام: ۵۵/۳۔ فتاویٰ محمودیہ: ۲۶۰/۱۴۔ قاموس الفقہ: ۲۹۶/۵)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وقف میں اجارہ طویلہ کا حکم:

سوال: وقف کی کسی زمین کو سو سال یا دو سو سال کے لیے کرایہ پر دینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: اوقاف میں مدت اجارہ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، تاہم متقدمین فقہاء نے مدت اجارہ کو متعین نہیں کیا ہے، البتہ متاخرین فقہاء نے وقف کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے تعین مدت والا قول اختیار کیا ہے، مثلاً زمین جاگیر وغیرہ تین سال سے زیادہ کرایہ پر نہ دی جائے، اور رہائشی مکان وغیرہ ایک سال سے زیادہ کرایہ پر دینا درست نہیں، ہاں حسب مصلحت کمی بیشی کی گنجائش ہے، لیکن صورت مسئلہ میں سو سال یا دو سو سال کی مدت طویلہ کے لیے کرایہ پر دینا جائز اور درست نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں ضیاع وقف کا اندیشہ ہے، اور ممکن ہے کہ مرور زمانہ کی وجہ سے مستاجر کی اولاد زمین پر مالکانہ قبضہ کر لے، اور نسل بعد نسل میراث میں تقسیم ہوتا جائے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

بالسنة يفتى في الدار وبثلاث سنين في الأرض إلا إذا كانت المصلحة بخلاف ذلك وهذا مما يختلف زماناً وموضعاً. وفي الشامية: واعلم أن المسئلة فيها ثمانية أقوال ذكرها العلامة قنالي زاده في رسالته أحدها: قول المتقدمين عدم تقدير الإجارة بمدة ورجحه في أنفع الوسائل، والمفتي به ما ذكر المصنف خوفاً من ضياع الوقف كما علمت، قوله إلا إذا كانت المصلحة بخلاف ذلك... لأن أصل عدول المتأخرين عن قول المتقدمين بعدم التوقيت إلى التوقيت إنما هو بسبب الخوف على الوقف فإذا كانت

المصلحة الزيادة أو النقص اتبعت وهو توفيق حسن . (الدر المختار مع رد المحتار: ۴/۴۰۱، کتاب الوقف، سعید) . واللہ تعالیٰ اعلم۔

موقوفہ جائداد کو فروخت کرنے کا حکم:

سوال: (الف) وقف کی جائداد جس کو آباد نہیں کیا گیا ہو اور ویسے ہی پڑی ہو اس کو بیچنا کیسا ہے جب کہ پہلے سے واقف نے بیچنے کی شرط نہیں لگائی تھی؟ (باء) کن صورتوں میں فروخت کرنے کی اجازت ہے؟

الجواب: (الف) واقف نے بوقت وقف کوئی شرط نہیں لگائی تھی تو اب موقوفہ جائداد کو فروخت کرنا جائز اور درست نہیں۔

(باء) صرف دو صورتوں میں موقوفہ جائداد کو فروخت کرنا جائز اور درست ہے۔

(۱) واقف نے بوقت وقف اپنے لیے یا کسی اور کے لیے فروخت کرنے کی شرط لگائی ہو۔

(۲) موقوفہ جائداد جب بالکل ناقابل انتفاع ہو جائے۔

ملاحظہ فرمائیں بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ أصاب أرضاً بخير فأتى النبي صلى الله عليه وسلم يستأمره فيها، فقال: يا رسول الله إني أصبت أرضاً بخير لم أصب مالا قط أنفس عندي منه فما تأمرني به؟ قال: إن شئت حبست أصلها وتصدقت بها، قال: فتصدق بها عمر رضی اللہ عنہ أنه لاتباع، ولا توهب، ولا تورث، وتصدق بها في الفقراء وفي القربى وفي الرقاب وفي سبيل الله وابن السبيل والضيف، لاجناح على من وليها أن يأكل منها بالمعروف ويطعم غير متمول . (رواه البخاری: ۳۸۲/۱ - ومسلم ۴۱/۲)۔

در مختار میں ہے:

فإذا تم ولزم لا يملك ولا يعار ولا يرهن . وفي الشامية: قوله لا يملك أي لا يكون مملوكاً لصاحبه ولا يملك أي لا يقبل التملك لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة

تملیک الخارج عن ملكه. (الدر المختار مع رد المحتار: ۴/۳۵۲، سعید).

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وعندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالى على وجه تعود منفعة إلى العباد

فيلزم ولا يباع ولا يوهب ولا يورث كذا في الهداية. (الفتاویٰ الہندیہ: ۲/۳۵۰).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

شئی موقوفہ کو فروخت کرنا یا رہن رکھنا یا اس کے بدلے کسی اور چیز کو رہن میں لینا یا عاریت پر دینا جائز نہیں ہے، چونکہ شئی موقوفہ واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے اور کسی دوسرے کی ملکیت بھی اس پر ثابت نہیں ہوتی ہے اس لیے کسی کے لیے اس میں مالکانہ تصرف، بیع، شراء، ہبہ، عاریت اور رہن وغیرہ اصلاً جائز نہیں ہے، اگر کسی نے ایسا کیا تو باطل ہوگا۔ (مجموعہ قوانین اسلامی: ۳۵۰).

درمختار میں ہے:

وجاز شرط الاستبدال به أرضاً أخرى حينئذ أو شرط بيعه ويشترى بثمانه أرضاً أخرى إذا شاء فإذا فعل صارت الثانية كالأولى في شرائطها وإن لم يذكرها ثم لا يستبدلها بثالثة لأنه حكم ثبت بالشرط والشرط وجد في الأولى لا الثانية وأما الاستبدال ولو للمساكين آل بدون الشرط فلا يملكه إلا القاضي درر وشرط في البحر خروجه عن الانتفاع بالكلية وكون البدل عقاراً والمستبدل قاضي اللجنة المفسر بذي العلم والعمل... وفي الشامية: قوله وجاز شرط الاستبدال به (اعلم أن الاستبدال على ثلاثة وجوه: - الأول: أن يشترطه الواقف لنفسه أو لغيره، فالاستبدال فيه جائز على الصحيح وقيل اتفاقاً، والثاني: أن لا يشترطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لا ينقطع به بالكلية بأن لا يحصل منه شيء أصلاً، أو لا يفي بمؤنته فهو أيضاً على الأصح إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه، والثالث: ألا يشترطه أيضاً ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعاً ونفعاً، وهذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار كذا حرره العلامة قنالي زاده في رسالته الموضوعة

فی الاستبدال وأطنب فيها عليه الاستدلال . (الدر المختار: مع فتاوی الشامی: ۴/ ۳۸۴، مطلب فی استبدال الوقف، سعید).

و کذا فی احکام الاوقاف للخصاف: ۲۲، بیروت۔ وقانون العدل والانصاف للقضاء علی مشکلات الاوقاف، ۹۶، الفصل الرابع فی استبدال الوقف، لمحمد قدری باشا الحنفی، المكتبة المکیة).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

اگر وہ مکان بالکل ہی قابل انتفاع نہ رہے اور اس سے کوئی آمدنی حاصل نہ ہو اور مرمت و تعمیر کی بھی وسعت نہ ہو تو اس کو بدل لینا درست ہے، اس طرح اس کو فروخت کر کے اس کے عوض دوسرا مکان لے کر مدرسہ میں شرائط واقف کے تحت وقف کر دیا جائے... (فتاویٰ محمودیہ: ۱۳/ ۲۹۲).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

اگر موقوف علیہم کے براہ راست استفادہ کے لیے کوئی جائیداد وقف کی گئی تھی اور اب وہ ناقابل انتفاع ہو چکی ہے تو خدا ترس قاضی کی اجازت سے اسی طرح کی دوسری جائیداد سے اس کا تبادلہ یا نقد کے عوض اسے فروخت کر کے اسی طرح کی دوسری جائیداد خریدنا صحیح ہے، اور یہ دوسری جائیداد پہلی کی جگہ وقف قرار پائیگی۔
(۲) اور اگر واقف نے جائیداد موقوفہ کی آمدنی موقوف علیہم پر صرف کرنے کی شرط لگائی تھی، اور جائیداد موقوفہ ناقابل انتفاع ہو چکی ہے تو کم خرچ اور زیادہ نفع بخش دوسری نوع کی جائیداد سے اس کا تبادلہ یا نقد کے عوض اسے فروخت کر کے دوسرے نوع کی جائیداد بھی خریدنا جائز ہے، اور یہ دوسری جائیداد پہلی جائیداد کی طرح وقف قرار پائیگی۔ (مجموعہ قوانین اسلامی: ۳۵۲). واللہ تعالیٰ اعلم۔

موقوفہ فروخت شدہ جائیداد کی تلافی کا حکم:

سوال: ایک شخص نے موقوفہ جائیداد فروخت کر دی، اور اب قانونی مجبوری کی وجہ سے واپس لینا ناممکن

ہے تو اب تلافی کی کیا صورت ہے؟ مثلاً کسی غیر مسلم کو فروخت کر دی جس کے ہاں وقف کے احکام کا تصور نہیں ہے۔

الجواب: جو جائیداد وقف کردی گئی وہ ہمیشہ کے لیے وقف ہوگئی اب اس کو فروخت کرنا کسی کے لیے روا نہیں، اور اگر کسی نے فروخت کردی تو بیع نافذ نہیں ہوگی، اور جائیداد حسب سابق وقف ہی رہے گی، لیکن اگر قانونی مجبوری کے تحت استرداد ناممکن ہو تو اس کے ثمن سے دوسری جائیداد خرید کر حسب شرائط واقف وقف کردی جائے۔ جیسے فقہاء نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر جائیداد بالکل ہی ناقابل انتفاع ہو جائے تو اس کو فروخت کر کے اس کی جگہ دوسری خرید کر وقف کرنا جائز اور درست ہے۔

قال فی الهدایة: وإذا صح الوقف لم یجز بیعه ولا تملیکه، قال ابن ہمام لم یجز بیعه ولا تملیکه ہو بإجماع الفقہاء أما امتناع التملیک فلما بینا، من قوله علیہ الصلاة والسلام تصرف بأصلها لا بیاع ولا یورث ولا یوہب . (فتح القدیر مع الهدایة: ۶/۲۲۰، دار الفکر۔ ومثله فی الدر المختار مع فتاوی الشامی: ۴/۳۵۲، سعید).

قال فی الدر: وفيہا لا یجوز استبدال العامر إلا فی أربع، قال ابن عابدین: إلا فی أربع الأول: لو شرطہ الواقف، والثانیة إذا غصب غاصب، وأجرى علیہ الماء حتی صار بحرأ فیضمن القيمة ویشتري المتولی بها أرضاً بدلاً، والثالثة: أن یجحدہ الغاصب ولا بینة أی وأراد دفع القيمة فللمتولی أخذها لیشتري بها بدلاً، الرابعة: أن یرغب إنسان فیہ ببدل أكثر غلة وأحسن صقعا فیجوز علی قول أبی یوسف وعلیہ الفتوی، کما فی فتاوی قاری الهدایة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۴/۳۸۸).

وفیه: وجاز شرط الاستبدال به أرضاً أخرى حینئذ أو شرط بیعه ویشتري بثمنه أرضاً أخرى إذا شاء فإذا فعل صارت الثانیة کالأولی فی شرائطها وإن لم یذکرها ثم لا یستبدلها بثالثة. (الدر المختار: ۴/۳۸۴، سعید).

قانون العدل والانصاف میں ہے:

من غصب وقفاً داراً كانت أو حانوتاً أو أرضاً، فعیلہ ردہ بعینہ، فإن ہلک فی یدہ ولو بأفة سماویة، ضمن قیمته، وإن کان دخل نقص، ضمن النقصان. (قانون العدل

والانصاف: ۲۴۵، فی غصب الوقف).

مزید ملاحظہ ہو: (الفتاویٰ الہندیۃ: ۳۹۹/۲۔ والبحر الرائق: ۲۲۰۔ والشامی: ۴/۳۶۰)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ارض موقوفہ پر تعمیر کا حکم:

سوال: ایک زمین مسجد کے لیے وقف ہے لیکن اس پر کوئی تعمیر وغیرہ نہیں ہے جس کی وجہ سے اس زمین سے کوئی آمدنی حاصل نہیں ہو رہی ہے، اور نہ کوئی فائدہ ہو رہا ہے بلکہ زمین کے اخراجات مثلاً ٹیکس وغیرہ بھی نہیں نکلتے ہیں، اور مسجد کے پاس وسعت بھی نہیں کہ تعمیر کر سکے، اس لیے متولیان مسجد پریشان ہیں، ایک شخص نے ان کو بتلایا کہ میں اپنی رقم سے ایک دکان بنانا چاہتا ہوں لیکن بطور وقف نہیں بلکہ میری ملک میں رہیگی، اور زمین کے معقول کرایہ کے ساتھ آمدنی میں سے بھی کچھ حصہ مسجد کو ادا کرتا رہوں گا، کیا اس طرح تعمیر کی گنجائش ہے؟ اور کیا وقف کی زمین میں ذاتی تعمیر ہو سکتی ہے؟

الجواب: ویران جائداد وقف جو ناقابل انتفاع ہو اس پر تعمیر کر کے قابل انتفاع بنانا فقط جائز ہی نہیں بلکہ افضل اور بہتر ہے، لیکن جب مسجد کے پاس اتنی وسعت نہیں ہے کہ قابل انتفاع بنا سکے تو مسجد کے متولی حضرات دوسرے شخص کو تعمیر کی اجازت دے سکتے ہیں، اور وہ تعمیر اس کی ذاتی ہوگی جب تک وہ وقف نہ کر دے، اور ماہانہ کرایہ وصول کیا جائیگا، مزید براں آمدنی میں سے جو حصہ مسجد کو دینا چاہے اپنی مرضی سے دے سکتا ہے، البتہ اس کا روائی کو جانہیں کی دستخط کے ساتھ قلمبند کیا جائے اور مسجد کی فائل میں محفوظ رکھا جائے تاکہ مروجہ زمانہ پر ورثاء ملکیت کا دعویٰ نہ کر دیں کیونکہ اس میں ضیاع وقف کا پہلو مضمر ہے۔

قانون العدل والانصاف میں ہے:

وإذا بنى الواقف بناءً في أرض الوقف، أو غرس فيها أشجاراً، فإن كان البناء والغراس من مال الوقف، أو كان من مال الواقف، وذكر أنه بناه أو غرسه للوقف، فإنه يكون وقفاً، وإن كان من ماله، ولم يذكر أنه للوقف يكون ما بناه أو غرسه ملكاً له. (قانون العدل

والانصاف، ص ۱۴۲، مادة: ۲۰۷، البناء والغراس في أرض الوقف).

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

دعوائے ملکیت یا غاصبانہ قبضہ کے خطرہ کے سد باب کے لیے ارض موقوفہ پر کرایہ دار کو ذاتی عمارت بنانے کی اجازت نہیں دینی چاہئے، لیکن اگر متولی نے اسے ذاتی مکان بنانے کی اجازت دے دی یا اس نے از خود بنالیا اور کرایہ کی مدت ختم ہوگئی تو اگرچہ وہ رائج کرایہ دینے کے لیے تیار ہو اور اس کے غاصبانہ قبضہ کا ظن غالب بھی نہ ہو تو بھی متولی پر اسے کرایہ دار باقی رکھنا لازم نہیں ہے... اور اگر ارض موقوفہ کو نقصان پہنچنے کا خطرہ نہ ہو تو اسے عمارت بنالینے پر بھی مجبور کرے، اور اگر نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو تو اسے مکان بنانے کی اجازت نہ دے،... اور جب تک ان میں سے کوئی شکل ممکن نہ ہو ارض موقوفہ بشمول عمارت دوسرے شخص کو کرایہ پر دے دے یہاں تک کہ عمارت ٹوٹ پھوٹ جائے اور اس کا ملکہ مالک کو واپس مل جائے، اور اس مدت کے اندر حاصل شدہ کرایہ مالک عمارت اور وقف دونوں پر اس کے اپنے اپنے حصے کے لحاظ سے تقسیم ہوگا۔ (مجموعہ قوانین اسلامی: ۳۶۶-۳۶۸، دفعہ ۴۰)۔

درمختار میں ہے:

ففي المنية حانوت لرجل في أرض وقف فأبى صاحبه أن يستأجر الأرض بأجر المثل أن العمارة لو رفعت تستأجر بأكثر مما استأجره أمر برفع العمارة، وتوَجَّرَ لغيره، وإلا تترك في يده بذلك الأجر. وفي الشامية: والحاصل أن مستأجر أرض الوقف إذا بنى فيها ثم زادت أجرة المثل زيادة فاحشة فأما أن تكون الزيادة بسبب العمارة والبناء أو بسبب زيادة أجرة الأرض في نفسها ففي الأول لا تلزمه الزيادة لأنها أجرة عمارته وبنائه وهذا لو كانت العمارة ملكه... قوله إلا تترك في يده بذلك الأجر لأن فيها ضرورة بحر عن المحيط وظاهر التعليل تركها بيده ولو بعد فراغ مدة الإجارة، لأنه لو أمر برفعها لتوَجَّرَ من غيره يلزم ضرره، وحيث كان يدفع أجرة مثلها لم يوجد ضرر على الوقف، فتترك في يده لعدم الضرر على الجانبين فلو مات المستأجر كان لورثته الاستبقاء أيضاً إلا إذا كان فيه ضرر على الوقف بوجه ما. (الدر المختار مع رد المحتار: ۴/۳۹۱، سعيد). والله تعالى أعلم۔

آمدنی وقف کے مصارف کا حکم:

سوال: ہمارے شہر میں ایک آدمی نے کسی اسلامی ادارہ (اسلامی اسکول) کے لیے ایک گھر وقف کیا تھا، گھر کی آمدنی اسلامی اسکول کے منافع میں تقسیم کی جاتی تھی، گزشتہ چار سالوں سے گھر ادارہ کے منتظمین کے قبضہ میں ہے، اب گھر کی آمدنی کے مصارف کیا ہیں؟ یعنی آمدنی کہا استعمال کرنی چاہئے؟

الجواب: واقف کی شرائط کے مطابق وقف کی آمدنی صرف کی جائیگی، ہاں متولی مصالح وقف کے پیش نظر وقف کے انتظامات اور اس کے مصارف میں ایسی تبدیلی کر سکتا ہے جس سے مقاصد وقف فوت نہ ہوں، اور اگر واقف کی طرف سے کوئی شرط نہیں ہے، تو سب سے پہلے مکان کی آمدنی مکان اور زمین کی اصلاح اور مرمت میں صرف کی جائیگی، بعد ازاں اہم اہم مصالح میں خرچ کی جائیگی، پھر مستحقین مثلاً اسکول کے اساتذہ اور کارکنوں کی تنخواہوں میں صرف کی جاسکتی ہے، الغرض حسب ضرورت و مصلحت صرف کرنا چاہئے۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

و يبدأ من غلته بعمارتہ ثم ما هو أقرب لعمارتہ کإمام مسجد و مدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح وتمامه في البحر. وفي الشامية: قوله يبدأ من غلته بعمارتہ أي قبل الصرف إلى المستحقين... و ذکر فی البحر أن كون التعمير من غلة الوقف إذا لم يكن الخراب بصنع أحد... قوله ثم ما هو أقرب لعمارتہ أي فإن انتهت عمارتہ وفضل من الغلة شيء يبدأ بما هو أقرب للعمارة وهو عمارتہ المعنوية التي هي قيام شعائره... والحاصل أن الوجه يقتضي أن ما كان قريباً من العمارة يلحق بها في التقديم على بقية المستحقين... (الدر المختار مع رد المحتار: ۴/ ۳۶۷-۳۶۸).

قانون العدل والانصاف میں ہے:

إذا جعل وقفه على مسجد معين، أو على مدرسة معينة و شرط أنه إن ضاق ريعه، واحتاج المسجد أو المدرسة لعمارة ضرورية فتقدم ما هو أقرب لها وأهم للمصلحة من

أرباب الشعائر على غيره من المستحقين، صح شرطه، ووجب العمل به سواء عين قدراً معلوماً لهم أو لم يعين، وإذا شرط الواقف أن يسوى بين جميع المستحقين من أرباب الشعائر وأصحاب الوظائف وضاق ريع الوقف، واحتاج المسجد أو المدرسة للعمارة الضرورية، فلا يعتبر شرطه بل يقدم بعد العمارة الأهم فالأهم، من أرباب الشعائر الذين يترتب على انقطاعهم ضرر، وتعطيل لإقامة الشعائر بالمسجد والمدرسة وكذلك إذا شرط الاستواء بين أرباب الشعائر والعمارة وضاق ريع الوقف فلا يراعى شرطه، وتقدم العمارة على سائر الجهات والضرورية لانتظام مصالح المسجد أو المدرسة. (قانون العدل والانصاف، ۸۵، تقديم عمارة المسجد على مصالح الأخرى).

مجموع قوانین اسلامی میں ہے:

واقف کی شرائط کی حیثیت نص جیسی ہے، اس لیے وقف سے استفادہ اور وقف کے انتظامات واقف کی شرطوں کے مطابق انجام پائیں گے، لیکن قاضی مصالح کے پیش نظر وقف کے انتظامات اور اس کے مصارف میں ایسی تبدیلی لاسکتا ہے جس سے مقاصد وقف فوت نہ ہوں، وقف کی آمدنی سے خریدی ہوئی جائداد کی آمدنی مصارف وقف پر خرچ ہوگی، اور مصالح وقف کے پیش نظر وقف کی آمدنی سے خرید کردہ جائداد کو فروخت کیا جاسکتا ہے۔ (مجموع قوانین اسلامی: ۳۵۴، دفعہ ۱۱، ۱۳). واللہ تعالیٰ اعلم۔

واقف کا شرائط وقف میں تبدیلی کرنے کا حکم:

سوال: ایک عورت نے وقف نامہ تحریر کیا اور اس میں چند شرائط درج کیے، مثلاً یہ لکھا کہ جب تک میں زندہ رہوں اس مکان میں رہوں گی، میرے مرنے کے بعد یہ مکان اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہوگا، اور چار افراد فائدہ اٹھائیں گے، پھر ان کے انتقال کے بعد مسجد کے لیے وقف ہوگا، اس وقف نامہ کے بعد وہ عورت اس میں کچھ تبدیلی کرنا چاہتی ہے، مثلاً چار افراد کی جگہ صرف ایک شخص کا نام لکھنا چاہتی ہے اس تبدیلی کا اختیار ہے یا نہیں؟ جب کہ وقف نامہ میں تبدیلی کی کوئی شرط موجود نہیں ہے؟

الجواب: واقف نے جب ایک مرتبہ وقف نامہ لکھ کر وقف کر دیا اور اپنے لیے تبدیلی وغیرہ کا کوئی اختیار نہیں رکھا تو بعد میں وقف نامہ میں تبدیلی کی اجازت نہیں ہوگی، لہذا صورتِ مسئلہ میں بھی اب تغیر و تبدل کا اختیار حاصل نہیں ہے۔

ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ الشامی میں ہے:

وفي الإسعاف: ولا يجوز له أن يفعل إلا ما شرط وقت العقد، وفيه: لو شرط في وقفه أن يزيد في وظيفة من يرى زيادته أو ينقص من وظيفة من يرى نقصانه أو يدخل معهم من يرى إدخاله أو يخرج من يرى إخراجهم جاز، ثم إذا فعل ذلك ليس له أن يغيره لأن شرطه وقع على فعل يراه، فإذا رآه وأمضاه فقد انتهى ما رآه، وفي فتاوى الشيخ قاسم: وما كان من شرط معتبر في الوقف فليس للواقف تغييره ولا تخصيصه بعد تقرر، ولا سيما بعد الحكم، فقد ثبت أن الرجوع عن الشروط لا يصح إلا التولية ما لم يشترط ذلك لنفسه فله تغيير الشروط مدة واحدة، إلا أن ينص على أنه يفعل ذلك كلما بدا له وإلا إذا كانت المصلحة اقتضته فاغتنم هذا التحرير. (فتاوى الشامی: ۴/۵۹، مطلب لا يجوز الرجوع عن الشروط، سعيد).

البحر الرائق میں ہے:

وفيه (منظومة ابن وهبان) أيضاً فرع مهم وقع السؤال بالقاهرة بعد سبعين أن الواقف إذا جعل لنفسه التبديل والتغيير والإدخال والإخراج والزيادة والنقصان هل يكون صحيحاً وهل تكون له ولاية الاستبدال، والشيخ الإمام الوالد سقى الله عهده صوب الرضوان، أفتى بصحة ذلك. (البحر الرائق: ۵/۲۲۴، كوئنه).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (قانون العدل والانصاف، ص ۸۹۔ فتاویٰ محمودیہ: ۱۴/۲۳۵)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تنخواہ دار شخص کی تولیت کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک اسلامی اسکول کی کمیٹی میں ایک عالم دین کو صدر مقرر کرنے پر بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ عالم صاحب اسکول سے تنخواہ لیں گے، جب کہ چیئرمین ایسا آدمی ہونا چاہئے جو تنخواہ نہ لیتا ہو، کیا شریعت میں تنخواہ دار آدمی کو سربراہ مقرر کرنا جائز ہے؟

الجواب: اسلامی اسکول چلانے اور انتظام کرنے کے لیے وہ شخص زیادہ مناسب ہے جو دینی علوم میں ماہر ہو تاکہ اسکول میں اسلامی روح جاری و ساری کرادے، اور نظام تعلیم کو دین و شریعت کے موافق بنادے، پھر اس عالم دین کے گزارے کے لیے تنخواہ مقرر کرنا چاہئے تاکہ فارغ البال ہو کر اسکول کے نظام کو بہتر بنانے کی طرف متوجہ رہے، یاد رہے کہ سربراہ بننے کے ساتھ تنخواہ لینا متصادم نہیں، بلکہ خلفائے راشدین باوجود سربراہ ہونے کے بیت المال سے تنخواہ لیتے تھے۔

علامہ سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ بنے تو صبح کے وقت کپڑے کی گٹھڑی اٹھائے ہوئے بازار کی طرف جارہے تھے حضرت عمرؓ نے پوچھا کہاں جارہے ہو؟ فرمایا مسلمانوں کا خلیفہ بنایا گیا ہوں مگر اہل و عیال کے خرچ کا انتظام کیسے ہوگا؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا چلئے ابو عبیدہؓ کے پاس چلتے ہیں وہ آپ کے لیے وظیفہ یا تنخواہ مقرر فرمادیں گے، دونوں وہاں چلے گئے، ابو عبیدہؓ نے فرمایا میں آپ کے لیے ایک مہاجر کے خرچے کے برابر خرچہ مقرر کرتا ہوں، اور گرمی سردی کا لباس بھی۔

تاریخ الخلفاء کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

وأخرج ابن سعد عن عطاء، السائب قال لما بويع أبو بكر ﷺ أصبح وعلى ساعده ابراد و هو ذاهب إلى السوق فقال عمر ﷺ: أين تريد قال إلى السوق قال: تصنع ماذا وقد وليت أمر المسلمين قال فمن أين أطعم عيالي فقال: انطلق يفرض لك أبو عبيدة فانطلق إلى أبي عبيدة فقال: أفرض لك قوت رجل من المهاجرين ليس بأفضلهم ولا أوكسهم وكسوة الشتاء والصيف. (تاريخ الخلفاء: ۷۸).

اس کے بعد مرقوم ہے کہ دو ہزار ”غالباً سالانہ“ مقرر فرمائے جس پر ابو بکر صدیق ؓ نے فرمایا کہ اہل و عیال کے پیش نظر یہ کم ہیں تو پانچ سو مزید بڑھائے گئے۔

وأخرج ابن سعد عن ميمون قال: لما استخلف أبو بكر ؓ جعلوا له ألفين، فقال: زيدوني فإن لي عيالا وقد شغلتموني عن التجارة، فزاده خمس مائة. (تاريخ الخلفاء: ۷۸)۔
مشکوٰۃ شریف میں ہے:

وعن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: لما استخلف أبو بكر ؓ قال: لقد علم قومي أن حرفتي لم تكن تعجز عن مؤنة أهلي وشغلت بأمر المسلمين فسيأكل آل أبي بكر ؓ من هذا المال ويحترف للمسلمين فيه. (رواه البخاري)۔ وعن عمر ؓ قال: عملت على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فعملني. رواه ابوداود، وقال التوربيشتي: أي أعطاني عمالتي وأجرة عملي. (حاشية مشکوٰۃ بحوالہ مرقاۃ)۔ وعن المستورد بن شداد قال سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: من كان لنا عاملاً فليكتسب زوجة فإن لم يكن له خادم فليكتسب خادماً فإن لم يكن له مسكن فليكتسب مسكناً. رواه ابوداود۔ (مشکوٰۃ شریف: ۳۲۶/۲، باب رزق الولاۃ وهدایا ہم)۔
واللہ تعالیٰ اعلم۔

متولی وقف کی ذمہ داریاں:

سوال: متولی وقف کی شرائط اور ذمہ داریاں کیا ہیں؟

الجواب: متولی وقف کی شرائط، ذمہ داریاں اور اوصاف درج ذیل ملاحظہ فرمائیں:

- ☆ متولی کا عاقل، بالغ ہونا، امین و دیانت دار ہونا، خائن شخص کو متولی بنانا جائز نہیں ہے۔
- ☆ وقف سے متعلق حفاظت اور مفوضہ فرائض کو بذات خود انجام دینا، یا کسی نائب کے واسطے سے انجام دینا۔
- ☆ موقوفہ املاک کی حفاظت اور حتی المقدور مقاصد وقف کی تکمیل کی کوشش کرنا۔
- ☆ واقف کی جائز شرائط یا متولیان قدیم کے دستور العمل کے مطابق اوقاف کے تمام انتظامی امور کو انجام دینا۔

- ☆ جائیداد وغیرہ کو اجارہ پر دینا اور ماہانہ آمدنی کو صحیح مصارف میں صرف کرنا۔
- ☆ جو اوقاف کسی مفاد یا رفاہ عام میں مخصوص ہوں، مثلاً مسافر خانے، سرائے، مقبرہ، سقایہ، کتب خانے، انجمنیں، وغیرہ ان کے ناجائز استعمال سے روکنا اور جائز استعمال کی اجازت دینا۔
- ☆ ایسے اسباب و ذرائع اختیار کرنا جن سے اوقاف ویرانی کے خطروں سے محفوظ رہ سکے۔
- ☆ آمدنی میں حسب ضرورت خرید و فروخت کرنا۔
- ☆ آمدنی وصول کر کے اس کے مصارف پر خرچ کرنا۔
- ☆ مخصوص صورتوں کے علاوہ وقف کی جائیداد کو فروخت کرنے یا کسی غیر منقولہ جائیداد کے ساتھ تبدیل کرنے کی اجازت نہیں۔
- ☆ اراضی وقف زیادہ سے زیادہ تین سال اور رہائشی مکانات زیادہ سے زیادہ ایک سال کے لیے کرایہ پر دینا، اس سے زیادہ میں تحفظ وقف کے خطرہ میں پڑنے کا اندیشہ ہے۔ ہاں اگر مصلحت متقاضی ہو تو اسی کو اختیار کیا جائیگا۔
- ☆ وقف کی جائیداد کو رہن رکھ کر قرض حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔
- ☆ متولی کے لیے مصالح وقف کے بغیر قرض لینا جائز نہیں ہے، اگر متولی نے بغیر مصلحت وقف کے ایسا کیا تو اس قرض کی ذمہ داری متولی کی ذات پر ہوگی۔
- ☆ اشیاء موقوفہ کو اجرت مثل میں کرایہ پر دینا متولی پر لازم ہے، اگر اس نے اجرت مثل میں کوئی قابل لحاظ کمی کردی تو بھی کرایہ دار پر اجرت مثل ہی لازم ہوگی۔
- ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

وینزع وجوباً لو الواقف (فغیرہ بالاولیٰ) غیر مأمون أو عاجزاً أو ظہر بہ فسق کشر ب
 خمیر ونحوہ فتح، أو کان یصرف مالہ فی الکیمیاء، نہر. وفي الشامیة: قوله غیر مأمون قال
 فی الإسعاف: ولا یولی إلا أمين قادر بنفسه أو بنائیه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر وليس
 من النظر تولیة الخائن لأنه یخل بالمقصود، وكذا تولیة العاجز لأن المقصود لا یحصل به،

و يستوى فيه الذكر والأنثى وكذا الأعمى والبصير وكذا المحدود في قذف إذا تاب لأنه أمين، وقالوا: من طلب التولية على الوقف لا يعطى له وهو كمن طلب القضاء لا يقلد، والظاهر: أنها شرائط الأولوية لشرائط الصحة وأن الناظر إذا فسق استحق العزل ولا ينزل كالقاضي إذا فسق لا ينزل على الصحيح المفتى به، ويشترط لصحته بلوغه وعقله لا حرите وإسلامه لما في الإسعاف لو أوصى إلى الصبي تبطل في القياس مطلقاً وفي الاستحسان هي باطلة مادام صغيراً، فإذا كبر تكون الولاية له ولو كان عبداً يجوز قياساً واستحساناً لأهليته في ذاته بدليل أن تصرفه الموقوف لحق المولى ينفذ عليه بعد العتق لزوال المانع بخلاف الصبي. (الدر المختار مع رد المحتار: ۴/ ۳۸۰، مطلب في شروط المتولى، سعيد).

وكذا في قانون العدل والانصاف، ص ۱۰۷، الفصل الأول في ولاية الوقف، بيروت).

فتاویٰ شامی میں ہے:

شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع. (فتاویٰ الشامی: ۴/ ۳۴۳، مطلب شرائط الواقف).

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

إذا وقف داره على الفقراء فالقيم يؤجرها ويبدأ من غلتها بعمارته وليس للقيم أن يسكن فيها أحداً بغير أجر كذا في التاتارخانية. (الفتاویٰ الهندية: ۴/ ۴۱۸).

وفي الدر المختار: يراعى شرط الواقف في إجارته فلو أهمل الواقف مدتها قيل تطلق ... وقيل تقيد بسنة مطلقاً وبها أى بالسنة يفتى في الدار وبثلاث سنين في الأرض إلا إذا كانت المصلحة بخلاف ذلك وهذا مما يختلف زماناً وموضعاً، وفي فتاویٰ الشامية: قوله وقيل تقيد بسنة لأن المدة إذا طالت تؤدي إلى إبطال الوقف، فإن من رآه يتصرف بها تصرف الملاك على طول الزمان يظنه مالكا إسعاف. (قوله وبثلاث سنين في الأرض) أى إذا كان لا يمكن المستأجر من الزراعة فيها إلا في الثلاث كما قيده المصنف تبعاً للدرر حيث قال: إن الأرض إن كانت مما تزرع في كل سنتين مرة، أو في كل ثلاث كان له

أن يؤجرها مدة يتمكن فيها من الزراعة ، و مثله في الإسعاف ، و كذا في الخانية لكن ذكر فيها بعد ذلك قوله وعن الإمام أبي حفص البخاري أنه كان يجيز إجارة الصباغ ثلاث سنين ، فإن آجر أكثر اختلفوا فيه وأكثر مشايخ بلغ لا يجوز... و ظاهره جواز الثلاث بلا تفصيل تأمل . وأن مختار الفقيه جواز الأكثر... و اعلم أن المسألة فيها ثمانية أقوال ذكرها العلامة قنالي زاده في رسالته أحدها: قول المتقدمين عدم تقدير الإجارة بمدة ورجحه في أنفع الوسائل ، والمفتي به ما ذكره المصنف خوفاً من ضياع الوقف كما علمت .
(الدر المختار مع رد المحتار: ۴/ ۴۰۰، كتاب الوقف).

فتح القدیر میں ہے:

ليس على الناظر أن يفعل إلا ما يفعله أمثاله من الأمر والنهي بمصالح... والأخذ والإعطاء . (فتح القدیر: ۶/ ۲۴۲، دار الفکر).
عالمگیری میں ہے:

وإن كان في الأرض الموقوفة نخل و خاق القيم هلاكها كان للقيم أن يشتري من غلة الوقف فصيلاً فيغرسه كيلا ينقطع كذا في فتاوى قاضيخان . (الفتاوى الهندية: ۲/ ۴۱۳).
مزید ملاحظہ فرمائیں: (مجموع قوانین اسلامی مع الحاشیہ: ۳۵۷، ۳۶۵۔ وقاموس الفقہ: ۵/ ۳۰۳۔ وفتاویٰ محمودیہ: ۱۳/ ۳۳۲، باب ولایۃ الوقف) . واللہ تعالیٰ اعلم۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى :

﴿وَأَنْ الْمَسْجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا﴾

عَنْ عَثْمَانَ بْنِ عَفَانَ ؓ قَالَ :

سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :

”مَنْ بَنَى لِلَّهِ مَسْجِدًا بَنَى اللَّهُ لَهُ مِثْلَهُ فِي الْجَنَّةِ“

(رواه الترمذی).

بَاب ﴿٢﴾

مَا يَتَعَلَّقُ

بِالْمَسَاجِدِ

فصل اول

احکام مساجد کا بیان

مسجد کی ذاتی ملک اور قانون شخصی کا حکم:

سوال: کیا مساجد اور مدارس مالک بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں، یا نہیں؟ یعنی اگر کسی نے مسجد کو قالین وغیرہ دیدی اور وقف نہیں کی یا مدرسہ میں کتابیں وغیرہ بھیج دیں اور وقف نہیں کیں، تو یہ اشیاء وقف ہیں یا مدرسہ کی ذاتی ملک ہیں، اسی طرح چرم قربانی اگر کسی مسجد یا مدرسہ کو دیدی تو مسجد یا مدرسہ اس کے مالک بنے یا نہیں؟ اگر چرم قربانی کی قیمت اساتذہ کی تنخواہوں میں خرچ کرنا چاہیں تو خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: مساجد اور مدارس ذاتی ملک اور قانون شخصی کی حیثیت رکھتے ہیں، لہذا اگر کسی نے کوئی چیز مسجد یا مدرسہ کو دیدی اور وقف نہیں کی تو مسجد یا مدرسہ اس چیز کا مالک بن گیا اور متولی کو اس چیز میں تصرف کرنے کا حق حاصل ہو گیا، بایں وجہ چرم قربانی بھی اگر کوئی شخص مسجد یا مدرسہ کو دیدے تو مسجد یا مدرسہ اس کا مالک بن جائیگا، اور اس کو بیچ کر اس کی قیمت اساتذہ کی تنخواہوں میں صرف کی جاسکتی ہے۔

اس مسئلہ کو باصطلاح فقہاء قانون شخصی سے موسوم کیا جاتا ہے، اور اس کی واضح اور بے غبار نظیر بیت المال کا نظام ہے، کہ بیت المال میں موقوفہ اموال نہیں ہوتے بلکہ بیت المال کی ذاتی ملک ہوتے ہیں اس سے لینا دینا ہوتا ہے، لہذا مساجد و مدارس بھی بیت المال کے حکم میں ہونے کی وجہ سے ذاتی ملک کی صلاحیت رکھتے

ہیں۔ ورنہ جن لوگوں نے مساجد و مدارس کو اپنے اموال دے دیے ہیں جو موقوفہ نہیں ہیں، وہ اموال دہندگان کے انتقال کے بعد ان کی میراث میں تقسیم ہونا چاہئے، حالانکہ ان میں میراث جاری نہیں ہوتی۔ نیز یہ بات بھی ملحوظ نظر رہے کہ وقف کے لیے خاص الفاظ ہیں ان کے بغیر وقف نہیں ہوتا۔ ملاحظہ ہو طحاوی میں ہے:

قوله وركنه الألفاظ الخاصة قال في الشرح الملتقى ناقلاً عن القهستاني: إنما قيد بالقول لأنه لو كتب صورة القضية مع الشرائط بلا تلفظ لم يصير وقفاً بالاتفاق ثم قال: إنه لم يصير وقفاً عند الطرفين إلا إذا كتب بيده وقال للشهود أشهدوا بمضمونه فإنه إقرار بأني وقفت كما ذكرت فيه أو كلاماً نحوه فحينئذ يصير وقفاً. (كذا في هاشية الطحاوی علی الدر المختار: ۵۲۹/۲).

مساجد اور مدارس کی ملکیت کے دلائل ملاحظہ فرمائیں:

اعلاء السنن میں ہے:

عن عائشة رضي الله تعالى عنها، قالت: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لولا أن قومك حديثو عهد بجاهلية أو قال: بكفر لأنفقت كنز الكعبة في سبيل الله ولجعلت بابها بالأرض، ولأدخلت فيها من الحجر. (رواه مسلم، نيل الاوطار: ۲۷۴/۵).

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں:

التمليك للمسجد صحيح: - قلت: وفي الحديث دليل لما قاله علماؤنا من أن التملك للمسجد صحيح ففي الهندية: رجل أعطى درهماً في عمارة المسجد أو نفقة المسجد، أو مصالح المسجد صح، لأنه إن كان لا يمكن تصحيحه وقفاً يمكن تصحيحه تملكاً بالهبة للمسجد وإثبات الملك للمسجد على هذا الوجه صحيح، فيتم بالقبض كذا في الواقعات، وقال: وهبت داري للمسجد أو أعطيتها له صح و يكون تملكاً، ويشترط التسليم كما لو قال: وقفت هذه المائة للمسجد يصح بطريق التملك إذا سلمه

للقیم کذا فی الفتاوی العتابیة، (۳/۲۴۰)، (إعلاء السنن: ۱۳/۲۰۰، باب الوقف علی مصالح المسجد، إدارة القرآن).

فتاوی تاتارکانیہ میں ہے:

ولو قال: وهبت داری للمسجد أو أعطيتها له صح ويكون تمليکاً فيشترط التسليم كما لو قال: وقفت هذه المائة للمسجد، يصح بطريق التملیک إذا سلم للقیم. (الفتاوی التاتارکانیة: ۵/۸۵۳، کتاب الوقف، مسائل وقف المساجد، إدارة القرآن).

عالمگیری میں ہے:

ذكر الصدر الشهيد في باب الواو إذا تصدق بداره على مسجد أو على طريق المسلمين تكلموا فيه والمختار أنه يجوز كالوقف كذا في الذخيرة. (الفتاوی الهندیة: ۲/۴۶۰). یعنی جس طرح مسجد اور دیگر کار خیر کے لیے وقف کیا جاتا ہے اسی طرح بطور صدقہ دینا بھی درست ہے۔ دوسری جگہ مرقوم ہے:

رجل أعطى درهماً في عمارة المسجد أو نفقة المسجد، أو مصالح المسجد صح، لأنه إن كان لا يمكن تصحيحه وقفاً يمكن تصحيحه تمليکاً بالهبة للمسجد وإثبات الملك للمسجد على هذا الوجه صحيح، فيتم بالقبض كذا في الوقعات، وقال: وهبت داری للمسجد أو أعطيتها له صح ويكون تمليکاً، ويشترط التسليم كما لو قال: وقفت هذه المائة للمسجد يصح بطريق التملیک إذا سلمه للقیم کذا فی الفتاوی العتابیة. (الفتاوی الهندیة: ۲/۴۶۰، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد۔ وکذا فی الفتاوی الولوالجیة: ۳/۹۰، الفصل الاول فی المسجد).

عالمگیری کی درج ذیل عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المال قانون شخصی ہے۔ ملاحظہ ہو:

فعلى الإمام أن يجعل بيت المال أربعة لكل نوع بيتاً لأن لكل نوع حكماً يختص به لا يشاركه مال آخر فيه فإن لم يكن في بعضها شيء فللإمام أن يستقرض عليه مما فيه مال فإن استقرض من بيت مال الصدقة على بيت مال الخراج فإذا أخذ الخراج يقضى

المستقرض من الخراج إلا أن يكون المقاتلة فقراء لأن لهم حظاً فيها فلا يصير قرضاً.
(الفتاویٰ الهندیة: ۱/۱۹۱، فصل فیما یوضع فی بیت المال اربعة انواع).

یعنی امام کے لیے ضروری ہے کہ بیت المال چار حصوں پر تقسیم کرے اس لیے کہ ہر حصہ کا حکم الگ ہے جو اس کے ساتھ خاص ہے دوسرا مال اس میں شریک نہیں ہے، پس اگر بعض حصوں میں کچھ مال نہ ہو تو دوسرے سے قرض لے مثلاً صدقہ کے اموال سے اموال خراج کو کچھ قرضہ دیا تو جب خراج حاصل ہو تو اس سے قرضہ وصول کر لے، یعنی بیت المال دائن اور مدیون بن سکتا ہے، جو کہ قانون شخصی ہے۔

حضرت عمرؓ غلاف کعبہ کو حاجیوں میں تقسیم کرتے تھے کیونکہ وقف نہیں ہوتا تھا۔
ملاحظہ فرمائیں علامہ ابوالولید محمد بن عبداللہ بن احمد ازرقی فرماتے ہیں:

حدثنا أبو الوليد قال: حدثنا جدي وإبراهيم بن محمد الشافعي، عن مسلم بن خالد، عن ابن أبي نجيح، عن أبيه، أن عمر بن الخطابؓ كان ينزع كسوة البيت في كل سنة فيقسمها على الحاج، فيستظلون بها على السمر بمكة. (أخبار مكة، وما جاء فيها من الآثار للأزرقی: ۱/۲۱۷، باب ما جاء في تجريد الكعبة، واول من جردها، مكتبة الثقافة الدينية).

عمدة القاری میں علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

وقال ابن صلاح: الأمر فيها إلى الإمام يصرفه في مصارف بيت المال بيعاً عطاءً واحتج بما ذكره الأزرقی أن عمرؓ كان ينزع كسوة البيت كل السنة... الخ، وعن الأزرقی عن ابن عباسؓ وعائشہ رضي الله تعالى عنها أنهما قالوا: ولا بأس أن يلبس كسوتها من صارت إليه من حائض وجنب وغيرهما، وكذا قالت أم سلمة رضي الله تعالى عنها، وذكر ابن أبي شيبه عن ابن أبي ليلى، وسئل عن رجل سرق من الكعبة، فقال: ليس عليه قطع، ويقال: الظاهر جواز قسمة الكسوة عتيقة إذ بقاؤها تعريض لفسادها بخلاف النقيدين. (عمدة القاری: ۷/۱۶۲، وكذا في شرح اللباب: ص ۵۴۵).

نیز حضرت عمرؓ نے خانہ کعبہ کو دئے گئے ہدایا کی تقسیم کا ارادہ فرمایا تھا، اس کے ذیل میں علامہ عینیؒ لکھتے

ہیں: وإنما أراد الكنز الذي بها وهو ما كان يهدى إليها فيدخر ما يزيد على الحاجة. (عمدة القاری: ۱۶۱/۷).

اس سے معلوم ہوا کہ وہ چیزیں خانہ کعبہ کی ملک ہیں۔

وأما الحلّي فمحسنة عليها كالقناديل فلا يجوز صرفها إلى غيرها. (عمدة القاری: ۱۶۱/۷).

کفایت المفتی میں ہے:

رجل وقف أرضاً له على مسجد ولم يجعل آخره للمساكين تكلم المشايخ فيه والمختار أنه يجوز في قولهم جميعاً كذا في الوقعات الحسامية. (فتاویٰ عالمگیری: ۴۴۷/۲).

إذا غرس شجراً في المسجد فالشجر للمسجد. (فتاویٰ عالمگیری: ۴۵۵/۲). رجل غرس تالة في مسجد فكبرت بعد سنين فأراد متولى المسجد أن يصرف هذه الشجرة إلى عمارة بئر في هذه السكة والغارس يقول هي لي فأت ما وقفها على المسجد قال الظاهر أن الغارس جعلها للمسجد فلا يجوز صرفها إلى البئر ولا يجوز للغارس صرفها إلى حاجة نفسه كذا في المحيط. (فتاویٰ عالمگیری: ص ۴۵۶). مسجد فيه شجرة تفاح يباح للقوم أن يفطروا بهذا التفاح قال الصدر الشهيد المختار أنه لا يباح كذا في الذخيرة. (عالمگیری، ص ۴۵۶). مسجد له أوقاف مختلفة لأبأس للقيم أن يخلط غلته كلها إن خرب حانوت منها فلا بأس بعمارته من غلة حانوت آخر لأن الكل للمسجد ولو كان مختلفاً لأن المعنى يجمعها، (شامية، كتاب الوقف: مطلب في نقل انقراض المسجد ونحوه، ۳۶۱/۴، ط، سعيد۔ مثله في البرازية كتاب الوقف الفصل الرابع، ۲۶۹/۳، ط ماجديه).

ہر وہ چیز جو موقوف علیہ بن سکے اور متعین ہو وہ قانونی شخص ہے اور مسجد موقوف علیہ بن سکتی ہے۔

ہر وہ چیز جو مالک بن سکے وہ قانونی شخص ہے۔ اور اس کی ملک کی حفاظت گورنمنٹ کا فرض ہے، اور اس کو اپنی ملک کی حفاظت کے لیے دعویٰ دائر کرنے کا حق ہے۔

شخصی ملک قبل زوال وانتقال ہے، مالکانہ حیثیت جو قابل زوال وانتقال ہے جب یہ اپنے مالک کو قانونی شخص کی

حیثیت دیدتی ہے، تو مسجد کی ملک جو ناقابل زوال و انتقال ہے، اپنے مالک (مسجد) کو قانونی شخص کا مرتبہ بدرجہ اولیٰ دیگی۔ (کفایت المفتی: ۹۸/۷)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اشکال: لیکن اس پر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ مساجد و مدارس ذاتی ملکیت کی حیثیت رکھتے ہیں تو پھر زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جانی چاہئے، حالانکہ علماء کا اتفاق ہے کہ مساجد یا مدارس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی ہے۔ اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ مصارف زکوٰۃ متعین ہیں، ورنہ مصارف میں مدارس و مساجد کا تذکرہ نہیں ہے، لہذا زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

خانہ کعبہ کی ذاتی ملک اور قانون شخصی کا حکم:

سوال: اگر کسی نے کوئی چیز کعبۃ اللہ کو ہبہ کر دی تو وہ چیز کعبہ کی ملکیت میں آجائیگی یا نہیں؟

الجواب: بصورت مسئلہ بیت اللہ شریف کو ہبہ کی ہوئی چیز بیت اللہ کی ملکیت میں آ جاتی ہے۔
ملاحظہ فرمائیں عالمگیری میں ہے:

ولو قال وهبت داري للمسجد أو أعطيتها له صح ويكون تملكاً فيشترط التسليم.

(الفتاویٰ الہندیہ: ۲/۴۶۰)

اعلاء السنن میں ہے:

التملیک للمسجد صحیح :- قلت: وفي الحديث دليل لما قاله علماؤنا من أن

التملیک للمسجد صحیح ففی الہندیہ: رجل أعطى درهماً في عمارة المسجد أو نفقة

المسجد، أو مصالح المسجد صح، لأنه إن كان لا يمكن تصحيحه وقفاً يمكن تصحيحه

تمليکاً بالهبة للمسجد وإثبات الملك للمسجد على هذا الوجه صحیح، فيتم بالقبض

كذا في الواقعات. (إعلاء السنن: ۱۳/۲۰۰، باب الوقف على مصالح المسجد، إدارة القرآن).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (عمدة القاری: ۷/۱۶۲، و کذا فی شرح اللباب: ص ۵۴۵)۔

محیط برہانی میں ہے:

وفي مجموع النوازل سئل شيخ الإمام أبو الحسن عن رجل قال: وقفت داري على مسجد كذا ولم يزد على هذا وسلمها إلى المتولي صح، ولم يشترط التأبید، يجعل آخره للفقراء، قال: وهذا يكون تمليکاً للمسجد هبة فيتم بالقبض. (المحیط البرہانی: ۳/۱۵۲)۔

واثبت الملك على هذا الوجه يصح فإن المتولي إذا اشترى من غلة دار المسجد يصح وكذا من أعطى درهماً في عمارة المسجد ونفقة المسجد أو مصالح المسجد يصح، وكذا إذا اشترى المتولي عبداً لخدمة المسجد صح كل ذلك، فيصح هذا بطريق التملك بالهبة وإن كان لا يصح بطريق الوقف... الخ. (المحیط البرہانی: ۷/۱۳۷)۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب کسی میں وقف بننے کی صلاحیت نہیں ہوتی تو وہ بطور ہبہ تملیک ہو جاتی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کی توسیع کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی زمین وقف کر دی وہ زمین مسجد سے بالکل متصل ہے مقامی لوگوں کی تعداد بڑھنے کی وجہ سے مسجد کو تنگ دامنی کا شکوہ ہے تو توسیع کی ضرورت ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسجد سے متصل وقف شدہ زمین مسجد میں شامل کر کے توسیع کی گنجائش ہے یا نہیں؟ جب کہ واقف کی نیت کارِ خیر، اور مسجد و مدرسہ وغیرہ میں صرف کرنے کی تھی۔

الجواب: بصورتِ مسئلہ وقف زدہ زمین کو مسجد میں شامل کر کے توسیع کی گنجائش ہے اگرچہ زمین کارِ خیر کے لیے وقف کی گئی تھی پھر بھی مسجد میں شامل کرنا درست ہے، تو توسیع مسجد بھی کارِ خیر اور اہم امورِ شریعت اور شعائرِ اسلام میں سے ہے۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله توخذ أرض في الفتح لو ضاق المسجد وبجنبه أرض وقف عليه أو حانوت جاز أن يوخذ ويدخل فيه زاد في البحر عن الخانية بأمر القاضي وتقييده بقوله وقف عليه أي على المسجد يفيد أنها لو كانت وقفاً على غيره لم تجز ولكن جواز أخذ المملوكة كرهاً يفيد الجواز بالأولى لأن المسجد لله تعالى. (فتاوى الشامى: ۴/۳۷۹، وكذا فى قانون العدل والانصاف، ۸۵، تقديم عمارة المسجد على مصالح الاخرى، بيروت).

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

وإن ضاق المسجد عن أهله جاز للمتولي أن يدخل بعض منازل الوقف. (الفتاوى البزازية على هامش الهندية: ۶/۲۸۵).

وفيه: أرض وقف على مسجد وبجنبه أرض فأرادوا إلحاق شيء من الأرض بالمسجد جاز ولكن يرفع إلى الحاكم ليأذن له في ذلك. (الفتاوى البزازية: ۶/۲۶۸، الرابع فى المسجد وما يتصل به). واللہ تعالیٰ اعلم۔

تہ خانہ مسجد سے علیحدہ کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص مسجد کے لیے ایک زمین خریدنا چاہتا ہے اور شراء سے قبل ہی نیت کرتا ہے کہ اس کے تہ خانہ یا تختانی منزل میں پارکنگ یا کوئی اور چیز ہوگی اور مسجد فوقانی منزل میں ہوگی کیا اس طرح کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ خریدنے سے قبل تختانی منزل کو مستثنیٰ کرنے کی نیت مقبول ہے اور اس کے مطابق مسجد سے استثناء کرنا صحیح اور درست ہے، لہذا تعمیر کے بعد فوقانی منزل مسجد کے لیے ہوگا اور تختانی منزل دیگر مصالح مسجد استعمال کرنے کی گنجائش ہوگی۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

إذا جعل تحته سرداباً لمصالحه أى المسجد جاز كمسجد القدس. وفى الشامية:

قوله إذا جعل تحته سرداباً جمعه سراديب بيت يتخذ تحت الأرض لغرض تبريد الماء وغيره، قال في البحر: وحاصله إن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالى: وأن المسجد لله (تعالى) بخلاف ما إذا كان السرداب والعلو موقوفاً لمصالح المسجد فهو كسرداب بيت المقدس هذا هو ظاهر الرواية وهناك روايات ضعيفة، فرع: لو بنى فوقه بيتاً للإمام لا يضر لأنه من المصالح أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع و لو قال عنيت ذلك لم يصدق. (الدر المختار مع فتاوى الشامى: ۳۵۷/۴ - والبحر الرائق: ۲۵۱/۵).

تقریرات رافعی میں ہے:

قول المصنف لمصالحه ليس بقيد بل الحكم كذلك إذا كان ينتفع به عامة المسلمين على ما أفاده في غاية البيان حيث قال: أورد الفقيه أبو الليث سؤالا جواباً فقال: فإن قيل أليس مسجد بيت المقدس تحته مجتمع الماء والناس ينتفعون به قيل إذا كان تحته شيء ينتفع به عامة المسلمين يجوز لأنه إذا انتفع به عامتهم صار ذلك لله تعالى. (التحرير المختار: ۸۰/۴). واللہ تعالیٰ اعلم۔

عمارت مسجد کی تبدیلی کا حکم:

سوال: مسجد کے ارد گرد آبادی ختم ہو جائے اور مسجد ویران ہو جائے تو اس کو فروخت کر کے دوسری جگہ مسجد بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ مثلاً ایک شہر میں ایک مسجد ہے جہاں پر مسلمانوں کی آبادی ہے کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ارباب حکومت کے امر پر عمل کرتے ہوئے وہ حضرات دوسری جگہ منتقل ہو جائیں اور وہاں پر صرف ایک گھرانہ یا چند مسلمان رہ جائیں، یا مسجد غیر آباد رہے، تو اس صورت میں مسجد کے ساتھ کیا کیا جائیگا؟ کیا اس مسجد کو شہید کر کے زمین بیچ کر حاصل شدہ رقم کے ساتھ دوسری جگہ مسجد تعمیر کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ مسجد کے نچلے، مصاحف، قارئین وغیرہ کو دوسری مسجد میں منتقل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے کہاں منتقل کریں، کیا مدارس

دینیہ میں اس کو استعمال کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب: مسجد کو شہید کونا یا اس کی زمین کو فروخت کرنا مفتی بہ قول کے مطابق جائز اور درست نہیں ہے، بلکہ اس کو مسجد ہی رہنے دیا جائے اور قبر و جوار میں جو افراد رہے ہیں وہ اس مسجد کو آبدار رکھیں، البتہ اگر اس کے قرب و جوار میں کوئی مسلمان نہ رہے تو ضرورتاً مسجد کے جملہ سامان بلکہ دیوار تک دوسری جگہ منتقل کر کے مسجد تعمیر کی جائے اور مسجد کی زمین فروخت نہ کی جائے، کیونکہ رائج قول کے مطابق وہ جگہ خواہ کچھ بھی ہو مسجد کے حکم میں رہے گی۔

فی الدر المختار: ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني،
أبدأ إلى قيام الساعة وبه يفتى. (الدر المختار: ۴/ ۳۵۸، سعید).

وفيه: وعن الثاني ينقل إلى مسجد آخر جزم به في الإسعاف حيث قال: ولو خرب
المسجد وما حوله وتفرق الناس عنه لا يعود إلى ملك الواقف عند أبي يوسف فيباع بإذن
القاضي ويصرف ثمنه إلى بعض المساجد. (الدر المختار مع رد المحتار: ۴/ ۳۵۹، مطلب فيما لو خرب
المسجد، سعید).

وفيه: قال الشامي: قلت: ... والذي ينبغي متابعة المشايخ المذكورين في جواز
النقل بلافق بين مسجد أو حوض كما أفتى به الإمام أبو الشجاع والإمام الحلواني وكفى
بهما قدوة ولا سيما في زماننا، فإن المسجد أو غيره من رباط، أو حوض إذا لم ينقل يأخذ
أنقاضه اللصوص والمتغلبون كما هو مشاهد وكذا أوقافه يأكله النظار أو غيرهم ويلزم من
عدم النقل خراب المسجد الآخر المحتاج إلى النقل إليه وقد وقعت حادثة سنلت عنها في
أمير أراد أن ينقل بعض أحجار مسجد خراب في صفح قاسيون بدمشق لرباط بها صحن
الجامع الأموي فأفتيت بعدم الجواز متابعة للشرنبلالي، ثم بلغني أن بعض المتغلبين أخذ
تلك الأحجار لنفسه فندمت على ما أفتيت به ثم رأيت الآن الذخيرة، قال وفي الفتاوى
النسفی: سئل شيخ الإسلام عن أهل قرية رحلوا وتداعى مسجدها إلى الخراب وبعض

المتغلبه يستولون على خشبه وينقلونه إلى دورهم هل لواحد لأهل المحلة أن يبيع الخشب بأمر القاضي ويمسك الثمن ليصرفه إلى بعض المساجد أو إلى هذا المسجد قال: نعم. وحكى أنه وقع مثله في زمن سيدنا الإمام الأجل في رباط في بعض الطرق الخرب ولا ينتفع المارة به وله أوقاف عامرة فسئل هل يجوز نقلها إلى رباط آخر ينتفع الناس به قال: نعم، لأن الواقف غرضه انتفاع المارة ويحصل ذلك بالثاني. (فتاوى الشامى: ۴/ ۳۶۰، مطلب فى نقل انقاض المسجد، ط سعيد).

وانظر للمزيد: (الفتاوى البزازية على هامش الهندية: ۶/ ۲۷۰، الرابع فى المسجد... نوع آخر).

امداد الفتاوى میں ہے:

اصل اور رائج تو عدم جواز نقل ہے لیکن بعض علماء ضرور میں جواز کے قائل ہوئے ہیں، سو بلا ضرورت شدیدہ تو اصل مذہب کو چھوڑنا جائز نہیں اور ضرورت شدیدہ میں گنجائش ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جب ایک مسجد مستغنی ہو جائے تو اس کا وقف دوسری مسجد میں صرف کرنا جائز ہے۔ (امداد الفتاوى: ۲/ ۶۹۹). واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کی پارینہ قالین کا حکم:

سوال: ایک مسجد میں نئی قالین بچھائی گئی پرانی قالین کے ساتھ کیا کیا جائے؟ اس بارے میں متولی حضرات کی چند آراء ہیں۔ (۱) مصلی حضرات میں تقسیم کر دیا جائے۔ (۲) مصلی حضرات کو بیچ کر قمر مسجد میں استعمال کر لی جائے۔ (۳) کسی اور مسجد میں یہ قالین دے دی جائے۔ ان میں سے کیا صحیح ہے؟

الجواب: قالین پارینہ کے بارے میں (۱) مصلی حضرات کے درمیان تقسیم کرنا صحیح اور درست نہیں ہے، اس لیے کہ یہ وقف کا مال ہے۔

(۲) قالین پارینہ کو فروخت کر کے اس کی قیمت مسجد میں استعمال کرنا جائز اور درست ہے۔

(۳) دوسری مسجد ضرورت مند اور محتاج ہو تو وہاں دینا بھی جائز ہے۔

ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

متولی المسجد ليس له أن يحمل سراج المسجد إلى بيته وله أن يحمله من البيت

إلى المسجد. (الفتاوى الهندية: ۲/۴۶۲، كتاب الوقف- وفتاوى قاضی خان: ۳/۲۹۴- وفتاویٰ البزازیة: ۶/۲۷۰).

درمختار میں ہے:

حشیش المسجد وحصیره مع الاستغناء عنهما، وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع

بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب المساجد أو رباط

أو حوض إليه. (الدر المختار: ۴/۳۵۹، سعید).

کفایت المفتی میں ہے:

مسجد کا پرانا سامان اور ملکہ جو اسی مسجد جدید کی تعمیر جدید میں کام نہ آسکتا ہو فروخت کر دینا جائز ہے، بہتر یہ

ہے کہ مسلمان کے ہاتھ فروخت کیا جائے اور اس کی قیمت کو اسی مسجد کی ضروریات تعمیر میں یا جس قسم کا سامان

تھا اسی کے مثل میں صرف کیا جائے۔ (کفایت المفتی: ۷/۶۷).

عزیز الفتاویٰ میں ہے:

مسجد کا سامان اقرب مسجد ہی میں صرف کرنا چاہئے اگر اس وقت ضرورت نہیں ہے تو اس کے لیے اس

سامان کو محفوظ رکھا جائے کہ وقت ضرورت کام آوے یا فروخت کر کے اقرب مسجد میں لگایا جاوے۔ (عزیز الفتاویٰ:

جلد اول، ص ۵۶۷).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

اگر مسجد میں زائد چٹائیاں موجود ہیں اور حفاظت کی کوئی صورت نہیں، خراب اور ضائع ہو رہی ہیں تو زائد

چٹائیاں ایسی مساجد میں بچھانا درست ہے جہاں ضرورت ہو متولی اور دیگر اہل الرائے حضرات کے مشورہ سے

دے سکتے ہیں، بلا مشورہ نہ دے تاکہ فتنہ پیدا نہ ہو۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۳/۵۸۸، فاروقیہ).

مزید ملاحظہ فرمائیں: (فتاویٰ الشامی: ۴/۳۵۹، سعید۔ وحاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار:

۵۳۷/۲، کتاب الوقف۔ وامداد الاحکام: ۲/۲۲۲، ۲۳۴۔ وامداد المفتین: ۲/۶۴۱۔ وفتاویٰ رحیمیہ: ۹/۱۲۹).

البتہ مسئلہ بالا میں ایک بات قابل غور یہ ہے کہ علامہ شامی اور علامہ طحطاوی وغیرہ نے پرانہ اثاثہ و سامان

مسجد میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ امام محمدؒ کے نزدیک بعد استغناء مسجد مالک کی ملکیت اس میں عود کر آتی ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دوسری مسجد میں منتقل کر دیا جائیگا، پھر فرمایا کہ آلات مسجد میں امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ ہے اور انقاض مسجد میں امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتویٰ ہے۔ مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ نے احسن الفتاویٰ میں اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو: (احسن الفتاویٰ: ۶/۳۲۵-۳۲۷)۔

علامہ شامی کی عبارت حسب ذیل ملاحظہ فرمائیں:

قوله مثله حشيش المسجد أى الحشيش الذى يفرش بدل الحصير، كما يفعل فى بعض البلاد كبلاد الصعيد كما أخبرني به بعضهم قال الزيلعي: وعلى هذا حصير المسجد وحشيشه إذا استغنى عنهما يرجع إلى مالكة عند محمد وعند أبي يوسف ينقل إلى مسجد آخر، وعلى الخلاف الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، وصرح فى الخانية بأن الفتوى على قول محمد قال فى البحر: وبه علم أن الفتوى على قول محمد فى آلات المسجد وعلى قول أبي يوسف فى تأييد المسجد، والمراد بآلات المسجد نحو القنديل والحصير، بخلاف أنقاضه لما قدمنا عنه قريباً من أن الفتوى على أن المسجد لا يعود ميراثاً ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر. (فتاوى الشامى: ۴/۳۵۹، مطلب فيما لو خرب المسجد وغيره)۔

لیکن اکابر کے فتاویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مطلقاً امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتویٰ دیا ہے کہ اسباب واثاثہ چاہے آلات کے قبیل سے ہو یا انقاض کے قبیل سے، کسی میں بھی مالک کی ملکیت عود کر نہیں آئے گی، بلکہ اموال وقف کی طرح ہوگا۔

نیز اشیاء منقولہ کے وقف کے بارے میں متقدمین عدم جواز کا فتویٰ دیتے تھے، لہذا مالک کی ملک میں عود کر آنے والا مسئلہ بھی اسی پر مبنی ہے۔ لیکن متأخرین فقہاء بالاتفاق اشیاء منقولہ کے وقف کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں، لہذا مالک کی ملک میں عود کر آنے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ واللہ اعلم۔

محض تعمیر سے مسجد شرعی بننے کا حکم:

سوال: ایک مسجد کا خاکہ اور صحن تیار ہے یعنی تعمیری سلسلہ ختم ہو چکا ہے، لیکن بعض مصالح کی وجہ سے متولی حضرات نے اس میں نماز پنجگانہ باجماعت شروع نہیں کرائی، کچھ دوسرے لوگ نماز پڑھنا چاہتے ہیں تو کیا یہ درست ہے یا نہیں؟ اور فقط تعمیری سلسلہ ختم ہوتے ہی مسجد شرعی کے احکام جاری ہو جاتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: مسجد شرعی بننے کے لیے تین چیزیں مطلوب ہیں (۱) زمین مسجد کے لیے وقف ہو۔ (۲) موقوفہ زمین کو واقف نے اپنی ملک یا دوسرے کی ملک سے اس طرح علیحدہ کر دیا ہو کہ اس کا یا کسی اور کا حق اس سے متعلق نہ رہا ہو۔ (۳) متولی کی اجازت سے اس میں ایک مرتبہ نماز باجماعت ہو چکی ہو۔ اگر یہ تینوں چیزیں پائی جاتی ہیں تو مسجد شرعی کے احکام جاری ہوں گے ورنہ نہیں۔ صورت مسئلہ چونکہ نماز باجماعت نہیں پڑھی گئی لہذا مسجد شرعی نہیں بنی، اور جو حضرات نماز پڑھنا چاہتے ہیں وہ متولی حضرات کی اجازت سے پڑھ سکتے ہیں۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

من بنی مسجداً لم یزل ملکہ عنہ حتی یفرزہ عن ملکہ بطریقہ ویأذن بالصلاة فیہ أما الإفرار فلائنه لا یخلص لله تعالیٰ إلا به کذا فی الہدایۃ... التسلیم فی المسجد أن تصلی فیہ الجماعة بإذنه وعن أبی حنیفۃ فیہ روایتان فی روایۃ الحسن عنہ یشرط أداء الصلاة فیہ بالجماعة بإذنه إثنان فصاعداً کما قال محمدٌ والصحیح روایۃ الحسن کذا فی فتاویٰ قاضیخان، ویشرط مع ذلک أن تكون الصلاة بإذان وإقامة جہراً لا سراً حتی لو صلی جماعة بغير أذان وإقامة سراً لا جہراً لا یصیر مسجداً عندهما کذا فی المحیط والكفاية... ذکر الصدر الشہید فی الوقعات فی باب العین من کتاب الہبة والصدقة: رجل له ساحة لابناء فیہا أمر قوماً أن یصلوا فیہا بجماعة فهذا علی ثلاثة أوجه: أما إن أمرهم بالصلاة فیہا أبداً نصاً بأن قال: صلوا فیہا أبداً، أو أمرهم بالصلاة مطلقاً ونوی الأبد، ففي هذین الوجهین صارت الساحة مسجداً لو مات لا یورث عنہ. وأما إن وقت الأمر بالیوم أو الشهر

أو السنة ففي هذا الوجه لاتصير الساحة مسجداً لو مات يورث عنه كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية: ۲/۴۵۴، ۴۵۵).

کفایت المفتی میں ہے:

(۱) واقف نے جو صحیح طور پر زمین کا مالک تھا اور وقف کرنے کا شرعی اختیار رکھتا تھا اس کو مسجد کے لیے وقف کیا ہو، خواہ وہ زمین خالی عن العمارۃ ہو یا عمارت میں ہو۔ (۲) اس کو اپنی ملک سے اس طرح علیحدہ کر دیا ہو کہ کسی دوسرے شخص کا یا خود واقف کا کوئی حق متعلق نہ رہے۔ وقف کر کے اس کو متولی کے سپرد کر دیا ہو یا واقف کی اجازت سے اس میں ایک مرتبہ بھی نماز باجماعت ہو گئی ہو۔ (مستفاد از کفایت المفتی: ۷/۶۱)۔
مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلد اول ص ۵۵۹، ۵۶۰، بعنوان مسجد اور جماعت خانہ کے احکام)

واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کی مد سے طریق کی مرمت کا حکم:

سوال: ایک مسجد کا راستہ بہت خراب ہو چکا ہے اور عام طور پر مصلیٰ حضرات اسی راستہ سے مسجد آتے جاتے ہیں تو کیا مسجد کی مد سے اس راستہ کی اصلاح اور مرمت کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب: طریق مسجد مصالح مسجد میں شمار ہوتا ہے اور مسجد کے مد سے مصالح مسجد میں خرچ کرنا جائز اور درست ہے، لہذا راستہ کی اصلاح اور مرمت بھی مسجد کی مد سے بالکل جائز اور درست ہے۔
ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

ویدأ من غلته بعمارتہ ثم ما هو أقرب لعمارتہ... وفي الشامية: أي فإن انتهت عمارتہ وفضل من الغلة شيء يبدأ بما هو أقرب للعمارة. (الدر المختار مع فتاوى الشامی: ۴/۳۶۷، سعید).

عالمگیری میں ہے:

والأصح ما قال الإمام ظهير الدين إن الوقف على عمارة المسجد وعلى مصالح

المسجد سواء، كذا في فتح القدير. (الفتاوى الهندية: ۲/۴۶۲۔ وفتح القدير: ۶/۲۴۱، دارالفکر).

وفى السراجية: مسجد بابه على مهب الريح فيصيب المطر باب المسجد فيفسد الباب ويشق على الناس الدخول فى المسجد كان للقيم أن يتخذ ظلة على باب المسجد من غلة الوقف إذا لم يكن فى ذلك ضرر لأهل الطريق. (الفتاوى السراجية: باب العمارة، ص ۳۵۴۔ وكذا فى البزازية: ۶/۲۶۰).

وفى البزازية: وفى الصغرى أنفق المتولى على قناديل المسجد من مال المسجد جاز. (الفتاوى البزازية على هامش الهندية: ۶/۲۶۹). واللہ تعالیٰ اعلم۔

توسیع مسجد کے لیے قرب وجوار کی زمین شامل کرنے کا حکم:

سوال: ایک مسجد کے قریب زمین ہے اور مسجد تنگ دامنی کا شکار ہے مصلیٰ حضرات مالک زمین سے قیمة طلب کر رہے ہیں لیکن مالک دینے سے انکار کرتا ہے کیا زبردستی وہ زمین خریدی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر فتنہ و فساد کا اندیشہ نہ ہو اور مسجد کو شدید ضرورت ہو اس طور پر کہ قرب وجوار میں کوئی وسیع مسجد موجود نہ ہو تو پھر بدرجہ مجبوری قیمة لے سکتے ہیں۔
ملاحظہ فرمائیں البحر الرائق میں ہے:

وكذا إذا ضاق المسجد على الناس وبجنبه أرض لرجل تؤخذ أرضه بالقيمة كرهاً لما روي عن الصحابة ؓ لما ضاق المسجد الحرام أخذوا أرضين بكره من أصحابها بالقيمة وزادوا فى المسجد الحرام. (البحر الرائق: ۵/۲۵۵، كوئته۔ وكذا فى الفتاوى البزازية على هامش الهندية: ۶/۲۶۸۔ ورد المحتار: ۴/۳۷۹، سعيد).

وفى الشامية: قال فى نور العين ولعل الأخذ كرهاً ليس فى كل مسجد ضاق بل الظاهر أن يختص بما لم يكن فى البلد مسجد آخر إذ لو كان فيه مسجد آخر يمكن دفع الضرورة بالذهاب إليه نعم فيه حرج لكن الأخذ كرهاً أشد حرجاً منه ويؤيد ما ذكرنا فعل

الصحابة ؓ إذ لا مسجد في مكة سوى المسجد الحرام . (فتاوی الشامی: ۴/۳۷۹، سعید).
تاریخ مکہ میں ہے:

حدثني أبو الوليد عن ابن جريج قال: كان المسجد الحرام ليس عليه جدران محاطة
إنما كانت الدور ممدقة من كل جانب... فضاق على الناس فاشترى عمر بن الخطاب ؓ
دوراً فهدمها وهدم على من قرب المسجد وأبى بعضهم أن يأخذ الثمن وتمنع عن البيع
فوضعت أثمانها في خزانة الكعبة حتى أخذوها بعد... ثم كثر الناس في زمان عثمان بن
عفان ؓ فوسع المسجد فاشترى من قوم وأبى آخرون أن يبيعوها فهدم عليهم فصيحوأ به
فقال: إنما جراًكم على حلمي عنكم . (تاريخ مكة للزرقي: ۴/۴۵۰).
لیکن اس پر علامہ رافعیؒ نے اشکال کیا ہے کہ اراضی مکہ کی بیع صحیح نہیں ہے؟
ملاحظہ فرمائیں تقریرات رافعیؒ میں ہے:

في شرح الوهبانية: في الاستدلال بما ذكر على قول أبي حنيفة نظر فإنه لا يجوز بيع
أراضي مكة في الصحيح ولا إيجارها أيضاً عنده فاللاني أما غاصب أو مستعير فيؤمر بأخذ
عمارتها وتضاف إلى المسجد لعدم تملكه . (التحرير المختار: ۴/۸۴، سعید).
لیکن چونکہ اراضی مکہ کی بیع کے بارے میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے اس لیے علامہ رافعیؒ کا یہ اشکال صحیح
نہیں ہے۔

قال في الدر المختار: وصح بيع دور مكة فتجب الشفعة فيها وعليه الفتوى أشباه قال
الشامي: أفاد أن وجوبها فرع عن جواز أرضها على قولهما المفتى به وإلا فمجرد البناء لا
يوجب الشفعة . (الدر المختار مع فتاوى الشامی: ۶/۲۲۲، سعید).

وأيضاً فيه: وجاز بيع بناء بيوت مكة وأرضها بلا كراهة وبه قال الشافعي وبه يفتى
عيني. قال الشامي: قوله وأرضها، جزم به في الكنز وهو قولهما وإحدى الروايتين عن الإمام
لأنها مملوكة لأهلها بظهور آثار الملكة فيها وهو الاختصاص بها شرعاً . (الدر المختار مع فتاوى

الشامی: ۳۹۲/۶، سعید) . واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کے ایک حصہ کو راستہ یا چبوترے میں تبدیل کرنے کا حکم:

سوال: کیا مسجد کے کسی حصہ کو مسجد سے خارج کر کے راستہ یا چبوترے میں تبدیل کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: مفتی بہ قول کے مطابق جب ایک مرتبہ مسجد شرعی بن جاتی ہے تو پھر قیامت تک اس کی مسجد جیت ختم نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی ختم کر سکتا ہے، لہذا صورت مسئلہ میں بھی مسجد سے کوئی حصہ خارج نہیں کیا جاسکتا۔

ملاحظہ فرمائی درمختار میں ہے:

لو بنی فوقہ بیتاً للإمام لا یضر لأنه من المصالح أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولو قال عنیت ذلك لم یصدق تاتر خانیه، فإذا كان هذا فی الواقع فكیف بغيره... (الدر المختار مع فتاوی الشامی: ۴/۸۰۰)۔

وأيضاً فیہ: ولو خرب ما حوله واستغنی عنه یبقى مسجداً عند الإمام والثانی أبدأ إلى قیام الساعة وبه یفتی۔ (الدر المختار مع فتاوی الشامی: ۴/۳۵۸، سعید)۔
احسن الفتاویٰ میں ہے:

جوز میں ایک دفعہ مسجد میں داخل ہو چکی ہے وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی کسی بھی ضرورت کے لیے اسے مسجد سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔ (احسن الفتاویٰ: ۶/۱)۔
جدید فقہی مسائل میں ہے:

چوتھا اہم اور اساسی فرق مساجد اور دوسری موقوفہ اراضی کے درمیان یہ ہے کہ مسجد ہمیشہ کے لیے مسجد بن جاتی ہے خواہ مسجد ویران اور ناقابل استعمال ہو گئی ہو یا اس پر ظلماً قبضہ کر لیا گیا ہو بہر صورت وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی۔ (جدید فقہی مسائل: ۲/۱)۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ”تحریر فرماتے ہیں:

جو جگہ مسجد بن گئی اب قیامت تک وہ مسجد ہی رہے گی کسی طرح اس جگہ کو دوسرے کام میں لگانا حلال نہیں خواہ ایک مسجد کے بدلے میں کوئی دس مسجدیں بنانا چاہے تب بھی یہ مسجد مسجدیت سے خارج نہیں ہو سکتی۔ (امداد المفتین: ۲/۶۳۶)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد میں پائپ لگانے کا حکم:

سوال: ایک گاؤں میں بارش کا پانی اور گھروں کا پانی ایک شخص کی زمین سے بہہ کر بڑے نالے میں گرتا تھا، اس شخص نے اپنی زمین میں دیوار اور کمرہ بنا کر پانی بند کر دیا، اور شخص مقدمہ بھی جیت گیا، اب اس زمین کے ساتھ مسجد کا حصہ ہے وہاں نماز باجماعت پڑھی جاتی ہے، بعض لوگوں کی درخواست ہے کہ مسجد کے تحتانی حصہ میں پائپ وغیرہ لگا دیں اور اوپر سے فرش بنالیں تو زمین کے اندر سے پانی نکلتا رہیگا اور اوپر مسجد میں کوئی نقصان نہیں آئیگا اور پانی کے نکلنے کا راستہ بھی مہیا ہو جائیگا، اس سلسلہ میں شرعاً کیا فتویٰ ہے؟

الجواب: مسجد کے تحتانی حصہ میں پائپ لگانا اور اوپر سے فرش بنالینا بالکل جائز نہیں ہے، جب ایک مرتبہ مسجد بن جاتی ہے تو قیامت تک مسجدیت ختم نہیں ہوتی، اور مسجد نیچے تحت الثریٰ تک اور اوپر فوق السماء تک ہوتی ہے، لہذا مسجد کے احترام کے منافی کوئی کام کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔
ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

قیم المسجد لا يجوز له أن يبني حوانيت في حد المسجد أو في فناءه لأن المسجد إذا جعل حانوتاً ومكاناً تسقط حرمة وهذا لا يجوز والفناء تبع المسجد فيكون حكمه حكم المسجد كذا في محيط السرخسی. (الفتاویٰ الہندیہ: ۲/۴۶۲)۔
در مختار میں ہے:

لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولو قال عنيت ذلك لم يصدق تاتر خانیه، فإذا كان هذا في الواقع فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد، ولا يجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلاً ولا سكنى، بزازية. (الدر المختار: ۴/۳۵۸، سعید۔ وفتاویٰ

قاضیخان: علی ہامش الہندیۃ: ۳/۲۹۳)۔

کفایت المفتی میں ہے:

صحن مسجد کا اطلاق دو معنوں پر کیا جاتا ہے اول مسجد کے اس غیر مسقف حصے کو صحن کہتے ہیں جو مہیا للصلاة تو ہوتا ہے یعنی نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے بنایا جاتا ہے لیکن بغیر چھت کے کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے، دوم اس حصے کو بھی صحن کہہ دیتے ہیں جو موضع مہیا للصلاة کے مسقف اور غیر مسقف حصے کے بعد خالی زمین یا فرش کی صورت میں چھوڑ دیا جاتا ہے مگر وہ نماز و جماعت ادا کرنے کے لیے نہیں بنایا جاتا۔

پہلے معنی کے لحاظ سے صحن تو مسجد کا ہی حصہ ہے اور اس کے احکام مسجد کے احکام ہیں اس میں حوض اور وضو کی نالی وغیرہ بنانا جائز نہیں کیونکہ جو جگہ ایک مرتبہ مسجد ہو جائے اور اس کو نماز کے لیے مخصوص کر دیا جائے پھر اس کو کسی دوسرے کام میں نہیں لاسکتے... (کفایت المفتی: ۳/۱۸۲، کتاب الصلوة، دارالاشاعت)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کے احاطہ میں پھل دار درخت لگانے کا حکم:

سوال: مسجد کے احاطہ میں پھل دار درخت اس نیت سے لگانا کہ پھلوں کو بیچ کر اس کی رقم مسجد کے اخراجات میں صرف کی جائیگی، درست ہے یا نہیں؟ نیز فی الحال جو درخت مسجد کے احاطہ میں موجود ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب: مسجد کا فارغ احاطہ جس میں لوگ نماز نہیں پڑھتے لیکن وہ جگہ مسجد کی ہے، اس جگہ میں دکانیں، مارکیٹ، پھل دار درخت، کھانے کے ہوٹل، مسجد کے کرائے اور فائدہ کے لیے بنا سکتے ہیں، اس لیے درختوں کا لگانا یا موجودہ درختوں سے پھل حاصل کرنا اور فروخت کرنا جائز اور درست ہے۔
ملاحظہ فرمائیں فتح القدیر میں ہے:

وأن يبني بيوتاً يستغلها إذا كانت الأرض متصلة ببيوت المصر ليست للزراعة، فإن كان زراعتها أصلح من الاستغلال لا يبني. (فتح القدیر: کتاب الوقف، ۶/۲۴۱، دارالفکر)۔

قال فی البحر الرائق: مسجد فیہ شجرة التفاح قال بعضهم: یباح للقوم أن یفطروا

بهذا التفاح والصحيح أنه لا يباح لأن ذلك صار وقفاً للمسجد يصرف إلى عمارته .
(البحر الرائق، كتاب الوقف، ۲۰۴/۵، كوئته۔ وكذا في الفتاوى الهندية: ۲/۴۶۰) . واللہ تعالیٰ اعلم۔

مدرسہ سے ملحق مسجد بنانے کا حکم:

سوال: کیا مدرسہ سے ملحق مسجد بنانے کی اجازت ہے یا نہیں بعض حضرات اس کو مسجد ضرار کہتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ مدرسہ کے ساتھ ملحق مسجد بنانا بہتر اور کارِ خیر ہے، پھر جب اس کے قریب کوئی مسجد بھی نہ ہو تو مسجد کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے، مدرسہ کا اپنا ایک مزاج اور نظام ہوتا ہے، اس نظام کو سامنے رکھتے ہوئے مدرسہ کے ساتھ مسجد کی تعمیر کی صورت ست انکار نہیں کیا جاسکتا مثلاً مغرب کے بعد پڑھائی اور کھانے وغیرہ کی وجہ سے عشاء کی نماز مدرسہ کی مسجد میں کافی دیر سے ہوتی ہے طلبہ کے اوقات اور چلت پھرت پر پابندی کی وجہ سے بھی مسجد کا ہونا ضروری ہو جاتا ہے لہذا اس مدرسہ کے ساتھ ملحق مسجد کی تعمیر قابلِ اعتراض نہیں بلکہ قابلِ صد تحسین اور لائقِ شکر ہے، جو لوگ اس مسجد کو مسجد ضرار کہتے ہیں، وہ سخت غلطی پر ہیں، ان کو تو بہ کرنا چاہئے، حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ نے ایک فتویٰ میں تحریر فرمایا ہے، اور حسن ظن مامور بہ ہے، لہذا کسی مسلمان کی بنا کردہ مسجد کو مسجد ضرار کا حکم نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ ایسا یقین نہیں ہو سکتا کہ بانی نے یہ مسجد بغرضِ اضرارِ مسجدِ ثانی ریاء و سمعہ بنائی ہے، بخلاف مسجد ضرار کے کہ اس کی بنا فساد اور بانہین کی نیت کا فساد و جی قطع سے معلوم ہو چکا ہے۔ (عزیز الفتاویٰ: ۱/۶۰۹)۔

جب کہ صورتِ مسئلہ میں نیت کا فساد نہیں بلکہ ضرورت کے پیش نظر مسجدِ ثانی بنائی جا رہی ہے نیز اس مسجد کے منہدم کرنے کا ارادہ بہت برا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محراب مسجد کا حصہ ہے:

سوال: کیا محراب مسجد کا جزء ہے یا نہیں؟ منشأً سوال یہ ہے کہ امام صاحب اگر معتکف ہے تو ان کے لیے محراب میں کھڑے ہو کر امانت کرانا کیسا ہے، چونکہ وہ باہر کی طرف نکلا ہوا ہے، اس لیے بعض حضرات کو تامل ہے، امید ہے کہ فقہی عبارات کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں گے۔

الجواب: محراب مسجد کا ایک حصہ اور جزء ہے اس میں کھڑا ہونے والا مسجد میں کھڑا ہونے والے کے مترادف ہے، نیز عرف میں بھی اسے مسجد ہی میں شمار کیا جاتا ہے۔
فقہی عبارات ملاحظہ فرمائیں:

قال فی البحر الرائق: وإن لم يضق المسجد بمن خلف الإمام لا ينبغي للإمام أن يقوم في الطاق... وإن كان المحراب من المسجد كما هي العادة المستمرة. (البحر الرائق: ۲۶/۲، کوئٹہ).

فتاویٰ شامی میں ہے:

لأن المحراب إنما بني علامة لمحل قيام الإمام ليكون قيامه وسط الصف كما هو السنة، لا لأن يقوم في داخله فهو وإن كان من بقاع المسجد، لكن أشبه مكاناً آخر فورث الكراهة. (فتاویٰ الشامی: ۱/۶۴۶، سعید). مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ: ۱۳/۴۵۰، فاروقی). واللہ تعالیٰ اعلم۔

مکان منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیق:

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے گھر اور منبر کے درمیان جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے مسجد نبوی میں ہم دیکھتے ہیں کہ منبر شریف محراب نبوی یا مصلیٰ نبوی سے کافی فاصلہ پر ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مصلیٰ یا محراب تو مسجد کے وسط میں ہوگا، تو اسی کے ساتھ ہی منبر ہونا چاہئے، کیونکہ منبر بھی مسجد کے درمیان میں ہوتا ہے، جب کہ موجودہ منبر مصلیٰ سے کافی فاصلہ پر ہے، یہ بات بھی بعید ہے کہ منبر کو

بعد میں ہٹا کر موجودہ جگہ پر رکھا گیا ہو کیونکہ منبر کے ساتھ ریاض الجنہ کے حدود کا تعلق ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلیٰ کے ساتھ کھجور کے تنے کا نشان لگایا گیا ہے، پھر منبر بھی وہی ہونا چاہئے، اس اشکال کا کیا جواب ہے؟

الجواب: شروحات کتب احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلیٰ سے متصل و قریب تھا، اس سے بحث نہیں کہ محراب تھی یا نہیں، حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

قال الكرمانی: من حیث أنه صلی اللہ علیہ وسلم کان یقوم بجانب المنبر... وأوضح من ذلك ما ذكره ابن رشيد أن البخاري أشار بهذا الترجمة إلى حديث سهل بن سعد ؓ الذي تقوم في باب الصلاة على المنبر و الخشب فإن فيه أنه عليه الصلاة والسلام قام على المنبر حين عمل فصلى عليه، فافتضى ذلك أن ذكر المنبر يؤخذ منه موضع قيام المصلي. (فتح الباری للعسقلانی: ۱/۵۷۵).

علامہ ابن رجب الحنبلیؒ تحریر فرماتے ہیں:

وأما حديث سلمة بن الأكوع ؓ فتخريج البخاري له في هذا الباب يدل على أنه فهم منه أن المنبر كان بإزاء موقف النبي صلى الله عليه وسلم في صلاته أو متقدماً عليه متحياً عن جدار قبلة المسجد. (فتح الباری: لابن رجب الحنبلی: ۲/۶۲۳).

وقال العلامة العيني: مطابقة للترجمة ظاهرة من حديث أنه صلى الله عليه وسلم كان يقوم بجانب المنبر. (عمدة القاری شرح صحيح البخاری: ۳/۵۷۵).

سنن ابن ماجہ میں حدیث ہے:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي إلى جذع إذ كان المسجد عريشاً وكان يخطب إلى ذلك الجذع... فلما وضع المنبر وضعه الذي هو فيه فلما أراد رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يقوم إلى المنبر مر إلى الجذع الذي كان يخطب إليه فلما جاوز الجذع خار حتى تصدع وانشق، فنزل رسول الله صلى الله عليه وسلم لما سمع

صوت الجذع فمسحه بيده حتى سكن ثم رجع إلى المنبر فكان إذا صلى صلى إليه. (سنن ابن ماجه: ۱۰۲).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کے تنے کے پاس نماز پڑھتے تھے جس وقت مسجد چھپر تھی اور اس کے پاس خطبہ دیا کرتے تھے پس جب صحابہ ؓ نے منبر رکھا تو کھجور کے تنے کی جگہ رکھا پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر کا ارادہ فرمایا اور کھجور کے اس تنے کے پاس گزرے جس پر خطبہ دیا کرتے تھے، تو وہ چیخنے لگا یہاں تک کہ پھٹ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تنے کی آواز سنی تو اترے اور اس پر دست مبارک پھیرا پھر منبر کے پاس تشریف لائے پس جب نماز پڑھتے تھے تو منبر کے پاس پڑھتے تھے۔

نیز مسلمانوں کی مساجد میں امام کے مصلیٰ کے پاس بجانب راست منبر رکھنے کا رواج ہے، اگر منبر اتنا دور ہوتا جو مسجد نبوی میں ہے، تو پھر منبر کو دور رکھنا ہی سنت یا مستحب ہوتا، نیز منبر درمیان میں رکھنا معقول ہے، تا کہ امام منبر پر بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر خطبہ یا بیان کے وقت سب مصلیوں کے درمیان ہو۔

ہاں حافظ ابن القیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے:

ولم يوضع المنبر في وسط المسجد وإنما وضع في جانبه الغربي قريباً من الحائط وكان بينه وبين الحائط قدر ممر الشاة وكان إذا جلس عليه النبي صلى الله عليه وسلم في غير الجمعة أو خطب قائماً في الجمعة استدار أصحابه إليه بوجوههم وكان وجهه صلى الله عليه وسلم قبلهم في وقت الخطبة. (زاد المعاد في هدى خير العباد: ۱/۴۳۰).

یہ قول ان اقوال کے خلاف ہے جو پہلے ذکر کیے گئے۔ علامہ شنقیطیؒ نے الدر الثمین میں تحریر فرمایا ہے:

فلما تحول النبي صلى الله عليه وسلم إلى المنبر عن الجذع قام الجذع بحنين إلى النبي صلى الله عليه وسلم... فاختر الجذع أن يكون من غراس الجنة وسكت عن الحنين ودفن هذا الجذع فيما بعد تحت المنبر من جهة القبلة. (الدر الثمین للشنقيطی، ص ۳۵).

یہ مضمون وفاء الوفاء میں بھی ۳۹۴/۲ پر مذکور ہے۔

اور مولانا عبدالحی صاحبؒ نے مجموعۃ الفتاویٰ میں وفاء الوفاء سے نقل فرمایا:

موضع المنبر لم یغیر و یبعد کل البعد أن یجعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم موضع منبرہ فی طرف مسجده ولا یتوسط أصحابہ .

منبر کی جگہ نہیں بدلی گئی اور یہ بات بہت بعید ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ التحیۃ والصلوات منبر کی جگہ اپنی مسجد کے کنارے میں مقرر فرمائیں اور وسط اصحاب میں اسے نہ رکھوائیں۔ (مجموعۃ الفتاویٰ: مترجم، ۲۰۵)۔
ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

وہو موافق لما روی أنه کان مائة ذراع کما سنبینہ ویرجحه عندي أن المنبر الشریف یكون حينئذ متوسطاً للمسجد . (وفاء الوفاء: ۱/۳۴۸) وبين المنبر والدرجة التي ننزل عنها إلى الحفرة التي هو مصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن یمین الإمام تسعة أذرع وقیراط وسعة الحفرة ذراع و حرر السمهودي أن المسافة بين المنبر ومكان صلاته أربعة عشر ذراعاً هكذا حرره فی (۱/۳۷۴)۔ (والبحر العمیق الی بیت العتیق: ۵/۲۸۰۸)۔

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ کہ منبر نبوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلیٰ کے ساتھ تھا، لیکن حافظ ابن القیم اور وفاء الوفاء وغیرہ اور مشاہدہ سے پتہ چلتا ہے کہ منبر محراب سے دور واقع تھا، اور وہاں تک ریاض الجنۃ ہے۔ جس کی فضیلت کسی مسلمان پر مخفی نہیں تطبیق یہ سمجھ میں آتی ہے کہ خطبہ کے وقت تو منبر مصلیٰ کے پاس ہوتا تھا اور کبھی کبھی وہاں رکھا جاتا تھا جہاں پر اب موجود ہے، تاکہ مصلیٰ اور محراب کے پاس کی جگہ کھلی رہے، اور جب صحابہ رضی اللہ عنہم حلقہ کی شکل میں تشریف فرما ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان کوئی حائل نہ ہو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مصلیٰ پر تشریف فرما ہوں، اور ”ما بین بیتی ومنبری روضة من ریاض الجنة“ منبر کی موجودہ جگہ کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ اعلم۔

مساجد میں مینار کی تحقیق:

سوال: مساجد میں مینار کب سے ہیں، اور ان کا کیا مقصد ہے، کیا یہ بدعت تو نہیں؟

الجواب: استاذ محترم حضرت مولانا سر فراز خان صاحبؒ نے راہ سنت میں تحریر فرمایا جس کا خلاصہ یہ

ہے کہ مینار دراصل اس لیے بنائے جاتے ہیں کہ ان پر اذان ہو اور دور تک لوگ اذان کی آواز سنیں۔

امام ابوداؤد نے مستقل ایک باب قائم فرمایا ہے: ”باب الأذان فوق المنارة“۔ (ابوداؤد شریف: ۱/۷۷)۔

اور حضرت ابو بزرہ اسلمی رضی اللہ عنہ المتوفی ۶۵، وغیرہ فرماتے ہیں کہ

”من السنة الأذان في المنارة والإقامة في المسجد“۔ (نصب الراية للعلامة الزيلعي: ۱/۲۹۳)۔

كتاب الصلاة، بيروت، ومصنف ابن أبي شيبة: ۱/۲۲۴)۔

اصول حدیث کا مسئلہ کہ مطلق سنت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مراد ہوتی ہے۔ (راہِ سنت، ص ۳۰۵)۔

الاصابة في تمييز الصحابة میں حافظ ابن حجرؒ ایک صحابی مسلمہ بن مخلد کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں:

وقال ابن السكن: وهو أول من جعل على أهل مصر بنيان المنار. (الإصابة في

تمييز الصحابة: ۶/۹۲، حرف الميم)۔

چونکہ مینار مقصود نہیں بلکہ مسجد کی معرفت کی علامت اور پرانے زمانہ میں اذان کی آواز دور تک پہنچانے کا

ذریعہ تھا، اس لیے یہ بدعت بھی نہیں خصوصاً جو چیز صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہو۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

مسجد میں مؤذن کی جگہ متعین کرنے کا حکم:

سوال: مسجد میں امام کے پیچھے مؤذن کے لیے مصلیٰ بچھا کر جگہ مقرر کرنا یا مصلیٰ بچھانا سراً جائز ہے یا

نہیں؟

الجواب: حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ اس کو درست نہیں سمجھتے۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

یہی حکم مؤذن کا ہے اس کے لیے جگہ مخصوص کرنے اور الگ مصلیٰ بچھانے کی رسم صحیح نہیں مسجد میں پہنچ کر جو

شخص جس جگہ بیٹھ جائے وہی حقدار ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۶/۴۵۷)۔

جبکہ مولانا فتح محمد صاحب تلمیذ مولانا عبدالحی لکھنویؒ اس کو صحیح سمجھتے ہیں۔

حلال حرام کے احکام المعروف بعطر الہدایہ میں ہے:

(۲) مباح الانتفاع یہ مال وقف کے حکم میں ہے جیسے مساجد، بعض کنویں، پل، راستے وغیرہ ان میں بعض ضروری چیزوں کے لحاظ کے ساتھ عام لوگوں کا حق ہوتا ہے، مثلاً مسجد میں ہر شخص کو صفِ اول میں نماز پڑھنے کا حق ہے مگر امام خطیب یا مکتبہ یا مؤذن کی خصوصیات کا لحاظ ضروری ہے۔ (حلال حرام کے احکام، ص ۳۱۶، مباحات کا بیان)۔

نیز ”لیسنی منکم اولوا الاحلام“ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام کے قرب میں بعض خاص لوگ بیٹھنے کے زیادہ حقدار ہیں۔ واللہ اعلم۔



فصل دوم

آدابِ مساجد کا بیان

مسجد میں تعزیت کے لیے بیٹھنے کا حکم:

سوال: مسجد میں تعزیت کے لیے بیٹھنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ کیا یہ مسجد کے آداب کے خلاف ہے؟

الجواب: اکثر لوگ مسجد میں تعزیت کے لیے جمع ہو کر گپ شپ لگاتے ہیں، اور غیبتیں کرتے ہیں، فضول گوئی اور بد گوئی کرتے ہیں، یہ آدابِ مسجد اور مزاجِ شریعت کے خلاف ہے، ہاں اگر مسجد میں تعزیت کرنے والوں میں وعظ و نصیحت اور دعوت و تبلیغ کا سلسلہ چلایا جائے اور آدابِ مسجد کا خیال رکھا جائے تو پھر تعزیت فی المسجد میں کوئی حرج نہیں ہے، نیز تعزیت کے لیے آنے والوں کو تحیۃ المسجد کی ترغیب دی جائے اور لوگ مسجد میں آکر تحیۃ المسجد پڑھا کریں تو ایک مزید فائدہ ہوگا، اس لیے کہ تحیۃ المسجد ایک قول کے مطابق سنتِ مؤکدہ ہے۔ کتب فقہیہ میں سے بعض میں جواز اور بعض میں عدم جواز مرقوم ہے۔

ملاحظہ فرمائیں البحر الرائق میں ہے:

وأما الجلوس في المسجد للمصيبة فمكروه ، لأنه لم يبين له وعن الفقيه أبي الليث

أنه لا بأس به لأن النبي صلى الله عليه وسلم حين بلغه قتل جعفر رضي الله عنه و زيد بن حارثة رضي الله عنه

جلس في المسجد والناس يأتونه ويعزونه. (البحر الرائق: ۳۶/۲).

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

والجلوس فی المسجد لغير الصلاة جائز وللمصيبة. (خلاصۃ الفتاویٰ: ۱/۲۳۰).

فتاویٰ شامی میں ہے:

(فی غیر مسجد) أما فیہ فیکره کما فی البحر عن المجتبی، وجزم به فی شرح المنیة والفتح، لکن فی الظہیریة: لا بأس به لأهل المیت فی البیت أو المسجد والناس یأتونهم وיעزونه، قلت: وما فی البحر من أنه صلی اللہ علیہ وسلم جلس لما قتل جعفر رضی اللہ عنہ وزید بن حارثہ رضی اللہ عنہ والناس یأتونه وיעزونه، یجاب عنه بأن جلوسه صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن مقصوداً للتعزیه،... قلت: وهل تنفی کراہة بالجلوس فی المسجد وقراءة القرآن حتی إذا فرغوا قام ولی المیت وعزاه الناس کما یفعل فی زماننا، الظاهر، لا، لکون الجلوس مقصوداً للتعزیه لا للقراءة ولا سیما إذا کان هذا الاجتماع والجلوس فی المقبرة فوق القبور المدثورة، ولا حول ولا قوة إلا باللہ. (فتاویٰ الشامی: ۲/۲۴۱، سعید).

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(قوله فی غیر مسجد) اعلم أن صاحب البحر تضارب کلامه فأفاد أولاً جوازه فی المسجد وأخراً کراہته وعبارته قال البقالي: ولا بأس بالجلوس للعرزاء ثلاثة أيام فی بیت أو مسجد وقد جلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أی فی المسجد لما قتل جعفر رضی اللہ عنہ وزید بن حارثہ رضی اللہ عنہ والناس یأتونه وיעزونه والتعزیه فی اليوم الأول أفضل والجلوس فی المسجد ثلاثة أيام للتعزیه مکروه. (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار: ۱/۳۸۳، کوئٹہ).

وللاستزادة انظر: (شرح الحموی علی الاشباه والنظائر: ۳/۱۸۸- وفتح باب العنایة فی شرح

النقایة: ۲/۶۴- والفتاویٰ التاتاریخانیة: ۲/۱۸۳). واللہ تعالیٰ اعلم۔

عقدِ نکاح مسجد میں رکھنے کا حکم:

سوال: مسجد میں نکاح خوانی مباح ہے یا مستحب؟ بعض علاقوں میں لوگ گھروں میں نکاح پڑھاتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ اس لیے کہ بعض حضرات بغیر مسجد نکاح پر نکیر کرتے ہیں اور اس کو بہت معیوب سمجھتے ہیں۔

الجواب: مسجد میں نکاح خوانی افضل اور بہتر ہے، لیکن نہ کرنے والوں پر ملامت نہیں کرنا چاہئے۔

ملاحظہ فرمائیں حدیث شریف میں ہے:

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد واضربوا عليه بالدفوف . هذا حديث حسن غريب، وعيسى بن ميمون الأنصاري يضعف في الحديث . (ترمذی شریف: ۲۰۷/۱).

تحفة الاحوذی میں ہے:

(هذا حديث حسن غريب) كذا في النسخ الحاضرة وأورد هذا الحديث الشيخ ولي الدين في المشكوة وقال: رواه الترمذی وقال: هذا حديث غريب ولم يذكر لفظ حسن، وكذلك أورد الشوكاني هذا الحديث في النيل وقال: قال الترمذی: هذا حديث غريب ولم يذكر هو أيضاً لفظ حسن، فالظاهر أن النسخة التي كانت عند صاحب المشكاة وعند الشوكاني هي الصحيحة ويدل على صحتها تضعيف الترمذی عيسى بن ميمون أحد رواة هذا الحديث، وقد صرح الحافظ في الفتح بضعف هذا الحديث... قال البخاری: منكر الحديث، وقال ابن حبان: يروى أحاديث كلها موضوعات. (تحفة الاحوذی: ۲۱۹/۸)

البحر الرائق میں ہے:

قوله وهو سنة... وأشار المصنف بكونه سنة أو واجباً إلى استحباب مباشرة عقد النكاح في المسجد لكونه عبادة . (البحر الرائق: ۳/۸۰، كتاب النكاح، كوئته).

فتح القدیر میں ہے:

ويستحب مباشرة عقد النكاح في المسجد لأنه عبادة . (فتح القدیر: ۳/۱۸۹، دار الفکر).

درمختار میں ہے:

ويندب إعلانه وتقديم خطبة وكونه في مسجد يوم الجمعة . وفي الشامي: قوله في

مسجد للأمر به في الحديث . (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۸، كتاب النكاح، سعيد).

مسجد کے علاوہ میں نکاح جائز ہونے کے چند دلائل ملاحظہ فرمائیں:

بخاری شریف میں ہے:

عن أنس بن مالك رضي الله عنه أن عبد الرحمن بن عوف رضي الله عنه جاء إلى رسول الله صلى الله

عليه وسلم وبه أثر صفرة فسأله رسول الله صلى الله عليه وسلم فأخبره أنه تزوج امرأة من

الأنصار . (بخاری شریف: ۲/۷۷۴، باب الصفرة للمتزوج).

وفي رواية له عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه قال: كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم في

غزوة فلما قفلنا كنا قريباً من المدينة تعجلت علي بعير لي قطوف... فالتفت فإذا أنا برسول

الله صلى الله عليه وسلم، فقلت: يا رسول الله اني حديث عهد بعرس، قال: أتزوجت؟

قلت: نعم... (بخاری شریف: ۲/۷۸۹).

بخاری شریف کی مذکورہ بالا دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضي الله عنه

اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضي الله عنه کا نکاح بظاہر مسجد میں نہیں ہوا تھا، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مخفی نہ

رہتا، اگرچہ یہ بات بھی ممکن ہے کہ مدینہ منورہ کی کسی اور مسجد میں ہوا ہو۔

ایک مرسل روایت سے پتہ چلتا ہے کہ بعض صحابہ رضي الله عنه کا نکاح مسجد میں ہوا تھا۔

ملاحظہ ہو مصنف عبد الرزاق میں ہے:

عبد الرزاق عن ابن جريج وإبراهيم بن محمد عن صالح مولى التوأمة قال: رأى

رسول الله صلى الله عليه وسلم جماعة في المسجد فقال: ما هذا؟ قالوا: نكاح، قال: هذا

النكاح ليس بالسفاح . (مصنف عبد الرزاق: ۶/۱۸۷، باب النكاح في المسجد).

حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ نے (ایک سائل کے سوال پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کرام کا مسجد میں کیا ہے) ارشاد فرمایا: مجھے اس کی تحقیق نہیں، البتہ فقہاء نے لکھا ہے کہ عقد نکاح مسجد میں کرنا مستحب ہے، پھر فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس کا اہتمام نہ ہوتا تھا (کہ نکاح مسجد میں ہو) کتب حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کا نکاح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پڑھایا بلکہ آپ کو اس کا علم بھی بعد میں ہوا، اسی طرح حضرت جابرؓ کے نکاح کا علم بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد سے واپسی پر ہوا، پس اگر مسجد میں نکاح کا اہتمام ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور ان نکاحوں کا علم ہوتا۔ (ملفوظات حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ، ص ۳۰)۔

مولانا خالد سیف اللہؒ لکھتے ہیں: جہاں تک خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کی بات ہے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح مکی زندگی میں ہوا، جس کے مسجد میں ہونے کا سوال ہی نہیں تھا۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح حبش میں حضرت خالد بن سعید بن عاصؓ کی وکالت سے ہوا، اس لیے اس میں بھی اس کا امکان نہیں تھا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح غزوہ خیبر سے واپسی میں ہوا، حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت زینب بن خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح مدینہ میں ہوا، ان حضرات کے نکاح کی بابت حدیث و سیرت کی کتابوں میں تفصیل نہیں ملتی، کہ کہاں نکاح ہوا تھا؟ یہی حال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنات طاہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے واقعات نکاح کا ہے، میں نے اصابہ، اسد الغابہ، طبقات ابن سعد اور اکثر اہم کتب سیرت و رجال سے رجوع کیا مگر مجلس نکاح کی بابت پتہ نہ چل سکا، کہ یہ مسجد میں ہوا، یا مسجد سے باہر ہوا۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲۷۴/۳) واللہ اعلم۔

مسجد میں سونے اور اشیاء مسجد استعمال کرنے کا حکم:

سوال: بعض لوگ مسجد میں سوتے ہیں اور مسجد کے پٹکے اور ایئر کنڈیشن چلاتے ہیں کیا شرعاً یہ جائز

ہے یا نہیں؟

الجواب: احادیث اور عبارات فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بلا ضرورت مسجد میں سونا مکروہ ہے ہاں بضرورت سونے کی گنجائش ہے نیز معتکف اور مسافر جس کا کوئی ٹھکانہ نہ ہو اس کے لیے بھی آدابِ مسجد کا لحاظ رکھتے ہوئے سونے کی اجازت ہے، جیسا کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مسجد میں سونا ثابت ہے۔ اور بجلی نکلے وغیرہ نماز کے اوقات میں استعمال کر سکتے ہیں، پوری رات استعمال کرنے سے گریز کیا جائے اگر ضرورت پڑ جائے تو صرفہ اربابِ مسجد کو دیدیا جائے۔

ملاحظہ فرمائیں سنن دارمی میں ہے:

عن أبي ذر رضی اللہ عنہ قال: أتاني نبي الله صلى الله عليه وسلم وأنا نائم في المسجد، فضربني برجله، قال: ألا أراك نائماً فيه؟ قلت: يا نبي الله غلبتني عيني. (سنن دارمی: ۱۳۹۹/۳۷۹/۱، باب النوم في المسجد).

ترمذی شریف میں ہے:

وقال ابن عباس رضی اللہ عنہ: لا يتخذ (المسجد) مبيتاً ومقيلاً. (ترمذی شریف: ۷۳/۱، باب ما جاء في النوم في المسجد).

در مختار میں ہے:

ويكره الإعطاء مطلقاً وأكل ونوم إلا لمعتكف وغريب. قال الشامي: وإذا أراد ذلك ينبغي أن ينوي الاعتكاف فيدخل ويذكر الله تعالى بقدر ما نوى ثم يفعل ما شاء. (الدر المختار مع فتاوى الشامی: ۶۶۱/۱، سعید).

شرح منیۃ المصلیٰ میں ہے:

والنوم فيه لغیر المعتكف مکروه وقيل: لا بأس للغريب أن ينام فيه والأولى أن ينوي الاعتكاف ليخرج عن الخلاف. (شرح منیۃ المصلیٰ: ص ۶۱۲).

بعض روایات سے مسافر کے لیے جواز معلوم ہوتا ہے:

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: كنا ننام على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم في المسجد ونحن شبان. قال أبو عيسى: حديث ابن عمر رضی اللہ عنہ حديث حسن صحيح. (ترمذی شریف: ۷۳/۱).

وفي رواية البخاری: عن عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہ أنه كان ينام وهو شاب أعزب لا أهل له في مسجد النبي صلى الله عليه وسلم. (بخاری شریف: ۶۳/۱).
وأيضاً رواه ابن ماجه في باب النوم في المسجد (ص ۵۴).

وقال الشيخ عبد الغنى المجددى الدهلوى في إنجاح الحاجة: وهذه رخصة لابن السبيل والمسافر فإن ابن عمر رضی اللہ عنہ ما كان له حينئذ أهل وأما لغيره فيكره الاعتیاد بالنوم فيه ولو دخل أحد للصلاة فنام هنا فلا بأس به لأن الصحابة رضی اللہ عنہم كانوا يفعلون ذلك. (إنجاح الحاجة: ۵۴).
عالمگیری میں ہے:

ولو وقف على دهن السراج للمسجد لا يجوز وضعه جميع الليل بل بقدر حاجة المصلين و يجوز إلى ثلث الليل أو نصفه إذا احتيج إليه للصلاة فيه كذا في السراج الوهاج ولا يجوز أن يترك فيه كل الليل إلا في موضع جرت العادة فيه بذلك كمسجد بيت المقدس ومسجد النبي صلى الله عليه وسلم والمسجد الحرام أو شرط الواقف تركه فيه كل الليل كما جرت العادة به في زماننا كذا في البحر الرائق. (الفتاوى الهندية: ۲/۴۵۹، الباب الحادى عشر فى المسجد وما يتعلق به).

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

مسجد کی بجلی وغیرہ نماز کے اوقات میں استعمال کرنی چاہئے دیگر اوقات میں اہل چندہ منع کر سکتے ہیں، مسجد میں سونا معتکف اور مسافر کے لیے جائز ہے دوسروں کے لیے مکروہ ہے، جو لوگ مسجد میں نیند کریں ان کو چٹائیوں پر کپڑا بچھا لینا چاہئے تاکہ پسینہ سے فرش خراب نہ ہو اور نیند کی حالت میں ناپاک ہو جانے کا خطرہ نہ رہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۳۱/۲).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

جو شخص معتکف ہو، یا مسافر ہو اور اس کا کہیں ٹھکانہ نہ ہو اس کو مسجد میں ٹھہرنے کی اجازت ہے، اور جو شخص نماز تہجد و فجر کی خاطر مسجد میں رہے اس کے لیے بھی اجازت ہے، لیکن اپنے لیے مسجد کو آرام گاہ نہ بنایا جائے، مسجد کا پنکھا اور مسجد کی روشنی اصالۃ نماز کے لیے ہے، جب تک نمازی عامۃ نماز پڑھتے ہیں اس وقت تک استعمال کریں، اگر علاوہ نماز کے دیگر مقاصد کے لیے استعمال کریں تو اس کے معاوضہ میں مسجد کی خدمت بھی کر دیا کریں، فتاویٰ عالمگیری میں چراغ مسجد کے متعلق مسئلہ مذکور ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۵/۲۳۸، فاروقیہ)۔

مزید ملاحظہ فرمائیں: (فتاویٰ محمودیہ: ۶۳۳، فاروقیہ۔ واحسن الفتاویٰ: ۶/۴۴۷۔ و کتاب الفتاویٰ: ۴/۲۶۱-۲۶۳)۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

نا سمجھ بچوں کو مسجد میں لانے کا حکم:

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ نا سمجھ بچوں کو مسجد میں لانا درست ہے اس لیے کہ حضراتِ حسنین مسجد میں آتے تھے اور اچھی طرح چل بھی نہیں سکتے تھے؟

الجواب: بچوں کے شور و غل اور پیشاب پاخانہ کا اندیشہ نہ ہو تو ان کو مسجد میں لانے کی اجازت ہے، ورنہ اجتناب کرنا چاہئے۔

حدیث شریف میں ہے:

عن واثلة بن الأسقع أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم وشراءكم وبيعكم وخصوماتكم ورفع أصواتكم وإقامة حدودكم وسل سيفكم واتخذوا على أبوابها المطاهر وجمروها في الجمع. (رواه ابن ماجه: ۵۴)۔

مذکورہ بالا چیزوں کا اندیشہ نہ ہو تو نفس جواز میں کلام نہیں ہے، حدیث شریف میں ہے:

أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إني لأقوم في الصلاة أريد أن أطول فيها فأسمع

بكاء الصبي فأتجاوز في صلاتي كراهية أن أشق على أمه. (صحيح البخاري: ۹۸/۱)۔

درمختار میں ہے:

ويحرم إدخال صبيان ومجانين حيث غلب تنجيسهم وإلا فيكره: وفي الشامية: والمراد بالحرمة كراهة التحريم لظنية الدليل... وإلا فيكره أى تنزيهاً. (الدرالمختار مع فتاوى الشامى: ۱/۶۵۶، مطلب فى احكام المسجد، سعيد). واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کرنے کا حکم:

سوال: جب لوگ نماز سے پہلے مسجد میں داخل ہوتے ہیں تو بعض لوگ سلام کرتے ہیں اور بعض لوگ نہیں کرتے، کیا سلام کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: اگر مسجد میں مصلیٰ حضرات ذکر و تلاوت میں مشغول ہوں تو سلام نہ کرے اور اگر نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوں تو پھر بھی سلام نہ کرنا بہتر ہے، ہاں اگر نماز ہو چکی ہو یا لوگ بات چیت میں مشغول ہوں تو سلام کرنا چاہئے۔
ملاحظہ فرمائیں، عالمگیری میں ہے:

السلام تحية الزائرين والذين جلسوا فى المسجد للقراءة والتسبيح أو لانتظار الصلاة ما جلسوا فيه لدخول الزائرين عليهم، فليس هذا أو ان السلام، فلا يسلم عليهم. (الفتاوى الهندية: ۵/۳۲۵، الباب السابع فى السلام، وكذا فى حاشية الطحطاوى على الدرالمختار: ۴/۲۰۶).

وفى الشامية: قال: وإذا جلس القاضي ناحية من المسجد للحكم لا يسلم على الخصوم، ولا يسلمون عليه، لأنه جلس للحكم والسلام تحية الزائرين. (فتاوى الشامى: ۶/۴۱۵، كتاب الحظروالاباحة، سعيد).

فتاویٰ سراجیہ میں ہے:

إذا دخل المسجد بعضهم فى غير الصلاة يسلم قال السيد الإمام أبو القاسم رحمه الله ولترك السلام لا يكون تاركاً للسنة أشار إليه فى أدب القاضي. (الفتاوى السراجية: ص ۲۸۳،

و کذا فی فتاوی الشامی: ۴۱۳/۶، کتاب الحظروالاباحۃ، سعید).

کتاب الفتاوی میں ہے:

مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا یا مسجد میں بیٹھے ہوئے لوگوں کا آنے والوں کو سلام کرنا درست ہے، البتہ اتنی آواز سے نہ کیا جائے کہ اگر کوئی شخص نماز میں ہو تو اسے خلل ہو جائے۔ (کتاب الفتاوی: ۲۵۴/۴، و فتاویٰ رحیمہ: ۶۸/۹).

لہذا سلام کرنے والے اور نہ کرنے والے دونوں میں سے کسی پر بھی ملامت نہیں کرنا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد میں اشعار پڑھنے کا حکم:

سوال: مسجد میں اشعار پڑھنا جائز ہے یا مکروہ؟ ایک حدیث میں مسجد میں اشعار پڑھنے کی ممانعت

آئی ہے۔

الجواب: اسلام اور شریعتِ مطہرہ کے خلاف اور فاحشہ اشعار کا پڑھنا مسجد میں یا خارج مسجد بہر

صورت ممنوع اور ناجائز ہے، ہاں حمد و ثنا اور نعت وغیرہ کے اچھے اشعار مسجد میں پڑھنا جائز اور درست ہے۔

بخاری شریف میں ہے:

عن الزهري، قال: أخبرني أبو سلمة بن عبد الرحمن بن عوف أنه سمع حسان بن

ثابت الأنصاري رضی اللہ عنہ يستشهد أبا هريرة رضی اللہ عنہ أنشدك الله هل سمعت النبي صلى الله عليه

وسلم يقول: يا حسان أجب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، اللهم أیده بروح القدس

قال أبو هريرة رضی اللہ عنہ: نعم. (صحيح البخاری: ۶۴/۱، باب الشعر فی المسجد).

ترمذی شریف میں ہے:

عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: إن النبي صلى الله

عليه وسلم يضع لحسان منبراً في المسجد يقوم عليه قائماً يفاخر عن رسول الله صلى الله

عليه وسلم... ويقول رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله يؤيد حسان بروح القدس ما

یفاخر أوینافح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم . (جامع الترمذی: ۱۱۱/۲، باب ماجاء فی انشاد الشعر، وكذا فی سنن ابی داود: ۲۳۸/۲).

لیکن ترمذی شریف کی دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں اشعار پڑھنے سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ ملاحظہ فرمائیں:

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه نهى عن تناسد الأشعار في المسجد.... (ترمذی شریف: ۷۳/۱۔ وكذا فی سنن النسائی: ۱۱۷/۱۔ وابن ماجه: ۵۴)۔
دونوں روایتوں میں تطبیق ملاحظہ فرمائیں:
علامہ عینی عمدة القاری میں فرماتے ہیں:

إن الشعر الحق لا يحرم في المسجد، والذي يحرم فيه مافيه الخنا والزور والكلام الساقط، يدل عليه ما رواه الترمذي مصححاً من حديث عائشة رضي الله تعالى عنها (كما مر آنفاً)... فإن قلت: روى ابن خزيمة في صحيحه... عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن تناسد الأشعار في المساجد وحسنه الحافظان: الطوسي والترمذي،.... قلت:.... وقد جمع ابن خزيمة في صحيحه بين الشعر الجائز إنشاده في المسجد وبين الممنوع من إنشاده فيه. وقال أبو نعيم الأصبهاني في كتاب التوحيد: نهى عن تناسد أشعار الجاهلية والمبطلين فيه، فأما أشعار الإسلام والمحققين فواسع غير محظور. (عمدة القاری: ۴۸۹/۳، باب الشعر في المسجد، ملتان۔ وكذا فی فتح الباری: ۴۵۹/۱)۔
شاہ صاحب کشمیری فرماتے ہیں:

وأما الأشعار ففي كتاب الطحاوي: جوازها في المسجد أي لتحصيل الأدب واللغة بشرط أن لا يتخذ لجة ويفصل شيء في الأشعار الأدبية في فتح القدير أيضاً. (العرف الشذی علی هامش الترمذی: ۸۰/۱)۔

وفي حاشية الترمذي للمحدث أحمد على السهاري: والمراد المذمومة الباطلة

والا فلا منع . (حاشیہ الترمذی: ۷۳)۔

درس ترمذی میں ہے:

دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ اگر اشعار حمد و ثناء اور دفاع اسلام کے خاطر ہو تو اس کا پڑھنا جائز ہے بصورت دیگر مکروہ ہے۔ (درس ترمذی: ۱۰۸/۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد میں عورتوں کے اعتکاف کا حکم:

سوال: احناف کے نزدیک عورتیں اپنے گھروں میں اعتکاف کرتی ہیں حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد میں اعتکاف ہوتا تھا، تو عورتوں کو اعتکاف کہاں کرنا چاہئے؟

الجواب: روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں عورتوں کے اعتکاف کو ناپسند فرما کر مسجد سے ختم کروا دیا تھا، اس لیے عورتوں نے گھر میں اعتکاف شروع کر دیا تھا، لہذا اب مسجد کا اعتکاف ختم ہو گیا اور نفس اعتکاف گھر میں باقی رہ گیا، جس کو ائمہ احناف نے اختیار فرمایا۔
ملاحظہ فرمائیں بخاری شریف میں ہے:

عن عائشة رضي الله تعالى عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم أراد أن يعتكف فلما انصرف إلى المكان الذي أراد أن يعتكف فيه إذا أخبية خباء عائشة رضي الله تعالى عنها وخباء حفصة رضي الله تعالى عنها وخباء زينب رضي الله تعالى عنها، فقال: ألبرتقولون بهن ثم انصرف فلم يعتكف حتى اعتكف عشراً من شوال . (بخاری شریف: ۲۷۲/۱)۔
علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

وفي رواية أبي معاوية: فأمر بخبائه فقوض أي نقض، وقال القاضي عياض: إنما قال صلى الله عليه وسلم هذا الكلام إنكاراً لفعلهن... لأن المسجد يجمع الناس ويحضره الأعراب والمنافقون وهن محتاجات إلى الدخول والخروج فيبتذلن بذلك... وقال إبراهيم بن عبله في قوله: ألبرت يردن؟ دلالة على أنه ليس لهن الاعتكاف في المسجد، إذ

مفہومہ لیس ببرلہن ، وقال بعضهم : وليس ما قاله بواضح . قلت : بلى ، هو واضح لأنه إذا لم يكن برأ لهن يكون فعله غير بر ، أى غير طاعة ، وارتكاب غير الطاعة حرام ، ويلزم من ذلك عدم الجواز . (عمدة القارى: ۸/۲۷۶، ۲۷۷، باب اعتكاف النساء، ملتان)۔
علامہ سرخسیؒ مبسوط میں فرماتے ہیں:

ولنا أن موضع أداء الاعتكاف في حقها الموضع تكون صلاتها فيه أفضل كما في حق الرجال و صلاتها في مسجد بيتها أفضل فإن النبي صلى الله عليه وسلم لما سئل عن أفضل صلاة المرأة ، فقال في أشد مكان من بيتها ظلمة . (المبسوط للسرخسى: ۲۴/۲۳۵)۔
بدائع الصنائع میں ہے:

ونحن نقول بل هذه قرينة حصت بالمسجد لكن مسجد بيتها له حكم المسجد في حقها في حق الاعتكاف لأن له حكم المسجد في حقها في حق الصلاة لأن كل واحد منهما في اختصاصه بالمسجد سواء . (بدائع الصنائع: ۲/۱۱۳، كتاب الاعتكاف، سعيد)۔
تحفة الاخيار میں ہے:

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: لو رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم ما أحدث النساء بعده لمنعهن المساجد كما منعت نساء بني إسرائيل . قال أبو جعفر: ... وإذا كن كذلك في حياة عائشة رضي الله تعالى عنها كن بعد موتها من ذلك أبعد فإذا كان ذلك كذلك عقلنا أنه إن كان لهن أن يعتكفن فإنما يكون ذلك منهن في خلاف المساجد لا في المساجد . (تحفة الاخيار: ۳/۸۱/۱۴۹۹، كتاب الصوم)۔

بخاری شریف میں ہے:

عن عائشة رضي الله تعالى عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يعتكف العشر الاواخر من رمضان حتى توفاه الله ثم اعتكف أزواجه من بعده . (بخاری شریف: ۱/۲۷۱)۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

(قوله ثم اعتكف أزواجه) أي في بيوتهن لما سبق من عدم رضاءه عليه الصلاة والسلام لفعلهن، ولذا قال الفقهاء: يستحب للنساء أن يعتكفن في مكانهن. (مرقات: ۴/۳۲۶).
والله تعالى أعلم۔

مسجد میں سائل کو کچھ دینے کا حکم:

سوال: مسجد میں سائل کو مستحق سمجھ کر کچھ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: آداب مسجد کا لحاظ رکھتے ہوئے اتفاقاً کسی نے سوال کیا اور کچھ دیدیا تو جائز ہے، ہاں اگر سائل نے مسجد میں سوال کرنے کی عادت بنالی ہے تو نہیں دینا چاہئے، کہ یہ آداب مسجد کے خلاف ہے۔
ملاحظہ فرمائیں سنن ابی داود میں ہے:

عن عبد الرحمن بن أبي بكر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: هل فيكم أحد أطعم اليوم مسكيناً، فقال أبو بكر رضی اللہ عنہ: دخلت المسجد فأنا بسائل يسأل فوجدت كسرة خبز في يد عبد الرحمن فأخذتها فدفعتها إليه. (سنن ابی داود: ۱/۲۳۵).
فتح الملہم میں ہے:

قلت: ... وقد قال بعض السلف: لا يحل إعطاءه فيه لما في بعض الآثار "ينادي يوم القيامة ليقيم بغيض الله فيقوم سؤال المسجد" وفصل بعضهم بين من يوذى الناس بالمرور ونحوه فيكره إعطاءه لأنه إعانة له على ممنوع وبين من لا يوذى فيسن إعطاءه لأن السؤال كانوا يسألون على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم في المسجد. (فتح الملہم: ۴/۱۶۱).
فتاویٰ شامی میں ہے:

قال في النهر: المختار أن السائل إن كان لا يمر بين يدي المصلي ولا يتخطى الرقاب ولا يسأل إلحافاً بل لأمر لا بد منه فلا بأس بالسؤال والإعطاء ومثله في البرازية وفيها

ولا يجوز الإعطاء إذا لم يكونوا على تلك الصفة المذكورة. (فتاویٰ الشامی: ۱۶۴/۲، سعید۔ وکذا فی بذل المجهود: ۲۱۸/۸۔ وافتاویٰ البزازیة: ۷۶/۱۔ وافتاویٰ الحمادیة: ۷۶/۴)۔
الدر المنضود میں ہے:

جمہور کے نزدیک سوال فی المسجد جائز اور اعطاء بھی جائز ہے مگر یہ کہ سائل کوئی بدعنوانی کرے... تو پھر سوال واعطاء دونوں ناجائز ہیں یہ مسلک تو ہے جمہور کا اور حنفیہ کے نزدیک سوال فی المسجد مطلقاً حرام ہے اور اعطاء میں دو قول ہیں: (۱) مطلقاً کراہت۔ (۲) اعطاء میں کراہت اس وقت ہے جب کہ سائل تخطی رقاب کرے ورنہ نہیں اور اصح یہی ہے۔ (الدر المنضود: ۱۲۶/۳)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کبیر میں بلا اتصال صفوف نماز کا حکم:

سوال: بڑی مساجد میں بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ اتصال صفوف کے بغیر لوگ نماز پڑھتے ہیں، یعنی درمیان میں بہت خلا رہتا ہے، اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟ حرمین میں اکثر ایسا ہوتا ہے۔

الجواب: مسئلہ بالا کے بارے میں فتاویٰ میں مختلف عبارتیں ملتی ہیں، بعض فتاویٰ میں مرقوم ہے کہ مسجد کبیر میں فصل کثیر مانع اقتداء ہے، اور دیگر بعض میں یہ قید مذکور نہیں ہے، فی زمانہ حالات پر مد نظر رکھتے ہوئے مسجد کبیر میں بلا قید نماز درست ہو جانی چاہئے، کیونکہ حرمین کی مساجد، مسجد حرام اور مسجد نبوی کافی وسیع ہیں، اور عام دنوں میں صفوف میں اتصال نہیں ہوتا، تو ہزاروں آدمیوں کی نماز خراب ہو جائیگی، پھر علامہ طحاویؒ نے اس کی اچھی توجیہ فرمائی ہے کہ جب امام کی حالت مقتدیوں پر واضح ہو تو اتحاد مکان کی وجہ سے اقتداء صحیح ہے، ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

والمسجد وإن کبر لا یمنع الفاصل إلا فی الجامع القدیم بخوارزم فإن ربعہ کان علی أربعة آلاف أسطوانة، وجامع القدس الشریف أعني ما یشتمل علی المساجد الثلاثة الأقصى والصخرة والبیضاء. (فتاویٰ الشامی: ۵۸۵/۱، سعید)۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

والمسجد وإن کبر لا یمنع الفاصل فیہ... ولو اقتدی بالإمام فی أقصى المسجد والإمام فی المحراب فإنه یجوز. (الفتاویٰ الہندیۃ: ۱/۸۸، الباب الخامس فی الإمامۃ).
امداد الفتاح میں ہے:

والمسجد وإن کبر لا یمنع الفاصل... (امداد الفتاح: ص ۳۳۵).
حاشیۃ الطحاوی میں ہے:

والفضاء الواسع فی المسجد لا یمنع وإن وسع صفوفاً لأن له حکم بقعة واحدة کذا فی الأشباه من الفن الثانی، فلو اقتدی بالإمام فی أقصى المسجد، والإمام فی المحراب جاز کما فی الہندیۃ، قال البزازی: المسجد وإن کبر لا یمنع الفاصل فیہ إلا فی الجامع القدیم بخوارزم فإن ربعہ کان علی أربعة آلاف أسطوانة، وجامع القدس الشریف أعنی ما یشتمل علی المساجد الثلاثة، الأقصى والصخراء، والبیضاء کما فی الحلبي والشرح، والظاهر أن ذلک لاشتباہ حال الإمام علی المأموم لا لاختلاف المكان. (حاشیۃ الطحاوی علی مراقی الفلاح: ۲۹۳).

وللاستزادة انظر: (الدرر علی الغرر: ۱/۹۲- وشرح منیة المصلی: ص ۵۲۴- والفتاویٰ البزازیة: ۴/۵۵).
واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد سے کسی کا جوتا اٹھانے کا حکم:

سوال: مساجد یا حرمین میں کسی کا جوتا بدل گیا، دوسرا شخص اس کا جوتا لے گیا اور اس کا جوتا رہ گیا، اب اس دوسرے شخص کا جوتا استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب: اگر اس شخص کے دل میں یہ بات آتی ہے کہ صاحبِ پاؤں کی طرف سے بظاہر استعمال کی اجازت ہوگی تو اس کا استعمال کرنا جائز اور درست ہے ورنہ اجتناب کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو سراجیہ میں ہے:

قوم أصابوا مذبحاً في طريق البادية وقد وقع في قلبه أن صاحبه قد فعل إباحة للناس
لأبأس بأكله. (الفتاوى السراجية: ۳۰۷). واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایک مسجد کے امام کا مسئلہ:

سوال: ایک صاحب ایک مسجد میں امامت کراتے تھے، اس واقعہ کو کافی مدت گزر چکی ہے، ایک دو مرتبہ ایسا ہوا کہ نماز کے درمیان پیشاب کا قطرہ گرنے کا احتمال ہوا، یا غالب گمان ہوا، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ رمضان کی پہلی رات چاند کا اعلان اب تک نہیں ہوا تھا اور امام نے اپنی وتر پڑھ لی پھر چاند کے اعلان کے بعد اس نے تراویح کے بعد دوبارہ لوگوں کو وتر پڑھادی، جب کہ تراویح کسی اور صاحب نے پڑھائی تھی، اس وقت پیشاب کے قطرہ کی وجہ سے جو مشکوک یا مظنون تھا، امام نے نماز کے اعادہ کا اعلان نہیں کیا، اب اس مقام کے ساتھ امام کا کوئی رابطہ نہیں ہے، اور اس وقت کے اکثر مصلی یا وفات پا چکے ہوں گے یا کسی اور جگہ منتقل ہو چکے ہیں، یہ واقعہ ۳۰ سال پہلے کا ہے، اب اطلاع کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہے، اب امام کی گلو خلاصی کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

الجواب: بصورت مسئلہ جب امام کے وضو کا ٹوٹنا قطرہ کی وجہ سے مشکوک یا مظنون تھا، تو امام کو اس وقت اعلان کرنا چاہئے تھا، تاکہ نماز کا اعادہ ہو جاتا، احناف کا اصل مذہب تو یہ ہے کہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن ہے، اس کی تشریح دوسری جلد ص ۲۳۲، پر گزر چکی ہے، لیکن مذکورہ صورت حال میں مشکلات کے پیش نظر فقہاء کے ہاں ایک جزئیہ ملتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اعلان ضروری نہیں ہے۔
ملا فرمائیں تحفۃ المملوک میں ہے:

ولو ظهر حدث الإمام أعاد المأموم لقوله صلى الله عليه وسلم: أيما رجل صلى بقوم
ثم تذكروا جنابة أعاد، وأعادوا. (فصل في الجماعة: ۱/۸۴۶)

اس کی شرح میں محمد بن عبداللطیف بن عبدالعزیز بن ملک لکھتے ہیں: هذا إذا علم المأموم حدث
إمامه وإن لم يعلموا لا يجب عليهم الإعادة ولا على الإمام الإعلام بأنه صلى على غير طهارة

ولایأثم بتركه الإعلام . (شرح تحفة الملوک: ۸۴۷/۱۔ بتعلیق عبد المجید الدرویش)۔

در مختار اور شامی نے بھی عدم اخبار کا قول بعض فقہاء سے نقل کیا ہے۔

وصحح في مجمع الفتاوى عدمه أى الإخبار مطلقاً لكونه عن خطأ معفو عنه لأنه لم يتعمد ذلك . (ص: ۱/۵۹۱)۔

متن میں جس حدیث کا حوالہ دیا گیا ”ایما رجل صلی بقوم ثم تذکر جنابة أعاد، وأعادوا“۔ اس کے متعلق صاحب تعلیق الدکتور عبد المجید الدرویش نے نصب الراية سے نقل کیا کہ یہ روایت غریب ہے اور ابن حجر نے لم اجدہ مرفوعاً فرمایا۔

ہاں سعید بن مسیب سے مرسل مروی ہے:

”أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى بالناس وهو جنب وأعاد وأعادوا“ یہ روایت مرسل ہے اور اس کی سند میں ابو جابر البیاض متروک ہے، یحییٰ بن معین نے ان کو کذاب کہا، اس کے بالمقابل دارقطنی میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أيما إمام سها فصلى بالقوم وهو جنب فقد مضت صلاتهم ثم ليغتسل هو ثم ليعاد صلاته الخ۔

مگر یہ روایت بھی ضعیف ہے اس میں جویر متروک ہے۔ (تعلیق عبد المجید الدرویش علی شرح تحفة الملوک: ۸۴۶/۱)۔

شرح تحفة الملوک کے مصنف محمد بن عبد اللطیف المتوفی ۸۵۴، جو ابن ملک کے نام سے معروف ہیں، سائد بکد اش مدظلہ العالی منیۃ الصیادین کے مقدمہ میں ان کے حالات لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

”هو الإمام المحدث الفقيه الحنفی المعتبر محمد بن عز الدين عبد اللطيف بن عبد العزيز بن أمين الدين بن فرشته الرومی“۔

جو صاحب تصانیف عالم تھے، جن کی چند تصانیف یہ ہیں: (۱) شرح مصابیح السنة للبغوی،

(۲) شرح الوقایة، (۳) شرح تحفة الملوک للرازی، (۴) منیۃ الصیادین فی تعلم الاصطیاد

وأحكامه، (۵) روضة المتقين في مصنوعات رب العلمين في المواعظ والعبادات.
 ان کے حالات کا حوالہ منیۃ الصیادین کی تعلیقات میں درج ذیل کتابوں سے دیا ہے۔ (۱) کتائب
 اعلام الاخیار من فقہاء مذهب النعمان المختار للکفوی، (۲) الشقائق النعمانیۃ فی علماء
 الدولة العثمانیۃ، (۳) کشف الظنون لحاجی خلیفہ، (۴) الفوائد البهیۃ فی تراجم الحنفیۃ
 لعبدالحی الکنوی، السعایۃ، وعمدة الرعیۃ، (۵) ہدیۃ العارفین لاسماعیل باشا البغدادی،
 (۶) الاعلام للزرکلی، (۷) معجم المؤلفین لعمر رضا کحالة وغیرہ۔ (مقدمة منیۃ الصیادین لسائد
 بکداش، ص ۱۱)۔

ان کے والد عزالدین عبداللطیف بھی صاحب تصانیف محقق عالم گزرے ہیں شرح تحفۃ الملوک کے
 مقدمہ میں بھی محقق نے ان کے حالات قلمبند کئے ہیں۔

یہ تعارف اس لیے لکھا گیا کہ ایک دفعہ ایک فتویٰ میں بندہ نے شرح تحفۃ الملوک کا حوالہ دیا تو بعض
 مفتیوں نے اشکال کیا کہ یہ غیر معروف کتاب حوالہ کے لیے کہاں سے آگئی، مصنف کی بعض تصانیف جیسے منیۃ
 الصیادین تو شاہکار تصنیف سمجھی جاتی ہے، یاد رہے کہ متن تحفۃ الملوک محمد بن ابی بکر الرازی المتوفی ۶۶۶، کی کتاب
 ہے۔

حاصل یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو مصلیوں کو خبر دیدے اگر بالکل مشکل ہو تو اس قول پر عمل ہو سکتا ہے۔
 واللہ تعالیٰ اعلم۔

امام کا مصلیوں کی طرف پھرنے کا حکم:

سوال: فتاویٰ دارالعلوم زکریا (۱۷۰/۲) میں یہ مسئلہ تحریر شدہ ہے کہ بہتر یہ ہے کہ امام بجانب راست
 مقتدیوں کی طرف پھر جائے، کیا راست سے مصلیوں کی جانب راست مراد ہے یا قبلہ کی جانب راست مراد ہے
 جو فقہاء کے نزدیک مصلیوں کی جانب چپ ہے؟

الجواب: یاد رہے کہ کسی جانب کو اپنے اوپر لازم کرنا درست نہیں، بلکہ دونوں جانب پھرنے کو درست

سمجھنا چاہئے، عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں مذکور ہے کہ جس نے ایک جانب کو لازم کر دیا یعنی جانب راست اس نے اپنی نماز میں شیطان کا حصہ رکھا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم چپ و راست دونوں جانب سے مڑتے اور تشریف لے جاتے تھے، (مسلم شریف: ۱/۲۴۷، شرح مسلم: ۱/۲۴۷) بیہقی کی سنن کبریٰ میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر جوتے اور جوتوں سمیت اور کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے، اور دائیں اور بائیں جانب سے تشریف لے جاتے تھے، (سنن کبریٰ: ۲/۲۹۵) ابن ماجہ شریف (ص ۶۶) میں بھی یہی مضمون ہے، حضرت انسؓ کا یہی عمل تھا اور جو جانب یمین کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے ان پر اعتراض کرتے تھے۔ (بخاری شریف: ۱/۱۱۸)، واسع بن حبان کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ دیوار سے تکیہ لگائے بیٹھے تھے میں نماز سے فارغ ہو کر بائیں جانب سے مڑ کر ان کے پاس آیا انہوں نے سبب پاچھا کیوں یمین سے نہیں آئے میں نے کہا آپ کی طرف مڑنے کا ارادہ تھا ابن عمرؓ نے کہا ٹھیک کیا بعض لوگ دائیں جانب کو لازم سمجھتے ہیں، یہ تو آپ کی مرضی ہے دائیں جانب سے مڑے یا بائیں جانب سے۔ (موطا مالک: ۱۵۵) ترمذی میں بھی یہی مذکور ہے۔ (۱/۶۶)، لیکن بائیں ہمہ بہتر یہ ہے کہ یمین کو ترجیح دے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر جانب یمین سے مڑتے تھے، (مسلم: ۱/۲۴۷) امام نوویؒ نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ یمین بہتر ہے کیونکہ عام احادیث کا یہی مدلول ہے، (شرح مسلم: ۱/۲۴۷) او جز میں ہے کہ حسن نماز سے بجانب یمین مڑنے کو پسند کرتے تھے، (او جز: ۳/۴۹۷) اب یمین سے کوئی جانب مراد ہے تو شامی کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ شرح منیہ میں ہے کہ مصلی کے یمین کا اعتبار ہے:

فی شرح المنیة: أن انحرافه عن يمينه أولى وأيده بحديث في صحيح مسلم .

(شامی: ۱/۵۳۱).

مسلم میں ہے: عن البراءؓ قال: كنا إذا صلينا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم أحببنا أن نكون عن يمينه يقبل علينا بوجهه . (مسلم: ۱/۲۴۷).

مراقی الفلاح میں ہے:

وإن شاء انحرف عن يمينه وجعل القبلة عن يساره، وهذا أولى. (مراقی الفلاح: ص ۱۱۷).

اس کے بعد اگر گھر جانا چاہتا ہے تو کس طرف سے جانا چاہئے تو امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ اگر دونوں جانب اس کے لیے برابر ہوں کسی ایک جانب حاجت نہیں تو یمن بہتر ہے اور شامی نے اس کو نقل کر کے تسلیم کیا ہے۔ (۵۳۱/۱)، احسن الفتاویٰ میں بھی لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جانے میں اور مقتدیوں کی طرف انصراف میں تیا من پسند فرماتے تھے۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/۳۶۸)۔

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے یہ فرمایا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مقتدیوں کی طرف رخ فرماتے وقت جانبِ یمن سے مڑتے تھے، اور گھر تشریف لے جاتے وقت جانبِ یسار یعنی مصلیوں کے یسار کو اختیار فرماتے۔ ”چونکہ مکانات اس طرف تھے“ اور یہی یمن قبلہ اور یسار مصلی ہے تو حضرت کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی گھر میں سنت پڑھنا چاہتا ہو تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت اختیار کر کے قبلہ کے یمن جو مصلیوں کا یسار ہے اس کو اختیار کرنا بہتر ہے۔ (اعلاء السنن: ۳/۱۸۶-۱۹۱۳)۔ واللہ اعلم۔

مساجد میں جہری دعا کا حکم:

سوال: مساجد میں بعض دفعہ کوئی مقرر یا امام جہر کے ساتھ دعا کرتا ہے دعائیں بہتر کیا ہے اور کبھی کبھی جہری دعا کا کیا حکم ہے؟

الجواب: دعائیں اصلاً سربہ افضل، بہتر ہے، ہاں گا ہے گا ہے جہری دعا کرنا بھی جائز اور درست ہے۔ خصوصاً عوام کی مساجد میں جہری دعا کرنا زیادہ مناسب اور موزوں معلوم ہوتا ہے، تاکہ عوام اپنے ائمہ سے دعا کا طریقہ سیکھیں اور قرآن و احادیث کی ادعیہ پر آمین کہنے کی سعادت حاصل کریں۔ لیکن احیاناً سری دعا کرے تاکہ لوگ جہری دعا کو ضروری نہ سمجھیں۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿ادعوا ربکم تضرعاً وخفیة﴾... قال العلامة الآلوسی البغدادی الحنفی: الإخفاء أفضل عند خوف الريا والإظهار أفضل عند عدم خوفه وأولى منه القول بتقديم الإخفاء على الجهر فيما إذا خيف الرياء أو كان في الجهر تشويش على نحو مصل أو نائم أو قارئ أو مشتغل بعلم شرعي وبتقديم الجهر على الإخفاء فيما إذا خلا عن ذلك

وكان فيه قصد تعليم جاهل أو نحو إزالة وحشة عن مستوحش أو طرد نحو نعاس أو كسل عن الداعي نفسه أو إدخال سرور على قلب مؤمن أو تنفير مبتدع عن بدعة أو نحو ذلك ومنه الجهر بالترضي عن الصحابة رضي الله عنهم والدعاء لإمام المسلمين في الخطبة. (تفسير روح المعاني: ۱۴۰/۸).

اعلاء السنن میں ہے:

عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: خير الدعاء الخفي. رواه ابن حبان في صحيحه. وعن أنس رضي الله عنه مرفوعاً دعوة في السر تعدل سبعين دعوة في العلانية... (اعلاء السنن: ۱۱۱/۶).

عمل اليوم واللیلہ میں ہے:

عن صهيب رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يحرك شفّتيه بعد صلاة الفجر بشيء، فقلت: يا رسول الله إنك تحرك شفّتيه بشيء ما كنت تفعل ما هذا الذي تقول: قال: أقول: اللهم بك أحاول وبك أصاول وبك أقاتل. (عمل اليوم والليلة: ۳۲/۱).

أخرج ابن المبارك... عن الحسن قال: لقد كان المسلمون يجتهدون في الدعاء وما يسمع لهم صوت أن كان إلا همساً بينهم وبين ربهم وذلك أنه تعالى يقول: ﴿ادعوا ربكم تضرعاً وخفية﴾ وأنه سبحانه ذكر عبداً صالحاً فرضى له فعله فقال تعالى: ﴿إذ نادى ربه نداء خفياً﴾ وفي رواية عنه أنه قال: بين دعوة السر وبين دعوة العلانية سبعون ضعفاً وجاء من حديث أبي موسى الأشعري رضي الله عنه أنه صلى الله عليه وسلم قال لقوم يجهرون: أيها الناس اربعوا على أنفسكم إنكم لاتدعون أصم ولا غائباً إنكم تدعون سميعاً بصيراً وهو معكم وهو أقرب إلى أحدكم من عنق راحلته والمعنى ارفقوا بأنفسكم واقصروا من الصياح في الدعاء... (روح المعاني: ۱۳۹/۸).

مولانا ادریس صاحب لکھتے ہیں:

اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو عاجزی سے اور چپکے چپکے یعنی دعا کا ادب یہ ہے کہ عاجزی اور فرقی کے ساتھ ہو اور آہستہ آہستہ ہو معلوم ہوا کہ دعائیں اخفاء بہ نسبت جہر کے اولیٰ ہے۔ (معارف القرآن: ۱۳۷/۳)۔
لیکن کبھی مصلحت کی وجہ سے جہر کرنا درست ہے۔
مطلق دعا بالجہر کی احادیث ملاحظہ فرمائیں:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم وهو في قبة يوم بدر: اللهم اني انشدك عهدك ووعدك اللهم ان شئت لم تعبد بعد اليوم فاخذ أبو بكر رضی اللہ عنہ بيده، فقال: حسبك يا رسول الله، فقد ألححت على ربك وهو في الدرع فخرج وهو يقول: سيهزم الجمع ويولون الدبر بل الساعة موعدهم والساعة أدهى وأمر. (رواه البخاري: ۴۰۹/۱)۔
عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يدعو في القنوت اللهم أنج سلمة بن هشام اللهم أنج الوليد بن الوليد اللهم أنج عياش بن أبي ربيعة اللهم أنج المستضعفين من المؤمنين... الخ. (رواه البخاري: ۴۱۱/۱، باب الدعاء على المشركين)۔
یہ دعا جہر اُتھی صحابہ کرام نے سنی۔

عن حبيب بن مسلمة الفهري وكان مجاب الدعوة أنه أمر على جيش فدرب الدروب فلما أتى العدو قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لا يجتمع ملأ فيدعو بعضهم ويؤمن البعض إلا أجابهم الله ثم أنه حمد الله وأثنى عليه ثم قال: اللهم احقن دماءنا واجعل أجورنا أجور الشهداء.... (المستدرک علی الصحیحین: ۵۴۷۸/۴۲۸/۳)۔
قال الهيثمي: رواه الطبراني ورجاله رجال الصحيح غير ابن لهيعة وهو حسن الحديث. (مجمع الزوائد: ۱۷۰/۱۰، باب التأمين على الدعاء، دار الفکر)۔

حضرت حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ مستجاب الدعوات صحابی تھے انہیں ایک لشکر کا امیر بنایا گیا انہوں نے ملک روم جانے کے راستے تیار کرائے، جب دشمن کا سامنا ہوا تو انہوں نے لوگوں سے کہا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو جماعت ایک جگہ جمع ہو اور ان میں سے ایک دعا کرائے اور باقی سب آمین

کہیں، تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا ضرور قبول فرمائیں گے پھر حضرت حبیبؑ نے اللہ کی حمد و ثناء بیان کی اور یہ دعا مانگی اے اللہ! ہمارے خون کی حفاظت فرما اور شہداء والا اجر ہمیں عطا فرما.... (حیۃ الصحابہ، مترجم، ۳/۳۵۳)۔

حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ نے ارشاد فرمایا... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اجتماعی دعا مشروع ہی نہیں بلکہ اقرب الی الاجابہ ہے۔ (ملفوظات: ص ۱۷)۔

قوله تعالى: ﴿قَدْ أَجَبْتَ دَعْوَتَكُمَا﴾ قال أبو العالية وأبو صالح وعكرمة ومحمد بن كعب القرظي والربيع بن أنس: دعا موسى عليه السلام وأمن هارون عليه السلام أي قد أجبناكما فيما سألتما من تدمير آل فرعون، وقد يحتج بهذه الآية من يقول إن تأمين المأموم على قراءة الفاتحة ينزل منزلة قراءتها لأن موسى عليه السلام دعا وهارون عليه السلام أمن. (تفسير القرآن العظيم: ۲/۴۷۰)۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رفع رأسه بعد ما سلم وهو مستقبل القبلة، فقال: اللهم خلص سلمة بن هشام وعياش بن أبي ربيعة والوليد بن الوليد وضعفة المسلمين الذين لا يستطيعون حيلة ولا يهتدون سبيلاً، قلت: في الصحيح أنه قنت به رواه البزار وفيه على بن زيد وفيه خلاف وبقيّة رجاله ثقات. (مجمع الزوائد: ۱۰/۱۵۲)۔

حیۃ الصحابہ میں مطلق جہری دعا کی چند احادیث مذکور ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) أخرج الطبراني في الأوسط عن قيس المدني أن رجلاً جاء زيد بن ثابت رضي الله عنه فسأل عن شيء فقال له زيد: عليك بأبي هريرة رضي الله عنه فبينما أنا وأبو هريرة رضي الله عنه في المسجد ندعو ونذكر ربنا عز وجل إذ خرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى جلس إلينا فسكتنا فقال: "عودوا للذي كنتم فيه". فقال زيد: فدعوت أنا وصاحبي قبل أبي هريرة رضي الله عنه وجعل النبي صلى الله عليه وسلم يؤمن على دعائنا، ثم دعا أبو هريرة رضي الله عنه فقال: اللهم! إني سألك بمثل ما سألك صاحبائي وأسألك علماً لا ينسى، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: "سبقكما بها الغلام الدوسي". قال الهيثمي (۹/۳۶۱): وقيس هذا كان قاص عمر بن عبد العزيز لم يرو عنه غير ابنه محمد، وبقية رجاله ثقات. انتهى.

ترجمہ: حضرت قیس مدنی کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کسی چیز کے بارے میں پوچھا انہوں نے فرمایا تم جا کر یہ بات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھو کیونکہ ایک مرتبہ میں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور فلاں آدمی ہم تینوں مسجد میں دعا کر رہے تھے اور اپنے رب کا ذکر کر رہے تھے کہ اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ہمارے پاس بیٹھ گئے تو ہم خاموش ہو گئے پھر فرمایا تم جو کر رہے تھے اسے کرتے رہو، چنانچہ میں نے اور میرے ساتھی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پہلے دعا کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری دعا پر آمین کہتے رہے پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ دعا کی اے اللہ! میرے ان دو ساتھیوں نے جو کچھ تجھ سے مانگا ہے میں وہ بھی تجھ سے مانگتا ہوں اور ایسا علم بھی مانگتا ہوں جو کبھی نہ بھولے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آمین، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم بھی اللہ سے وہ علم مانگتے ہیں جو کبھی نہ بھولے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دوسو جوان (یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) تم دونوں سے آگے نکل گئے۔

وأخرج ابن سعد (۲/۳۷۵) عن جامع بن شداد عن ذي قرابة له قال: سمعت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ يقول: ثلاث كلمات إذا قلتها فهمنوا عليها! اللهم إني ضعيف فقوني! اللهم إني غليظ فلينني! اللهم إني بخيل فسخني. (اس میں ذی قرابت معلوم نہیں، لیکن روایت صرف تائید کے لیے پیش کی گئی ہے)۔

جامع بن شداد کے ایک رشتہ دار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ تین دعائیں ایسی ہیں کہ جب میں وہ مانگتا ہوں تو تم ان پر آمین کہنا، اے اللہ! میں کمزور ہوں مجھے قوت عطا فرما، اے اللہ! میں سخت دل ہوں مجھے نرم کر دے، اے اللہ! میں کنجوس ہوں مجھے سخی بنا دے۔

وأخرج أيضاً (۳/۳۲۱) عن السائب بن يزيد قال: نظرت إلى عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ يوماً في الرمادة غداً متبذلاً متضرعاً عليه برد لا يبلغ ركبته يرفع صوته بالاستغفار وعينه تهرقان على خديه، وعن يمينه العباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ فدعا يومئذ وهو مستقبل القبلة رافعاً يديه إلى السماء وعج إلى ربه فدعا ودعا الناس معه ثم أخذ بيد العباس رضی اللہ عنہ فقال: اللهم إنا نستشفع بعم رسولك إليك، فما زال العباس رضی اللہ عنہ قائماً إلى جنبه ملياً والعباس رضی اللہ عنہ يدعو

وعیناہ تہملان .

حضرت سائب بن یزیدؓ کہتے ہیں کہ میں نے رمادہ قحط سالی کے زمانے میں حضرت عمر بن خطابؓ کو دیکھا کہ وہ صبح کے وقت عام سادہ سے کپڑے پہنے ہوئے عاجز اور مسکین بن کر جا رہے ہیں اور ان کے جسم پر ایک چھوٹی سی چادر پڑی ہوئی ہے جو گھٹنوں تک مشکل سے پہنچ رہی ہے، اونچی آواز سے اللہ سے معافی مانگ رہے ہیں اور ان کی آنکھوں سے رخسار پر آنسو بہہ رہے ہیں اور ان کے دائیں طرف حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ ہیں، اس دن انہوں نے قبلہ کی طرف منہ کر کے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر بہت گڑگڑا کر دعا مانگی لوگ بھی ان کے ساتھ دعا مانگ رہے تھے پھر حضرت عباسؓ کے ہاتھ کو پکڑ کر کہا اے اللہ! ہم تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کو تیرے سامنے سفارشی بناتے ہیں پھر حضرت عباسؓ بہت دیر تک حضرت عمرؓ کے پہلو میں کھڑے ہو کر دعا مانگتے رہے، ان کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے۔

و أخرج ابن سعد (۲۹۲/۳) عن أبي سعيد مولى أبي أسيد قال: كان عمر بن الخطابؓ يعس المسجد بعد العشاء فلا يرى فيه أحداً إلا أخرجه إلا رجلاً قائماً يصلي، فمر بنفر من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فيهم أبي بن كعبؓ فقال: من هؤلاء؟ قال أبي: نفر من أهلک يا أمير المؤمنين! قال: ما خلفکم بعد الصلاة؟ قال: جلسنا نذكر الله، قال: فجلس معهم ثم قال لأدناهم إليه خذ! قال فدعا فاستقرأهم رجلاً رجلاً يدعون حتى انتهى إلي وأنا إلى جنبه فقال: هات! فحضرت وأخذني من الدعاء إفكل حتى جعل يجرد مس ذلك مني فقال: ولو أن تقول: اللهم اغفر لنا! اللهم ارحمنا! قال: ثم أخذ عمرؓ فما كان في القوم أكثر دمة ولا أشد بكاء منه ثم قال: أيها الناس الآن! افترقوا.

حضرت ابواسیدؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں حضرت عمر بن خطابؓ عشاء کے بعد مسجد کا چکر لگاتے ہوئے پہرہ دیتے تھے اور جو آدمی بھی نظر آتا اسے مسجد سے نکال دیتے جسے کھڑا ہوا نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے اسے رہنے دیتے، ایک رات ان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہؓ پر گزر رہا جن میں حضرت ابی بن کعبؓ بھی تھے، حضرت عمرؓ نے پوچھا یہ لوگ کون ہیں؟ حضرت ابی نے کہا اے امیر المؤمنین! آپ کے

گھر کے چند آدمی ہیں، فرمایا نماز کے بعد تم لوگ اب تک یہاں کیوں بیٹھے ہوئے ہو؟ حضرت ابی نے فرمایا ہم بیٹھ کر اللہ کا ذکر کر رہے ہیں، اس پر حضرت عمرؓ بھی ان کے پاس بیٹھ گئے اور ان میں سے جو ان کے قریب تھا اس سے فرمایا تم دعا کراؤ، اس نے دعا کرائی یہاں تک کہ میری باری آگئی، میں آپؓ کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا فرمایا اب تم دعا کراؤ تو میری زبان بند ہوگئی اور مجھ پر کپکپی طاری ہوگئی جس کا انہیں بھی اندازہ ہو گیا تو فرمایا اور کچھ نہیں تو اتنی ہی دعا کراؤ ”اللھم اغفر لنا، اللھم ارحمنا“ اے اللہ! ہماری مغفرت فرما، اے اللہ! ہم پر رحم فرما“ پھر حضرت عمرؓ نے دعا شروع کی تو ان لوگوں میں سب سے زیادہ آنسوؤں والا اور سب سے زیادہ رونے والا ان کے علاوہ کوئی نہیں تھا پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا اب آپ سب لوگ بھی خاموش ہو جائیں اور بکھر جائیں۔

وأخرج أحمد والطبرانی عن عقبه بن عامرؓ أن النبي صلى الله عليه وسلم قال لرجل يقال له ذو البجادين: إنه أواه، وذلك أنه كثير الذکر لله عز وجل في القرآن، وكان يرفع صوته في الدعاء. قال الهيثمي (۳۶۹/۹). وإسنادهما حسن. (حياة الصحابة: ۴/۱۳۰، الدعاء في الجماعة ورفع الصوت والتأمين، المكتبة التجارية).

حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں ایک صحابی کو ذوالبجادیں کہا جاتا تھا ان کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ آہیں بھر کر رونے والا ہے اور یہ اس وجہ سے فرمایا کہ یہ صحابی بہت زیادہ تلاوت اور اللہ کا ذکر کرنے والے تھے اور اونچی آواز سے دعا کیا کرتے تھے۔ (حياة الصحابة مترجم: ۳/۳۵۲-۳۵۳). فقہی عبارات ملاحظہ فرمائیں:

فتاویٰ بزاز یہ میں ہے:

واعظ يدعو كل أسبوع بدعاء مسنون جهراً لتعليم القوم ويخافته القوم إذا تعلم القوم خافت هو أيضاً. (الفتاوى البزازية على هامش الهندية: ۴/۴۲). فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

والسنة أن يخفي صوته بالدعاء كذا في الجوهرة النيرة. (الفتاوى الهندية: ۱/۲۲۹-۲۲۹/۱-۱۹۳/۱-ورد المحتار: ۵۷/۲، سعید).

امداد الفتاویٰ میں ہے:

اعلم أنه لا خلاف بأن المذاهب الأربعة في ندب الدعاء سرّاً للإمام والقد وأجاز المالكية والشافعية جهر الإمام به لتعليم المأمومين أو تأمينهم على دعائه. (امداد الفتاویٰ: ۵۶۵/۱)

فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

سوال: فرضوں کے بعد دعا جہر سے مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: بعد فرض نماز کے دعا جہر سے کرنا جائز ہے اگر کوئی مانع عارض نہ ہو۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ۶۰۱)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

سری دعا افضل ہے، نمازیوں کا حرج نہ ہوتا ہو تو کبھی کبھی ذرا آواز سے دعا کر لے تو جائز ہے ہمیشہ جہری دعا کی عادت بنانا مکروہ ہے۔

دوسری جگہ مرقوم ہے:

آہستہ اور پست آواز سے دعا مانگنا افضل ہے دعا یاد کر لے یا دعائیہ جملہ ختم ہونے پر آمین کہہ سکے اس غرض سے ذرا آواز سے دعا مانگی جائے تو کوئی حرج نہیں وہ بھی اس شرط سے نمازیوں کا حرج نہ ہو... (فتاویٰ رحیمیہ: ۵۵/۶۔ وکذا فی فتاویٰ محمودیہ: ۶۹۲/۵)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دعا میں ہاتھ اٹھانے کا طریقہ:

سوال: بعض ائمہ مساجد دعا کرتے وقت دونوں ہاتھوں کو ملاتے ہیں یہ بتلائیے کہ دعا میں ہاتھ

اٹھاتے وقت دونوں ہاتھوں کو ملانا چاہئے یا دونوں کے درمیان کچھ فاصلہ رکھنا چاہئے؟

الجواب: دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے وقت دونوں ہاتھوں کے درمیان کچھ فاصلہ رکھنا افضل اور بہتر ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

قال: وسئل أنس رضي الله عنه: هل كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يرفع يديه في الدعاء؟

قال: نعم، بینا هو ذات يوم الجمعة يخطب الناس، فقيل يا رسول الله! قحط المطر، وأجدبت الأرض، وهلك المال، فادع الله، قال: فرفع يديه حتى رأيت بياض إبطيه، فاستسقى وما أرى في السماء سحابة، فما قضينا الصلاة حتى إن الشاب القريب الدار يهيمه الرجوع إلى أهله، فدامت جمعة، فلما كانت الجمعة الثانية، قالوا: يا رسول الله! تهدمت البيوت، واحتبس الركبان، وهلك المال، قال: فتبسم رسول الله صلى الله عليه وسلم، ثم قال بيديه ففرج بينهما، ثم قال: اللهم حوالينا ولا علينا، وفرق بين يديه، قال: فكشف عن المدينة. (مسند أبي يعلى: ٤/٧١/٣٨٥١).

در مختار میں ہے:

فيسط يديه حذاء صدره نحو السماء لأنها قبلة الدعاء ويكون بينهما فرجة. وفي الشامية: قوله ويكون بينهما فرجة أي وإن قلت، قنية. (الدر المختار مع رد المحتار: ١/٥٠٧، سعيد). عالمگیری میں ہے:

والأفضل في الدعاء أن يبسط كفيه ويكون بينهما فرجة، وإن قلت. (الفتاوى الهندية: ٥/٣١٨).

وللاستزادة انظر: (نفع المفتى والسائل، ص ٩٣، بيروت - وحاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ص ٣١٧ - وفتاوى محمودية: ٥/٧١٠، فاروقية).

لیکن اس پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ بعض احادیث سے معلوم ہوا ہے کہ بوقت دعا دونوں ہاتھوں کو ملانا چاہئے۔ ملاحظہ ہوا حیاء علوم الدین میں ہے:

وقال ابن عباس رضی اللہ عنہ: كان صلى الله عليه وسلم إذا دعا ضم كفيه وجعل بطونهما مما يلي وجهه. وقال العراقي: إسناده ضعيف. (احياء علوم الدين مع تخريج العراقي: ١/٣١٢).
مرعات شرح مشکاة میں ہے:

وفي الحديث دلالة على استحباب رفع اليدين في الدعاء ويكونان مضمومتين، لما

روى الطبراني في الكبير عن ابن عباس ؓ كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا دعا ضم فيه وجعل بطونهما مما يلي وجهه ذكره ابن رسلان كذا في السراج المنير، وقال في هامش تحفة الذاكرين نقلاً عن عدة الحصن الحصين بعد ذكر حديث ابن عباس ؓ هذا سنده ضعيف، انتهى. (مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح للمبالكفوري: ۳۶۳/۷).

اگرچہ مذکورہ بالا روایت ضعیف ہے، لیکن قوی روایت بھی موجود ہے۔ ملاحظہ ہو عبد اللہ بن مبارک کی کتاب الزہد والرقائق میں ہے:

أخبرنا عبد العزيز بن أبي رواد قال: حدثني علقمة بن مرثد وإسماعيل بن أمية أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا فرغ من صلاته رفع يديه وضمهما وقال: رب اغفر لي ما قدمت وما أخرت وما أسررت وما أعلنت وما أعلم به مني أنت المقدم وأنت المؤخر لا إله إلا أنت لك الملك ولك الحمد. (الزهد والرقائق لابن المبارك: ۱۱۴۱/۱۸۹/۳، باب فضل ذكر الله عز وجل).

قال محققه أحمد فريد: مرسل وإسناده حسن وورد مرفوعاً عن علي بن أبي طالب ؓ. (استحباب الدعاء بعد الفرائض لمولانا عبد الحفيظ المكي، ص ۱۰۶).

اس کا جواب یہ ہے کہ ”ضم“ یعنی ملانے کا مطلب فقہاء نے محاذات بیان فرمایا ہے، جیسا کہ ضم العقبین کی روایت کی شرح بھی محاذات ہی سے کرتے ہیں۔
ملاحظہ ہو سعایہ میں ہے:

قلت: لعله أراد من الإلصاق المحاذات وذلك بأن يحاذي كل من كعبه لآخر فلا يتقدم أحدهما على الآخر. (السعاية: ۱۸۰/۲).

تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (فتاویٰ دارالعلوم زکریا، جلد دوم، ص ۱۳۴).

حاشیہ الطحاوی میں ہے:

وان أريد بالضم في كلام القرب التام لا ينافي وجود الفرجة القليلة وأما قوله جمع

بین کفیه لاینافیه أيضاً لأن المعنى جمع بينهما فى الرفع ولم یفرد أحدهما به. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۳۱۷). واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد میں ذکر یا تلاوت کے وقت جھومنے کا حکم:

سوال: مسجد میں ذکر یا تلاوت کرتے وقت بعض لوگ جھومتے ہیں، کیا اس طرح جھومنا اور حرکت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر کوئی شخص کسی مصلحت (مثلاً دل کو حاضر رکھنا، شوق و ذوق پیدا کرنا، حفظ میں سہولت پیدا کرنا، وغیرہ) کے پیش نظر ذکر یا تلاوت کے وقت جھومتا ہے تو یہ مباح اور جائز ہے، لیکن اگر جھومے بغیر کام چل سکتا ہو تو نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ عبادت سکون و وقار کی خواست گار ہے، اور حرکت سکون و وقار کے منافی ہے، البتہ رقص کی شکل بن جائے یا عبادت سمجھ کر کیا جائے تو یہ ناجائز ہے۔

ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ واحدی میں ہے:

سوال: جنہیں کتابیاں در وقت خواندن قرآن چنانچہ در مدرسہای متعارف است کہ بدون آں تفرح و تشوق ایشاں نمی شود جائز است یا ممنوع واصلے دارد یا نہ و آنچه می گویند کہ جنہیں در وقت تلاوت عادت یہودیاں است معتبر است یا نہ؟

جواب: الظاهر أن قراءة القرآن بالسكون والوقار أفضل لأنه أدل على التعظيم والتحريك ينافيه ثم المنع عن التحرك لم يتعرض له في الكتب المعتبرة المتداولة كالبحر والدر وغيرهما نعم ذكر في الدر المختار في الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم وإزعاج الأعضاء برفع الصوت جهل وإنما هي دعاء والدعاء يكون بين الجهر والمخافتة، انتهى، فقراءة القرآن أولى بأن لا يتحقق فيها إزعاج الأعضاء لكن لو عدل عن هذه الأولوية لغرض صحيح كتفريح الخاطر وحصول النشاط في القراءة الحاصل بالتحريك بالنسبة إلى البعض كالصبيان ونحوهم فالظاهر عدم الذم لأن المقصود الأصلي

هوالتعليم وضبط القرآن بالقراءة فبأى طريق يحصل ينبغي السعي فيه كما لا يخفى على المنصف ألا ترى أن المحدث ممنوع عن مس المصحف وجوزوا للصبي للضرورة وحصول الحفظ فى الصغر قال فى الدر المختار: ولا يكره مس صبي لمصحف ولوح، ولا بأس بدفعه إليه وطلبه منه للضرورة إذ الحفظ فى الصغر كالنقش فى الحجر، ولا يخفى أن التحرك من الصبي فى حالة القراءة للتعلم أدون من المس حالة الحدث، وأما القول بتشبيه اليهود فلم يثبت بنقل صحيح ... (فتاوى واحدی: ۱۴۷).

فیض القدير میں ہے:

فائدة: سئل جدي شيخ الإسلام يحيى المناوى: هل الاهتزاز فى القرآن مكروه أو خلاف الأولى؟ فأجاب بأنه فى غير الصلاة غير مكروه ولكن خلاف الأولى، محله إذا لم يغلب الحال واحتاج إلى نحو النفي فى الذكر إلى جهة اليمين والإثبات إلى جهة القلب، وأما فى الصلاة فمكروه إذا قل من غير حاجة. (فیض القدير: ۲/۶۲).

بريقه محمودیہ میں ہے:

و أما تحريك الرأس فقط يمينة ويسرة تحقيقاً لمعنى النفي والإثبات فى " لا إله إلا الله " فالظن الغالب جوازه بل استحبابه إذا كان مع النية الحاصلة الصالحة فيخرج عن حد العبث واللعب، لأن العبث مالا فائدة فيه والتحقيق المذكور من أعظم فوائد. (بريقه محمودية فى شرح طريقة محمدية: ۴/۱۳۹).

بخارى شريف میں ہے:

عن البراء رضي الله عنه قال: كان رجل يقرأ سورة الكهف وإلى جانبه حصان مربوط بشطينين، فتغشته سحابة فجعلت تدنو، وجعل فرسه ينفر، فلما أصبح أتى النبي صلى الله عليه وسلم فذكر ذلك له، فقال: تلك السكينة تنزلت بالقرآن. (رواه البخارى: ۲/۷۴۹/۵۰۱۱).

مجالس ذکر میں ہے:

شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے فرمایا: ذکر کی تاثیر بڑھانے کے لیے اور طبیعت میں رقت و یکسوئی پیدا کرنے کے لیے ضرب کا طریقہ نکالا ہے تو ان میں سے کسی چیز کو بھی مقصود اور مامور بہ نہیں سمجھا جاتا بلکہ یہ سب کچھ علاج اور تدبیر کے طور پر کیا جاتا ہے اور اسی لیے مقصد حاصل ہو جانے کے بعد یہ سب چیزیں چھڑادی جاتی ہیں۔ (مجالس ذکر: ص ۱۱۷)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (ذکر اجتماعی و جہری شریعت کے آئینہ میں، ص ۱۷۰۔ و بوادر النوار: ۴۴۶)۔
لیکن بعض حضرات نے اس پر چند اعتراضات کیے ہیں:

(۱) ذکر و تلاوت کے وقت اس طرح حرکت کرنا اور جھومنا بدعت ہے جو ناجائز ہے؟

الجواب: یہ بدعت فی الدین نہیں ہے بلکہ للدین ہے، یعنی وسائل میں ہے نہ کہ مقاصد میں جو کہ شریعت کی نگاہ میں ناجائز نہیں ہے۔
حکیم الامت فرماتے ہیں:

بدعت کی حقیقت تو یہ ہے کہ اس کو دین سمجھ کر اختیار کرے، اگر معاملہ سمجھ کر اختیار کرے تو بدعت کیسے ہو سکتا ہے، پس ایک احداث للدین ہے اور ایک احداث فی الدین ہے، احداث للدین سنت ہے اور احداث فی الدین بدعت ہے۔ (تحفۃ العلماء ۲/۱۴۰، فقہ حنفی کے اصول و ضوابط، الباب السادس، سنت کی تعریف)۔

(۲) اس میں تشبہ بالیہود ہے اس لیے کہ یہود کی یہ پرانی عادت ہے کہ وہ تورات پڑھتے وقت یا اپنی عبادت کے وقت جھومتے ہیں، ان کی اصطلاح ”شوکلنگ“ (shokling) کہتے ہیں، جس کے معنی جھومنے کے ہیں۔

علامہ زنجیری لکھتے ہیں:

﴿وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ﴾ ولما نشر موسى الألواح فيها كتاب الله لم يبق جبل ولا حجر إلا اهتز، فلذلك لا تری يهودياً تقرأ عليه التوراة إلا اهتز وانخفض لهارأسه.
(التفسير الكشاف: ۱۲۹/۲)۔

یہ طریقہ آج تک ان میں جاری ہے، اب سوال یہ ہے کہ جن علاقوں میں دستور بن گیا ہے مثلاً مصر، اندلس وغیرہ

تو بنا بر تشبہ یہ طریقہ ممنوع ہو گا یا نہیں؟

علامہ زنجشیری کی عبارت نقل کرنے کے بعد صاحب بحر محیط لکھتے ہیں:

وقد سرت هذه النزعة إلى أولاد المسلمين فيمارأيت بديار مصر تراهم في المكتب إذا قرأوا القرآن يهتزون ويحركون رؤوسهم وأما في بلادنا بالأندلس والعرب فلو تحرك صغير عند قراءة القرآن أدبه مؤدب المكتب وقال له: لا تتحرك فتشبه اليهود في الدراسة. (تفسير البحر المحيط: ۴/ ۴۲۰).

الجواب: علماء نے لکھا ہے کہ کفار کے ساتھ تشبہ کا حرام ہونا اتنا عام نہیں ہے، بلکہ ان امور میں جو ان کی مذہبی خصوصیات اور امتیازی نشانات ہیں، جائز نہیں، مثلاً گلے میں صلیب لٹکانا، ہندو کا زنا رہنا، پیشانی پر نقشہ لگانا وغیرہ، نیز ایسے امور بھی ناجائز ہیں جن میں تشبہ بھی پایا جاتا ہو اور احادیث میں ان کی قباحت وارد ہو جیسے پاجامہ، پتلون ٹخنوں سے نیچے لٹکانا، یا مردوں کو عورتوں کا لباس پہننا۔

لیکن بعض امور ایسے ہوتے ہیں جن میں ایک جانب تشبہ یعنی مشابہت ہوتی ہے اور دوسری جانب کچھ مصلحت بھی ہوتی ہے اس لیے ان کو ناجائز نہیں کہیں گے، اگر کوئی شخص عاشورہ یعنی دس محرم کا ایک ہی روزہ رکھے تو وہ ناجائز نہیں، کیونکہ رکھنے والے کا مقصد یہود کے ساتھ مشابہت نہیں بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے، محرم اور ربیع الاول میں وعظ و نصیحت کی مجالس قائم کرنا اہل بدعت کے ساتھ مشابہت ہے، لیکن چونکہ مقصد خرافات کی تردید اور صحیح مضامین کا بیان ہوتا ہے لہذا علماء اس کو جائز کہتے ہیں بشرطیکہ خرافات و پابندیوں سے خالی ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی چیز عام ہو جائے اور کسی خاص قوم کے ساتھ مخصوص نہ سمجھی جائے تو تشبہ ختم ہو جائیگا۔ نیز یہ روایت بظاہر کسی حدیث کی روایت نہیں بلکہ ایک تاریخی روایت ہے۔

فقہ حنفی کے اصول و ضوابط میں ہے:

تشبہ ختم ہو جانے کی پہچان یہ ہے کہ دیکھنے سے عام لوگوں کے ذہن میں کھٹک نہ ہو کہ یہ موضع تو فلانی لوگوں کی ہے، جیسے انگر کھایا اچکن پہنا، مگر جب تک یہ خصوصیت ہے اس وقت تک منع کیا جائے گا، جیسے ہمارے

ملک میں کوٹ پتلون پہننا، دھوتی باندھنا، (البتہ جہاں پر کوٹ پتلون عام ہو جائے ذہن میں سے خصوصیت جاتی رہے تو ناجائز نہ ہوگا، مگر) جب تک دل میں کھٹک ہے اس وقت تک تشبہ کی وجہ سے ناجائز رہے گا۔ (فقہ حنفی کے اصول و ضوابط: ص ۱۵۴، از افادات حکیم الامت)۔

تکملہ فتح الملہم میں ہے:

اعلم أن التشبه بأهل الكتاب لا يكره في كل شيء ، فإننا نأكل ونشرب كما يفعلون إنما الحرام هو التشبه فيما كان مذموماً وفيما يقصد به التشبه كذا ذكره قاضي خان في شرح الجامع الصغير فعلى هذا لو لم يقصد التشبه لا يكره عندهما، وقال هشام في نوادره: رأيت على أبي يوسف نعلين محفوفين بمسامير الحديد، فقلت له: أترى بهذا الحديد باساً؟ فقال: لا، فقلت له: إن سفيان وثور بن يزيد كرها ذلك لأنه تشبه بالرهبان، فقال أبو يوسف: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يلبس النعال التي لها شعور وإنها من لباس الرهبان، فقد أشار إلى أن صورة المشابهة فيما يتعلق به صلاح العباد لا تضر وقد تعلق بهذا النوع من الأحكام صلاح العباد... (تكملة فتح الملهم: ۸۸/۴)۔

مزید ملاحظہ ہو: (تقریر ترمذی: ۳۳۱)۔

مسلم شریف میں روایت ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسير في طريق مكة فمر على جبل يقال له جمدان، فقال: سيروا هذا جمدان سبق المفردون، قالوا: وما المفردون يا رسول الله قال: الذاكرون الله كثيراً والذاكرات . قال الإمام النووي: وجاء في رواية هم الذين اهتزوا في ذكر الله أي لهجوا به . (الصحيح لمسلم مع شرح النووي: ۲/۳۴۱، ۳۴۲)۔

”هز“ کے اصل معنی حرکت کرنے یا حرکت دینے کے ہیں۔

لسان العرب میں ہے: واهتز إذا تحرك . (لسان العرب: ۵/۴۲۴)۔

لغات الحدیث میں ہے:

اهتروا فی ذکر اللہ، اللہ کی یاد میں جھومے اور خوش ہوئے۔ (لغات الحدیث: ۲۹/۴)۔

مزید ملاحظہ فرمائیں: (ذکر اجتماعی و جہری شریعت کے آئینہ میں، ص ۱۷۰)۔ واللہ اعلم۔

نجاست آلود کپڑا پہن کر مسجد میں آنے کا حکم:

سوال: ایک شخص کا پاجامہ یا شلوار ناپاک ہے اور ناپاکی خشک ہے مثلاً پیشاب یا منی خشک ہو گئی ہے، تو اسی شلوار یا پاجامہ پہن کر مسجد میں آنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر نجاست آلودہ کپڑوں سے مسجد کے ملوث ہونے کا اندیشہ ہو تو ناجائز ہے ورنہ خلافِ اولیٰ ہوگا۔ کیونکہ فقہاء نے ناپاک تیل مسجد میں جلانے اور اس سے چراغ روشن کرنے کو مکروہ لکھا ہے، لیکن دوسری طرف مستحاضہ کے مسجد میں داخل ہونے کا بھی تذکرہ ملتا ہے، لہذا مسجد کے ملوث ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو مکروہ تحریمی نہیں کہیں گے۔ ہاں بہتر نہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿و طهر بيتي للطائفين﴾ (سورة الحج، الآية: ۲۶)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں:

اس میں بیت اللہ پاک کرنے کا حکم ہے جس میں ظاہری نجاسات اور گندگی سے طہارت بھی داخل ہے... اور اس حکم طہارت کے لیے ”بیتی“ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ حکم تمام مساجد کے لیے عام ہے، کیونکہ ساری مساجد بیوت اللہ ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے: ”فی بیوت أذن اللہ أن ترفع“۔ (معارف القرآن: ۱/۲۲۳) حدیث شریف میں ہے۔ ملاحظہ ہو مسلم شریف میں ہے:

إن هذه المساجد لا تصلح لشيء من هذا البول ولا القذر. (مسلم شریف: ۱/۱۳۸)۔

جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم وبيعکم... (ابن ماجہ شریف: ۵۴)۔

بخاری شریف میں ہے:

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: اعتكفت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم

امرأة من أزواجه مستحاضة فكانت ترى الحمرة والصفرة فربما وضعنا الطست تحتها

وہی تصلی . (رواہ البخاری: ۱/۲۷۳/۱۹۹۱، باب اعتکاف المستحاضة).

اس حدیث کی شرح میں علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ کپڑے یا مسجد ملوث نہ ہو تو ٹھیک ہے اسی طرح جو مستحاضہ کے معنی میں ہے یعنی معذور وغیرہ ان کے لئے بھی مسجد میں داخل ہونے اور اعتکاف کرنے کی اجازت ہے۔
ملاحظہ ہو عمدة القاری میں ہے:

ومما يستنبط منه: جواز اعتكاف المستحاضة، وجواز صلاتها لأن حالها حال الطاهرات وإنها تضع الطست لنلا يصيب ثوبها أو المسجد وأن دم الاستحاضة رقيق ليس كدم الحيض، ويلحق بالمستحاضة ما في معناها كمن به سلس البول والمذى والودي ومن به جرح يسيل في جواز الاعتكاف. (عمدة القاری: ۳/۱۳۰، کتاب الحيض، باب الاعتكاف للمستحاضة، دار الحديث، ملتان).

وفي البحر الرائق مع الكنز: كره استقبال القبلة... والبول والتخلى... والمراد بالكراهة كراهة التحريم... وأشار المصنف إلى أنه لا يجوز إدخال النجاسة المسجد وهو مصرح به. (البحر الرائق مع الكنز: ۲/۳۴، كوئته).

شامی میں ہے:

ولا يدخله (المسجد) من على بدنه نجاسة. (ردالمحتار: ۱/۱۷۲، سعید).

وفيه: (قوله وإدخال نجاسة فيه) عبارة الأشباه : وإدخال نجاسة فيه يخاف منها التلويت، ومفاده الجواز لو جافه. (شامی: ۱/۶۵۶، سعید).

وكذا في حاشية الطحطاوى على الدر المختار: ۱/۲۷۷- والفتاوى الهندية: ۵/۳۲۱- والفقہ الحنفی فی ثوبه الحديد: ۱/۲۷۷).

وفي التجنيس والمزید: لمن أراد دخول المسجد أن يتعاهد النعل والخف عن النجاسة ثم يدخل فيه، احترازاً عن تلويت المسجد. (التجنيس والمزید: ۱/۳۷۰- وكذا في شرح منية المصلى: ۶۱۱).

بحر میں ہے:

ذكر العلامة قاسم في بعض فتاويه أن قولهم: إن الدهن المتنجس يجوز الاستصباح

به مقيد بغير المساجد فإنه لا يجوز الاستصباح به. (البحر الرائق: ۳۴/۲۔ وكذا في الدر المختار مع فتاوى الشامى: ۱/۳۳۰، سعيد).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

نجس کپڑا مسجد میں نہ رکھے اگر اس وقت کسی معرفت باہر بھیجنا یا خود رکھنا دشوار ہو تو مجبوراً مسجد میں اس

طرح رکھنا کہ تلویث نہ ہو درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۵/۱۹۳، فاروقیہ).

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

جوتے خشک ہوں تو مسجد ناپاک نہیں ہوتی۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۳۸/۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

غیر مسلم کا مسجد میں عبادت کرنے کا حکم:

سوال: اگر کسی مسجد میں عیسائیوں کا پادری آکر عبادت کر لے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کی اجازت

دی جائیگی یا نہیں؟ جن روایات میں وفدِ نجران کا مسجد میں آنا اور وہاں عبادت کرنا مذکور ہے ان کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب: کفار کے مساجد میں داخل ہونے کے بارے میں مجتہدین کا اختلاف ہے، لیکن مسجد میں

عبادت کرنے کی اجازت کس کے ہاں مروی نہیں ہے بلکہ ان کی عبادت عبادت ہی نہیں حقیقت میں شرک

وخرافات ہیں، عبادت کے لیے نیت ضروری ہے جب کہ کفار میں نیت کی صلاحیت ہی نہیں اور جو روایت اس

سلسلہ میں مروی ہے وہ متکلم فیہ ہے ایک تو محمد بن اسحاق پر کلام ہے، دوسرے ان کے استاذ محمد بن جعفر کی روایت

معطل ہے کیونکہ اس میں تابعی اور صحابی کا ذکر نہیں ہے، احناف کے ہاں اگرچہ خیر القرون میں انقطاع مضر نہیں،

لیکن یہ روایت تو اصول (قرآن کریم کی آیات) کے خلاف ہے، ملا علی قاریؒ نے فرمایا ہے:

ومنها: مخالفة الحديث لصريح القرآن كحديث مقدار الدنيا. (موضوعات کبیر ص ۱۶۲).

یعنی جو حدیث قرآن کے مخالف ہو اور سند میں بھی کلام ہو وہ حدیث قبول نہیں ہوگی، بلکہ اس کے موضوعی

ہونے کی علامت ہے اس حدیث میں یہ حصہ کہ نصاریٰ نے مسجد میں عبادت کی قابل قبول نہیں، نیز یہ حدیث اصول کے بھی خلاف ہے، ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

ومنہا: أن يكون الحديث مما تقوم الشواهد الصحيحة على بطلانه كحديث عوج

بن عنق . (موضوعات کبیر، ص ۱۶۰)۔

اس حدیث کے صحیح نہ ہونے پر بھی صحیح شواہد دلالت کرتے ہیں، لہذا اس روایت کا اتنا حصہ کہ انہوں نے مشرق کی طرف مسجد میں نماز پڑھی واجب الرد ہے یا اس میں تاویل کی جائیگی کہ مسجد سے مسجد کا وہ ملحقہ حصہ مراد ہے جو حقیقت میں مسجد نہیں بلکہ وہ حصہ ہے جس میں حبشی کھیتے تھے، اور بعض لوگ کبھی کبھی اس میں اونٹ بھی باندھتے تھے اور مسجد سے ملحقہ میدان پر بکثرت مسجد کا اطلاق ہوتا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں تفسیر قرطبی میں ہے:

صدر هذه السورة (أى سورة آل عمران) نزل بسبب وفد نجران فيما ذكر محمد بن إسحاق عن محمد بن جعفر بن الزبير وكانوا نصارى وفدوا على رسول الله صلى الله عليه وسلم بالمدينة في ستين راكباً فيهم من أشرافهم أربعة عشر رجلاً في الأربعة عشر ثلاثة نفر إليهم يرجع أمرهم العاقب أمير القوم وذو آرائهم واسمه عبد المسيح والسيد ثمالهم وصاحب مجتمعهم واسمه الأيهم وأبو حارثة بن علقمة أحد بكر بن وائل أسقفهم وعالمهم، فدخلوا على رسول الله صلى الله عليه وسلم أثنى صلاة العصر، عليهم ثياب الحبرات جبب وأردية، فقال أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ما رأينا وفداً مثلهم جمالاً وجلالة، وحانت صلاتهم فقاموا فصلوا في مسجد النبي صلى الله عليه وسلم إلى المشرق، فقال النبي صلى الله عليه وسلم دعوهم... الخ. (تفسير القرطبي: ۵/۴)۔

وللاستزادة انظر: (السيرة النبوية لابن هشام: ۲۲۴/۲)۔

وفی فتح القدير للشوکانی: ما كان للمشركين أن يعمرُوا مساجد الله، والمراد بالعمارة إما المعنى الحقيقي أو المعنى المجازي وهو ملازمته والتعبد فيه وكلاهما ليس

للمشركين أما الأول فلأنه يستلزم المنه على المسلمين بعمارة مساجدهم، وأما الثاني فلكون الكفار لاعادة لهم مع نهيهم عن قربان المسجد الحرام. (فتح القدير: ۲/۶۶۲، الرياض).
وفي تفسير الكريم الرحمن: أن الله تعالى إنما جعل بيته الحرام ليقام فيه دينه، وتخلص له العبادة، فالمؤمنون هم الذين قاموا بهذا الأمر، وأما هؤلاء المشركون الذين يصدون عنه، فما كانت صلاتهم فيه التي هي أكبر أنواع العبادات ﴿إلا مكاء وتصدية﴾ أي صغيراً وتصديقاً، فعل الجهلة الأغبياء، الذين ليس في قلوبهم تعظيم لربهم، ولا معرفة بحقوقه، ولا احترام لأفضل البقاع وأشرفها، فإذا كانت هذه صلاتهم فيه، فكيف ببقية العبادات؟! (تفسير الكريم الرحمن في تفسير كلام المنان، ص ۲۸۲).

وللاستزادة انظر: (التفسير المظهری: ۴/۱۴۶. وفتح القدير للشوكاني: ۴/۱۰۴، الرياض، وكذا في

تفسير المنار: ۱۰/۲۰۶. والتفسير المنير: ۱۰/۱۳۷). والله تعالى اعلم۔

مسجد چھوڑ کر میدان میں جماعت کا حکم:

سوال: بعض حضرات تبلیغی جماعت پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ مسجد چھوڑ کر باہر اجتماع گاہ میں جماعت کرتے ہیں معترضین یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مسجد میں جماعت سنت مؤکدہ ہے باہر کی جماعت میں کوئی فضیلت نہیں ہے کیا ان کی یہ بات درست ہے یا نہیں؟ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت پیش کرتے ہیں جس میں مسجد کی جماعت کو سنن ہدیٰ فرمایا گیا ہے۔

الجواب: اگر مسجد سے باہر جماعت کر لی جائے تو جماعت کا ثواب مل جاتا ہے ہاں مسجد میں جماعت

کا ثواب اس سے زیادہ ہے۔

فتاویٰ سراجیہ میں مرقوم ہے:

قوم تخلفوا عن المسجد وصلوا فی البيت بجماعة فإنهم ینالون فضل الجماعة لكن

دون ما ینالون فی المسجد. (الفتاوی السراجیة: قبیل باب الامامة، ص ۷۸).

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

حتى لو صلى في بيته بزوجته أو جاريتيه أو ولده فقد أتى بفضيلة الجماعة، كذا في الشرح، لكن فضيلة المسجد أتم. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص ۲۸۷، باب الامامة). فتاویٰ قاضیخان میں مذکور ہے:

والصحيح أن للجماعة في البيت فضيلة وللجماعة في المسجد فضيلة أخرى فإذا صلى في البيت بجماعة فقد حاز فضيلة أدائها بالجماعة وترك الفضيلة الأخرى. یہ بات انہوں نے تراویح کے بارے میں لکھی ہے پھر بعد میں فرماتے ہیں: وكذلك في المكتوبات. (فتاویٰ قاضیخان علی هامش الہندیۃ: ۱/۲۳۳، باب التراویح). شرح منیۃ المصلیٰ میں ہے:

لو صلى جماعة في البيت على هيئة الجماعة في المسجد نالوا فضيلة الجماعة وهي المضاعفة بسبع وعشرين درجة لكن لم ينالوا فضيلة الجماعة الكائنة في المسجد فالحاصل أن كل ما شرع فيه الجماعة فالمسجد فيه أفضل لما اشتمل عليه من شرف المكان وإظهار الشعائر وتكثير سواد المسلمين. (یہ کلام انہوں نے تراویح کے بارے میں فرمایا ہے لیکن اس سے قبل لکھا ہے) وهكذا في المكتوبات أي الفرائض. (شرح منیۃ المصلیٰ، ص ۴۰۲، ابواب التراویح، سہیل).

مذکورہ بالا عبارات فقہیہ سے بخوبی واضح ہوا کہ تبلیغی حضرات کو اجتماع گاہ میں جماعت کا ثواب ملتا ہے اور سنت ادا ہو جاتی ہے ہاں مسجد بہتر ہے لیکن بعض مصالح کی وجہ سے سب مسجد نہیں جاسکتے، اور اجتماع والے لوگ مسجدوں میں ساما بھی نہیں سکتے۔ باقی یہ بات کہ مسجد کے کیا فضائل ہیں تو وہ آپ مساجد کے فضائل میں بآسانی دیکھ سکتے ہیں، مثلاً سات آدمی عرش کے سایہ میں ہوں گے، ان میں وہ لوگ بھی ہیں جن کا دل مسجد کے ساتھ اٹکا ہوا ہو جب نکلتے ہیں تو واپس آنے کا سوچتے ہیں، اور ان دو صحابہ کا واقعہ تو مشہور ہے کہ مسجد میں نماز پڑھنے کے بعد سخت اندھیرے میں ان کی لائیٹیوں سے روشنی نکلتی تھی، اور جو صبح و شام مسجد میں جاتا ہوا اللہ تعالیٰ اس کے لیے

جنت میں مہمانی کا انتظام فرمائیں گے، اور جب صرف نماز کی نیت سے مسجد کی طرف نکلتا ہے تو اس کا درجہ بلند ہوتا ہے اور گناہ مٹایا جاتا ہے پھر جب نماز پڑھ کر فارغ ہو جاتا ہے تو فرشتے اس کے لیے رحمت کی دعا مانگتے ہیں، یہ سب فضائل کتب احادیث میں مذکور و مشہور ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کا بھی یہی مطلب ہے کہ جماعت سنت ہے اس کو چھوڑنا نفاق کی علامت ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ”من سره أن يلقي الله غداً مسلماً فيلحافظ على هؤلاء الصلوات الخمس حيث ينادى بهن فإن الله شرع لنبیکم صلى الله عليه وسلم سنن الهدی وأنهن ”أى الصلوات الخمس بالجماعة“ (فتح المہلم) من سنن الهدی ”أى من طریق الهدی“ (فتح المہلم) ولو أنکم صلیتم فی بیوتکم کما یصلی هذا المتخلف فی بیتہ لترکتہ سنة نبیکم ولوترکتہ سنة نبیکم لضللتہم۔ (رواہ مسلم: ۱/۲۳۲)۔

اس روایت میں ”کما یصلی هذا المتخلف“ سے پتہ چلتا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ منفرد متخلف کو قابل وعید سمجھتے ہیں جس کے مقابلہ میں جماعت سے نماز پڑھنا قابل مدح و ستائش ہے، ہاں دوسری روایت جو مسلم شریف میں مذکور ہے اس میں یہ الفاظ مذکور ہیں:

لقد رأینا وما یتخلف عن الصلاة إلا منافق قد علم نفاقه أو مریض ان کان المریض لیمشی بین رجلین حتی یأتی الصلاة وقال : إن رسول الله صلى الله عليه وسلم علمنا سنن الهدی وإن من سنن الهدی الصلاة فی المسجد الذی یؤذن فیہ۔ (رواہ مسلم: ۱/۲۳۲)۔

اس روایت کی ابتداء میں بھی متخلف منافق کا ذکر ہے جو جماعت کو چھوڑتا ہے تو اس کے مقابلہ میں نماز باجماعت ہی قابل مدح و لائق ثواب ہے، ہاں چونکہ جماعت شہروں اور آبادی میں عموماً مسجد میں ہوتی ہے اس لیے بنا بر غالب مسجد کا ذکر فرمایا، لہذا بظاہر یہ قید احترازی نہیں دوسری روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کی نماز کو منفرد کی نماز سے ۲۷ درجہ فضیلت والی بتلایا ہے، اس میں مسجد کا ذکر نہیں ہے، نیز حدیث میں ہے:

”الصلاة مع الإمام أفضل من خمس وعشرين صلاة یصلیہا وحده۔ (مسلم ۱/۲۳۱)۔ یہاں منفرد کے مقابلہ میں جماعت کی فضیلت وارد ہے۔ واللہ اعلم۔

مساجد میں ذکر جہری کا حکم:

سوال: آج کل بعض حضرات مساجد میں ذکر جہری پر تنقید کرتے ہیں اور اس کو بدعت کہتے ہیں شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ذکر جہری واجتماعی مسجد میں شرعاً جائز ہے اور ہمارے اکابر کا اس پر عمل درآمد ہے۔

چند احادیث مرفوعہ کا ترجمہ اور خلاصہ پیش خدمت ہے:

(۱) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : أنا عند ظن عبدی بی وأنا معہ إذا ذکرني فإن ذکرني في نفسه ذکرته في نفسي وإن ذکرني في ملاء ذکرته في ملاء خیر منهم، الحدیث۔
(رواہ البخاری برقم ۶۸۵۶)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں میں بندہ کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے، اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، جب وہ مجھے اکیلا یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اکیلا یاد کرتا ہوں، اور اگر وہ مجھے جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو اس کی جماعت سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔ جماعت میں یاد کرنا جہری اور سری دونوں کو شامل ہے بلکہ بقول علامہ سیوطی کے جماعت کا فائدہ جہر میں ظاہر ہوتا ہے۔

یہاں فی نفسہ کا مطلب اکیلا ہے کیونکہ اس کے مقابلہ میں جماعت ہے، اور فی نفسہ اکیلے کے معنی میں آتا ہے۔ علامہ نوویؒ شرح مسلم میں مذکورہ بالا حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مراد الحدیث ای إذا ذکرني خالياً أثابه الله و جازاه عما عمل بما لا یطلع علیہ أحد۔

(شرح النووی: ۲/۳۴۱)۔

علم نحو میں اسم کی تعریف یوں کرتے ہیں: ”کلمة تدل علی معنی فی نفسہ غیر مقترون بأحد الأزمنة الثلاثة“ یعنی اسم وہ کلمہ ہے جو اکیلے اپنے معنی پر دلالت کرے، بخلاف حرف کے کہ اس کو معاون کی ضرورت ہے، مثلاً من ابتدائے جزئی پر مدخول کے بغیر دلالت نہیں کرتی اور ابتدائے کلی اسم کے معنی ہیں۔

صاحب کشاف علامہ زنجیریؒ نے ﴿قُلْ لَّهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا﴾ کی تفسیر ”خالياً بهم“ سے فرمائی ہے۔

”قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : إذا صلی أحدکم لنفسه فلیطل ماشاء“ یعنی جب کوئی اکیلے نماز پڑھے تو جتنی تطویل چاہے کر لے۔ اسی طرح آیت کریمہ ﴿وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ﴾ (سورۃ الاعراف: ۲۰۵) کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب اکیلے ہو تو خالی بیٹھنے سے کیا فائدہ اس لیے اللہ تعالیٰ کا ذکر عاجزی اور خوف کے ساتھ کیا کرو۔ وہاں اور تو کوئی نہیں لیکن اللہ تعالیٰ ہے ہاں اگر جہر کرنا ہو تو بہت زیادہ جہر سے کم جہر کیا کریں، کیونکہ دوسرے ساتھ موجود نہیں کہ ان کی ترغیب مقصود ہو لہذا ہلکا جہر کافی ہے۔ دوسرے معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ یا کریں۔ یا تلفظ کر کے بہت جہر سے کم جہر کے ساتھ کیا کریں۔

قال الإمام: المراد أن يقع الذكر متوسطاً بين الجهر والمخافتة والمراد بالجهر رفع الصوت المفرط وبما دونه نوع آخر من الجهر. (روح المعانی: ۹/۱۵۴)۔

وقال الشيخ عبد الرحمن السعدی المتوفی ۱۳۷۶: في نفسه أى مخلصاً خالياً. (تیسیر الکرم الرحمن فی تفسیر کلام المنان، ص ۲۷۶)۔

وقال ابن عطية الأندلسي: الجمهور على أن الذكر لا يكون في النفس ولا يراعى إلا بحركة اللسان. (تفسیر ابن عطية، ص ۷۷۳)۔

(۲) جب تم جنت کے باغیچوں سے گزرو تو وہاں چر لیا کرو، صحابہ نے دریافت کیا ریاض الجنۃ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مساجد، چرنا کیا ہے یا رسول اللہ؟ فرمایا سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔

(۳) جو لوگ ذکر اللہ کے لیے جمع ہوتے ہیں تو آسمان سے ایک منادی اعلان کرتا ہے کھڑے ہو جاؤ تمہاری مغفرت ہو چکی اور تمہارے سینات حسنات میں بدل دئے گئے۔ (مجمع الزوائد: ۱۰/۷۶، ومسند احمد: ۱۴۲/۳، وغیرہ وفی اسنادہ میمون المرائی وثقه جماعة وفیه ضعف)۔

(۴) عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجالس ذکر کا ثمرہ کیا

ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جنت ہے جنت۔ (مجمع الزوائد: ۱۰/۷۶، واسنادہ حسن)۔

(۵) قیامت میں بعض لوگوں کے چہروں پر نور چمکتا ہوگا وہ موتیوں کے منبر پر ہوں گے لوگ ان پر

رشک کرتے ہوں گے، کسی نے کہا یا رسول اللہ ان کا حال بیان کیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں مختلف خاندانوں سے ایک جگہ جمع ہوں گے اور ذکر اللہ میں مشغول ہوں گے۔ (مجمع

الزوائد: ۱۰/۷۶)۔

(۶) اللہ تعالیٰ کے کچھ بہترین فرشتے مجالس ذکر کی تلاش میں رہتے ہیں جب ایسی مجلس میں پہنچتے

ہیں تو ان کے ساتھ بیٹھتے ہیں اور ان کو اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں مجلس کے ختم ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ جاننے کے باوجود پوچھتے ہیں تم کہاں سے آئے ہو وہ کہتے ہیں اس جماعت کے پاس سے آئے ہیں، جو تیری بڑائی میں مشغول تھی۔ (بخاری شریف: ۲/۲۳۸)۔

(۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ایک حلقہ کے پاس تشریف لائے، فرمایا کس بات نے تم

کو بٹھایا؟ کہنے لگے ذکر کی مجلس میں بیٹھے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبریل امین میرے پاس آئے اور یہ خبر سنا گئے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری وجہ سے فرشتوں پر فخر فرما رہے ہیں۔

(۸) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کچھ لوگوں نے مقبرہ میں روشنی اور آگ دیکھی جب وہاں آئے تو

دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقبرہ میں ہیں اور فرما رہے ہیں اس صحابی کا جسد میرے ہاتھوں میں دیدویہ وہ صحابی رضی اللہ عنہ تھے جو بلند آواز سے ذکر کر رہے تھے۔ (ابوداؤد: ۲/۴۵۱)۔

مذکورہ بالا روایات اور ان جیسی دیگر بہت ساری روایات سے اجتماعی اور جہری ذکر کا ثبوت ملتا ہے فقہ کی

کتابوں میں جہری ذکر کا جواز اور کہیں استحباب مرقوم ہے۔

حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایک سائل نے جہری ذکر کے بارے میں سوال کیا، سوال

اختصار کے پیش نظر حذف کیا جاتا ہے، تو انہوں نے تحریر فرمایا آپ اپنے دوستوں سے کہاں لڑائی کریں گے آپ ہلکی آواز سے تنہائی میں ذکر کر لیا کریں جس سے کسی سونے والے نماز پڑھنے والے وغیرہ کو تشویش نہ ہو باقی

ذکر جہری کا ثبوت خود اذان خطبہ اور تکبیر تشریق سے ہے۔

أجمع العلماء سلفاً وخلفاً على استحباب ذكر الله تعالى في المساجد وغيرها من غير نكير إلا أن يشوش جهرهم على نائم أو مصل أو قارئ كما هو مقرر في كتب الفقه. (الحموى على الاشباه: ۲/۲۳۴، وكذا في الشامى: ۱/۶۶۰، سعيد).

دوسرا یہ ذکر بطور علاج ہے اس کے لیے اتنا کافی ہے کہ اصول شرع کے خلاف نہ ہو جیسے طبعی و ڈاکٹر کے معالجات میں۔ (تر بیت الطالبین، ص ۵۹)۔

ایک اور سوال کے جواب میں فرماتے ہیں حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتی رحمۃ اللہ علیہ ایک پہاڑی پر بیٹھ کر ذکر کیا کرتے تھے دور دور تک ان کی آواز جاتی تھی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اپنی اخیر حیات تک ذکر جہری کرتے تھے حجرے کا کواڑ بند کر دیتے تھے کوئی شخص باہر دروازہ پر ہوتا تو اس کو آواز سنائی دیتی تھی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب جب تک صاحب فراش نہیں ہوئے تھے اس وقت تک ذکر جہری کرتے تھے، ذکر جہری سری انفرادی اجتماعی سب جائز ہے۔ (سلوک واحسان ارشادات فقیہ الامت، ص ۳۳۳، مرتب مولانا مفتی فاروق صاحب)۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے حالات میں تذکرۃ الرشید میں مذکور ہے: آخر خود ہی اٹھے وضو کیا اور مسجد میں تشریف لائے ایک گوشہ میں آنحضرت یعنی حاجی امداد اللہ رحمہ اللہ اپنے کام میں مشغول تھے دوسرے گوشہ میں آپ جا کر کھڑے ہوئے بنیت تہجد نوافل ادا کی اور ذکر نفی و اثبات بالجہر شروع کر دیا، پھر فرماتے ہیں آخر کار میں نے ذکر بالجہر شروع کیا گلا اچھا تھا، بدن میں قوت تھی صبح کو جب حاضر خدمت ہوا تو حضرت فرمانے لگے کہ تم نے تو ایسا ذکر کیا جیسے کوئی بڑا مشاق کرنے والا ہو اس دن سے جہر بالذکر کے ساتھ مجھے محبت ہو گئی پھر کبھی چھوڑنے کو جی نہیں چاہا اور نہ کوئی وجہ شرعی اس کی ممانعت کی معلوم ہوئی۔ (تذکرۃ الرشید: ۳۸، ۴۹)۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ جلد پنجم میں ذکر جہری و اجتماعی کے بارے میں ایک مفصل فتویٰ تحریر فرمایا ہے اس میں حضرت تحریر فرماتے ہیں: راقم کی رائے ناقص میں قول مجوزین ”جو جہر کو جائز سمجھتے ہیں“ صحیح اور ان میں مفصلین ”یعنی جو موقع کے لحاظ سے بعض مواقع میں جہر کو افضل کہتے ہیں اور بعض مواقع میں خفی کو بہتر کہتے ہیں“ راجح معلوم ہوتا ہے، کہ سب آیات و احادیث و اقوال علماء کے جمع ہو جاتے ہیں

ان خیر الأمور اعدلها“ پس بعد تبوت مشروعیت جہر کسی طور و ہیئت کے ساتھ مقید نہیں بلکہ بوجہ اطلاق ادلہ مطلق ہے خواہ منفرد ہو یا مجتمع حلقہ باندھ کر ہو یا صف باندھ کر یا کسی اور صورت سے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر ہر طور سے جائز ہے، اس کے بعد بعض عربی عبارات نقل فرمانے کے بعد تحریر فرمایا پس ثابت ہوا کہ ذکر جہر ہر طور سے جائز ہے کسی کو کسی طور سے منع نہ کریں یہی ارشاد واضح ہے۔ (امداد الفتاویٰ: ۵/۱۵۳ تا ۱۵۱)۔

نیز حضرت کے نزدیک یہ ذکر جہری اجتماعی مسجد میں بھی جائز ہے کیونکہ اسی فتویٰ میں حضرت نے مجوزین کے دلائل میں نقل فرمایا: قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذَكَّرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا﴾ ظاہر ہے کہ منع ذکر بدون اطلاع ذکر ممکن نہیں اور اطلاع بدون جہر غیر متصور ہے، (امداد الفتاویٰ: ۵/۱۵۲)۔

حاصل یہ ہے کہ جب مسجد میں ذکر جہری جائز ہے اور حضرت کے یہاں ذکر جہری اجتماعی انفرادی حلقہ اور صف میں ہر طرح جائز ہے تو مسجد میں ذکر جہری اجتماعی لامحالہ جائز ہوا۔

حضرت مولانا شیخ محمد یونس شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور جو علم حدیث و دیگر علوم میں اعلیٰ مقام کے حامل ہیں، وہ الیواقیت الغالیۃ میں تحریر فرماتے ہیں: اجتماعی ذکر میں صورت اجتماعیہ مطلوب نہیں ہے، بلکہ اجتماع کی وجہ سے ایک دوسرے کو دیکھ کر رغبت و شوق پیدا ہونا مقصود ہے اور مزید یہ ہے کہ بعض مشائخ ذکر کے وقت قلب مرید کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تاکہ طبیعت لگ جاوے، اور مرشد کی معیت میں سب کا ایک ساتھ ذکر کرنا مرشد کی توجہ کی تحصیل میں معین ہے پھر چند سطور کے بعد تحریر فرماتے ہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی نکیر ممکن ہے کسی خاص امر کی بنا پر ہو، مثلاً وہ لوگ اس کو ضروری سمجھتے ہو۔ (الیواقیت الغالیۃ: ۲/۴۱۸)۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت جس میں حلقہ ذکر پر نکیر وارد ہے ایک موقوف روایت ہے جو مرفوع روایت کے مقابلہ میں مرجوح ہے، مثلاً ایک حدیث لکھ لیتا ہوں۔

لا يقعد قوم يذكرون الله إلا حفتهم الملائكة وغشيتهم الرحمة ونزلت عليهم السكينة وذكر الله فيمن عنده. (رواه مسلم، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر).

نیز ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت مضطرب ہے، داری کی روایت میں نماز فجر سے پہلے کا واقعہ ہے اور طبرانی کی

معجم کبیر میں مغرب سے عشاء تک کا واقعہ ہے داری کی روایت میں مسجد کا واقعہ اور مصنف عبدالرزاق میں الی البریۃ صحراء کا ذکر ہے، داری کی روایت میں ہے کہ ایک شخص پڑھتا ہے اور دوسرے اس کی اتباع میں پڑھتے تھے، اور طبرانی کی روایت میں کہ سب ایک ساتھ پڑھ رہے تھے بعض روایات میں ہے کہ ان کو نکال دیا کما فی الطبرانی اور دوسری روایت میں ہے کہ دو جماعتوں کو ایک بنا دیا یہ سب اضطرابات حدیث کے ضعف کے دلائل ہیں، نیز داری کے علاوہ تمام طرق ضعیف ہیں، باقی رہی داری کی سند تو اس میں عمرو بن یحییٰ ہے اگرچہ ابن معین نے ابتدا میں اس کی توثیق کی لیکن بعد میں جب دیکھ لیا تو تضعیف فرمائی اور کہا ”لیس حدیثہ بشیء، قد رأیتہ، وقال مرة: لم یکن یرضی“ اگرچہ ابن معین کبھی کبھی ”لیس بشیء، قلیل الحدیث“ کو کہتے ہیں: ”کما فی الرفع والتکمیل، ص ۱۵۳، وقواعد فی علوم الحدیث، ص ۲۶۳، وتعلیق الرفع والتکمیل، ص ۲۱۵، و مقدمة التحقيق لسنن ابن ماجه للدكتور بشار عواد“ لیکن یہاں لیس بمرضی کے الفاظ ہیں نیز جب راوی پر جرح و تعدیل دونوں مذکور ہو اور تقدیم و تاخیر معلوم نہ ہو تو وہ روایت مقبول نہیں بلکہ اس میں توقف کیا جائے، حوالوں کی تفصیل ہماری کتاب۔ ”ذکر جہری واجتماعی شریعت کے آئینہ“ از ص ۱۲۵ تا ۱۳۱، میں ملاحظہ کیجئے۔

بعض حضرات یہ اشکال کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جہر بالذکر منصوص جگہوں کے علاوہ بدعت ہے، لیکن شامیؒ نے شرح المنیۃ الصغیر سے نقل فرمایا کہ اختلاف افضلیت میں ہے۔

وفی شرح المنیۃ الصغیر: ویوم الفطر لایجہر بہ عندہ وعندہما یجہر وھو رواۃ عنہ

والخلاف فی الأفضلیۃ أما الکراہۃ فمنتفیۃ عن الطرفین. (شامی: ۱۷۰/۲، سعید).

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

قال الحلبي: والذي ينبغي أن يكون الخلاف في استحباب الجهر وعدمه لا في

کراہیۃ وعدمہا فعندہما یستحب وعندہ الإخفاء أفضل وذلك لأن الجهر قد نقل عن كثير

من السلف كابن عمرؓ وعلیؓ وأبي أمامة الباهليؓ والنخعيؓ وابن جبر وعمر بن

عبدالعزیز وأبي لیلی وأبان بن عثمان والحکم وحماد ومالك وأحمد وأبو ثور ومثله عن

الشافعی ذکرہ ابن المنذر فی الاشراف. (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص ۵۳۱۔ وشرح منیۃ

المصلی، الکبیر، ص ۵۶۷، سہیل)۔

اور جو حضرات جہر کو افضل کہتے ہیں وہ اس وجہ سے کہ اس میں مزہ آتا ہے اور دل لگتا ہے اور دوسرے فوائد حاصل ہوتے ہیں تو اس کی افضلیت دوسری وجوہات کی وجہ سے ہے، ورنہ فی نفسہ اکثر حضرات کے ہاں ذکر سری بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد میں کرسی پر بیٹھنے کا حکم:

سوال: مسجد میں وعظ کے لیے کرسی پر بیٹھنے کا کیا حکم ہے؟ یا ویسے ہی کرسی پر بیٹھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: مسجد میں وعظ کے لیے یا ویسے ہی کرسی پر بیٹھنا فی نفسہ جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو مجمع الزوائد میں ہے:

و عن أبي سعيد رضی اللہ عنہ قال: كان لرسول الله صلى الله عليه وسلم خشبة يقوم إليها فجاءه رجل فأمره أن يجعل له كرسيًا، فقام النبي صلى الله عليه وسلم يخطب عليه... رواه البزار من رواية محمد بن أبي ليلي عن عطية وكلاهما مختلف في الاحتجاج به. (مجمع الزوائد: ۲/۱۸۱)۔

یہ روایت ضعیف ہے اور کرسی سے منبر مراد ہے کیونکہ عام صحیح روایات میں منبر کا ذکر ہے۔ ہاں جواز کی حد تک کرسی کو منبر پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔

مسلم شریف میں ہے:

قال أبو رفاعه رضی اللہ عنہ انتهيت إلى النبي صلى الله عليه وسلم وهو يخطب... فأقبل على رسول الله صلى الله عليه وسلم وترك خطبته حتى انتهى إلي فأتى بكرسي حسبت قوائمه حديدًا قال: فقعده عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم وجعل يعلمني مما علمه الله. (مسلم شریف: ۱/۲۸۷)۔

قال القاضي عياض: وفيه جواز الجلوس على الكراسي ولا سيما في مثل ذلك...

وارتفع علی الكرسي لیسمع کلامه غیرہ ویشاہدوا محاورته إياه. (اکمال المعلم: ۲۸۱/۳).

مزید ملاحظہ ہو: (دلائل النبوة: ۵۶۳/۲، وجامع الاحادیث ۲۳۱/۲۰۔ ومسند احمد: ۵۳۳/۱).

بخاری شریف کی روایت میں حضرت جبریل علیہ السلام کا کرسی پر بیٹھنا ثابت ہے۔

... فرفعت بصري فإذا الملك الذي جاءني بحراء جالس على كرسي بين السماء

والأرض. (رواه البخاری: ۳/۱).

قرآن کریم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں کرسی کا ذکر موجود ہے۔

قال الله تعالى: ﴿ولقد فتنا سليمان وألقينا على كرسيه جسداً ثم أناب﴾.

(سورة ص: ۳۴).

صحابہ کرام ﷺ سے بھی کرسی کا استعمال کرنا ثابت ہے۔

دلائل النبوة میں ہے:

عن زيد بن صوحان أن رجلين من أهل الكوفة كانا صديقين لزيد بن صوحان

أتياه... فأقبلا معه حتى لقوا سلمان... وإذا هو على كرسي قاعد... فقال له زيد... إن

هذين لي صديقان... وقد أحبا أن يسمعا حديثك... (دلائل النبوة: ۸۲/۲).

نسائی شریف میں ہے:

عن علي ﷺ أنه أتى بكرسي فقعد عليه ثم دعا بتور فيه ماء... (نسائی: ۲۷/۱).

جب وضو کے لیے کرسی پر بیٹھنا ثابت ہوا تو وعظ کے لیے بھی جائز ہوگا اور کھانے کے لیے بھی جائز ہے۔

ہدایہ میں ہے:

ويجوز... والجلوس على الكرسي المفضض... إذا كان يتقى موضع الفضة... وقال

أبو يوسف يكره ذلك. (الهداية: ۴۵۳/۴).

مفتی کفایت اللہ صاحب فرماتے ہیں: کرسی پر بیٹھ کر وعظ کہنا فی نفسہ جائز ہے۔ (کفایت المفتی: ۷۲/۹،

وفتاویٰ محمودیہ: ۲۷۹/۱۵، فاروقیہ). واللہ اعلم۔

بَاب..... (۳)

ما يتعلق

بالمدارس

باب ﴿۳﴾

احکام مدارس کا بیان

ایک مدرسہ کی مد کی رقم دوسری مد میں خرچ کرنے کا حکم:

سوال: اگر کسی مدرسہ میں ایک مد میں رقم آئی تو اس کو دوسری مد میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ مثلاً کوئی رقم کتابوں کی مد میں آئی ہو تو اس کو تعمیر کی مد میں یا بالعکس خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ دونوں مد صدقہ نافلہ کی ہوں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ مدرسہ کی ایک مد کی رقم دوسری مد میں خرچ کرنا صحیح اور درست نہیں، اس لیے کہ موکل کی وکالت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، اور اس پر عمل پیرا ہونا لازم ہے، لہذا جب آدمی نے کتابوں کے لیے رقم دی تو اس کو دوسری مد میں خرچ کرنا درست نہیں۔

فتاویٰ شامی کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره، كما لو أوصى لزيد بكذا ليس للوصي الدفع إلى غيره فتأمل. (فتاویٰ الشامی: ۲/۲۶۶، سعید).

مدرسہ میں جب کسی نے ایک رقم ایک مد میں دی تو چونکہ مہتمم مدرسہ معطی کا وکیل ہے اور موکل نے جس

مد میں خرچ کرنے کے لیے کہا ہے، اس میں وکیل کو خرچ کرنا ضروری ہے تو جب اس نے کتابوں کی مد میں رقم دی تو اس کو تعمیر میں خرچ کرنا خیانت اور وعدہ خلافی ہے۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

جس جگہ خرچ کرنے کے لیے وہ روپیہ دیا ہے اسی جگہ خرچ کرنا لازم ہے اگر دوسری جگہ خرچ کر دیا تو ضمان لازم ہوگا اس لیے کہ متولی امین اور وکیل ہے معطی کی تصریح کے خلاف خرچ کرنے کا اس کو حق نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۷۴/۱۵، فاروقیہ۔ امداد الفتاویٰ: ۳/۳۱۵، ۳۱۶)۔

نیز مرقوم ہے چندہ دینے والوں کو اگر یہ منظور ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں تو ایسا کرنا شرعاً درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۷۴/۱۵، فاروقیہ)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایک مدرسہ کا چندہ دوسرے مدرسہ میں خرچ کرنے کا حکم:

سوال: ایک صاحب نے ایک مدرسہ کے لیے کسی سے چندہ لیا اب دوسرا مدرسہ حاجتمند ہے تو وہ چندہ دوسرے مدرسہ میں خرچ کر سکتا ہے یا نہیں؟ خیال رہے کہ رسید نہیں کٹی۔

الجواب: اگر چندہ کرنے والے نے چندہ کرتے وقت صراحت یہ بتلا دیا کہ فلاں مدرسہ کے لیے چندہ کرتا ہوں تو پھر جب تک اس مدرسہ کو چندہ کی ضرورت ہے یا قریبی زمانہ میں ضرورت ہوگی اس وقت تک دوسرے مدرسہ میں دینا صحیح نہیں ہے۔ ہاں اگر اس مدرسہ کو نہ فی الحال رقم کی ضرورت ہے اور نہ آئندہ قریبی زمانہ میں ضرورت ہوگی اور دوسرا مدرسہ سخت حاجتمند ہے تو بایں صورت بعض فقہاء نے دوسرے مدرسہ میں صرف کرنے کی اجازت دی ہے۔ البتہ احوط طریقہ یہ ہے کہ معطی کے ساتھ رابطہ ہو سکتا ہے تو اس سے اجازت حاصل کر لے پھر دوسرے مدرسہ میں خرچ کرے۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

جس جگہ خرچ کرنے کے لیے وہ روپیہ دیا ہے اسی جگہ خرچ کرنا لازم ہے اگر دوسری جگہ خرچ کر دیا تو ضمان لازم ہوگا اس لیے کہ متولی امین اور وکیل ہے معطی کی تصریح کے خلاف خرچ کرنے کا اس کو حق

نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۵/۴۷۴، فاروقیہ)۔

نیز مرقوم ہے چندہ دینے والوں کو اگر یہ منظور ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں تو ایسا کرنا شرعاً درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۵/۴۷۴، فاروقیہ)۔

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

جن لوگوں نے اپنی جائیداد یا روپیہ نقد مسجد کو دیا ہے اگر وقف کے وقت انہوں نے یہ شرط لگائی تھی کہ جو روپیہ مسجد کے خرچ سے زائد ہو وہ کسی اسلامی مدرسہ میں یا اور کسی مصرف خیر میں صرف کیا جائے تب تو یہ زائد روپیہ مدرسہ پر صرف ہو سکتا ہے خواہ اس وقت وقف کرنے والے اس پر آمادہ بھی نہ ہوں یا اگر وقف کرنے والوں نے بوقت وقف یہ شرط کر لی ہو کہ ہمیں اس جائیداد اور روپیہ میں مصرف بدلنے کا اختیار حاصل رہے گا تب بھی واقفین اپنے اختیار سے دوسری جگہ خواہ مدرسہ میں یا کسی اور جگہ صرف کر سکتے ہیں، اور اگر بوقت وقف ان دونوں شرطوں میں سے کوئی شرط نہیں کی گئی تو پھر مسجد کا فاضل روپیہ کسی مدرسہ پر خرچ کرنا کسی طرح جائز نہیں۔ البتہ کوئی دوسری مسجد اگر محتاج چندہ ہو اس میں بوجہ شدت ضرورت جواز کا فتویٰ علیٰ رأی المتأخرین دیا جاسکتا ہے وہ اس وقت کہ جس مسجد کا روپیہ ہے اس کو نہ اس وقت حاجت ہو اور نہ آئندہ ایسی حاجت بنظر ظاہر منظور ہو اور روپیہ جو فاضل جمع ہیں اس کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہو۔ (امداد المفتین: ۲/۷۶۸، دارالاشاعت)۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

اساتذہ مدرسہ کا شرائط مدرسہ کے خلاف کرنے کا حکم:

سوال: بعض متولی حضرات نے دو اساتذہ کا اپنے مدرسہ میں تقرر کیا اور شرط لگائی کہ صرف دو پہر میں ہمارے مدرسہ میں پڑھائیں گے اور صبح میں کوئی کام نہیں کریں گے، تاکہ دو پہر کے وقت پوری توجہ سے پڑھاسکیں، اور ان اساتذہ نے شرط منظور کر لی اس پر متولی حضرات نے ان کی تنخواہ میں ۳۵٪ اضافہ کر دیا اس کے بعد وہ اساتذہ بوقت صبح کسی اور جگہ پڑھاتے ہیں، آیا ان کا یہ فعل درست ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورت مسئلہ شرائط مدرسہ منظور کرنے کے بعد اس کی خلاف ورزی کرنا ناجائز ہے حتیٰ

الامکان شرائط مدرسہ کی پابندی کرنی چاہئے اس لیے دونوں اساتذہ خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے مجرم ٹھہرے اب متولی حضرات کو حق ہے کہ ان کو بوقت صبح پڑھانے سے روک دے یا تنخواہ میں کمی کر دے، ہاں اگر دوپہر کے وقت پڑھانے میں کوئی کوتاہی وغیرہ نہیں ہوتی بڑی دلچسپی اور جانفشانی کیساتھ تعلیم میں توجہ دیتے ہیں تو پھر متولی حضرات کو بوقت صبح پڑھانے کی اجازت دینی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ﴾ (سورة المائدة، الآية: ۱)۔

اے ایمان والوں وعدوں کو پورا کرو۔

امام ابو بکر بھصاؓ نے اس آیت کے ذیل میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ مجاہد ابن جریج ابو عبیدہ اور متعدد لوگوں سے نقل کیا ہے کہ عقود سے مراد عہود یعنی معاہدات اور وعدے ہیں، ظاہر ہے کہ جائز شرطیں بھی عہد کے قبیل سے ہیں، خود بھصاؓ نے آگے چل کر لکھا ہے کہ۔ وکذلك كل شرط شرطه إنسان على نفسه في شيء يعمل في المستقبل فهو عقد۔

مستقبل میں کیے جانے والے افعال کی بابت اپنے آپ پر انسان جو بھی شرط عائد کر لے وہ عقد ہے پھر آگے اس بات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہ اس آیت کا تقاضہ کیا ہے فرماتے ہیں:

وهو عموم في إيجاب الوفاء بجميع ما يشترط الإنسان على نفسه ما لم تقم دلالة تخصصه. انسان اپنے آپ پر جو شرطیں عائد کر لے یہ آیت ان تمام کی بابت ایفاء اور تکمیل کو واجب قرار دیتی ہے سوائے اس کے کہ کوئی ایسی دلیل موجود ہو جو اس میں تخصیص کا تقاضہ کرتی ہو۔

اسی طرح کا مضمون قرآن مجید نے دوسری جگہ اس طرح ارشاد فرمایا ہے۔ وأوفوا بالعهد۔ اللہ کے عہد کو

پورا کرو۔

مفسر قرطبیؒ اس کے ذیل میں لکھتے ہیں: لفظ عام لجميع ما يعقد باللسان ويلتزمه الإنسان من بيع أو صلة أو موثقة في أمر موافق للديانة. عقد ان تمام باتوں کو عام ہے جو زبان سے طے کی جائیں اور جسے انسان اپنے اوپر لازم کر لے خرید و فروخت ہو یا صلہ رحمی یا کسی بھی ایسے معاملہ میں معاہدہ ہو جو دین کے موافق ہو۔ (مستفاد از جدید فقہی مسائل: ۳/۳۷)۔

نیز شرط قبول کرنے کی وجہ سے اساتذہ اجیر خاص ہیں اور اجیر خاص کے لیے دوسری جگہ کام کرنا درست نہیں۔

در مختار میں ہے:

والثانی وهو الأجير الخاص ویسمى أجیر و حد وهو یعمل لواحد عملاً موقتاً بالتخصیص ویستحق الأجر بتسلیم نفسه فی المدة وإن لم یعمل کمن استوجر شهراً للخدمة أو شهراً لرعی الغنم المسمى بأجر مسمى، بخلاف ما لو آجر المدة بأن استاجرہ للرعی شهراً حیث یكون مشترکاً إلا إذا شرط أن لا یخدم غیره ولا یرعی لغيره فیكون خاصاً وتحقیقه فی الدرر: ولیس للخاص أن یعمل لغيره ولو عمل نقص من أجرته بقدر ما عمل. (قوله وتحقیقه فی الدرر) ونصه اعلم أن الأجير للخدمة أولرعی الغنم إنما یكون أجیراً خاصاً إذا شرط علیه إلا یخدم غیره أو لا یرعی لغيره أو ذکر المدة أولاً. (قوله ولیس للخاص أن یعمل لغيره) بل ولا أن یصلی النافلة. (الدر المختار مع الشامی: ۷۰۰، ۶۹/۶). واللہ تعالیٰ اعلم۔

مدرسہ کے لیے مکان وقف کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی زمین میں برائے وقف مکان بنایا اور یہ شرط لگائی کہ میرے بعد یہ مکان برائے مدرسہ وقف ہے فلان استاذ اس میں رہیگا، اب اگر اس مکان میں کوئی اور استاذ رہے تو شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اور واقف کو شرعاً اعتراض کا حق ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورت مسئلہ بنگاہ شریعت واقف کی شرائط کا اعتبار کیا جائیگا، لہذا جس استاذ کے متعلق واقف نے تصریح کی ہے اسی استاذ کو مکان میں ٹھہرانا ضروری ہے اور اگر کسی دوسرے استاذ کو اس مکان میں ٹھہرایا تو واقف اس پر اعتراض کر سکتا ہے، ہاں اگر واقف نے بعد میں عام اجازت دیدی ہو تو پھر دوسرے کو ٹھہرانا بھی جائز اور درست ہے۔

قانون العدل والانصاف میں ہے:

كل شرط لا يخل بحكم الوقف ولا يوجب فساداً فهو جائز معتبر... شرط الواقف
المعتبر كنص الشارع في الفهم والدلالة ووجوب العمل به. (قانون العدل
والانصاف، ۷۴-۷۵، الفصل الاول في الشرط على العموم).

وفی الدر المختار: شرط الواقف كنص الشارع أى في المفهوم والدلالة ووجوب
العمل به فيجب عليه خدمة وظيفته أو تركها لمن يعمل وإلا أثم لا سيما فيما يلزم بتركها
تعطيل الكل، وفي الشامية: وبه صرح في الخيرية أيضاً أى فإذا قال وقفت على أولادى
الذکور يصرف إلى الذکور منهم بحكم المنطوق. (الدر المختار مع فتاوى الشامى: ۴/۴۳۳، سعید).
فتاویٰ شامی میں ہے:

شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع وهو مالک فله أى يجعله ماله حيث شاء
مالم يكن معصية وله أن يخص صنفاً من الفقراء. (فتاوى الشامى: ۴/۳۴۳).
مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے:

واقف کی شرائط کی حیثیت نص جلی کی ہے اس لیے وقف سے استفادہ اور وقف کے انتظامات واقف کی
شرطوں کے مطابق انجام پائیں گے۔ (مجموعہ قوانین اسلامی - ص ۳۵۴). واللہ تعالیٰ اعلم۔

بعد تکمیل وقف شرط لگانے کا حکم:

سوال: اگر واقف نے وقف کرتے وقت کوئی شرط نہیں لگائی بعد میں اس نے زبانی کہا کہ موقوفہ مکان
میں فلان استاذ صاحب رہیں گے، تو یہ شرط لازم ہوگی یا نہیں؟ یا مشورہ کے درجہ میں ہوگی؟

الجواب: بصورت مسئلہ واقف کا بعد میں شرط لگانا مشورہ کے درجہ میں ہے جس پر عمل پیرا ہونا ارباب
مدرسہ پر لازم اور ضروری نہیں ہے، واقف کو تبدیل شرائط کا اختیار اسی وقت ہوتا ہے جب اس نے اپنے لیے
شرائط نامہ وقف میں اختیار باقی رکھا ہو ورنہ تبدیلی و اضافہ کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

قال فی الدر المختار: ولكن يجوز الرجوع عن الموقوف عليه المشروط... وفي الشامية: وفي الإسعاف لا يجوز له أن يفعل إلا ما شرط وقت العقد، وفيه لو شرط في وقفه أن يزيد في وظيفة من يرى زيادته أو ينقص من وظيفته من يرى نقصانه أو يدخل معهم من يرى إدخاله أو يخرج من يرى إخراجهم جاز ثم إذا فعل ذلك ليس له أن يغيره لأن شرطه وقع على فعل يراه فإذا رآه وأمضاه فقد انتهى مارآه، وفي الفتاوى الشيخ قاسم وما كان من شرط معتبر في الوقف فليس للواقف تغييره ولا تخصيصه بعد تقرر ولا سيما بعد الحكم.

(الدر المختار مع الشامي: ٤/٤٥٩، سعيد).

عالمگیری میں ہے:

وإذا قال أرضي صدقة موقوفة لله تعالى أبداً على أن أضع غلتها حيث شئت جاز وله أن يضع غلتها حيث شاء فإن وضع في المساكين أوفى الحج أوفى إنسان بعينه فليس له أن يرجع عنه . (الفتاوى الهندية: ٢/٤٠٢).

قانون العدل والانصاف میں ہے:

إذا كان الوقف مرسلًا لم يشترط الواقف فيه الاستبدال لنفسه ولا لغيره فليس له بيعه واستبداله . (قانون العدل، ٩٨، مادة ١٣٣). واللہ تعالیٰ اعلم۔

موقوفہ زمین پر تعمیر مکان کا حکم:

سوال: اگر زمین مدرسہ کی ہے اور کسی شخص نے بنیت وقف مکان بنایا تو یہ مکان وقف ہوگا یا نہیں؟ اگر واقف بعد میں کسی استاذ کو اس مکان میں ٹھہرانا چاہے تو واقف اولیٰ ہوگا یا مدرسہ کے ذمہ دار زیادہ حقدار ہوں گے؟

الجواب: بصورت مسئلہ جب زمین مدرسہ کی ہے تو مکان زمین کا تابع ہو اور اس میں مدرسہ کے متولی کی بات چلے گی، عمارت کے واقف کی بات نہیں چلے گی۔

ملاحظہ فرمائیں البحر الرائق میں ہے:

وفی المجتبى لا يجوز وقف البناء بدون الأصل هو المختار وفي الفتاوى السراجية :
سئل هل يجوز وقف البناء والغرس دون الأرض؟ أجاب، الفتوى على صحة ذلك،
وظاهره أنه لا فرق بين أن يكون الأرض ملكاً أو وقفاً... قال في الظهيرية: ... وإن
كانت (الشجرة) في أرض موقوفة فوقفها على تلك الجهة جاز كما في البناء
(البحر الرائق: ۵/۲۰۴).

معین الحکام میں ہے:

وإذا كان أصل القرية وقفاً على جهة قرية فبنى عليها رجل بناء ووقف بنائها على
جهة قرية أخرى اختلفوا فيه فأما إذا وقف البناء على جهة القرية التي كانت البقعة وقفاً
عليها فيجوز بالإجماع ويصير وقفاً تبعاً للقرية هذا هو الذي استقر عليه فتاوى أئمة خوارزم.
(معین الحکام مع لسان الحکام: ۲۹۴، الفصل العاشر في الوقف).

امداد الفتاویٰ میں ایک سوال کے جواب فرماتے ہیں: سوال کا عنوان یہ ہے ”وقف شدن بتبعاً للأرض وتابع
شدن در جمیع احکام“

صورتِ مسئلہ میں یہ سب مکانات وقف ہو گئے البتہ اگر ان کا استثناء ہوتا تو وقف نہ ہوتے لیکن اب
وقف ہونے میں کوئی اور جب تبعاً للأرض وقف ہیں تو شرائط مصارف میں بھی ارض کے تابع ہیں مثلاً ارض موقوفہ
کے منافع اگر کسی مدرسہ یا مسجد یا مساکین وغیرہم کے متعلق ہوں تو ان مکانات کو بھی کرایہ پر دیکر ان کی آمدنی ان
ہی مصارف میں صرف کی جاوے گی۔ (امداد الفتاویٰ: ۲/۶۷۷)۔

معلوم ہوا کہ مدرسہ کی موقوفہ زمین ارباب مدرسہ کی تحویل میں ہے اس میں ان کی مرضی چلتی ہے، لہذا
موقوفہ مکان میں بھی ان کی مرضی چلیگی، اس وجہ سے مکان ارباب مدرسہ کی تحویل میں دیدیا جائے، کیونکہ مکان
زمین کے تابع ہے بایں وجہ واقف کی یہ شرط معتبر نہیں ہوگی کہ اس مکان میں فلان آدمی رہیگا، چنانچہ اگر زمین
مدرسہ کے طلبہ کے لیے وقف ہو اور اس میں کوئی درخت لگا کر مسافریں کے لیے وقف کر دے تو یہ درست نہیں

ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وقتی ضرورت ختم ہونے پر واپسی کا حکم:

سوال: ایک صاحب نے لڑکیوں کے مدرسہ کے لیے ایک زمین وقف کی، پھر اس مدرسہ کے راستے کی ضرورت کی وجہ سے اور ایک پلاٹ دیدیا بعد میں معلوم ہوا کہ مدرسہ کے لیے وہ دوسرا پلاٹ ضروری نہیں، یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ دوسرا پلاٹ ”جس کا نمبر اور حدود الگ تھی“ وقف ہو گیا یا نہیں؟ اور اب اس کو واپس کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: مدرسہ کی ضرورت کی وجہ سے اگر پلاٹ مدرسہ کو سپرد کر کے دیدیا اور یہ الفاظ کہے کہ میں نے یہ پلاٹ مدرسہ کو دیدیا تو مدرسہ کی تملیک ہو گئی اب اس کو واپس نہیں لے سکتا: ولو قال: وهبت داري لمسجد أو أعطيتها له صح ويكون تمليكاً فيشترط التسليم كما لو قال: وقفت الخ. (الفتاویٰ الہندیہ: ۲/۴۶۰، وکذا فی الفتاویٰ التاتاریخانیہ: ۵/۸۵۳).

اور اگر اس نے وقف کے الفاظ کہے ہو تو پھر بھی اس پلاٹ کو واپس نہیں لے سکتا۔
علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

وجعله أبو يوسف كالإعتاق فلذلك لم يشترط القبض والإفراز أي فيلزم عنده بمجرد القول كالإعتاق بجامع إسقاط الملك. (فتاویٰ الشامی: ۴/۳۴۹).
والأخذ بقول الثاني أحوط وأسهل بحر، وفي الدرر وصدر الشريعة وبه يفتى وأقره المصنف. (الدر المختار: ۴/۳۵۱، كتاب الوقف، سعيد).

ان عبارات سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ وقف میں مفتی بہ قول کے موافق متولی کو قبضہ دینا اور وقف کی زمین کو علیحدہ کرنا ضروری نہیں، وقف مکمل ہونے کے بعد اس کو قیمۃ بیچنا تو بالکل ممنوع ہے، ہاں زمین کو زمین سے تبدیل کرنے کی گنجائش بعض صورتوں میں نکلتی ہے، صورتِ مسئلہ میں گنجائش والی صورت نہیں پائی جاتی۔

اعلم أن الاستبدال على ثلاثة وجوه: الأول أن يشترطه الواقف لنفسه أو لغيره أو لنفسه و غيره فالاستبدال فيه جائز على الصحيح، وقيل اتفاقاً. والثاني: أن لا يشترطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شيء أصلاً أو لا يفي مؤنته فهو أيضاً جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه. والثالث: أن لا يشترطه أيضاً ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعاً ونفعاً وهذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار. (فتاوى الشامى: ۴/ ۳۸۴، سعيد).

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ وقف کو تبدیل کرنے کی تین صورتیں ہیں:

(۱) واقف پہلے سے اپنے لیے یا کسی اور کے لیے یہ شرط لگا دے کہ اس کو فلان وقف کی تبدیلی

کا اختیار ہوگا۔

(۲) یا وقف بالکل بیکار ہو گیا جس سے کسی قسم کا فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا، یا وہ اپنا خرچہ بھی پورا نہیں

کر سکتا، تو وہ قاضی کے حکم سے تبدیل ہو سکتا ہے۔

(۳) تبدیلی کی شرط تو نہیں لگائی لیکن اس کا بدل اس سے بہتر ہے، یعنی بدل کا فائدہ زیادہ ہے تو اس

صورت میں تبدیل کرنا جائز نہیں۔ گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس وقف شدہ پلاٹ کو واپس کرنا یا تبدیل

کرنا یا فروخت کرنا جائز نہیں بلکہ یہ بدستور مدرسہ کی ملکیت میں رہیگا۔

یاد رہے کہ وقتی ضرورت ختم ہونے سے وقف ختم نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مدرسہ کی زمین کو دوسرے کام میں استعمال کرنے کا حکم:

سوال: اگر کسی نے زمین مدرسہ کے لیے وقف کر دی تو اس کے ایک حصہ پر مسجد یا قبرستان بنانا

درست ہے یا نہیں؟

الجواب: زمین موقوفہ برائے مدرسہ میں واقف کی نیت پہلے ہی سے تعمیر مسجد کی ہوتی ہے، کیونکہ مدرسہ

میں عام طور پر مسجد ہوتی ہے، بلکہ مسجد کا ہونا ضروری ہوتا ہے، لہذا مسجد بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہاں

قبرستان بنانا ہو تو اس میں علماء کے تین اقوال ہیں: (۱) عدم جواز (۲) جواز (۳) جواز بصورتِ کرایہ یعنی قبرستان کی طرف سے مدرسہ کو کچھ ماہانہ کرایہ دیدیا جائے، اور یہ صورت بہتر ہے۔

جدید فقہی مباحث جلد ۱۲ میں یہ مسئلہ بعنوان ”مسجد یا قبرستان کی زائد اراضی میں درسگاہ کا قیام“ بالتفصیل مذکور ہے۔

مختصر خلاصہ حسب ذیل ہے:

اس مسئلہ میں علماء کے تین اقوال ہیں: عدم جواز، جواز، جواز بصورتِ کرایہ یعنی مدرسہ پر کچھ کرایہ لازم کیا جائے اور اس کو مسجد کی ضروریات میں صرف کر لے۔ (قائلین جواز نے بھی کرایہ والی صورت کو بہتر قرار دیا ہے)۔

قائلین عدم جواز کے دلائل ملاحظہ ہو:

(۱) شرط الواقف كنص الشارع . (شامی)۔

(۲) الصرف هو إلى ما هو أقرب إلى العمارة كالإمام ونحوه إنما هو فيما إذا لم يكن الوقف معيناً على جماعة معلومين كالمسجد والمدرسة . (شامی)۔

(۳) وظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها . (شامی)۔

مزید ملاحظہ ہو: (عالمگیری: ۲/۳۶۴)۔

قائلین جواز کے دلائل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجداً لم أر بذلك بأساً وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين... فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين . (عمدة القاری: ۳/۴۳۵، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلیة ویتخذ مكانها مساجد، ملتان)۔

معارف السنن میں ہے:

قال الراقم: ومما تبين لي بعد فحص وبحث كثير أنه إذا اجتمعت أموال كثيرة تزيد على إعادة بناء المسجد إن احتيج إليه فيجوز صرف الزائد إلى إنشاء مدرسة ونشر علم وإن لم يكن من شرط الواقف. (معارف السنن: ۳/۳۰۱).

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ رحیمہ: ۲/۱۸۷، واداد الفتاویٰ: ۲/۵۷۹، واحسن الفتاویٰ: ۶/۴۰۹، وكفايت المفتي: ۷/۱۰۰).

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

ليس للقيم أن يسكن فيها أحد بغير أجر. (الفتاوى التاتارخانية: ۵/۷۴۹).

مزید دیکھو: (جدید فقہی مباحث: ج ۱۲، وفتاویٰ محمودیہ: ۱۷/۲۳۱، و۱۸/۲۲۰). واللہ تعالیٰ اعلم۔

مدارس میں سالانہ جلسہ کرنے کا حکم:

سوال: مدارس یا مکاتب میں سالانہ جلسہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس میں طلبہ کو انعام وغیرہ دینے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: مدارس یا مکاتب میں سالانہ جلسہ کرنا جائز ہے، لیکن یہ شرط ہے کہ اس میں خلاف شریعت افعال نہ ہو، اور عورتوں مردوں کا اختلاط نہ ہو، اور بالغ لڑکیاں یا مراہق لڑکیاں مردوں کے سامنے نظمیں وغیرہ نہ پڑھیں، اگر حدود شریعت کی رعایت کی جائے تو یہ سلسلہ مفید ہے اس کی وجہ سے بچوں میں شوق پیدا ہوتا ہے اور ان کے والدین میں بچوں کو دین کی طرف لانے کی رغبت ہوتی ہے، اور بچوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے، مدارس کے سالانہ جلسوں کا بھی یہی مقصد ہوتا ہے، جو آج تک ہمارے مدارس میں ہوتے رہتے ہیں، نیز ختم بخاری شریف وغیرہ بھی مدارس میں لوگوں کو دین کے قریب لانے کے لیے ہوتا ہے، الغرض اس مجلس میں لوگوں کے کانوں میں بچوں کی حسن کارکردگی کے علاوہ دین کی باتیں بھی پڑ جائیگی۔

(۲) اگر بچوں کو انعام میں کوئی ایسی چیز نہ دی جائے جو با تصویر ہو یعنی اس میں ذی روح کی تصویر نہ

ہو تو انعام دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مطبخ مدرسہ سے کھانا لے جانے کا حکم:

سوال: (الف) ایک طالب علم نے مطبخ میں کھانا کھالیا اس کے باوجود روٹی کمرے میں لے گیا یہ درست ہے یا نہیں؟ (باء) مطبخ میں کھانا نہ کھائے تو روٹی کمرے میں لے جانا درست ہے یا نہیں؟ (ج) مطبخ سے مکھن وغیرہ کمرے میں لانا درست ہے؟ جب کہ کمرے میں کھانے والوں میں بعض وہ ہیں جنہوں نے مطبخ میں ناشتہ نہیں کیا اور بعض نے کیا ہے۔

الجواب: ان تمام کا تعلق امور انتظامیہ کے ساتھ ہے اور مدرسہ کا نظام یہ ہے کہ طلبہ ایک ساتھ بیٹھ کر مطبخ میں کھانا کھالیں اور عام طور پر دفتر اہتمام کی طرف سے کمروں میں لے جانے کی اجازت نہیں ہوتی، ہاں اگر بیمار ہے یا کوئی اور عذر ہے تو دفتر اہتمام سے پرچی حاصل کر کے کمرے میں کھانا لاسکتے ہیں، لیکن اگر پرچی لینا مشکل ہے مثلاً دفتر بند ہے یا کوئی اور عذر ہے تو مطبخ کے ذمہ دار حضرات کی اجازت سے لے جاسکتے ہیں، نیز اگر کسی طالب علم نے کھانا نہیں کھایا اور مطبخ والوں کی اجازت سے صرف بریڈ اپنے حصہ کے بقدر لے لی جائے تو گنجائش ہے۔ بہر حال حتی الامکان قوانین مدرسہ کی پابندی ہر طالب علم کے لیے بے حد ضروری ہے کیونکہ قوانین پر دستخط کر کے خود اس نے عہد و پیمان لیا ہے، اور عہد و پیمان و شروط کی رعایت احادیث طیبہ سے ثابت ہے بخاری شریف کی روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”المسلمون عند شروطهم“ نیز عملی لائن میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر پابندی فرمائی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی اس کی تلقین فرمائی۔ واللہ اعلم۔

مدارس میں گھنٹی بجانے کا حکم:

سوال: مدارس اسلامیہ میں طلبہ کے لیے گھنٹوں کی تبدیلی اور ابتدائے وقت و انتہاء کے لیے گھنٹی بجانا درست ہے یا نہیں؟ بعض حضرات اشکال کرتے ہیں کہ بھوائے حدیث یہ جائز نہیں ہے؟

الجواب: بغرض صحیح گھنٹی کا استعمال جائز اور درست ہے، چنانچہ مدارس دینیہ اسلامیہ میں طلبہ کے اوقات اور گھنٹوں کی تبدیلی اور دیگر امور کے لیے بجانا غرض صحیح میں داخل ہے۔ جیسے آلہ مکبر الصوت مساجد وغیرہ میں محض آواز پہنچانے کی خاطر برابر استعمال ہوتا ہے۔

اور حدیث میں ممانعت آئی ہے، علماء نے اس کی مختلف توجیہات بیان فرمائی ہیں۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا تصحب الملائكة رفقة فيها كلب ولا جرس. وفي رواية له عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الجرس مزامير الشيطان. (رواهما مسلم: ۲/۲۰۲).

مفتی محمد تقی صاحب فرماتے ہیں:

وقال شيخ مشايخنا السهارنبوري في بذل المجهود: (۵۳/۱۲) ”وهذا (أى كراهة الكلب والجرس) إذا خليا عن المنفعة وأما ما احتجج إليه منهما فمرخص فيه“ والذي يظهر لهذا العبد الضعيف عفا الله عنه أن الكراهة المذكورة في الحديث إنما تنصرف إلى كلب وجرس قصد منهما اللهو والغنا كما كان يعتاده بعض أهل القوافل ويدل عليه قوله عليه الصلاة والسلام في الرواية الآتية ”الجرس مزامير الشيطان“ أما الكلب إذا كان للحراسة والتحرز من اللصوص فهو مرخص فيه ككلب زرع وماشية وكذلك الجرس إذا كان لمقصود مباح فلا بأس به. (تكملة فتح الملهم: ۴/۴۷۹).

عالمگیری میں ہے:

اختلف العلماء في كراهة تعليق الجرس على الدواب فمنهم من قال بکراهته في الأسفار كلها الغزو وغيره في ذلك سواء... قال محمد: فأما ما كان فيه منفعة لصاحب الراحلة فلا بأس به، قال وفي الجرس منافع جملة منها: إذا ضل واحد من القافلة يلحق بها بصوت الجرس ومنها: أن صوت الجرس يبعد هوام الليل عن القافلة كالذئب وغيره ومنها:

أن صوت الجرس يزيد في نشاط الدواب فهو نظير الحذاء كذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۳۵۴/۵).

نفع المفتی والسائل میں ہے:

الاستفسار: تعليق القلادة التي فيها الأجراس، الجلاجل في عنق الفرس، كما تروج في بلادنا هل يجوز؟

الاستبصار: لا يجوز. في "مطالب المؤمنين" قال محمد: إذا كان في دار الإسلام منفعة لصاحب الرحلة فلا بأس بالجرس. وفي الجرس منافع:

منها: إذا ضل واحد من القافلة يلتحق بصوت الجرس.

ومنها: أن صوت الجرس يبعد هوام الليل.

ومنها: أنه يزيد في نشاط الدواب. كذا في "متفرقات استحسان المحيط"

وان جعل الأجراس في غير الإبل، والحمار الذي يحمل عليه الأثقال لا أحب أن يفعل ذلك؛ لمكان النهي.

سئل علي بن أحمد عن القلادة التي فيها الأجراس تجعل على عنق الفرس، هل يجوز، كما هو العادة في بلادنا؟

قال: نعم؛ كذا أجاب أبو حامد.

وسألت والدي عن هذا فقال: لا يجوز؛ لأنه لا منفعة فيه، كذا في "اليتيمية". انتهى.

(نفع المفتی والسائل، ص ۹۴۱، ۹۴۲، بيروت).

حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں:

(قوله مثل صلصلة الجرس) وفي رواية مسلم "في مثل صلصلة الجرس"

والصلصلة في الأصل صوت وقوع الحديد بعضه على بعض، ثم أطلق على كل صوت له

طنین، ... والجرس الجلل الذي يعلق في رؤس الدواب، ... فإن قيل المحمود لا يشبه بالمذموم، إذ حقيقة التشبيه إلحاق ناقص بكامل، والمشبّه الوحي وهو محمود، والمشبّه به صوت الجرس وهو مذموم لصحة النهي عنه، والتنفير من مرافقة ما هو معلق فيه والإعلام بأنه لا تصحبهم الملائكة، كما أخرجه مسلم وأبو داود وغيرهما، فكيف يشبه ما فعله الملك بأمر تنفير منه الملائكة؟ والجواب: أنه لا يلزم في التشبيه تساوي المشبه بالمشبه به في الصفات كلها، بل ولا في أخص وصف له، بل يكفي اشتراكهما في صفة ما، فالمقصود هنا بيان الجنس، فذكر ما ألف السامعون سماعه تقريباً لفهامهم، والحاصل أن الصوت له جہتان: جهة قوة وجہة طنین، فمن حيث القوة وقع التشبيه به، ومن حيث الطرب وقع التنفير عنه وعلل بكونه مزمار الشيطان. (فتح الباری: ۱/۲۰).

امداد الفتاویٰ میں ہے:

سوال: مساجد میں گھنٹہ دار گھڑی لگانا جیسا کہ عموماً رواج ہوتا جاتا ہے، بوجہ عدم نقل سلف و فی الجملہ مشابہت آوازِ جرس کچھ مکروہ نہیں؟

الجواب: خلافِ اولیٰ کہنے کی تو گنجائش ہے لیکن ناجائز نہیں کہہ سکتے ہیں کیونکہ یہ وہ جرس ممنوع نہیں بلکہ آلہ مفیدہ معرفت وقت کا ہے فقہاء نے خود طبل سحر کی اجازت لکھی ہے اور مسجد میں ہونا اس لیے مصلحت ہے کہ وہاں معرفت اوقات نماز کی زیادہ حاجت ہے۔ (امداد الفتاویٰ: ۲/۷۱۸). واللہ تعالیٰ اعلم۔



مصادر و مراجع

فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلد چہارم

قرآن کریم تنزیل من رب العلمین

الف

الریاض	إكمال المعلم بفوائد مسلم	ابو الفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض
	اضواء البیان	الشیخ محمد امین الشنقبطی
الریاض	اتحاف الخیرة المہرة	علامہ بوصیری
الثقافة الدينية	اخبار مكة وما جاء فيها من الآثار	علامہ محمد بن عبد اللہ الازرقی
	ازالة الخفاء	الشاه ولی اللہ المحدث الدهلوی
	اکفار الملحدين	مولانا انور شاہ کشمیری
	اغاثة اللفهان	علامہ ابن القيم الحوزیہ
	اسلامی عدالت	قاضی مجاہد الاسلام
	اسلامی فقہ	مولانا مجیب اللہ ندوی
بیروت	امداد الفتاح شرح نور الإيضاح	علامہ شرنبلالی
مکتبہ لدهیانوی	آپ کے مسائل اور ان کا حل	مولانا محمد یوسف لدهیانوی شہادت ۱۴۲۱
سعید کمپنی	الأبواب والتراجم	حضرت شیخ محمد زکریا
بیروت	الاختیار لتعلیل المختار	عبد اللہ بن محمود الموصلی
	الاستذکار	ابن عبد البر
بیروت	اسنی المطالب	ابو یحییٰ زکریا الأنصاری
کراچی	آلات جدیدہ کے شرعی احکام	حضرت مفتی محمد شفیع صاحب
التوفیقۃ	إعانة الطالبین	ابوبکر عثمان بن محمد
کتب خانہ مرکز علم کراچی	ابوداود شریف	حافظ سلیمان بن اشعث ابو داود سجستانی و ۲۰۲ ت ۲۷۵
ایچ ایم سعید کمپنی	احسن الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب

احکام الاوقاف	امام ابی بکر احمد بن عمرو الشیبانی المعروف بالخصاف ت ۵۲۶۱، دار الکتب العلمیہ بیروت
احکام القرآن	ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن عربی دار الفکر
اوجز المسالك	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا المهاجر المدنیؒ مکتبہ امدادیہ ملتان
الاصابة فی تمییز الصحابه	حافظ ابن حجرؒ
امداد الفتاوی	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی مکتبہ دارالعلوم کراچی
الاذکار	ابو زکریا محی الدین بن شرف النووی و ۶۳۱ ت ۶۷۶ دار العربیہ بیروت
احیاء علوم الدین	امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی ت ۵۰۵ دار الفکر
ابن ماجہ شریف	ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ القزوینیؒ و ۲۰۹ ت ۲۷۳ قدیمی کتب خانہ
امداد الاحکام	حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی و مفتی عبد الکریم گمٹھلویؒ مکتبہ دارالعلوم کراچی
اسلامی فقہ	مولانا مجیب اللہ ندوی لاہور
اعلاء السنن	مولانا ظفر احمد عثمانی تھانویؒ ادارۃ القرآن کراچی
الاشباه و النظائر	زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم الحنفی ت ۹۷۰ ادارۃ القرآن کراچی
امداد المفتین	حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ و ۱۳۱۴ ت ۱۳۹۶ دار الاشاعت
انجاء الحاجة حاشیہ ابن ماجہ	الشیخ عبد الغنی المجددی الدہلوی ۱۲۹۵ قدیمی کتب خانہ
ارشاد الساری الی مناسک الملا علی القاری	حسین بن محمد المکی الحنفی بیروت
ارواء الغلیل فی تخریج احادیث بناء السبیل	ناصر الدین الالبانی الکتب الاسلامی
احکام القرآن	حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ
احادیث لاتصح	سلمان بن صالح الخراشی
اوزان شرعیہ	حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ
اہم فقہی فیصلے	مجاہد الاسلام قاسمی ادارۃ القرآن
ایضاح المسائل	مفتی شبیر مراد آبادی
ایضاح النوادر	مفتی شبیر مراد آبادی
اشعة اللمعات	شیخ عبد الحق محدث دہلوی مجددیہ
احکام القرآن	ابو بکر جصاص الرازی سہیل
احکام القرآن	علامہ عثمانی ادارۃ القرآن
استحباب الدعاء بعد الفرائض	مولانا عبد الحفیظ مکی صاحب

الاشفاق علی احکام الطلاق	علامہ محمد زاہد کوثری م ۱۳۷۱	سعید ایچ ایم
اصول الشاسی	نظام الدین الشاسی	
آپ بیتی	حضرت شیخ مولانا محمد زکریا	
اسلامی قانون نکاح و طلاق	مولانا یعقوب قاسمی	جامعہ علوم القرآن، گجرات
انوار الباری	مولانا سید احمد رضا بجنوری	

باء

البنایہ شرح الہدایہ	علامہ عینیؒ	فیصل آباد
بخاری شریف	ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاریؒ و ۱۹۴ ت ۲۵۶	فیصل پبلیکیشنز، دیوبند
البحر المحيط	ابو حیان الاندلسی	دار الفکر
البحر العمیق	ابو البقاء محمد بن احمد المکی م ۸۵۴	بیروت
بذل المجہود	محدث خلیل احمد سہارنپوریؒ ت ۱۳۴۶	ندوۃ العلماء لکھنؤ
البداية و النهاية	حافظ اسماعیل ابن کثیر القرشی دمشقیؒ ت ۷۷۴	دار المعرفة
بستان العارفين	فقیہ ابو الیث السمرقندی	
بہشتی زیور	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی	دار الاشاعت
بیان القرآن	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی	
بداية المجتہد	ابو الولید محمد بن احمد القرطبی	دار نشر الکتب
البحیر می علی الخطیب	شیخ سلیمان بن محمد	التوفیقیہ
البحر الرائق	شیخ زین الدین ابن نجیم مصری	المکتبۃ الماحدیہ
بلوغ المرام	حافظ ابن حجر العسقلانیؒ	
بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی ت ۵۸۷		سعید کمپنی
بريقه محمودية فی شرح طريقة المحمدية عبد الغنی بن اسماعیل النابلسی		
بوادر النواذر	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ	ادارہ اسلامیات
بغیۃ الالمعی فی تخریج الزیلعی	الشیخ محمد عوامہ	

تاء

تیسیر الکرم الرحمن فی تفسیر کلام المنان	الشیخ عبدالرحمن بن ناصر السعدی
---	--------------------------------

تفسیر الکشاف	علامہ زمخشری	
تفسیر قرطبی	محمد بن احمد الانصاری القرطبی	دار الکتب العلمیہ
تہذیب التہذیب	ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی ت ۸۵۲	دار الکتب العلمیہ بیروت
تحفة الأحوذی	ابو العلی محمد بن عبد الرحمن مبارکپوری و ۱۲۸۳ ت ۱۲۵۳	دار الفکر
ترمذی شریف	ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورة الترمذی و ۲۰۹ ت ۲۷۹	فیصل پبلیکیشنز، دیوبند
التاج والإکلیل لمختصر الخلیل	محمد بن یوسف المالکی الغرناطی م ۸۹۷	موقع الإسلام
تعلیق الألبانی علی الترمذی و ابی داؤد و ابن ماجہ و صحیح ابن خزیمہ	محمد ناصر الدین الألبانی المکتب الاسلامی	
التعلیق الممجد	علامہ عبد الحی لکھنوی بتحقیق الدكتور تقی الدین ندوی	دمشق
تہذیب الکمال	حافظ جمال الدین ابو الحجاج یوسف المزنی و ۶۵۴ ت ۷۴۲	مؤسسة الرسالة
تقریب التہذیب	احمد بن علی بن حجر العسقلانی و ۷۷۳ ت ۸۵۲	دار نشر الکتب الاسلامیہ
تحریر تقریب التہذیب	الدكتور بشار عواد معروف والشیخ شعيب الرنؤوط	مؤسسة الرسالة بیروت
تحفة الاختیار بترتیب مشکل الآثار	امام طحاوی	
التصحیح والترجیح	علامہ قاسم بن قطلوبغا	بیروت
التفسیر المنار	السید محمد رشید رضا	
تنویر الابصار	علامہ شمس الدین محمد بن عبد اللہ تمر تاشی ۹۳۹ ت ۱۰۰۴	سعید کمپنی
تفسیر مظہری (عربی)	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی ت ۱۲۲۵	بلوچستان بک ڈپو
التمہید	ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر النمري و ۳۶۸ ت ۴۶۳	مکتبۃ المؤید
تفسیر عثمانی	شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی	مدینہ منورہ
تفسیر حقانی	علامہ عبد الحق حقانی	
تفسیر السمرقندی	فقیہ ابو الیث السمرقندی	
تفسیر ابن عطیہ	ابن عطیہ الاندلسی	
الترغیب و الترہیب	حافظ ذکی الدین عبد العلیم بن عبد القوی المنذری ت ۶۵۶	دار احیاء التراث
تکملة فتح الملہم	مفتی محمد تقی عثمانی صاحب	مکتبۃ دارالعلوم کراچی
تعلیق الشیخ محمد عوامة علی نصب الراية	شیخ محمد عوامة	المکتبۃ المکیہ
تعلیق الدكتور بشار عواد علی ابن ماجہ	الدكتور بشار عواد معروف	دار الحیل بیروت
تنقیح الفتاوی الحامدیہ	سید محمد امین ابن عابدین الشامی	دار الاشاعۃ العربیہ

تالیفات رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ت ۱۳۲۳	ادارہ اسلامیات لاہور
تذکرۃ الموضوعات	أبو الفضل محمد بن طاهر بن علی المقدسی ت ۵۰۷	میر محمد کتب خانہ کراچی
تبیین الحقائق	علامہ فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی	مکتبہ امدادیہ ملتان
تذکرۃ الرشید	حضرت مولوی محمد عاشق الہیؒ	مکتبہ عاشقینہ
تعليق الألبانی علی مشکوٰۃ	شیخ الألبانی	المکتبۃ الاسلامی
تعليق الشیخ محمد عوامہ علی المصنف	الشیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ و رعاه	المجلس العلمی
تقریرات الرافعی	علامہ رافعی	سعید کمپنی
تفسیر ابن کثیر	حافظ اسماعیل ابن کثیر القرشی دمشقی ت ۷۷۴	دار السلام
التحریر فی اصول الفقہ	علامہ شیخ ابن ہمام	دار الکتب العلمیہ بیروت
تحفة الفقہاء	علاء الدین السمرقندی	
تاریخ الخلفاء	علامہ سیوطی	
تحفة الملوك	محمد بن ابی بکر الرازی م ۶۶۶	
تعليق علی شرح تحفة الملوك	عبدالمجید الدرویش	
التجنيس والمزید	صاحب ہدایہ	بیروت
التقریر و التحبیر	شیخ ابن امیر الحاج الحلبي	بیروت
تعليق علی المہ تدرك	صالح اللحام	
تعليق علی مسند احمد	شعیب الارنؤوط	القاهرة
تعليق علی سنن ابن ماجہ	محمد فؤاد عبد الباقي	
تلخیص الحبیر	الحافظ ابن حجر عسقلانی	
ترتيب المدارك	قاضی عیاض	
تلخیص الحاکم	امام ذہبی	
التفسير المنیر	الدكتور و حبة الزحيلي	
تقریر ترمذی	مولانا محمد تقی عثمانی	
تحفة العلماء	حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ	
تربيت الطالبین	ملفوظات حضرت مفتی محمود صاحبؒ	
تین طلاق کاتبوت اسلامی شریعت میں	مولانا محمد شہاب الدین ندوی	

ثاء

الثمر الدانی	صالح عبد السمیع الأزہری	دار الفکر
الثقات	ابو حاتم محمد ابن حبان البستی ت ۳۵۴۔	

جیم

جواهر الفقہ	حضرت مفتی محمد شفیع صاحب و ۱۳۱۴، ت ۱۳۹۶،	مکتبہ دارالعلوم کراچی
الجامع الصغير	جلال الدین بن ابی بکر السیوطی و ۸۴۹، ت ۹۱۱	دار الکتب العلمیۃ بیروت
الجوهر النقی علی هامش السنن الکبری علاء الدین بن علی بن عثمان الماردینی ابن الترمذی ت ۷۴۵	دار المعرفة	
جامع الأحادیث	جلال الدین عبد الرحمن السیوطی ت ۹۱۱	دار الفکر
جامع المسانید	محمد بن محمود الخوارزمی	مکة المکرمۃ
الجوهرة النيرة	أبو بکر بن علی بن محمد الحدادی ت ۸۰۰	مکتبۃ امدادیۃ
جدید فقہی مسائل	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
جدید فقہی مباحث	قاضی مجاہد الاسلام قاسمی	
جواهر الفتاوی	مفتی عبد السلام چانگامی،	اسلامی کتب خانہ کراچی،
جلالین	علامہ سیوطی اور علامہ محلی	
جامع الرموز	شمس الدین محمد خراسانی قہستانی	المطبعة الکریمة
جامع احکام الصغار علی هامش الفصولین	علامہ الاستروشنی	اسلامی کتب خانہ

حاء

حاشیۃ مؤطا امام مالک	مولانا اشفاق الرحمن کاندھلوی	آرام باغ کراچی
حاشیۃ الدسوقی	شمس الدین محمد عرفہ الدسوقی	دار الفکر
حاشیۃ تبیین الحقائق	شیخ شبلی	امدادیہ
حواشی الشیروانی	الشیروانی وابن قاسم العبادی	دار الفکر
حلیۃ الأولیاء	حافظ أبو نعیم أحمد بن عبد اللہ الأصفہانی ت ۴۳۰	دار الفکر
حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح	علامہ السید أحمد طحطاوی	میر محمد کتب خانہ کراچی
حاشیۃ لامع الدراری	حضرت شیخ محمد زکریا	سعید کمپنی

حاشیہ الشرنبلالی علی درر الحکام	علامہ شرنبلالی الحنفی و ۹۹۴، ت ۱۰۶۹،
حاشیہ الہدایہ	علامہ عبدالحی اللکھنوی و ۱۲۶۴، ت ۱۳۰۴،
حاشیہ صحیح البخاری	شیخ محدث احمد علی سہارنپوری
حاشیہ السنندی علی ابن ماجہ	محمد بن عبد الہادی السنندی
حاشیہ الترمذی	شیخ محدث احمد علی سہارنپوری
حاشیہ کنز الدقائق	از ملا مسکین و علامہ عینی
حاشیہ فیض القدير	احمد عبد السلام بیروت
حاشیہ کتاب الفسخ و التفريق	قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب
حلال و حرام	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار	علامہ سید احمد الطحطاوی و ۱۲۳۱، مکتبہ العربیہ کوئٹہ
حاشیہ سنن الدارمی	فواز احمد و خالد السبع العلمی قدیمی کتب خانہ
الحیلة الناجزة	حضرت تھانوی
حیة الصحابة	حضرت مولانا محمد یوسف مکتبہ التجاریہ
حیة الصحابة (مترجم)	حضرت مولانا محمد احسان صاحب
حلال حرام کے احکام (عطر ہدایہ)	حضرت مولانا فتح محمد صاحب

خاء

خیر الفتاوی	مولانا خیر محمد جالندھری و دیگر مفتیان خیر المدارس شرکت پرنٹنگ لاہور
خلاصۃ الفتاوی	شیخ طاہر بن عبد الرشید البخاری مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
خزانة الفقه	فقیہ ابو الیث السمرقندی

دال

الدر المنثور	عبد الرحمن جلال الدین السیوطی و ۸۴۹، ت ۹۱۱، دار الفکر
الدر المختار	علامہ علاء الدین محمد بن علی حصکفی و ۱۰۲۵، ت ۱۰۸۸، ایچ ایم سعید کمپنی
درر الحکام فی شرح غرر الأحکام	قاضی ملا خسرو معارف نظارت جلیلة
درس ترمذی	مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کراچی
دین کی باتیں (خلاصہ بہشتی زیور)	مولانا اشرف علی تھانوی

دارالکتب العلمیہ	امام بیہقی	دلائل النبوة
بیروت	علی حیدر	دزرالحکام شرح محلة الاحکام
	مولانا محمد عاقل صاحب	الدر المنضود فی شرح ابی داؤد
جدة	محمد الامین الشنقیطی ت ۱۳۹۳	الدر الثمین

راء

التراث القاهرة	شہاب الدین السید محمود الآلوسی البغدادی ت ۱۲۷	روح المعانی
	ایچ ایم سعید کمپنی	رد المحتار المعروف بالشامی خاتمة المحققین محمد امین (ابن عابدين الشامی) ت ۱۲۵۲
سہیل اکیڈمی	علامہ شامی	رسائل ابن عابدين
مکتبہ صفدریہ	مولانا سرفراز خان صاحب صفدر	راہ سنت
	حضرت مفتی محمد شفیع صاحب	رجم کی شرعی حیثیت

زاء

مؤسسہ الرسالہ	عبد اللہ بن مبارک	الزهد والرقائق
	شمس الدین أبو عبد اللہ الزرعی و ۶۹۱ ت ۷۵۱	زاد المعاد فی ہدی خیر العباد

سین

المکتب الاسلامی	شیخ محمد ناصر الدین الالبانی	سلسلة الاحادیث الضعیفة
	أحمد بن شعيب النسائي	سنن الكبرى للنسائي
مؤسسہ الرسالہ	شمس الدین محمد بن أحمد بن عثمان الذهبی و ۷۴۸ ت ۱۳۷۴	سير اعلام النبلاء
قدیمی کتب خانہ	عبد اللہ بن عبد الرحمن الدارمی السمرقندی و ۱۸۱ ت ۲۵۵	سنن دارمی
مکتبہ المتبنی القاهرة	حافظ علی بن أبی بکر الدارقطني و ۳۰۶ ت ۳۸۵	سنن دارقطني
	امام بیہقی	السنن الصغرى للبيهقي
الدار السلفية الهند	سعید بن منصور الخراسانی ت ۲۲۷	سنن سعید بن منصور
دار المعرفة	حافظ ابو بکر احمد بن الحسين بن علی البيهقي	سنن کبری

سعیہ	علامہ لکھنوی	سہیل اکیڈمی
سیرت مصطفیٰ	مولانا ادريس صاحب	
سلوك واحسان	ارشادات فقيه الامت مرتب مفتی فاروق صاحب	
السيرة النبوية	ابن هشام	
سبل السلام	محمد بن اسماعيل الصغاني	

شین

شرح النقاية	حافظ علی بن محمد سلطان القاری الحنفی ت ۱۰۱۴	سعید کمپنی
شرح الطیبی	شرف الدین حسین بن محمد بن عبد اللہ الطیبی ت ۷۴۳	ادارة القرآن
شرح المجلة	محمد خالد الاتاسی	رشیدیہ
شرح وقایہ	عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعة	مطبع مجیدی
شرح عقود رسم المفتی فقیہ العصر ابن عابدین المعروف بالشامی		مکتبہ اسعدی
شعب الايمان	الامام ابو بکر احمد بن الحسين البيهقي و ۳۸۴ ت ۴۵۸	الدار السلفية الهند
شرح معانی الآثار	ابو جعفر احمد بن محمد بن سلمة بن سلامة الطحاوی	ایچ ایم سعید کمپنی
شرح مشکل الآثار	ابو جعفر احمد بن محمد بن سلمة بن سلامة الطحاوی بتعلیق شعیب الارناؤط	
شرح المسلم للنووی	ابو زکریا یحییٰ بن شرف الدین النووی و ۶۳۱ ت ۶۷۲	دار احیاء التراث
الشرح الكبير	شیخ ابن قدامہ المقدسی	بیروت
شرح رياض الصالحين	شیخ محمد بن صالح عثیمین	
شرح السير الكبير	علامہ سرخسی	
شرح مختصر الخلیل	شیخ محمد علیش	دار الفکر
شرح الهدایة	سعدی چلبی	
الشرح الكبير علی هامش الدسوقي	ابو البرکات سید احمد الدردیر المالکی	
شرح النقاية	الشيخ الياس زاده	سعید
شرح المذهب	علامہ نووی	دار الفکر
شرح تحفة الملوك	محمد بن عبد اللطيف بن ملك ت ۸۵۴	

صاد

صحیح ابن حبان	محمد بن حبان بن احمد ابو حاتم التمیمی	موسسة الرسالة بیروت
صحیح ابن خزیمہ	ابوبکر محمد بن اسحاق ابن خزیمہ	
صفوة التفاسیر	شیخ محمد علی الصابونی	

طاء

الطبقات الكبرى	محمد ابن سعد	دار صادر بیروت
الطرائف و الظرائف	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی	

عین

عرف الشذی علی ہامش سنن الترمذی	علامہ المحدث الكبير انور شاه کشمیری	فیصل دیوبند دہلی
عمدة الرعاية علی شرح الوقایة	مولانا عبد الحی لکھنوی	المجیدی کانپوری
عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل	مولانا مجاہد الاسلام قاسمی	
عصر حاضر کے فقہی مسائل	مولانا بدر الحسن القاسمی	حیدر آباد
عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل اور ان کا حل	مولانا موسیٰ کرماؤی	
عارضۃ الأحوذی	الإمام ابن العربی المالکی	دار الكتاب العربی
عمل اليوم و الليلة	أبو عبد الله أحمد بن شعيب النسائي ت ۳۰۳	دار الفكر
عجالة الراغب المتضمنی فی تخریج ابن السنی	أبو اسامه بن سليم بن عبد الهلالی	دار ابن حزم
عمدة الفقه	حضرت مولانا زوار حسین صاحب	مجددیہ
عمل اليوم و الليلة	أبو بكر أحمد بن محمد بن اسحاق ابن السنی	دائرة المعارف العثمانیة
عون المعبود	محمد شمس الحق العظيم آبادی	دار الكتب العلمیة
عناية شرح هداية	أكمل الدين محمد بن محمود الباهرتی ت ۷۸۶	
عمدة القاری فی شرح البخاری	بدر الدین محمد بن محمود بن احمد العینی	دار الحديث ملتان
عزیز الفتاوی	مفتی عزیز الرحمن صاحب	
عمدة الثلاث فی حکم الطلقات الثلاث	حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر	
عدت کے شرعی احکام	مفتی محمد ریاض جمیل صاحب	

غین

غمر عیون البصائر	شیخ احمد بن محمد الحموی	ادارة القرآن
غنیہ المتملی فی شرح منیة المصلی	شیخ ابراہیم الحلبي ت ۹۵۶	سہیل اکیڈمی لاہور

فاء

فتح باب العناية	ملا علی قاریؒ	
فتح القدير	علامہ شوکانی	
فتاویٰ حقانیہ	مفتیان کرام دارالعلوم حقانیہ	دارالعلوم حقانیہ
فتاویٰ شیخ الاسلام	حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی و ۱۲۹۶ھ تا ۱۴۷۷ھ	مکتبہ دینیہ دیوبند
فتاویٰ مفتی محمود	مولانا مفتی محمود صاحب ملتان	لاہور
فتح الباری شرح صحیح البخاری	ابن رجب الحنبلی	دار ابن جوزی
فتاویٰ واحدی	علامہ عبد الواحد سیوستانی سندھی	کوئٹہ، پاکستان
الفتاوی السراجیہ (مجرد)	ابو محمد سراج الدین علی بن عثمان	آرام باغ کراچی
الفتاوی السراجیہ علی هامش قاضی خان	ابو محمد سراج الدین علی بن عثمان	کوئٹہ
فتاویٰ خلیلیہ	حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ	
فتاویٰ عثمانی	مفتی تقی عثمانی صاحب	کراچی
فتاویٰ محمودیہ	مفتی محمود حسن گنگوہیؒ	کتب خانہ مظہری کراچی
فتح الباری فی شرح البخاری	حافظ ابن حجر عسقلانیؒ و ۷۷۳ تا ۸۵۲	دار نشر الکتب الاسلامیہ
فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (کبیر)	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب	کتب خانہ امدادیہ دیوبند
فتح الملہم	حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ	مکتبہ دارالعلوم کراچی
فیض القدير	حافظ محمد المدعو بعبد الرؤف المنادی	دار الفکر
فتاویٰ ہندیہ	شیخ نظام الدین و جماعۃ من علماء الہند الاعلام	بلوچستان بک ڈپو
فتاویٰ ابن تیمیہ	الشیخ احمد بن تیمیہ	دار العربیہ بیروت
فتاویٰ رحیمیہ	مفتی سید عبد الرحیم لاجپوریؒ	مکتبہ رحیمیہ
فتح القدير	کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی ابن ہمام ت ۶۸۱	دار الفکر

- فیض الباری حضرت مولانا انور شاہ کشمیری ت ۱۳۵۲ مطبعہ حجازی القاہرہ
- فتاویٰ رشیدیہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ت ۱۳۲۳ مکتبہ رحمانیہ لاہور
- فتاویٰ قاضی خان فخر الدین حسن بن منصور اوزجندی الفرغانی ت ۲۹۵ بلوچستان بک ڈپو
- الفقہ الاسلامی و أدلتہ الدکتور و ہبۃ الزحیلی دار الفکر
- فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (مع امداد المفتین) مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب و ۱۲۷۵ ت ۱۳۴۴ دار الاشاعت
- فتاویٰ تاتارخانیہ عالم بن علاء انصاری اندرینی دہلوی ت ۸۷۶ ادارۃ القرآن
- فتاویٰ اللکھنوی ابو الحسنات عبد الحی اللکھنوی و ۱۲۶۴ ت ۱۳۰۴ دار ابن حزم کراچی
- فتاویٰ بزازیہ حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب البزاز الکردی ۸۲۷ بلوچستان بک ڈپو
- الفقہ علی مذاہب الأربعة شیخ عبد الرحمن الجزائری دار الفکر
- فضل الباری مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب
- فتاویٰ فریدیہ حضرت مفتی فرید صاحب اکوڑا کھٹک
- الفتاویٰ الولوالجیہ ظہیر الدین عبد الرشید بن ابی حنیفۃ الولوالجی دار الکتب العلمیۃ
- الفقہ الحنفی و ادلتہ الشیخ اسعد محمد سعید الصاغر جی دار الکلم الطیب دمشق
- الفقہ الحنفی فی ثوبہ الحدید عبد الحمید محمود طہماز دار القلم دمشق
- فتح المعین محمد ابو السعود المصری
- فضائل اعمال شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
- فتاویٰ دارالعلوم زکریا مفتی رضاء الحق صاحب اول دوم سوم زمزم
- فتح الوہاب ابو زکریا الانصاری الشافعی
- فتاویٰ علماء البلد الحرام مرتب خالد بن عبد الرحمن
- فتاویٰ الشبکہ فقیہ عبد اللہ
- فتاویٰ اللجنة الدائمة للبحوث العلمیۃ والافتاء مرتب شیخ احمد بن عبد الرزاق الدویش
- فتاویٰ الأزہر فتاویٰ اعلام المفتین لدار الافتاء المصریۃ
- فتاویٰ بینات مجلس دعوت و تحقیق اسلامی مکتبہ بینات کراچی
- فتح المنان (المسند الجامع) ابو عاصم نبیل بن ہاشم الغمری
- فقہ حنفی کے اصول و ضوابط افادات حکیم الامت مرتب مولانا محمد زید ندوی

قاف

القاموس الوحيد	مولانا وحید الزمان کیرانوی	حسینیہ دیوبند
قانون العدل و الانصاف للقضاء على مشكلات الاوقاف، محمد قدری باشا و ۱۸۲۱ م ت ۱۳۰۶ هـ، المكتبة المكية		
قواعد الفقه	مولانا عمیم الاحسان	دار الكتاب دیوبند

کاف

کنز العمال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی ت ۹۷۵	مؤسسة الرسالة
کفایت المفتی	مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ دہلوی	دار الاشاعت کراچی
کشف الخفاء	شیخ اسماعیل بن محمد العجلونی ت ۱۱۶۲	دار احیاء التراث بیروت
کشاف القناع عن متن الاقناع	منصور بن یونس بن ادريس البهوتی	دار الفكر
کتاب الفتاوی	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	زمزم
کنز الدقائق	ابو البرکات النسفی	امدادیہ ملتان
کتان الحجة على اهل المدينة	امام محمد بن حسن	
کشف الاسرار	عبد العزيز البخاری	
کتاب الآثار	امام ابو حنیفہ	
کشف الباری	مولانا سلیم اللہ صاحب	
کتاب الفسخ والتفريق	مولانا عبدالصمد رحمانی	

لام

لسان العرب	علامہ ابن منظور و ۶۳۰ ت ۷۱۱	مکتبہ دار الباز مکة المكرمة
لامع الدراری	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی	سعید کمپنی
لسان المیزان	ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی ت ۸۵۲ اداره	تالیفات اشرفیہ ملتان
لغات الحديث	حضرت علامہ وحید الزمان	

میم

مشکوٰۃ شریف	ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ خطیب طبریزی	قدیمی کتب خانہ کراچی
-------------	---	----------------------

- مرفقا شرح مشکوٰۃ ملا علی القاری
مسلم شریف ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری ۲۰۶ ت ۲۶۱ مکتبۃ الاشرفیۃ دیوبند
مختصر التحفة المرغوبة فی أفضلیۃ الدعاء بعد المکتوبۃ للشیخ محمد قاسم السندی حلب
مختصر القدوری ابو الحسن احمد بن محمد البغدادی سعید
المحیط البرہانی محمود صدر الشریعة ابن مازۃ البخاری الرياض
منحة الخالق حاشیۃ البحر الرائق علامہ شامی کوئٹہ
منظومہ ابن وہبان عبد البر بن محمد ابن الشحنة الوقف المدنی دیوبند
منتخبات نظام الفتاوی مفتی نظام الدین اعظمی
المقایس والمقادیر عند العرب الشہیدۃ نسیبۃ محمد فتحی الحریری دار المعارف دیوبند
مغنی المحتاج محمد بن محمد الخطیب الشربینی التوفیقیۃ
معرفة السنن والآثار الإمام البیہقی جامع الحدیث
مطالب اولی النہی فی شرح غایۃ المنتہی مصطفى السیوطی الرحیانی موقع الإسلام
مستدرک حاکم ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ المعروف بالحاکم ت ۴۰۵ دار الباز للنشر والتوزیع۔ مکۃ المکرمۃ
مجمع الزوائد حافظ نور الدین علی بن أبی بکر الہیثمی ت ۸۰۷ دار الفکر
مجمع الضمانات العلامة ابی محمد بن غانم بن محمد البغدادی ت ۱۰۳۰ دار السلام بیروت لبنان
مسند امام احمد بن حنبل امام احمد بن حنبل الشیبانی و ۱۶۴ ت ۲۴۱ دار الفکر
معارف القرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ت ۱۳۹۶ اداره المعارف کراچی
مصنف ابن ابی شیبۃ حافظ ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن أبی شیبۃ العبسی ت ۲۳۵ اداره القرآن کراچی
المجموع شرح المہذب ابو زکریا یحی بن شرف الدین النووی و ۶۳۱ ت ۶۷۲ دار الفکر
میزان الاعتدال حافظ محمد بن أحمد بن عثمان الذہبی ت ۷۴۸ دار الفکر العربی
المعجم الکبیر حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی و ۲۶۰ ت ۳۶۰ مکتبہ ابن تیمیہ
مجموعۃ الفتاوی مولانا عبد الحی لکھنوی میر محمد کتب خانہ
المحلی ابو محمد علی بن احمد سعید بن حزم الاندلسی دار الباز مکۃ المکرمہ
مسند ابی عوانہ ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق الاسفرائنی دار المعرفة
مغنی عن حمل الأسفار علی هامش احیاء العلوم علامہ زین الدین أبو الفضل عبد الرحیم العراقی ت ۸۰۶ دار الفکر
مسند أبی داؤد طیالسی أبو داود سلیمان بن داود الفارسی طیالسی ت ۲۰۴ دار المعرفة

المعجم الأوسط	أبو القاسم سليمان بن أحمد الطبراني ت ٣٦٠	مكتبة المعارف
مسند أبي يعلى	شيخ الاسلام أبو يعلى أحمد بن على الموصلى و ٢١٠ ت ٣٠٧	مؤسسة علوم القرآن
المعجم الصغير	أبو القاسم سليمان بن أحمد الطبراني و ٢٦٠ ت ٣٦٠	المكتب الاسلامى
المبسوط	شمس الائمة أبو بكر محمد أحمد السرخسى	دار المعرفة بيروت
مصنف عبد الرزاق	أبو بكر عبد الرزاق بن همام الصنعاني و ١٢٦ ت ٢١١	ادارة القرآن كراچى
موطا امام مالك	امام مالك بن انس	
مراقى الفلاح	شيخ حسن بن عمار بن على الشرنبلالى ت ١٠٦٩	مصطفى البانى الحلبي
المغنى	ابن قدامة الحنبلى	دار الكتب العلمية
معارف السنن	علامه بنورى	
مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر	عبد الله بن شيخ محمد دامادافندى	دار إحياء التراث
مسند حميدى	أبو بكر عبد الله بن الزبير الحميدى	سملك ذابهيل الهند
ماهنامه البيئات ١٣٨٧	از حضرت مولانا محمد يوسف بنورى	
مقالات ابو المآثر	حضرت مولانا حبيب الرحمان الاعظمى و ١٣١٩ هـ ت ١٤١٢ هـ	المجمع العلمى مؤ الهند
المقالات الفقهية	مفتى رفيع عثمانى صاحب	مكتبه دارالعلوم كراچى
مجلة المجمع الفقهي الاسلامى	رابطة العلم الاسلامى مكة المكرمة	
مجلة المآثر بيادگار محدث جليل	حضرت مولانا حبيب الرحمن الاعظمى	
معلم الفقه ترجمه مجموعة الفتاوى	حضرت مولانا عبد الحى لكهنوى	
المسلك المتفسط فى منسك المتوسط (شرح لباب)	ملا على القارى	بيروت
المعجم الوسيط	ابراهيم مصطفى مع اخوانه	
الموضوعات	علامه ابن الجوزى	
معرفة الصحابة	أبو نعيم الاصبهاني	دار الكتب العلمية
مسند عبد ابن حميد	عبد بن حميد بن نصر	
مجموعه قوانين اسلامى	قاضى مجاهد الاسلام قاسمى	
المفهم لما اشكل من تلخيص كتاب مسلم	الامام القرطبي	بيروت
المنتظم	علامه ابن الجوزى	
مختصر تفسير ابن كثير	محمد على صابونى	

- منتقى الاخبار علامہ ابن تیمیہ
 مجلة البحوث الاسلامیة مكة المكرمة
 ملفوظات حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب کتب خانہ مظہری
 الموسوعة الفقہیہ الكويتیة مع التلیقات وزارة الاوقاف بالکویت
 المفردات فی غرائب القرآن امام راغب اصفهانی
 مجموعه قوانین اسلام ذاکتر تنزیل الرحمن صاحب پالستانی
 الموفقات امام شاطبی
 مسند الامام ابی حنیفہ سراج الائمہ ابو حنیفہ
 المعتصر من المختصر امام طحاوی
 مدارک التنزیل ابو البرکات النسفی
 المسوی شاه ولی اللہ صاحب
 مراتب الاجماع ابن حزم الاندلسی بیروت
 المغرب ناصر الدین المطرزی
 معین الحکام فیما یتردد بین الخصمین من الاحکام علامہ طرابلسی دار الفکر
 مشکل الآثار امام طحاوی
 معین القضاة والمفتین مولانا شمس الحق افغانی
 مرعاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح عبدالسلام المبارکپوری
 منیة الصیادین محمد بن عبداللطیف بن ملک
 مقدمة منیة الصیادین سائد بکدش
 مجموعه قوانین اسلامی قاضی مجاہد الاسلام
 معارف القرآن حضرت مولانا محمد ادیس صاحب

نون

- نصب الراية جمال الدين ابو محمد عبد الله بن يوسف الزيلعي الحنفي المكتبة المكية ١٥٦
 نيل الاوطار شيخ محمد بن علي بن محمد الشوكاني ادارة القرآن كراچی
 نهاية المحتاج الى شرح المنهاج شمس الدين محمد بن أبي العباس دار الفكر

نسائی شریف	ابو عبد الرحمن احمد بن شعيب النسائی و ۲۱۵ ت ۲۰۳	قدیمی کتب خانہ
نور الايضاح	علامہ حسن بن علی الشرنبلالی	مجیدہ
نظام الفتاویٰ	مفتی نظام الدین اعظمی	
النہر الفائق	سراج الدین المصری	قدیمی
نئے مسائل اور علماء ہند کے فیصلے	قاضی مجاہد الاسلام قاسمی	
نتائج الافکار	شمس الدین قاضی زادہ آفندی	دار الفکر
نفع المفتی والسائل	مولانا عبدالحی لکھنوی	

واو

وفاء الوفاء باخبار دارالمصطفیٰ علامہ سمہودی

هاء

الهدایۃ ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی و ۵۱۱ ت ۵۹۳ مکتبہ شرکتہ علمیہ

یاء

البواقیت الغالیۃ فی تحقیق الاحادیث العالیۃ شیخ محمد یونس سہارنپوری

بسم اللہ

[illegible]

